اردو کا کلاسیکی ادب

کلیاتِ مومن

از

محمد مومن خاں مومن

مرتب

کلبِ علی خاں فائق

مجلسِ ترقیٔ ادب ○ لاہور

بعونِ صانعِ مکین و مکان بفضلِ خلاقِ زمین و زمان

۴۸

اردو کا کلاسیکی ادب

کلیاتِ مومن

از

محمد مومن خاں مومن

مرتب

کلبِ علی خاں فائق

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

اُردو کا کلاسیکی اَدب

کُلّیاتِ مومنؔ

از

محمد مومن خاں مومنؔ

مرتب

کلبِ علی خاں فائق

مجلسِ ترقّیِ اَدب ۲-کلب روڈ، لاہور

فون: ۹۳۶۸۲۱۸، ۹۳۶۳۸۲۳-۰۴۲۔فیکس: ۹۳۶۸۲۱۷

ای میل: majlis_ta@yahoo.com

کُلیاتِ مومنؔ۔ از محمد مومن خاں مومنؔ۔ مرتب: کلبِ علی خاں فائق

اشاعتِ دوم: مارچ ۲۰۰۸ء/ ربیع الاوّل ۱۴۲۹ھ۔ تعداد ۱۱۰۰

[اشاعتِ اوّل: دو جلدیں، جولائی ۱۹۶۴ء تعداد ۲۱۰۰]

ناشر : شہزاد احمد

ناظم مجلسِ ترقیِ اَدب، لاہور

مدیر : اشرف جاوید

مطبع : علی پرنٹرز، ۱۹۔اے ایبٹ روڈ، لاہور

قیمت : ۳۰۰ روپے

یہ کتاب محکمۂ اطلاعات و ثقافت وامورِ نوجواناں، حکومتِ پنجاب کے تعاون سے شائع ہوئی

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

فہرست

غزلیات

ردیف الف

ردیف ب

ردیف پ

ردیف ت

ردیف ث

ردیف ج

ردیف چ

ردیف ف

ردیف ق

ردیف ک

ردیف گ

ردیف ل

ردیف م

ردیف ن

ردیف و

ردیف ہ

ردیف ی

ردیف ے

قصائد

معمیات

مقطعات

مثنویات

حرفِ آغاز

از

سید امتیاز علی تاج

مقدمہ

از

ڈاکٹر سید عبداللہ

حرفِ آغاز

اردو دیوان مومن (مرتبہ شیفتہ) کا پہلا ایڈیشن ۱۸۴۶ء میں مولوی کریم الدین پانی پتی نے دہلی سے شائع کیا تھا۔ ۱۲۸۴ ہجری (مطابق ۱۸۶۷ و ۶۸ء) میں منشی نول کشور نے ''کلیاتِ مومن'' مرتبہ عبدالرحمان آہی پسر میر حسین (جو مومن کا بھانجا، داماد اور متبنی بھی تھا) پہلی بار مکمل صورت میں چھاپا۔ نول کشوری نسخے کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ دیوان مومن (اردو) اور قصائد مومن کو پروفیسر ضیا احمد بدایونی نے بھی صحت سے چھاپنے کی کوشش کی اور یہ نسخے بڑی حد تک اغلاط سے پاک ہیں۔ مومن کا اردو کا کچھ کلام ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ نسخۂ دیوان مومن (مخطوطۂ رضا لائبریری) میں کلام کی ابتدائی شکل بھی ملتی ہے اور زائد کلام بھی۔ کوشش کی گئی تھی کہ یہ غیر مطبوعہ کلام بھی شامل ہو جائے لیکن محبی مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے اس سلسلے میں ایک مضمون قلم بند کر رکھا ہے اور تا اشاعت مضمون وہ اس کلام کی اشاعت پر رضامند نہ ہوئے، اس لیے غیر مطبوعہ کلام اس نسخے میں شامل نہ ہو سکا۔ کلب علی خاں صاحب فائق نے سہولت کے لیے ''کلیات مومن'' کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ترتیب حسب ذیل ہے:

حصۂ اول: غزلیات، فردیات، رباعیات، مثلث، مخمس، تضمین ترجیع بند اور ترکیب بند۔

حصۂ دوم: قصائد، معمیات، قطعات، مثنویات۔

''کلیات مومن'' (اردو) مطبوعہ مطبع نول کشور کے طبع اول، دوم اور سوم وغیرہ کے علاوہ ''دیوانِ مومن'' و ''قصائدِ مومن'' مرتبہ پروفیسر ضیا احمد بدایونی اور ''دیوانِ مومن'' مطبوعہ مطبع جوہر ہند بھی مرتب کے پیش نظر رہے ہیں۔ ''کلیات مومن'' پہلی بار خط نسخ میں صحت کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔ محترم ڈاکٹر سید عبداللہ (پرنسپل اورینٹل کالج) کے مقدمے سے ''کلیات مومن'' کی افادیت میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ موصوف نے مومن کی شاعری پر نئے تنقیدی زاویوں سے روشنی ڈال کر اس عظیم المرتبت شاعر کا مقام متعین کرنے کی مستحسن کوشش کی ہے۔

ادارہ، کارکنان پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے تعاون کا شکر گزار ہے۔

سید امتیاز علی تاج

ناظم

مجلس ترقی ادب، لاہور

مقدمہ

(۱)
حیات وتصانیف

محمد مومن خاں ۱۲۱۵ھ (۱۸۰۰ء) میں پیدا ہوئے[1]۔ وفات ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ء)۔ والد کا نام حکیم غلام نبی خاں ولد نامدار خاں تھا۔ نامدار خاں اور کامدار خاں دو بھائی شاہ عالم ثانی کے زمانے میں کشمیر سے آکر دہلی میں سکونت پذیر ہوئے اور شاہی طبیبوں میں داخل ہوئے۔ روایت ہے کہ ابتدائی تعلیم شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسے میں پائی۔ یہ مدرسہ مومن خاں کے مکان سے بہت قریب تھا۔ یوں ان کے والد کو شاہ عبدالعزیز صاحب سے گہری عقیدت تھی، اس بنا پر بھی ان کے مدرسے میں تعلیم پانے کی روایت عام ہوئی۔ جب بڑے ہوئے تو عربی کی ابتدائی کتابیں شاہ عبدالقادر صاحب سے پڑھیں۔ کریم الدین کی روایت کے مطابق عربی ''شرح ملا'' تک پڑھی اور فارسی بھی خوب جانتے تھے اور حافظِ قرآن بھی تھے۔ طب جو کہ خاندانی فن تھا، باقاعدہ پڑھی اور مطب میں نسخہ نویسی کی اور بعد میں نواب فیض محمد خاں والیٔ جھجر کے دربار میں تین ماہ تک شاہی طبیب رہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مومن خان نے طب سے زیادہ شاعری کو اپنا پیشہ بنایا۔ اس کے علاوہ علم نجوم و رمل میں مہارت حاصل کی، چناں چہ اس کے اشارے ان کے اشعار میں موجود ہیں۔ شطرنج میں شہر کے اچھے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ موسیقی میں بھی کمال حاصل کیا اور تعویذ نویسی اور عملیات میں بھی دخل تھا۔

شاعری کا مشغلہ اوائل عمر ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ فائق کی تحقیق ہے کہ بارہ برس کی عمر تھی کہ ''مثنوی شکایت ستم'' (۱۲۲۷ھ) لکھی۔ اس میں اپنی شعر گوئی کا ذکر کیا ہے۔ ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لی، پھر اپنا انداز خود پیدا کر لیا۔

تصانیف:

مومن کی تصانیف یہ ہیں:

۱۔ کلیاتِ اردو: مومن کا اردو کلام سب سے پہلے نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے ۱۲۴۳ھ میں جمع کیا اور

۱۔ مومن کی تاریخ ولادت کے سلسلے میں کلب علی خاں فائق نے اپنی کتاب مومن (شائع کردہ مجلس ترقی ادب لاہور) میں محققانہ بحث کی ہے۔

اس پر ایک دیباچہ لکھا۔ یہ دیوان پہلی بار باہتمام مولوی کریم الدین مطبع رفاہ عام دہلی میں ۱۲۶۴ھ مطابق ۱۸۴۶ء میں چھپا تھا، بعد میں اور ایڈیشن بھی نکلے۔

دیوانِ مومن کا ایک اور نسخہ عبدالرحمان آہی نے ترتیب دیا جو ۱۸۷۳ء میں پہلی بار مطبع نول کشور میں چھپا۔ دیوان مومن مرتبہ ضیاء احمد بدایونی ۱۹۴۳ء میں الہ آباد سے شائع ہوا۔

اردو کلیات میں ۹ قصیدے ہیں۔ حمد، نعت، منقبت خلفائے راشدین، منقبت حضرت امام حسن، وزیر الدولہ نواب محمد وزیر خان والیٔ ٹونک، مدح راجا اجیت سنگھ برادر راجا کرم سنگھ رئیس پٹیالہ۔

غزلیات کے علاوہ فردیات، قطعات رباعیات، مستزاد، مسمطات، ترجیع بند، ترکیب بند اور مثنویات بھی ہیں۔

مثنویات میں دو منظوم خط اور مندرجہ ذیل مثنویاں ہیں:

(۱) شکایتِ ستم۔ (۲) قصہ غم۔ (۳) قولِ غمیں۔ (۴) تف آتشیں۔ (۵) حنینِ مغموم۔ (۶) آہ وزاریٔ مظلوم۔ (۷) مثنوی جہادیہ اور دو تین اور منظومات ہیں۔

۲۔ دیوان مومن فارسی: مرتبہ حکیم احسن اللہ خاں۔

۳۔ انشائے مومن خاں (فارسی): مرتبہ حکیم احسن اللہ خاں مطبوعہ ۱۲۷۱ھ۔

ان تصانیف کے علاوہ جانِ عروض، شرح سدیدی ونفیسی، رسالہ خواص پان اور غیر مطبوعہ کلام مومن کا بھی ذکر آتا ہے۔

مومن کے وضع ولباس کا ذکر کئی معاصر تذکروں میں آیا ہے: رنگین طبع، رنگین مزاج، خوش وضع، خوش لباس، کشیدہ قامت، سبزہ رنگ، سر پر لمبے لمبے گھونگروالے بال جن میں ہروقت انگلیوں سے کنگھی کیا کرتے تھے، ململ کا انگرکھا ڈھیلے ڈھیلے پائنچے، اس میں لال نیفہ بھی ہوتا تھا۔

مومن عاشقانہ طبیعت رکھتے تھے، مزاج میں زود مشتعل جذباتیت تھی۔ شاعری کی ابتدا بچپن ہی سے ہو جانا ذہانت اور شدت جذبہ کا ثبوت ہے۔ انھوں نے اپنی محبت کے جو قصے اپنی مثنویوں میں خود بیان کیے ہیں ان سے طبیعت کی آزادی اور رنگی کا حال معلوم ہوتا ہے، لیکن ذہنی طور پر بعض مذہبی عقائد سے خاص دلچسپی ہمیشہ رہی۔ حضرت سید احمد بریلوی کو دوراں سمجھتے تھے۔ آخری عمر میں نماز روزے کے پابند ہو گئے تھے۔

دہلی کو چھوڑ کر سہارنپور، سہسوان، بدایوں، رام پور جہاں گیرآباد بھی گئے لیکن مستقلاً دلی کو چھوڑ نہ سکے۔

قصیدے بھی لکھے لیکن مزاج قصیدہ نگاری کے لیے بطور خاص موزوں نہ تھا۔

مثنویات وصف الحال ہیں لیکن مثنوی نگاری میں قصہ پن نہیں پیدا کر سکے، سیدھی سادی سپاٹ روداد عشق ہے، بعض بلکہ جزئیات نگاری اچھی کی ہے۔

رباعیات بھی لکھی ہیں لیکن ان میں کوئی خاص بات لائق ذکر نہیں۔

ان کی واسوخت مشہور ہے، یہ رنگ ان کی طبیعت کے مطابق تھا اس لیے اس میں قلم خوب رواں ہوا ہے۔

ان کی فارسی شاعری معمولی ہے، مگر اس سے ان کی استعداد کا پتا چلتا ہے، ذہانت اس میں بھی ہے۔

مومن کے شاگردوں میں اور لوگوں کے علاوہ شیفتہ مصنف "گلشنِ بے خار" بھی تھے اور لمۃ الفاطمہ صاحب جی تھیں جو "قول غمیں" کا موضوع ہیں۔

مومن پر کام کرنے والوں میں پرانے تذکرہ نگاروں کے علاوہ نیاز فتح پوری (نگار، نیاز نمبر کے مرتب) عرش گیاوی (حیات مومن کے مصنف) ضیاء احمد ضیا بدایونی (دیوان مومن کے مرتب) نواب جعفر علی خاں اثر۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی (مصنف مومن و مطالعہ مومن) اور جناب کلب علی خاں فائق (مصنف مومن) ممتاز ہیں۔

(۲)

کلامِ مومن

آتش نے کہا تھا: ع

"غزل کہتے نہیں ہم ایک گھر آباد کرتے ہیں۔"

آتش نے غزل کا گھر آباد کیا اور کس طرح کیا، اس حقیقت سے تو سبھی باخبر ہیں مگر جب مومن نے کہا: ع

مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا

تو یہ بات کسی کی سمجھ میں آئی اور کسی کی سمجھ میں نہ آئی۔ مومن کا مطلب تو صاف ہے کہ میری غزل کے سامنے سب کے سر احترام سے اسی طرح جھک جاتے ہیں جس طرح مسجد میں لوگوں کے سر جھک جاتے ہیں مگر اس شاعرانہ دعوے کی حقیقت تشریح کی محتاج ہے۔

مومن کے مصرع مذکور میں مسجد کے استعارہ ان کے مذہبی خلوص کا بھی آئینہ دار ہے، لیکن اس سے زیادہ ہم سے ان کے شعری خلوص یا جذباتی سچائی کا آئینہ دار کہہ سکتے ہیں۔ مومن آخر وہی تو ہیں جن کے قلم نے اردو غزل کو "پردہ نشین" کے استعارے سے روشناس کرایا اور یہ سمجھایا کہ محبت صرف بازار حسن ہی میں نہیں ہوتی، اس کا گزر چلمن کی تیلیوں کے پیچھے بھی ہوسکتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مومن نے کچھ نئی باتیں اور انوکھے خیالات ہمیں دیے اور جب اس قسم کا کوئی انکشاف کسی شاعر کے بارے میں ہوجاتا ہے تو وہ توجہ کا حق دار بن جاتا ہے۔

مطالعہ مومن کی یہ صورت اتفاق سے نکل آئی [۱] لہٰذا میں اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مطالعے کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں:

(۱) شخصیت کا انعکاس شاعری میں۔

(۲) طرز بیان۔

۱۔ نگار کے مومن نمبر میں نیاز صاحب نے مومن کا جس طرح تعارف کرایا ہے، وہ اتنا تسلی بخش ہے کہ اب قلم اٹھانے کی ضرورت نہ تھی لیکن مقدمہ کلام مومن لکھنے کی مجبوری پیش آگئی۔

(۳) رتبہ۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ مومن کی شخصیت مختلف اور متضاد عناصر سے مرکب تھی۔ ایک طرف فنون لطیفہ کا ذوق، طب میں دست گاہ، رمل اور جفر کا شوق، پھر شاعری اور اس پر عاشقی، اور دوسری طرف جذبۂ جہاد اور جوش مذہبی۔ مومن نے زندگی کے تجربوں میں ان تضادوں کو کچھ اس طرح جذب کر لیا تھا کہ یہ تضاد برے معلوم نہیں ہوتے۔ عام طور سے نیکی اور خوش وقتی کا اجتماع ذرا مشکل ہی سے ہوا کرتا ہے لیکن مومن کی زندگی میں یہ اجتماع ہوا۔ غور فرمایئے کہ جو شخص یہ کہہ رہا ہو۔

مرا حیرت زدہ دل آئنہ خانہ ہے ستت کا

یا

جلد مومن لے پہنچ اس مہدیٔ دوراں تلک

یا

مومن تمھیں کچھ بھی ہے جو پاس ایماں ہے معرکۂ جہاد چل دیجے واں
انصاف کرو خدا سے رکھتے ہو عزیز وہ جاں جسے کرتے تھے بتوں پر قرباں

انہوں نے ایک مے کدے کی بنیاد کی تاریخ بھی لکھی:

خوش وقت رائے مے کدۂ نو بنا نہاد خوش وقت مے کشاں بزندانِ شوق اسیر
من از خمارِ حسرتِ تاریخ پا بہ گل اندیشہ رقص ہا زدہ مستانہ در ضمیر

مگر سچ تو یہ ہے کہ بوالعجبی انسان کی تقدیر ہے۔ جو لوگ زندگی کو حساب کا سوال سمجھتے ہیں اور اس فارمولے سے زندگی کی میزان اور حاصل ضرب کو ٹھیک بٹھانا چاہتے ہیں، وہ اکثر پریشان رہتے ہیں کہ ہائیں! ایک ہی شخص بیک وقت اتنا رند اور پھر اتنا نیک بھی، لیکن یہ ان کی بھول ہے۔ نیکی اور آزادی انسان کے خمیر میں کچھ اس طرح ملی جلی اور گھلی ملی نظر آتی ہے جیسے تانے بانے میں سرخ دھاگا زرد دھاگے کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ ان دھاگوں کو الگ الگ کرنے سے دھاگے تو الگ ہو جائیں گے مگر انسانی شخصیت کی قبا تار تار ہو جائے گی۔ مومن تو صورت پرست تھے، کسی معنی پرست کی زندگی میں بھی یہ تجرید ممکن نہیں۔

شیفتہ نے گلشن بے خار میں مومن کے متعلق لکھا ہے:

"با این ہمہ صفات کہ مذکور شد بے تحریک محرکے بہ فکر سخن نمی پردازد؛ چناں چہ اکثر کلامش بخواہش دا عی آثم صورت ظہور گرفتہ۔"

معلوم نہیں اس سے شیفتہ کا مطلب کیا ہے، شاید یہ کہ مومن کی شاعری کا بیشتر حصہ کسی تحریک کا ممنون احسان ہے اور بہ قول شیفتہ، شیفتہ خود بھی محرک ہوئے ہیں۔ یہ سب ٹھیک ہے لیکن شیفتہ کے قول سے یہ نتیجہ بھی نکالا جا سکتا ہے کہ مومن کی شاعری وقتی اور واقعاتی ہے۔

یہ خاص واقعات کیا تھے؟ ان کے حالات زندگی سے جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ انھوں نے عاشقی بھی کی اور مجاہدی کا دم بھی بھرا۔ ان کی غزل اور مثنوی میں اس عاشقی اور مجاہدی کے نقوش ملتے ہیں؛ چناں چہ غزل میں ان خاص واقعات کو عام بنا کر اور مثنوی میں ان واقعات کو بجنسہٖ منتقل کر دیا ہے۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ انہوں نے غزل میں جو کچھ کہا ہے اس میں وہ دوسرے شاعروں کی طرح بہت اونچے نہیں اڑے، زمین کی باتیں برسرِ زمین ہی کی ہیں۔ صوفیانہ عشق کے بندھنوں سے ان کی غزل خالی ہے۔ ان کا یہ عشق عام انسانی سطح کا عشق ہے۔ امداد امام اثر اس کو کوچہ گردی کہتے ہیں مگر انسانی سطح کے عشق میں کوچہ گردی تو ہوتی ہی ہے، اور اگر کوچہ گردی کو برا بھی سمجھ لیا جائے تو مومن کے حق میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی عاشقی اقرار و اعتراف کے شرف سے مشرف ہے۔ انھوں نے جس قسم کی عاشقی کی اس کو چھپایا نہیں اور مثنویات میں تو سب کچھ صاف لکھ دیا ہے بلکہ غزل میں بھی رمزیت کے پورے نقاب کے باوجود وہ اپنے محبوب کا اتا پتا صحیح بتا دیتے ہیں۔ جب وہ کہتے ہیں:

مجھے پہنچا دو میرے صاحب تک　　　کہ غلامِ گریز پا ہوں میں

یا یہ فرماتے ہیں کہ:

کیوں لگے دینے خطِ آزادی　　　کچھ گنہ بھی غلام کا صاحب[1]

تو یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہتی کہ وہ امۃ الفاطمہ صاحب کا ذکر فرما رہے ہیں۔ شیفتہ کو بھی اس کا سب حال معلوم تھا اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی یہ جانتے تھے مومن کی شاعری میں پردہ نشین کا ذکر بار بار آتا ہے۔ اور بعض اہل قلم کو اس کے سمجھنے میں دشواری پیش آئی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ پردہ نشین سے مراد مومن کے وہ محبوب ہیں جن کے نام مومن ظاہر کرنا نہیں چاہتے، اس کے باوجود ان کو ظاہر بھی کرنا چاہتے ہیں۔ اس خصوصیت کے اظہار کے لیے مومن نے پردہ نشین کی اصطلاح وضع کی ہے:

عشق پردہ نشیں میں مرتے ہیں　　　زندگی پردہ در نہ ہو جائے

پردے کی کچھ حد بھی ہے پردہ نشیں　　　کھل کے مل بس منہ چھپانا چھوڑ دے

بس کہ پردہ نشیں پہ مرتے ہیں　　　موت سے آئے ہے حجاب ہمیں

مومن کی مثنویات سے ان کے مذاق عاشقانہ (یا مزاج عشق) کا پتا چلتا ہے۔ رازداری، چھپ چھپ کر ملنا اور راز کا افشا ہونا یہ چیز ان کی عاشقانہ مثنویوں میں مشترک ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مومن کی عاشقی میں کوچہ گردی سے مراد وہ کوچہ نہیں ہوگا جہاں ہر کوئی پہنچ سکتا ہے کیوں کہ اس کوچے میں رازداری کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ جہاں سب کے

۱۔ اس ساری غزل میں صاحب کا لفظ آیا ہے۔ بہ ظاہر تمام اشعار میں امۃ الفاطمہ المتخلص بہ صاحب سے خطاب نہیں ہوتا مگر صاحب کا بہ کثرت استعمال ظاہر کرتا ہے کہ کنایتاً صاحب ہی مدنظر ہیں۔

رازسب پر ظاہر ہوں وہاں راز کوئی راز نہیں رہتا۔ مومن کا بازارِ حسن ایسے کوچوں سے متعلق معلوم ہوتا ہے جہاں راز بہر حال راز ہے۔

اس کے باوجود مومن کی شاعری میں عاشقی کی وہ فضا بھی ہے جو شاہدانِ بازاری سے مخصوص ہے۔ رقیب بھی ہے، غماز بھی ہے، ناصح بھی ہے، تماشائے عام اور ہجومِ عشاق بھی ہے۔ یہ سب کچھ بازاروں میں ہوتا ہے اور مومن کی غزل میں یہ نقشے بھی ہیں لیکن اکثر باتیں رسمی اور روایتی انداز میں بیان ہوئی ہیں۔ اگرچہ یہ باور کرانے کے لئے وزنی اور معقول وجوہ درکار ہیں اور یہ تو تسلیم ہی ہے کہ مومن کی زندگی کا ایک دور اس کوچے میں بھی بسر ہوا؛ چناں چہ کریم الدین نے گواہی دی ہے کہ ''بہت خلیق، حلیم اور ظریف آدمی ہیں۔ ابتدا میں تمام اوقات شعر گوئی اور لہو ولعب دنیا میں صرف کر کے تمام مزے عیاشی کے اٹھا کر اب توبہ کی بلکہ شعر کہنا بھی چھوڑ دیا۔'' اس لیے اس کوچے کی باتوں کا بھی ان کی شاعری میں آ جانا محلِ تعجب نہیں پھر بھی پردہ نشین کا خاص اہتمام سے متواتر ذکر یہ ظاہر کرتا ہے کہ انہیں محبت کا غم اور اس غم کی محبت کسی ایسے ہی کوچے سے ارزانی ہوئی ہوگی جہاں نارسائی اور ناتمامی کے کانٹے بھی بچھے ہوئے تھے۔ اس ناتمامی کا احساس ان کی غزلیات میں موجود ہے۔ ان کا لہجہ ان کی دبی دبی جھنجلاہٹ کا پتا دیتا ہے، جیسا کہ اندازِ بیان کے ضمن میں، میں نے واضح کیا ہے۔

مولانا آزاد اور بعض دوسرے مقتدر اہلِ قلم نے مومن کے ذکر کے ساتھ جرأت کی معاملہ بندی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس قسم کے موازنوں سے بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ مومن اور جرأت کی زندگیاں مختلف تھیں اور ماحول بھی مختلف: محض اس وجہ سے کہ مومن نے وہ غزل لکھ دی جس کا مطلع ہے:

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مومن کو جرأت کا ہم رنگ کہہ دینا محض عجلتِ فکر ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد اردو فارسی ادب کے رمز آشنا نقاد ہیں۔ ادب ولحاظ ان کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ ناگواری کے باوجود دل جوئی کا انداز ان کے قلم کی کشادہ دلی اور شیریں زبانی کا کرشمہ ہے۔ وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ ''ان میں (یعنی غزلوں میں) معاملاتِ عاشقانہ عجب مزے سے ادا کیے ہیں، اس واسطے جو شعر صاف ہوتا ہے اس کا انداز جرأت سے ملتا ہے اور اس پر وہ خود بھی نازاں تھے۔'' اس بیان کو غور سے پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آزاد جرأت اور مومن کی وقتی اور گاہے گاہے کی مماثلت کا ذکر فرماتے ہیں، ''اس لیے یہ کہا ہے کہ جو شعر صاف ہوتا ہے اس کا انداز جرأت سے ملتا ہے''۔ جو شعر صاف نہیں اس میں وہ جرأت سے الگ ہیں اور غالباً مومن کا اکثر کلام (خصوصاً طرزِ ادا کے لحاظ سے) جرأت سے مختلف ہے۔

جرأت نے معاملاتِ عشق پر آزادانہ لکھا ہے، اور رندی وشاہد بازی کے خارجی احوال پر خاص توجہ کی ہے۔ مومن نے بھی معاملاتِ عشق بیان کیے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ مومن نے لکھنؤ کی خارجیت پر دہلی کی متانت کا رنگ چڑھا دیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ فرق معمولی فرق نہیں۔ جنابِ امداد امام اثر نے غلط نہیں لکھا کہ ''اس پر بھی جوانانہ انداز کے ساتھ تہذیب کی

عنان کبھی ہاتھ سے نہیں دیتے۔"

تہذیب کی عنان کو تھامنے کی خاطر یا اس کی مجبوری سے مومن نے رمزی اور کنائی پیرایہ اختیار کیا تا کہ جو بات کہی جائے اس میں رکھ رکھاؤ اور پردہ باقی رہے۔ یہی پردہ داری اور بے پردگی مومن اور جرأت کے مابین ایک حد فاصل ہے۔

بس کہ اک پردہ نشیں کے عشق میں ہے گفتگو
بات بھی کرتے نہیں جز صنعتِ ایہام ہم

مومن کی شاعری کا پر لطف حصہ وہی ہے جس میں انہوں نے عاشقانہ معاملات کو رمزی پیرایے میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے حسن کی ستائش اکثر کی ہے مگر دل پر گزرنے والی کیفیتوں کی ترجمانی سے بھی قلم کو روکا نہیں۔ خارجی کوائف حسن و عشق کا بیان اور داخلی تاثر کی ہلکی ہلکی چاشنی اور اس کے لیے رمزی پیرایہ ان تینوں عناصر کے امتزاج سے مومن کی شاعری میں ایک مستقل شخصیت نمودار ہوئی ہے۔

مومن کی شاعری میں زلف و رخ، قد و گیسو اور سرمہ و حنا کا ذکر بہت ہے۔ رنگینیوں کے اس ہجوم میں خوش دلی اور شادابی کی لہر قدرتی طور پر ابھری ہوئی ہے مگر گاہے گاہے قفس و آشیاں کے غم کی بھی ہلکی ہلکی خلش محسوس ہوتی ہے۔ بے نصیبی کا گلہ اور شکایت ستم آسماں ہماری شاعری کا ایک عام مضمون ہے، لیکن مومن کے یہاں یہ مضمون محض رسمی معلوم نہیں ہوتا، اس میں کچھ اصلیت بھی دکھائی دیتی ہے۔ غم کی تعمیری اہمیت اور ناگزیر حیثیت قلبِ شاعر (یا قلبِ انسان) سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ غم و شادی زندگی میں باہم دست بدست چلتے ہیں لیکن خوش دلی کے مسلک میں غم کی اہمیت کچھ اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ غم نہ ہو تو جینے ویران محلوں کی مانند بے رونق اور بے رنگ ہو جائیں، زندگی کے باغ کے لیے غم کی آبیاری لازمی ہے۔

مومن کے کلام میں غم کی کیفیت ایک لطیف احتجاج اور ایک شکایت رنگین کا درجہ رکھتی ہے:

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی
آسماں اپنا ہوا برباد کیا

مومن کے کلام میں شکایت رنگین کی جو صورت ہے اس میں شدید افسردگی اور اضمحلال کی چبھن نہیں۔ مومن کے قلم کی نوک یوں بھی گہری نہیں جاتی؛ چناں چہ، فلسفہ و فکر کا کوئی رنگ ان کے یہاں نہیں۔ ہماری شاعری کو تصوف نے جو فکری رنگ عطا کیا ہے، مومن کے کلام میں وہ فکری رنگ بھی نہیں۔ ان کا کلام ان کی اختراعی ذہانت کے نمونے پیش کرتا ہے مگر تجزیہ حقائق کی شکلیں بہت کم ہیں اور وہ چیز بھی بطور خاص موجود نہیں جسے سماجی شعور کہا جاتا ہے۔ مومن کے کلام میں بلاشبہ مذہبی عقیدوں کا ذکر ہے اور اس کے تحت اس جہاد کے اشارے بھی ہیں جو ان کے مرشد حضرت سید احمد بریلوی کر رہے تھے مگر یہ بھی مذہبی عقیدے کی ایک شکل ہے۔ اس طرح کا (خواہ بدلی ہوئی صورت میں کیوں نہ ہو) سماجی شعور اردو کے ہر شاعر کے کلام میں کم و بیش مل جاتا ہے۔ وہ بھرپور سماجی شعور جو سماج کے گہرے حقائق کی معرفت سے ابھرا ہو اور گہرے طور پر محسوس کیا گیا ہو، مومن کے کلام میں موجود نہیں، البتہ مذہبی احساس نمایاں نظر آتا ہے۔ کسی واقعے کی طرف سرسری اشارے کو سماجی شعور نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بھرپور سماجی شعور ساری اجتماعی زندگی کے مطالعہ و تجربہ سے ابھرا کرتا ہے جس سے

اجتماعی نفسیات کے راز آشکار ہوتے ہیں۔ مومن کے یہاں اجتماعی زندگی کا یہ تصور موجود نہیں۔

ان سب باتوں کے باوجود مومن کی انفرادیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک منفرد شخصیت رکھتے تھے اور انہیں اپنی شخصیت کو ممتاز رکھنے کا احساس بھی تھا۔ اس کا ثبوت ان کے وہ اشعار ہیں جن میں انہوں نے اپنی شاعری کی خود تعریف کی ہے۔ تفاخر کی رسم ہمارے ادب میں کوئی نئی رسم نہیں۔ جاہلی عربوں کے فخریہ اشعار سے لے کر غالب تک اکثر شاعروں نے تعلّی کی ہے مگر بعض جگہ یہ تعلّی زیب دیتی ہے اور بعض جگہ بری معلوم ہوتی ہے۔ پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تعلّی بے سبب ہوتی ہے۔ کم از کم مومن کے معاملے میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے گہرے اسباب ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہیں اپنی انفرادیت کو محفوظ کرنے کے لیے ایک مستحکم قلعے کی ضرورت تھی۔ بہت سے علوم وفنون کا ماہر: طب، نجوم، جفر، رمل، موسیقی اور عربی فارسی کا اچھا خاصا علم اپنی ذہانت اور طبیعت داری کے ساتھ صفِ عام میں کس طرح بیٹھ سکتا تھا انہیں اس صف سے بلند ہونے کے لیے جدا امتیازات کی ضرورت تھی۔ قلعہ شاہی ذوق کے ہاتھ میں تھا، فارسی کی اقلیم غالب نے سنبھال رکھی تھی۔ مومن کی جستجو نے ان کے لیے ایک اور راستہ تجویز کیا، یعنی دلی کی شاعری میں رنگ لکھنؤ کی نمود۔ ایک الگ اور انوکھا انداز بیان۔ جس میں فارسیت بھی اپنا نقش جمائے ہوئے ہے اور محاورۂ دہلی بھی کہیں کہیں جھانک رہا ہے۔ جب اس طرزِ بیان میں لکھی ہوئی غزل مشاعرے میں پہنچتی ہوگی تو سنانے والا (مومن) واقعی دوسرے شاعروں سے برتر نہ سہی، الگ الگ معلوم ہوتا ہوگا۔ چناں چہ آزاد نے شہادت دی ہے:

"رنگین طبع، رنگین مزاج، خوش لباس، کشیدہ قامت، سبزہ رنگ، سر پر لمبے گھونگروالے بال، اور ہر وقت انگلیوں سے ان میں کنگھی کرتے رہتے تھے۔ میں نے انہیں نواب اصغر علی خاں اور مرزا خدا بخش قیصر کے مشاعروں میں غزل پڑھتے سنا تھا۔ ایسی دردناک آواز میں غزل پڑھتے تھے کہ مشاعرہ وجد کرتا تھا۔ اللہ اللہ اب تک وہ عالم آنکھوں کے سامنے ہے۔ باتیں کہانیاں ہو گئیں۔"

گھونگروالے بال، دردناک آواز، دل پذیر ترنم، عشق وعاشقی کی عام باتوں کا ذکر جن کا ذوق ہر فردِ بشر کو ہے اور اس پر وہ چونکا دینے والا انداز بیان کہ ہر شخص سوچنے پر مجبور ہو اور جلد مطلب کو بھی پالے، یہ سب باتیں مومن کی شخصیت کے الگ تشخص کے لیے کافی تھیں اور ان ہی کی بنا پر وہ اس دور کی بڑی بڑی شخصیتوں میں مقام حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہوئے اور جب محمد حسین آزاد نے انہیں نظر انداز کرنا چاہا تو وہ نظر انداز نہ کیے جا سکے۔

اب انداز بیان کی بات سنیے۔ دہلی کے دورِ دوم کی شاعری پر شاہ نصیر کے علاوہ لکھنؤ کے شعرا خصوصاً امام بخش ناسخ کے طرزِ کلام نے خاص اثر ڈالا۔ شاہ نصیر نے لفظوں کی موسیقی اور ردیفوں کی جھنکار سے ذوق کو خاص طور سے متاثر کیا۔ مومن اور ذوق کا مزاج مختلف تھا، پھر بھی شاہ نصیر کی چند دن کی شاگردی کا کچھ نہ کچھ اثر ہوا۔ شاید "تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو" کی طرح کی ردیفیں ان ہی کے اثر کا نتیجہ ہیں۔ مومن پر ناسخ کا نصیر سے بھی زیادہ اثر ہوا۔ ناسخ کی مضمون آفرینی اور رعب دار طرزِ بیان سے غالب بھی عرصے تک مرعوب رہے۔ مومن کے طرزِ بیان میں بھی ناسخ کے اثرات ابھرے ہوئے

معلوم ہوتے ہیں مگر ان اثرات کو مومن کے مزاج نے اپنا رنگ بخش دیا ہے۔ دہلی کے ماحول کے اس دور میں ایک اور چیز بھی سامنے آئی: وہ تھی زبان کی شستگی اور روزمرہ کی صفائی۔ یہی زبان ذوق کی دہلی میں مقبول ہوئی۔ ذوق کی شاعری کو کوئی کچھ ہی کہے، ان کی زبان کو بھی شاعر (غالب و مومن بھی) تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔ مومن پر یہ اثر بھی ہے، اگرچہ یہ ان کا مابہ الامتیاز نہیں مگر یہاں بھی وہ مرعوب ہو کر نہیں چلے۔ اپنا رنگ برقرار رہا ہے۔

مومن کے طرزِ کلام میں یہ ساری لہریں ملی جلی نظر آتی ہیں۔ مولوی ضیاء احمد بدایونی لکھتے ہیں: ''غزل میں نازک خیالی، معاملہ بندی اور سوز و گداز میں مومن اپنے تمام معاصرین میں فائق ہیں۔'' مگر یہ مضمون آفرینی ہے کیا؟ یہ ایک طرزِ سخن ہے جس کے ذریعے شاعر ایسے مضامین گھڑتے ہیں جو حقیقت سے یا تو بالکل خارج ہوں یا اس سے دور ترین فاصلے پر ہوں۔ یہ طرزِ سخن فارسی شاعری میں بھی ایک زمانے میں مقبول رہا ہے۔ اس مضمون کی بنیاد مبالغے پر رکھی جاتی تھی۔ کسی استعارے کے کسی ایک پہلو کو مدِنظر رکھ کر ایسا مضمون پیدا کیا جاتا تھا کہ مضمون حقیقت کی حد سے بہت دور جا نکلتا تھا، بلکہ بعض اوقات حقیقت کی ضد بن جاتا تھا۔ اردو شاعروں میں ناسخ کی شاعری میں حقیقت سے دوری کی حد بہت دور چلی گئی ہے۔

مضمون آفرینی اور معنی یابی کا ہندوستان میں فارسی کے چند شعرا نے بہت چرچا کیا۔ جلال، اسیر اور شوکت بخاری کے مبالغے جب ناصر علی سرہندی تک پہنچے تو بات کا سمجھنا محال ہو گیا۔ حقیقت کی تصویر الٹی بھی لٹکا دی جاتی تو کوئی مضائقہ نہ تھا، یہاں تو یہ کوشش کی گئی کہ عجیب الخلقت پیکروں کی تخلیق کی جائے جو زندگی میں کسی طور پر پہچانے ہی نہ جائیں۔ یہ روش بیدل کے کلام میں ایک اور صورت میں نمودار ہوئی یعنی مضمون آفرینی کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ دقت آفرینی۔ پہلے تو عبارت ہی مشکل تھی، اب مطلب بھی لاینحل ہو گیا۔ بیدل کے یہاں جوشِ زندگی نے کچھ سہارا دیا اور مطالب کے اظہار کے لیے ترکیب تراشی کا فن بھی انہیں آتا تھا، اس لیے وہ بچ گئے، باقی لوگوں کی شاعری محض گورکھ دھندا بن گئی۔

یہ سارے اسالیب مومن کی دلی میں لوگوں کو مرعوب کیے ہوئے تھے۔ ان سب کا مقصد کلام کو غیر معمولی بنانا تھا اور یہ سب اظہار سے زیادہ اخفا کے وسیلے تھے۔ اب رہے مومن، اگر غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ان کے یہاں مضمون آفرینی اور نازک خیالی کی قبیح صورتیں بہت کم ہیں۔ ناسخ اور بیدل کے رنگ کا امتزاج غالب کے یہاں بھی ایک نمایاں خصوصیت پیدا کرتا ہے مگر غالب اس کی قباحتوں سے مغلوب نہیں ہوئے۔ مومن کے کلام میں بھی یہ بہت کم ہوتا ہے کہ مضمون حقیقت سے بہت دور چلا جائے یا حقیقت سراسر منقلب ہو جائے۔ ان کے یہاں اخفا کی ہر کوشش لطافتِ اظہار کا کوئی پہلو لیے ہوئے ہے۔

مومن کے طرزِ سخن کو مضمون آفرینی اور نازک خیالی جیسی اصطلاحوں کی مدد سے متعارف کرانا بہت سی غلط فہمیوں کا باعث ہوا ہے۔ مومن کے طرز کی ایک خصوصیت جو کبھی خرابی بھی بن جاتی ہے، یہ ہے کہ وہ خیال کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ قاری کی ذہانت کے لیے اس میں تھوڑا بہت چیلنج ضرور ہوتا ہے۔ وہ بات کو چھپا کر ظاہر کرتے ہیں۔ کبھی حذف سے،

کبھی پیچ سے، کبھی نقیض سے، کبھی متضاد حقیقتوں کو بیان کر کے، کبھی اشاروں اور رمزوں میں، کبھی کنایے کے استعمال سے، غرض مضمون ادا کرنے کا طریقہ براہ راست نہیں، اس میں کچھ نہ کچھ پیچا پیچی ضرور ہوتی ہے؛ اور کچھ نہ ہوا تو فارسی ترکیبوں سے اور ان میں مسلسل اضافتیں لا کر ہی بیان میں رعب یا غرابت کا اثر پیدا کرتے ہیں۔ ایک عام صورت یہ ہے کہ مضمون کی کچھ کڑیاں محذوف ہوتی ہیں۔ سرسری طور سے پڑھنے والے کو پہلی مرتبہ پڑھنے سے بسا اوقات شعر عجیب سا معلوم ہوتا ہے مگر شعری لوازم کی جن لوگوں کو تربیت حاصل ہے وہ بہت آسانی سے تھوڑے ہی تامل سے شعر کے مفہوم تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ مثلاً اس شعر میں:

جیب درست لائق لطف و کرم نہیں ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں

رازِ نہاں زبانِ اغیار تک نہ پہنچا کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہنچا

مضمون واضح ہے لیکن اس میں ایک خلا ہے جس کو پر کرنے کے لیے پر پیچ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس سے کہیں ابہام کی قبیح صورتیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں، لیکن ایسے اشعار شاذ ہوں گے جن میں حقیقت کو مسخ کیا گیا ہو۔

اس بنا پر میری رائے یہ ہے کہ مومن کے اس طریقے کو ان پرانی اصطلاحوں (مضمون آفرینی، معنی یابی وغیرہ) کے ذریعے سے ظاہر نہ کیا جائے تو مناسب ہوگا، اس سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔

آسانی کی خاطر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مومن لطیف ابہام اور رمز و اشارے سے کام لے کر اپنی اختراعی ذہانت کا ثبوت دیتے ہیں اور دوسری طرف قارئین کی ذہانت کا بھی ہلکا سا (اور انبساط بخش) امتحان لے لیتے ہیں......... ذہانت کی یہ آزمائش پڑھنے والے کو مزہ دے جاتی ہے۔ مضمون حقیقت سے دور بھی نہیں ہوتا۔ حقیقت کا چہرہ دکھانے کے لیے قاری کو چونکا کر انبساط خیز تعجب میں ڈال دینے اور بالآخر ذوق کی پوری تشفی کرنے کی تکنیک مومن کی غزل میں بہت لطف دیتی ہے اور یہ ان کا ذہنی اور ذوقی معمول معلوم ہوتا ہے۔ ذوق و غالب کی ہم عصری میں مومن نے اپنے لیے امتیاز کی یہ صورت پیدا کر لی تھی جس کی وجہ سے وہ واقعی اپنے ان نامور معاصرین سے جدا پہچانے جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ مومن کا امتیاز ان کی فارسی ترکیبوں کی وجہ سے ہے مگر اردو شاعری کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ فارسی ترکیبیں پہلی مرتبہ صرف مومن ہی نے استعمال نہیں کیں، یہ سلسلہ تو ابتدا سے......... ولی سے بلکہ ان سے بھی پہلے سے جاری ہوا۔ میر تقی میر، مصحفی، آتش وغیرہ سب نے فارسی ترکیبوں کو اپنے بیان میں جگہ دی......... مومن نے اگر فارسی ترکیبیں استعمال کیں تو اوروں سے کوئی الگ کام نہیں کیا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مومن نے ترکیبوں کے پرانے سرمائے پر انحصار نہیں رکھا، مطلب کو ادا کرنے کے لیے نئی ترکیبیں بھی تخلیق کیں۔ ان میں سے بعض تو زمین شعر میں بہت اچھی طرح پیوست ہوتی ہیں مگر بعض اچھی طرح جمی ہوئی معلوم نہیں ہوتیں۔ جو اچھی طرح پیوست نہیں ہوتیں ان کی وجہ سے شعر صوتی طور پر ناہموار اور ناگوار سا ہو جاتا ہے مگر مومن کی نظر صورت پر نہیں، غرابت پر ہے اور مومن کی تخلیقی

استعداد کا یہ خاصا ہے کہ وہ غرابت کی جستجو میں رہتی ہے۔ یہ جستجو ہر قسم کے اشعار میں موجود نظر آتی ہے۔ ہاں سطح پر ان کی غزل میں بیان کی کئی شکلیں ہو جاتی ہیں۔ بعض اشعار صاف ہوتے ہیں، بعض میں پیچ ہوتا ہے، کہیں زبان مشکل اور کہیں صاف و سادہ ہوتی ہے۔

بعض اشعار میں رمز کا استعمال ہوتا ہے یعنی پردے سے بات کہتے ہیں یعنی کہتے بھی ہیں اور چھپاتے بھی ہیں۔ بعض موقعوں پر مطلب کچھ ہوتا ہے مگر بظاہر خلاف کہہ رہے ہوتے ہیں۔ بعض شعروں میں بیان بہت فارسی زدہ ہو جاتا ہے جو اچھا نہیں لگتا۔ سادہ اشعار کچھ اس طرح کے ہیں:

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا — رنج راحت فزا نہیں ہوتا
بے وفا کہنے کی شکایت ہے — تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا
ذکر اغیار سے ہوا معلوم — حرفِ ناصح برا نہیں ہوتا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے — ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
اس نے کیا جانے کیا کیا لے کر — دل کسی کام کا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

جن اشعار میں کچھ کہتے اور کچھ چھپاتے ہیں، ان کی مثالیں یہ ہیں:

کثرتِ سجدہ سے وہ نقشِ قدم — کہیں پامال سر نہ ہو جائے
ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا — جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ میں
منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں — اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

فارسی زدہ بیان کی مثال یہ ہے:

اشک واژونہ اثر باعثِ صد جوش ہوا
ہچکیوں سے میں یہ سمجھا کہ فراموش ہوا
جلوہ افزائی رخ کے لیے ہے نوش ہوا
میں کبھی آپ میں آیا تو وہ بے ہوش ہوا
کیا یہ پیغام بہ غیر ہے اے مرغ چمن
خندہ زن بادِ بہاری سے وہ گل گوش ہوا
وہ ہے خالی تو یہ خالی، یہ بھرے تو وہ بھرے
کاسۂ عمرِ عدو حلقۂ آغوش ہوا
غلط کہ صانع کو ہو گوارا خراشِ انگشت ہائے نازک

جواب خط کی امید رکھتے جو قول جف القلم نہ ہوتا

دل سختیوں سے آئی طبیعت میں نازکی
صبر و تحملِ قلقِ جاں نہیں رہا
غش ہیں کہ بے دماغ ہیں گل پیرہن نمط
از بس دماغ عطرِ گریباں نہیں رہا
آنکھیں نہ بدلیں شوخ نظر کیوں کہ اب کہ میں
مفتونِ لطفِ نرگسِ فتاں نہیں رہا
ہر لحظہ مہر جلوؤں سے ہیں چشم پوشیاں
آئینہ زار دیدۂ حیراں نہیں رہا

ان آخری اشعار کو پڑھ کر یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ مومن کا بیان فارسی زدہ ہے مگر فارسی زدگی کے باوجود غزل پریشاں کن نہیں۔ اس کی سطح ایسی ہے کہ معمولی سی استعداد والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ بیان میں فارسی کی یہ کثرت اور اضافتوں کا یہ تسلسل مومن کے عجز اظہار کی علامت نہیں۔ یہ حربہ اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ قاری مرعوب بھی ہو اور محظوظ بھی۔ مقصد محظوظ کر دینے والی چونکاہٹ اور غرابت پیدا کرنا ہے۔ غرض غرابت کی یہ جستجو مومن کے ذوق و ذہن کی خاص چیز معلوم ہوتی ہے، مگر اغلاق و ابہام اور دقت کے سارے چرچے کے باوجود مومن کے مضمون تک پہنچنا اتنا مشکل نہیں جتنا خیال کر لیا گیا ہے۔ اگر چہ یہ بھی غلط نہیں کہ وہ بعض اوقات اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں اور کچھ اس طرح کے شعر لکھنے لگ جاتے ہیں:

سرشکِ اعتراضِ عجز نے الماس ریزی کی — جگر صد پارہ ہے اندیشۂ خوں گشتہ طاقت کا

اس شعر پر غالب کے ابتدائی کلام کا گمان ہوتا ہے۔

یا یہ شعر:

العطش زن سپہر و یار و عدو — بے گنہ خوں مرا سبیل ہوا

اس قسم کے اشعار مرعوب تو کرتے ہیں مگر بے مزہ اور ناہموار ہیں۔

مومن کے طرز بیان کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے مومن کے خصائص اظہار کا شمار مقصود تھا، مگر یہ باتیں وہ نہیں جن سے مومن کو قبول عام نصیب ہوا۔ مومن کا چرچا ان کے اس خاص پیرایہ بیان کی وجہ سے ہوا جس میں خفا اور رمز کی کوئی نہ کوئی صورت ہے۔ عام توقع اور مسلمات کے برعکس کسی ایسی حالت یا نتیجے یا سبب کا بیان جس کی طرف عرفی، عقلی اور منطقی طور پر ذہن منتقل نہیں ہوتا، انکار کے اندر سے اقرار کا رنگ اور اقرار کے اندر سے انکار کی صورت، نفی سے اثبات اور

اثبات سے نفی کی کیفیت پیدا کرنا اور کہنے میں بہت کچھ چھپا جانا، جن اشعار میں اس قسم کا انداز اختیار کیا گیا ہے وہی مقبول ہوئے ہیں اور انھی سے مومن کی شاعرانہ حیثیت الگ ہوئی ہے۔ اس کے ثبوت میں طویل مثالوں کی گنجائش نہیں، صرف ایک ہی غزل کافی ہوگی:

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو — ہے بو الہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو
اس بت کے لیے میں ہوسِ حور سے گزرا — اس عشقِ خوش انجام کا آغاز تو دیکھو
چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرتِ ناصح — طرزِ نگہِ چشمِ فسوں ساز تو دیکھو
اربابِ ہوس ہار کے بھی جان پہ کھیلے — کم طالعیِ عاشقِ جاں باز تو دیکھو
مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ — بدنامیِ عشاق کا اعزاز تو دیکھو
محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے — منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو
اس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک — شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو
دیں پاکیِ دامن کی گواہی مرے آنسو — اس یوسفِ بے درد کا اعجاز تو دیکھو
جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے — جورِ اجلِ تفرقہ پرداز تو دیکھو

غزل کا شعر نمبر ۱، ۴ اور ۵ خاص طور سے ملاحظہ ہوں۔ ان اشعار میں غیر متوقع صورت حال سے تعجب انگیز نتیجے نکالے گئے ہیں۔ عقلی لحاظ سے کچھ اور ہونا چاہیے تھا مگر ہوا کچھ اور۔ ساتویں شعر میں حقیقت اشیا میں انقلاب پیدا کر کے تان کو جو سننے سے تعلق رکھتی ہے، ایک دیکھی جانے والی (مرئی) کیفیت بنا دیا ہے۔ تخیل اس نقشے کو دو سطحوں سے دیکھتا ہے۔ ادھر آواز ہے اور ادھر شعلہ........... تخیل اپنی طلسمی قوت سے آنکھ اور کان کے فاصلے مٹا دیتا ہے، آنکھ کو آواز میں بھی تماشے نظر آ رہے ہیں اور کان کو شعلہ بھی گویا سنائی دے رہا ہے۔ تخیل کی یہ کار فرمائی حواس کی قلمرو میں وسعتیں پیدا کر رہی ہے اور اس سے تاثر کی دنیا میں جو ہلچل پیدا ہو سکتی ہے وہ واضح ہے۔ شاعری اگر غیر مرئی اور مجرد کو مرئی اور محسوس بنا کر نہ دکھا سکے تو وہ ہے کس کام کی۔

مومن کے یہاں اثر آفرینی کی جو صورتیں بھی ہیں ان میں ان کی ردیف کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ہے۔ غزل کی شاعری میں ردیف سے جو اثر پیدا کیے جاتے ہیں، عام طور سے ان کی اہمیت نظر انداز کر دی جاتی ہے لیکن مختلف شعرا کے غزلیہ کلام میں اگر ردیف کی تکنیک کا مطالعہ کیا جائے تو بڑے شعرا کے یہاں اس کا الگ الگ نباہ ان میں سے ہر ایک ذہن و ذوق کے الگ الگ رجحانات کا راز کھول سکتا ہے، لیکن یہ مطالعہ محنت طلب ہے اور ممکن ہے کہ بعض اوقات گمراہ کن بھی ہو؛ پھر بھی ردیف کی تکنیک کا مطالعہ فائدے سے خالی نہیں ہوگا۔

مومن پر شاہ نصیر کا تھوڑا بہت اثر ضرور پڑا ہے۔ ان کی غزل میں لمبی ردیفیں شاید اسی اثر کی یادگار ہیں۔ ان میں غزل

جس کی ردیف ''تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو'' بہت مشہور ہے اور عام طور سے ماجرائے عشق کے راست اظہار کی وجہ سے دورِ جدید میں پسند بھی کی جاتی ہے لیکن یہ مومن کے اصل رنگ کی نمائندگی نہیں کرتی۔ مومن ان شاعروں میں سے ہیں جو محض لفظوں کے صوتی تکرار سے اثر پیدا کرنا کافی نہیں سمجھتے جو شاعر بیان میں رمز و اخفا کو اظہار کا وسیلہ بنا رہا ہو وہ بھلا اس قدر عام اور پامال اور کھلے طریقے سے اثر آفرینی پر کیسے آ سکتا ہے۔ مومن صوت سے زیادہ مطلب اور طریق ادا پر انحصار رکھتے ہیں، اس لیے ماسوا چند غزلوں کے ان کے یہاں دھما چوکڑی مچانے والی ردیفیں کم ہیں۔ ان کی ردیفیں نسبتاً مختصر اور معنی خیز ہوتی ہیں، ''معنی خیز'' سے میری مراد یہ ہے کہ وہ غزل کے موڈ کے اظہار میں بہ لحاظ (نہ کہ بہ لحاظِ صوت) ممد و معاون ثابتی ہیں۔

ردیف واؤ کی چند ردیفیں مع قوافی ملاحظہ ہوں:

سرگیں آنکھ سے تم نامہ لگاتے کیوں ہو
خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو

خاک اڑاتے کیوں ہو، جلاتے کیوں ہو، ستاتے کیوں ہو، دھوم مچاتے کیوں ہو، بات بناتے کیوں ہو۔ وغیرہ وغیرہ (ردیفوں کا طرزِ خطاب اور اس پر سوالیہ انداز غزل کی معنوی فضا میں وحدت پیدا کر رہا ہے اور اس کی تکرار سے تسلسل کا احساس ابھرتا ہے)۔

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو

ستم ناز تو دیکھو، آغاز تو دیکھو، چشم فسوں ساز تو دیکھو، وغیرہ وغیرہ۔

(غزل میں 'تو دیکھو' کا ٹکڑا اور طرزِ تخاطب کتنا چونکا دینے والا ہے۔ وہ تخیل کو اس کی لاعلمی کا طعنہ دے کر اس کے سامنے انکشاف کا ایک نیا میدان لے آتا ہے۔ اس میں طعن و طنز کی ہلکی سی نوک بھی ہے جو صرف چبھتی ہی نہیں، چبھن کا حیرت انگیز اور احتجاج خیز اثر بھی پیدا کر رہی ہے)

یہ مایوسی، دل و جاں! نالۂ شب گیر تو کھینچو
کھنچے گا اس کا دل آو فسوں تاثیر تو کھینچو

سب سے پہلے ''یہ مایوسی'' کا تعجب انگیز سوالیہ، اس کے بعد ''نالۂ شب گیر تو کھینچو'' کا خطاب دل و جاں سے، اس میں معانی کی ایک دنیا آباد ہے۔ پھر اسی زمین میں ردیفوں کی تکرار مثلاً تم شمشیر تو کھینچو

نسیم گل کے نقاشو بھلا تصویر تو کھینچو
کھچے گا ہاتھ سینے سے تم اپنا تیر تو کھینچو

(کتنے غضب کی ردیف ہے۔ ''تو کھینچو'' کے ٹکڑے میں دعوت، چیلنج، احتجاج، ہمت افزائی، للکار، طنز، رس، زہر، نوک خار اور نوک سوزن سب کچھ ہے۔ یہ بے ہمتی کے خلاف مہمیز بھی ہے اور دعوت جنگ بھی)۔

ردیف کی حکایت لمبی ہوئی جاتی ہے اور مجھے یقین بھی نہیں کہ میرا طریق استدلال تشفی بخش بھی ہے یا نہیں۔ پھر بھی میرا خیال ہے کہ مومن کی ردیفوں سے (اور شاید ہر شاعر کی ردیفوں سے) اس عام یا خاص موڈ کا اظہار ہوتا ہے: جس کے تحت وہ شاعری کر رہا ہوتا ہے۔ مومن کی بعض غزلیات کی ردیفوں میں لفظ نہیں سلبی ملان کو ظاہر کرتا ہے۔ طنز کا پیرایہ اور استفہام انکاری ان کے تشکیکی رجحان فکر کا بھی پتا دیتا ہے۔ ایسی غزلوں کی خاصی تعداد ہے: جن میں منفیانہ پیرائے ہیں۔ ان سے کوئی قطعی نتیجہ نکالنا تو مشکل ہے مگر دبی ہوئی تلخی کا احساس ہوتا ہے: جس پر خوش دلی کا پردہ پڑا ہوا نظر آتا ہے، اندر اللہ جانے کیا ہے؟ واسوخت لکھنے والے شاعر کے اندر کیا ہوتا ہے، یہ بھی خدا کو معلوم ہے مگر دبی ہوئی تلخی کا ہونا قرین قیاس ہے۔

یہ تو تھی ردیفوں کی چھپی ہوئی "تہ موج" مگر ظاہر میں تھوڑی سی کوشش سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ شاعر ردیفوں کی مدد سے غزل کی وحدت اور اس کے اندر کی لہر کے تسلسل کا پورا انتظام کر رہا ہے۔ یہ چیز اکثر غزلوں میں ہے اور اس کے لیے مثالیں دینے کی ضرورت نہیں۔

مومن جھولتی ہوئی اور جھومتی ہوئی بحروں کے بھی زیادہ دل دادہ نہیں۔ وجہ یہی ہے کہ وہ محض صوتی اثرات میں زیادہ اعتقاد نہیں رکھتے نہ ان کے ذہن کو اتنی فرصت ہے کہ لمبی بحروں کی تاب لا سکیں۔ عام طور سے متوسط طول کے افاعیل تفاعیل سے غزل بنا کر اس میں اپنے رنگ خاص کا مزاج اور مزاج خاص کا رنگ پیدا کر لیتے ہیں لیکن مشاعروں کے مقابلے میں اور ہم طرحی غزلوں کے امتحان عام میں ایسی زمینوں میں بھی طبع آزمائی کرنی پڑ جاتی ہے جو شاعر کے مزاج اصلی کے مطابق نہیں ہوتیں۔ یہ ہے رسم و رواج کا اثر اور زمانے کے عام ذوق کا اثر۔ اس لحاظ سے مومن نے بھی جھومتی اور جھولتی بحروں میں غزلیں لکھی ہیں، اگرچہ ان کی تعداد زیادہ نہیں۔ اس سلسلے کی ایک غزل وہ ہے: جس کا مطلع یہ ہے:

صفحۂ جیحوں پر جو کبھی ہم سوزشِ دل لکھواتے ہیں
سارے حباب لب دریا تبخالے سے بن جاتے ہیں

اس غزل کے چند اور اشعار پڑھیے:

آ چکے کل تم جھوٹ ہے ایسی باتوں میں ہم کب آتے ہیں
اس سے کہو جو تم کو نہ جانے، آپ کسے فرماتے ہیں

سوزشِ دل جب کہتے ہیں، تب آنسو وہ بھر لاتے ہیں
موم کی مانند آتشِ غم سے پتھر کو پگھلاتے ہیں

کیا کہیں تم سے اے ہم دردو، پوچھو مت مرغانِ چمن
کیوں کریاں ایامِ خزاں اور ہجر کے دن کٹ جاتے ہیں
کنجِ قفس میں بیٹھ کے گاہے روتے ہیں تنہائی پر
یادِ سیرِ موسم گل سے گاہے جی بہلاتے ہیں
شام سے اپنے سو رہے وہ تو اور ہم ان کے کوچے میں
ولولہ ہائے شوق سے کیا کیا پھرتے ہیں گھبراتے ہیں
کیا کسی بت کے دل میں جگہ کی، کوئی ٹھکانا اور ملا
حضرتِ مومن اب تمھیں کچھ ہم مسجد میں کم پاتے ہیں

مومن پر میر کا عکس بہت کم پڑا ہے مگر اس غزل میں عموماً جو راست بیان، سچے جذبات اور عام فہم سادہ زبان موجود ہے اس بنا پر اس غزل کو میر کے سلسلے کی چیز کہا جا سکتا ہے۔ یوں اردو کا کون سا شاعر ہوگا جو میر کے سامنے سر جھکا کر نہیں چلا مگر ان اثرات کا بیان خلطِ مبحث کا باعث ہوگا اور مومن کے امتیازات سے ہم بہت دور جا پڑیں گے۔

مومن نے اپیل پیدا کرنے کے لیے جو مختلف طریقے اختیار کیے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے تخلص کے استعمال میں تعجب انگیزی کے ذریعے لطف کا پہلو پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً:

دشمنِ مومن رہے یہ بت سدا — مجھ سے میرے نام نے یہ کیا کیا
ہرگز نہ رام وہ صنمِ سنگ دل ہوا — مومن ہزار حیف کہ ایماں گیا عبث
بت خانے سے نہ کعبے کی تکلیف دو ہمیں — مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا

فارسی میں کہا ہے:

مومن زدیں ملاف بہ پیشم کہ آگہم — ایماں سپردۂ بتِ زاہد فریب را
مردِ مومن دیدہ بر روئے صنم — برد با خود نیکیِ انجام را

مومن کا رتبہ اردو شاعری میں کیا ہے؟ جواب سہل ہے مگر اہلِ نقد و نظر کی آرا نے مسئلے کو مشکل بنا دیا ہے۔

غالب نے ایک شعر (تم میرے پاس ہوتے ہو گویا) سن کر کہا ''کاش مومن خان میرا سارا دیوان لے لیتا اور صرف یہ شعر مجھ کو دے دیتا'' (حالی: یادگارِ غالب)

''شاعری دون مرتبۂ اوست...... سحر را بہ مرتبۂ اعجاز رسانیدہ''۔ (گلشنِ بے خار) ''فنونِ نظم میں خدا نے ان کو وہ بہرہ دیا کہ اپنے استاد نصیر وغیرہ تمام اقران پر سبقت لے گئے'' (کریم الدین)۔ ''اشعار ان کے مضامین پیچیدہ اور نازک خیالیوں اور نادر ترکیبوں کے ساتھ درد و غم سے معمور ہیں'' (عرش گیاوی)۔ ''اگر میرے سامنے اردو کے تمام شعرائے

حصہ میں کا کلام رکھ کر (بہ استثنائے میر) مجھ کو صرف ایک دیوان حاصل کرنے کی اجازت دی جائے تو میں بلا تامل کہہ دوں گا کہ مجھے کلیات مومن دے دو اور باقی سب اٹھا کر لے جاؤ۔" (نیاز، نگار، مومن نمبر)۔

ان آرا کو انصاف کی نظر سے اور ذوقی دیانت داری کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو صاف نظر آ جائے گا کہ ان میں بے جا محبت کا مظاہرہ ہوا ہے۔ ہماری عام عادت ہے کہ ہم جس شاعر کے بارے میں کچھ لکھ رہے ہوتے ہیں اس سے ایسی محبت کرنے لگتے ہیں کہ اس کی تعریف میں مبالغہ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔ اس کو سب سے بڑا شاعر نہیں تو بہت بڑا شاعر ضرور قرار دیتے ہیں۔ یہ درست کہ خواہ مخواہ کیڑے نکالنے کی عادت بھی اچھی نہیں مگر اعزاز بلا استحقاق بھی تو مناسب نہیں۔

مومن کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اگر دوسرے درجے کے شاعر نہ تھے تو اول درجے کے شاعر بھی نہ تھے۔ اول درجے کی شاعری کے لیے چند اوصاف ضروری ہیں، مثلاً یہ کہ وہ مضمون کے لحاظ سے آفاقی اقدار کی حامل ہو، پھر یہ کہ وہ وسیع انسانیت کے کسی پیغام کی ترجمان ہو، یہ بھی کہ وہ قلب انسانی کے متعلق ہمارے علم میں اضافہ کرتی ہو، پھر وہ ایک ایسے اسلوب میں پیش کی گئی ہو جو اپنی حسن کاری کے باوجود براہ راست اپیل رکھتا ہو اور آرزوئے تخلیق کے بے ساختہ جذبے کے سوا کسی خارجی غرض سے متاثر نہ ہو۔

کلام مومن میں یہ باتیں کہاں تک موجود ہیں؟ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مومن کی شاعری میں خلوص موجود ہے، یعنی انہوں نے جو کچھ محسوس کیا اسی کو ظاہر کیا اور اس حد تک وہ مقبول بھی ہوئے۔ انہوں نے خاص تجربات کا بیان اس طریقے سے کیا ہے کہ اپیل میں ایک عمومیت پیدا ہو گئی ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو ان کے کلام میں اپیل کی بڑی وجہ ایک خاص پیرایۂ بیان ہے، نہ کہ انکشاف۔ وہ اس پیرایۂ بیان کی وجہ سے ممتاز ہیں ورنہ کوئی خاص بڑے حقائق -- جذباتی یا فکری -- ان کے کلام میں موجود نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی شاعر محض پیرایۂ بیان کے بل بوتے پر............ یا دردناک آواز میں اپنی غزل سنا کر............ بڑا شاعر نہیں بن سکتا۔ وہ مقبول ہو سکتا ہے مگر بڑا نہیں ہو سکتا۔

یہ بھی ممکن تھا کہ مومن اپنی شاعری میں غزل میں ان مذہبی تجربات کا رنگ پیدا کر دیتے جن سے متاثر ہو کر انہوں نے "مثنوی جہادیہ" لکھی لیکن اس دعوے کے باوجود کہ:

مومن نے ہر زمین کو مسجد بنا دیا

ان کی غزل میں مسجد کی تعمیر ہوئی نہیں اگر وہ سچ مچ مسجد تعمیر کرتے تو عاشقی اور مجاہدی کا عجیب وغریب آمیزہ ان کی شاعری میں پیدا ہو جاتا اور ان کی شاعری اقبال کی پیش روی کا فریضہ انجام دیتی۔ ان کے یہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ نیکی اور خوش وقتی کا اجتماع ہو سکا۔ اس کے علاوہ مومن کے انداز بیان میں جہاں چند باتیں دل کو اچھی لگتی ہیں، وہاں فارسی کی ثقیل ترکیبیں اور کلام کے الجھاوے ذوق پر گراں بھی گزرتے ہیں۔ اچھے بھی لگتے ہیں تو تاثیر کی بنا پر نہیں۔ اس کمزوری کی وجہ سے اچھے اشعار والی غزل بھی اکثر اوقات اپیل سے قاصر رہتی ہے۔

اس رائے کے باوجود مومن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ اول درجے کے شاعروں کا ذکر ہو اور ہم ان میں مومن کا نام نہ لیں۔ مومن کو ہم چھوڑنا بھی چاہیں تو وہ بزور اپنا حق ہم سے منوا لیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن کی شاعری سچ بولنے والوں کی شاعری ہے۔ مثنویات کی سادہ کہانیاں بے تکلف کہانیاں ہیں مگر سچائی ان میں بھی ہے۔ مثنویوں کو زبردستی سے ناول یا کوئی باقاعدہ قصہ نہیں بنایا، ان میں سیدھی سادی باتیں ہیں، مثلاً یہ کہ عاشق کی، چھپ چھپ کر ملے، راز کھل گیا، رسوائی ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ باقی رہی غزل سو اس میں بھی سچائی ہے، اس کے علاوہ عاشقی اور تہذیب کا سمجھوتہ ہے۔ مومن نے لکھنو کا رنگ اختیار کر کے یہ ثابت کیا کہ محبت کے خارجی مضامین بھی تہذیب و متانت کے ساتھ بیان کیے جا سکتے ہیں۔ پھر ان مضامین کو ادا اس طرح کیا ہے کہ ہر پڑھنے والا انوکھے انداز کی جانب متوجہ ضرور ہوتا ہے او متوجہ ہونے کے بعد محظوظ بھی ضرور ہوتا ہے۔ عاشق اور معشوق کی دنیا کی بعض عادتوں اور رویوں کا ایسا بیان ہے جو ایام جوانی کے علاوہ اس زمانے میں بھی بھلا معلوم ہوتا ہے جب پڑھنے والا جوانی سے گزر کر یاد ایام جوانی کی منزل میں ہوتا ہے۔ جب تک پڑھنے والوں کی دنیا ان جذبوں سے متاثر ہوتی رہے گی۔

مگر صرف اس بنیاد پر ہم انہیں اول درجے کے شاعروں میں رکھ نہیں سکتے، اگرچہ یہ بھی ممکن نہیں کہ ہم انہیں صرف دوسرے درجے کا شاعر کہہ کر ٹال دیں۔ مسجد گری ہوئی بھی ہو تب بھی احترام کے بغیر چارہ نہیں۔ اسی الجھن کی وجہ سے ان کی رتبہ شناسی کے معاملے میں اہل نقد و نظر کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ محمد حسین آزاد نے از خود انہیں آب حیات میں جگہ نہ دی، لوگوں کے اصرار پر انہیں آب حیات میں جگہ ملی۔ جدید تر زمانے کے لوگوں میں اس کا یہ رد عمل ہوا ہے کہ وہ مومن کو بہت اونچی صف میں بٹھانے پر تلے ہوئے ہیں۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ وہ اپنے مجموعی کارنامے کے لحاظ سے دوسرے درجے کے شاعر ہیں، لیکن اگر کوئی اول درجے کے شاعروں میں بھی انہیں بٹھا دے تو اس پر کچھ زیادہ اعتراض نہ ہوگا۔

ڈاکٹر سید عبداللہ
یونی ورسٹی اورنٹل کالج لاہور

کلیاتِ مومن

مرتبہ

کلب علی خاں فائق

دیباچۂ اول

از

نواب محمد مصطفیٰ خان شیفتہ وحسرتی

حمد را بالائے شکر ازاں گزیدہ اند کہ ایں بہ ازای نعمت است وآں را انتظار مکرمت نے، و در قدسی بارگاہ واہب بے مزد و منت ہمیں اولیٰ تر۔ اما آدم زاد را کہ ہنوز از صلب پدر بہ بطن مادر نہ خرامیدہ، مصدر گونا گوں آلا است، چہ نیرو کہ از شہرستان در بند سپاس یک نعمت بر آید، تا بہ دشوار گزار وادیٔ حمد گام کہ زند۔ یارب حسرتی فزوں تر از حوصلۂ خویشتن بہ نعمت ہا کامیاب و فزوں تر ازیں امیدوار دریں راہ پر گم کردہ راہ است و سخت سرگشتہ۔ نیایشے کہ تراسزا است از کجا آرد و سپاسے کہ فراخور چندیں موہبت ہاست چگونہ گزارد، فرو ہیدہ آنست کہ نغمۂ:۔

"لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک"

ریزد، کہ دریں راہ تن زدن بال و پر زدن است و از پرواز ماندن بر کاخ نشستن و آشیاں بر شاخ بستن و ہمیں ہنجار زمزمہ۔ بیت:

از دست و زبانے کہ بر آید
کز عہدۂ شکرش بہ در آید

سر آید، کہ دریں مقام لب از ترانہ بستن غلغل انداختن و زمزمۂ خموشی سرودن شور افگندن، اما با ایں ہم نقش ہیم از گوشۂ دلستردہ می شود و تراشہ نمی یابد کہ مضمون:

"واما بنعمة ربک فحدث"

دل نشین است۔ ایں طرفگی ہابداں ماند کہ آبلۂ پا روندہ را از خار زار نسری[1] بہ گزراند و نفس نفس شتاب از برق دریوزہ کردن و سرعت از صبا ربودن را سرزنش نماید و او را کسے چگونہ بے حساب نعمت ہائے ترا بر شمارد۔ ہر

۱۔ نسری۔ نسخۂ ششم ۱۹۳۰ء (ص ۲) بقیہ نسخوں میں نسرین ہے۔

نفسے کہ فرومی رود ممدِ حیات است و چوں برمی آید مفرحِ ذات، پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است، لاجرم یک منت را کہ باجلالت آں ہزار موہبت مصادم و مقادم نہ گردد، جلوۂ اظہار می دہد۔ و آں خلق و آفرینش باعث آفرینش خلق و عالم سبب ظہور آدم، نقادۂ دو جہاں سرور انس و جان، شفیع المذنبین، سید المرسلین محمد مصطفیٰ است صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ اجمعین، الیٰ یوم الدین کہ اگر وجود باجودش[1] بہ گیتی نیامدے گیتی آفریدہ نشدے و عالمیاں چندیں نعمت ہائے ارزاں و عطیات گراں درنہ ربودندے، لذت چشان تلخی دنیا را حلاوت نعیم جناں بہ کام نہ رسیدے، روشن ضمیران بیدار مغز را شبستان خاطر خورشید جانہ گردیدے۔ داؤد را الحن و یوسف را جمال موسیٰ را دست و عیسیٰ را دم چگونہ ارزانی گشتے۔ گل را رنگ و بلبل را نظارہ، شمع را افروختن و پروانہ را سوختن کجا بودے۔ نہ دل ربایاں را ناز بودے و نہ دل ربودگاں را نیاز، نہ عندلیب نغمہ یافتے و نہ حسرتی سخن۔ دانش پژوہان ژرف نگاہ دانند کہ در ہمہ عالم چیزے نیست کہ با سخن نطع مساوات گسترد و دم برابری زند، انسان را بر حیوان شرف از نطق است و بس، صفت مصطفےٰ، فلسفیاں دلیل است یکے را بر چند صفوت کدۂ دل بہ نور توحید داور گیتی پرور دو بہ فروغ رسالت خداوند اعجاز شق القمر آفتاب منزل باشد بانیروے گویائی[2] تا بہ اقرار ایں رطب اللسان و بہ اظہار آں عذب البیاں نہ گردد در کوچۂ اسلامیانش جانہ دہند، آرے گفت مجرد بے قبول قلب و تسلیم دل بر نہ دہد۔ اما ایں مایۂ خود مفت اوست کہ خونش[3] بر تیغ بے دریغ غازیان کافر کش حلال نہ ماند نہ قاضی باد افراہ کفر طلبد و نہ حاکم ذلتش سرمایۂ دنیا و آخرت داند۔

بے غائلہ سخن آرائی سخن نجات جاودانی را ذریعہ است و معیشت زندگانی را وسیلہ تا باہم حرف نہ زنند، ہیچ معاملہ در جہاں صورت نہ گیرد، و بداں ساں کہ کلام متسقہ[4] الانتظام را بر پراگندہ الفاظ افزونی ہست موزوں را بر ناموزوں ترجیحے، خرم آں کہ بہ داعیۂ وزن فطری بہ تہذیب سخن چوں تہذیب نفس مائل است کہ آں آرائش باطن است و ایں پیرایۂ ظاہر، نیل آں را خدمت صاحب دلے شرط است و کسب ایں را صحبت سخن ورے لازم۔

آئینہ باصفائے اصلی بہ روشن گرمحتاج است و شمشیر با جوہر جبلی بہ صیقل گر نیازمند، امروز کسے کہ نیکو نوازندۂ قانون سخن فرخ آموزندۂ قوانین ایں فن باشد، حکمت پناہ، والا دستگاہ، ذوالتربیت الجلیلہ عالی الکعب فی الفنون العظمیہ، مہین پور آبائے علوی، گزین نتیجۂ امہات سفلی، فروغ بزم آفرینش، چراغ چشم دانش و بینش، دقیقہ کشائے رموز مشکل، کشادہ خاطر، آگاہ دل، گزیدۂ دور زماں، حکیم محمد مومن خاں است کہ ہر حرفش گنجینۂ مضامین و

۱۔ "باوجودش" نسخۂ طبع اول و دوم (ص ۳،۳) نسخۂ طبع ششم (ص ۳) "باجودش"۔ مرتب

۲۔ گویائی نسخۂ طبع دوم نول کشور (ص ۳) میں نہیں ہے۔ (مرتب)

۳۔ نسخۂ طبع اول و دوم (ص ۳،۳) میں "خویش" اور طبع ششم نول کشور میں "خونش" ہے۔ (مرتب)

۴۔ "متسقہ الانتظام" نسخۂ اول و دوم طبع نول کشور (صفحہ ۳،۳) متسقہ الانتظام، طبع ششم صفحہ ۳ (مرتب)۔

معانی است وسخن غیر را با کلامش نسبت ہذیانات مسیلمہ وآیات قرآنی، ہنگاور طبعش راچرخ چارمیں درزیرگام اولین است، نازم بہ جولان توسن خیالش کہ فراز فلک تازدو چنداردکہ برزمین است، تعالیٰ اللہ دانش آئینے کہ شعر را پیرایۂ حکمت پوشانیدہ ومقصودش ازیں بلند آہنگی نہ بہ ژاژ بطلیموس گردیدن است، بل معنی:

"ان من الشعر لحکمہ"

راجلوۂ اظہار بخشیدن، حبذا سحر بیانے کہ نظم را ہم اثر افسوں گردانیدہ ومدعایش نہ دکان ہاروتی چیدن است بلکہ مضمون: "ان من البیان لسحراً" را بہ عرصۂ بروز کشیدن، اگر بہ قدح چنگ ورباب نغمہ سازی کند زہرہ بہ چرخ درآید و اگر بہ بے دانشی خم کدہ نشینان سخن طرازی وہد فلاطون رادر خم نشستن دوراز خود نماید[1]۔

آبیات

سبحان اللہ چہ نکتہ دانیست | یک حرف طلسم صد معانیست
در سینۂ پاک او زمضموں | گنجے و چہ گنج، گنج قاروں
مضموں بہ سرش چو در بہ دریا | معنی بہ دلش چو مے بہ مینا
ہر غنچۂ او چمن بہار ست | ہر گوہر فکرش آب دار ست
رشح قلمش چو ابر آزار | گلشن گلشن دماندہ گل زار
خرم گل گلشن معانیست | نوبادۂ باغ نکتہ دانیست
نطقش چو دم مسیح ز اعجاز | در قالب مردہ جاں دمد باز

اکنوں نفسے ازیں درازنفسی ہائے کوتاہ می آساید۔ وبہ راستی ہائے[2] دروغ نمانہ می گراید و برخود وبردیگراں می بخشاید کہ مبادا ناپارسا گوہرے رادیگ حسد بہ جوش آید ورقم ایں تازہ نقوش را غبار آلودۂ تہمت وخویشتن را تردامن معصیت نماید ولختے بہ وصف نقش سخن می آراید۔ ابیات قصیدہ درفراوانی چوں ثوابت ودر رخشانی[3] چوں سیارہ، اشعار غزل ہم مانند ماہ فروغ نظر وہم مانند مہر تاب سوز، نظارہ مطلعش ہم جلوۂ آفتاب عالم تاب، مصرعش بسان مصرع قامت یار بے جواب، مخمس چوں پنجۂ خورشید فروزاں، مثمن ہم رنگ ہشتم باغ جناں، مسدساتش درشش جہت منشور، رباعیاتش در چاردانگ عالم مشہور، ومراعاتے کہ پے تہذیب سخن افزودہ است گفتن را بیانش کالیوہ کند وشنیدن را شوریدہ کہ از روز آغاز ایں فن نہ زبانے چنیں نغز ہا گفتہ ونہ گوشے چنیں نوادر شنیدہ۔ انموذج را شمّے چند بیاورم کہ علی سبیل الالتزام ہر جنس سخن وے از شعر پر کن تہی است۔ سنگ

۱۔ نسخۂ طبع ششم میں "نماند" ہے۔(مرتب)

۲۔ نسخۂ طبع اول ودوم ملول کشور میں "براستیہائے" اور طبع ششم میں "براستی ہائے" ہے جو صحیح ہے۔(مرتب)

۳۔ "رخشانی" طبع اول ودوم (صفحہ ۵،۴)۔ "درخشانی" طبع ششم (صفحہ ۵)۔(مرتب)

ریزہ ہائے الفاظ غلط کہ باستانی [1] شعرا آں را بالعل و گوہر برابر شمردہ اند یا غیر نکیر در در ہائے شاہوارش نامسلک و غیر منتظم و دوشیزہ ہائے فکرتش بہ زیور گوناگوں صنائع آراستہ، وچناں بے تکلف کہ گوئی گویندہ را بہ لفظ پیرائی سرے نہ بودہ، تنہا آرائش صورت معنی در نظر داشتہ، طرز گزین، روش [2] متین، الفاظ شگفتہ و دل پسند، معانی تازہ و بلند، چستیٔ اسطقس تراکیب، شوکت کلمات، تنومندیٔ اندیشہ، نزاکتِ خیال، رشاقتِ مضمون، رعایتِ مقتضائے مقام، شوخیٔ انداز، جزالت عبارت، الفاظ آشنا معنی بیگانہ، نہ تشنیع خور حسن ادا، وقف فکرت اوست و براحتراز از استعارات بعیدہ و تشابیہ رذیلہ و تصورات رکیکہ و تدقیقات وہمی و پیچش گزارش و محسنات صورت آرائندہ و معنی خراب کنندہ و معانی ناآشنا و مضامین بیگانہ صرف ہمت او ناظورۂ اندیشہ اش از لباس عاریتی ہمہ تن عور است و بہ تقاضائے یکتائی از متاع دست فرسودۂ روزگار نفور، اما ازاں جا کہ زیست آزادانہ گزیدہ است در بند بے تعلقی ہا افتادہ و نیز دل شورش پسند و خاطر ناآرمیدہ مجالے نہ دادہ از رام کردن وحشی غزالان شہری کہ دررم کردن سبق بر آہوان صحرائی می برند، فرصتش کو کہ صید وحشی مضامین بسمل را بہ دام آورد، صیادان کارآگاہ دانند کہ اگر نخچیر بہ دست آمدہ و شکار بہ دام افتادہ رم خورد، چہ خون ہا کہ نہ باید خورد و چہ دل ہا کہ کباب نہ باید کرد۔ حسرتی را تماشائے ایں شگرف ماجرا دل بہ سوخت و ایں ستم طاقت گداز ناشکیبی آفریں را حوصلہ برنہ تافت [3]۔ درگرد آں شد کہ ایں گراں ارز جواہر را کہ چوں درِ منثور [4] پراگندہ است بہ رشتہ کشد و منت ہا بر خویشتن و شناسندگان سخن نہد۔ لاجرم با دل شرحہ شرحہ و جگر پارہ پارہ آبلہ پائے وادی تردد و تلاش گشت، پس فراواں جستجو و ہزاراں تگاپو اندکے از بسیارے بہ دست آورد۔ حیف کہ بسیارے تلف گردیدہ، شکر کہ اندک ہم بہم رسید و چوں آں ابیات متفرق را بہ شیرازۂ جمعیت آورد مشکل پسند خاطرش پارۂ حذف فرمود و لختے افزود کہ باغبان را از رفتن خس و خاشاک ناگزیر است و مشاطہ را آئین بستن نگار ناچار، ازیں گفت حاصل من آنست کہ جز ایں ہر چہ بہ نامش نگرند، از آنش نہ دانند و انچہ ایں وقت از خیالاتش یک جا شدہ قیاس شش ہزار بیت می دانداز یں پس ہر نہالے کہ نخل بند فکرتش بہ پروردبو کہ دریں چمن زار بہ جلوہ درآید، چہ سرو مصاحبت گل و قمری ہمدمی بلبل را شاید۔ و بہ زمانہ کہ تہذیب ایں دل فریب بستاں اتفاق افتاد از ہجرت ہزار و دو صد و چہل و سہ سال بر وفق ہلال گشتہ بود و سنین عمرش کہ چوں عمرِ خضر از حد شمار برگراں باد بہ بست و نہ رسیدہ، و از بس کہ ایں دیوان بے نظیر است تاریخش "دیوان بے نظیر" است۔

۱۔ "پاستانی" نسخۂ طبع ششم میں ہے، نسخۂ اول و دوم میں "باستانی" ہے۔ (مرتب)

۲۔ نسخۂ اول کشور طبع اول (صفحہ ۴) و نسخۂ ششم (ص ۵) پر "روشن" غلط۔ صحیح "روش" ہے۔ (مرتب)

۳۔ "نتافت" طبع اول و ششم نول کشور (صفحہ ۶) و طبع دوم "نیافت"۔ (مرتب)

۴۔ "منثور" طبع اول و دوم (صفحہ ۵،۶) "منثور" طبع ششم (صفحہ ۶) (مرتب)

الا اے سینہ ریشان سوختہ دل! اگر یکے از شما را بہ روز بخت جانی ہا ازیں شمشیر ہندی کار بہ تمامی نہ کشد، زود کہ بہ آتش فارسی دود از نہاد بر آوردم۔ سخن آفرین را نیایش و سخن شناساں را مژدہ کہ بہ یاوری بخت و تنومندی ہمت سعی من مشکور آمد و پویہ کہ از دیر باز گرد دل می گشت بہ خوب ترین وجہے سرانجام یافت۔ بنا میزد نگوتر از ارژنگ مانی مرقعے آراستہ شد۔ دیدہ وراں تصویر یوسف را بہ بیعانہ ہم نہ گیرند۔ کہن ناسور تازہ جراحت تمنایاں را مرہم گشت، مشک و نمک بہم سرشتہ تشنہ کامان دریا طلب را شربتے آمد قند با گلاب آمیختہ محفل دلبراں را گرمی ہنگامہ افزوں شد۔ دل رفتگاں را سر رشتہ آہ و نالہ بہ چنگ[1] آمد، گویندگاں را قانون دل نوازی بہ دست افتادہ، سخن را ساز و برگ دیگر گشت بدمستان آگہی را جام جہاں نمائے دانش بہ کف رسید، جنون زدگان را بہارے تازہ آمد۔ زہرہ نازید، عطارد بالید۔ الٰہی چناں کہ ایں آغاز بہ نکوئی انجامید فرجام حسرتی نامہ سیاہ ہم بہ خیر و سعادت باد۔

۱۔ "بہ جنگ" نسخۂ اول و دوم طبع نول کشور (صفحہ ۷، ۵)" بہ چنگ" نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۷)۔ (مرتب)

دیباچۂ ثانی

از

عبدالرحمان آہی

سپاس ومنت مر خدائے را جل شانہ وعز اسمہ کہ سخن برزبان آفریدہ وگوش را ازاں بہرہ ور ساخت وابر را گہر افشانی آموخت وصدف را بداں آبستنی کرد یعنی بے بضاعتاں را از گراں مایگاں قدرے فزوں تر نواخت، وعارض معنی را فروغ مہر جہاں تاب داد، ونقاب الفاظ براں باز کشید وجمال مطلق را از بند مستوری بہ در آورد و پردۂ بیگانگی درمیاں انداخت یعنی فرق نازک درمیانہ محرم ونامحرم نہاد:

ہر کس نہ شناسندۂ راز است وگرنہ
ایں ہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

درود نامحدود بر روح مقدس سید الفصحا، ابلغ البلغا، خواجۂ عالم وعالمیاں سیدنا ومولانا ونبینا حضرت احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے بہ دولت گفتار بلاغت آثارش سخن بہ پایۂ اعجاز رسید وبہ تاثیر کلام معجز نظامش کارے کہ از خنجر و سنان بر نیاید از زبان برآمد[1] نطق را آں مایۂ شرف وامتیاز حاصل شد کہ ملائکہ از بہر ادراک ایں فضیلت از لباس ملکی در زی انسانی فرود آمدند ولسان عربی را عرے وجائے بہم رسید کہ لغت ناشناسان تازی زبان را شائستۂ خطاب گویائی نہ دانستہ ملقب بہ عجم ساختند:

حق جلوہ گر ز طرز بیانِ محمد است
آرے کلامِ حق بہ زبانِ محمد است

---

[1] نسخۂ اول و دوم طبع نول کشور (ص ۲۵۴ و ۲۸۹) "برآمد" اور نسخۂ طبع ششم (ص ۳۲۰) "برآید" (مرتب)

اما بعد بندۂ ہیچ میرز، ہیچ مداں عبدالرحمان خلف میر حسین تسکین غفراللہ لہما سیاٰتہما وتجاوز عن خطایاتہما بہ خدمت نکتہ سنجان دقیقہ گزیں و ادا پرستان سخن آفریں التماس می دارد کہ ایں گل کدۂ معانی و گنج طلسم جدائی وشیرۂ خانۂ روحانی، نسخۂ سحر حلال و مرقع تمثیل خیال و بیت الشرف مہر کمال، صفۂ عرائس مضامین غرا و روضۂ ریاحین اشعار مطرا، مصداق "ان من البیان لسحرا"[۱] ناسخ زبر اولین و دستور العمل آخرین، مجموعۂ افکار نو آئین یعنی دیوان بلاغت آگین کہ ہمین نتیجہ ایست از نتائج طبع بلند و نفائس فکر ارجمند، متقن قواعد سخن وری و سخن دانی و مروج احکام نکتہ سنجی و نکتہ رانی، غواص قلزم تحقیق وشناور دریائے تدقیق، نبض شناس سخن و مزاج دان گفتار، عروج کوکب فن و فروغ طالع اشعار، نازک خیال، ژرف نگاہ، والا اندیشہ، بلند نظر، رنگیں بیاں، ادا فہم، دقت آفریں، معنی پرور، سقراط وقت، بقراط زماں، فلاطون عصر، جالینوس دوراں، اوستادی و مولائی حکیم غفران مآب مومن خاں متخلص بہ مومن سلکہ اللہ تعالیٰ بحبوحۃ الجنان تا ابدالابدین و افاض علیہ من شآبیب الرحمۃ والرضوان فی اعلیٰ علیین۔

بس کہ وارستگی و آزادگی لازم طبیعت خان مبرور بود و ازیں رو بہ تالیف و ترتیب کلام خویش چہ ریختہ و چہ فارسی سرے نہ داشتند، مدت ہا در زمان حیات ایشاں از حلیۂ انتظام معطل و از پیرایۂ ترتیب معریٰ بود، عاقبت چوں تشنگی طلب ارباب ذوق بہ غایت رسید و تقاضائے خریداراں از حد درگزشت، جناب مستطاب نواب عالی درجات قدسی صفات محمد مصطفیٰ خاں بہادر مدظلہ العالی بہ جمع و تدوینش ہمت عالی مصروف داشتند و در فراہم آوردن اصناف کلام ریختہ حضرت مصنف دقیقہ از دقائق فرونہ گذاشتند۔ اما ازاں جا کہ ہنوز آں قلزم فیض در روانی و آں ابر رحمت در گہر افشانی بود، کلام بلاغت نظامش آناً فاناً متزائد و متضاعف و یوماً فیوماً متکاثر و متوافر می شد تا آں کہ بدر کمال را زمان خسوف فرا پیش آمد و آفتاب ہنر نزدیک لب بام رسید یعنی جناب خان ممدوح را مرض الموت در گرفت و آثار مرگ از آغاز مرض بر ناصیۂ حال ایشاں آشکارا گشت۔ چوں آں رواں فرسا زحمت قدرے دیر کشید، بندۂ کمینہ کہ از بدو صبا تا آخر عمر حضرت سابق الوصف در کنار عاطفت ایشاں منظور نظر تربیت ماندہ و با وجود نسبت برادر زادگی علاقۂ پسر خواندگی با آں جناب ہم دارد، فرصت وقت را کہ فی الحقیقت فرصت پروانۂ محفل در آخر شب و فرصت مرغ چمن در آمد زمہریر، بیش نہ بود، غنیمت شمردم و نسخۂ کہ بہ جہد بلیغ و سعی موفور مطابق مجموعۂ فراہم آوردۂ نواب معلی القاب با بسیارے از غزلیات و رباعیات و مخمسات و مثنویات و افراد دیگر کہ بعد از ترتیب اولین از صفحۂ اندیشہ لوح بیان ریختہ بود بہ قلم خود نگاشتہ بودم از اول تا آخر بہ امید تصحیح و تقریر بہ نہج ترتیب خویش پیش گاہ مصنف علیہ الرحمۃ بر خواندم۔ چناں چہ پارۂ را بہ زیور اصلاح و حلیۂ تہذیب آراستند و پارۂ بہ حال خود گذاشتند و سہ روز در وفات ایشاں باقی ماندہ بود کہ دیوان تشریف تمامی در بر کشید و ایں مصرع از زبان حال خان مغفور تراوش یافت:

حوالت با خدا کردیم و رفتیم

اکنوں بہ جزم یقین می تواں گفت کہ بعد ایں تدوین و ترتیب کہ مرۂ بعد اولیٰ و ثانیاً بعد اخریٰ بر روے کار آمدہ، ہر کہ

ا۔ "پیش" نسخۂ اول و دوم (صفحہ ۲۵۵، ۲۹۰) و طبع ششم نول کشور (صفحہ ۳۲۱) "پیشا"۔ (مرتب)

بیروں ازیں سفینہ بیتے از ابیات یا فردے از افراد از نتائج فکر صاحب دیوان نشان دہد، باید دانست کہ الحاقے بیش نیست یا خود از کلام او نیست یا مطروح و منسوخ۔

سخن کوتاہ کتابے است عدیم النظیر و نسخہ ایست فقید البدل، حروفش دل نشیں و معانیش نو آئین، آنچہ در گفتار میر و میرزا جستہ جستہ تواں یافت ایں جا دستہ دستہ می تواں دید۔ منصفے باید صاحب ذوق و ماہر فن تا دارسد کہ سخنور شاعری نہ کردہ است بلکہ ساحری کردہ۔ پایۂ بخشش چنداں کہ کاوی بالا تریابی و در گفتارش چنداں کہ نجی گراں تر بینی شعر را بدیں جا کہ رسانیدہ و ریختہ را ایں مرتبہ کہ بخشیدہ، کتاب نیست گوہر نایاب است و دیوان نیست انتخاب است:

زفرق تا قدمش ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

شناوران سخن را مژدہ باد کہ دیوان مومن حلیۂ انطباع پوشیدہ![1] ۔ وجنس گراں ارز کہ جان گرامی بیعانگی آں نتواں کرد۔ چوں ماہ کنعاں در بازار مصر بہ ہیچ می ارزد۔ خزفے چند بیارند و بضاعتے با خود برند و نخستے بہ دیدنش بہ پردازند و صحائف پیشیاں از دست بیندازند:

ہاں اہلِ نظر وقتِ وداعِ دل و دین است
یوسف بہ خرید آمدہ در قافلۂ ما

فقط والحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔

۱۔ "وجنس گراں ارز کہ جان گرامی بیعانگی آں نتواں کرد" یہ عبارت نسخۂ طبع دوم ۱۸۷۶ء سے چھوٹ گئی تھی۔ (مرتب)

غزلیات

ردیف الف

(1)

نہ کیوں کر مطلعِ دیواں ہو مطلع مہرِ وحدت کا
کہ ہاتھ آیا ہے روشن مصرعِ انگشتِ شہادت کا

بچاؤں آبلہ پائی کو کیوں کر خارِ ماہی سے
کہ بامِ عرش سے پھسلا ہے یارب پاؤں وقت کا

سرشکِ اعترافِ عجز نے الماس ریزی کی
جگر صد پارہ ہے اندیشۂ خوں گشتہ طاقت کا

نہ یہ دستِ جنوں ہے اور نہ وہ جیبِ جنوں کیشاں
کہ ہو دستِ مژہ سے چاک پردہ چشمِ حیرت کا

نہ دے تیغِ زباں کیوں کر شکستِ رنگ کے طعنے
کہ صف ہائے خرد پر حملہ ہے فوجِ خجالت کا

غضب سے تیرے ڈرتا ہوں، رضا کی تیری خواہش ہے
نہ میں بیزار دوزخ سے، نہ میں مشتاق جنت کا

گلوئے خامہ میں سرمہ مدادِ دودۂ دل ہے
مگر لکھنا ہے وصفِ خاتمہ جلدِ رسالت کا

نہ پوچھو گرمیِ شوقِ ثنا کی آتش افروزی
بنا جاتا ہے دستِ عجز شعلہ شمعِ فکرت کا

نمک تھا بختِ شورِ فکر خوانِ مدحِ شیریں پر
کہ دندانِ طمع نے خوں کیا ہے دستِ حسرت کا

خدایا ہاتھ اٹھاؤں عرضِ مطلب سے بھلا کیوں کر
کہ ہے دستِ دعا میں گوشہ دامانِ اجابت کا

عنایت کر مجھے آشوب گاہِ حشرِ غم اک دل
کہ جس کا ہر نفس ہم نغمہ ہو شورِ قیامت کا

جراحت زار اک جاں دے کہ جس کی ہر جراحت ہو
نمک داں شورِ الفت سے مزا آئے عیادت کا

فروغِ جلوۂ توحید کو وہ برقِ جولاں کر
کہ خرمن پھونک دیوے ہستیِ اہلِ ضلالت کا

مرا جوہر ہو سر تا پا صفائے مہرِ پیغمبر
مرا حیرت زدہ دل آئینہ خانہ ہو سنت کا

مجھے وہ تیغِ جوہر کر کہ میرے نام سے خوں ہو
دلِ صد پارہ اصحابِ نفاق و اہلِ بدعت کا

خدایا لشکرِ اسلام تک پہنچا کہ آ پہنچا
لبوں پر دم بلا ہے جوشِ خوں شوقِ شہادت کا

نہ رکھ بیگانۂ مہرِ امامِ اقتدا سنت
کہ انکار آشنائے کفر ہے اس کی امامت کا

امیرِ لشکرِ اسلام کا محکوم ہوں یعنی
ارادہ ہے مرا فوجِ ملائک پر حکومت کا

زمانہ مہدیِٔ موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیو سلامِ پاک حضرت کا

(۲)

آگ اشکِ گرم کو لگے جی کیا ہی جل گیا — آنسو جو اُس نے پونچھے شب اور ہاتھ پھل گیا

پھوڑا تھا دل نہ تھا یہ موے پر خلل گیا — جب ٹھیس سانس کی لگی دم ہی نکل گیا

کیا روؤں خیرہ چشمیِ[1] بختِ سیاہ کو — واں شغل سرمہ ہے، ابھی یاں نیل ڈھل گیا

کی مجھ کو ہاتھ ملنے کی تعلیم ورنہ کیوں — غیروں کو آگے بزم میں وہ عطر مل گیا

اس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی — کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا

جوں خفتگانِ خاک ہے اپنی فتادگی — آیا جو زلزلہ کبھی کروٹ بدل گیا

اُس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل — میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

کچھ جی گرا پڑے تھا پر اب تو نے ناز سے — مجھ کو گرا دیا تو مرا جی سنبھل گیا

مل جائے گر یہ خاک میں اس نے وہاں کی خاک — گل کی تھی کیوں کہ پاؤں وہ نازک پھسل گیا

بت خانے سے نہ کعبے[2] کو تکلیف دے مجھے — مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا

(۳)

لگے خدنگ جب اس نالۂ سحر کا سا — فلک کا حال نہ ہو کیا مرے جگر کا سا

نہ جاؤں گا کبھی جنت کو میں نہ جاؤں گا — اگر نہ ہووے گا نقشہ تمھارے گھر کا سا

کرے نہ خانہ خرابی تری ندامت جور — کہ آب شرم میں ہے جوشِ چشمِ تر کا سا

یہ جوشِ یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت — دعائے وصل نہ کی وقت تھا اثر کا سا

لگے ان آنکھوں سے ہر وقت اے دلِ صد چاک — ترا نہ رتبہ ہوا کیوں شگافِ در کا سا

ذرا ہو گرمیِ صحبت تو خاک کر دے چرخ — مرا سرور ہے گل خندۂ شرر کا سا

یہ ناتواں ہوں کہ ہوں اور نظر نہیں آتا — مرا بھی حال ہوا تیری ہی کمر کا سا

جنوں کے جوش سے بیگانہ وار ہیں احباب — ہمارا حال وطن میں ہوا سفر کا سا

خبر نہیں کہ اسے کیا ہوا پر اُس در پر — نشانِ پا نظر آتا ہے نامہ بر کا سا

دل ایسے شوخ کو مومن نے دے دیا کہ وہ ہے — محبِّ حسین کا اور دل رکھے شمر کا سا

۱۔ نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ء ص ۳۲: خیرہ چشمہ

۲۔ نسخۂ دیوان مومن مرتبہ ضیا طبع ثانی ۱۹۲۷ء ص ۳ میں "کو" ہے اور نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ء میں "کی" (ص ۳۲ حاشیہ)

(۴)

گر وہاں بھی یہ خموشی اثرِ افغاں ہو گا
حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہو گا

ان سے بدخو کا کرم بھی ستمِ جاں ہوگا
میں تو میں ،غیر بھی دل دے کے پشیماں ہوگا

اور ایسا کوئی کیا بے سر و ساماں ہوگا
کہ مجھے زہر بھی دیجئے گا تو احساں ہوگا

محو مجھ سا دمِ نظارۂ جاناں ہوگا
آئنہ آئنہ دیکھے گا تو حیراں ہوگا

خواہشِ مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

ایسی لذت خلشِ دل میں کہاں ہوتی ہے
رہ گیا سینے میں اس کا کوئی پیکاں ہوگا

بوسہ ہائے لبِ شیریں کے مضامیں ہیں[۱] نہ کیوں
لفظ سے لفظ میرے شعر کا چسپاں ہوگا

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل
تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا

حیرتِ حسن نے دیوانہ کیا گر اس کو
دیکھنا خانۂ آئینہ بھی ویراں ہو گا

دیدۂ منتظر آتا نہیں شاید تجھ تک
کہ مرے خواب کا بھی کوئی نگہ باں ہوگا

ایک ہی جلوۂ مہ رو میں ہوا سو ٹکڑے
جامۂ صبر جسے کہتے ہیں کتاں ہوگا

گر یہی گرمیِ مضمون شرر ریز رہی
رشتۂ شمع سے شیرازۂ دیواں ہو گا

کیوں کہ امید وفا سے ہو تسلی دل کو
فکر ہے یہ کہ وہ وعدے سے پشیماں ہوگا

گر ترے خنجرِ مژگاں نے کیا قتل مجھے
غیر کیا کیا ملک الموت کے قرباں ہوگا

اپنے انداز کی بھی ایک غزل پڑھ مومن
آخر اس بزم میں کوئی تو سخن داں ہوگا

(۵)

بے سبب کیوں کہ لبِ زخم پہ افغاں ہوگا
شورِ محشر سے بھرا اس کا نمک داں ہوگا

آخر امید ہی سے چارۂ حرماں ہوگا
مرگ کی آس پہ جینا شبِ ہجراں ہوگا

مجمعِ بسترِ مخمل شبِ غم یاد آیا
طالعِ خفتہ کا کیا خواب پریشاں ہوگا

دل میں شوقِ رخِ روشن نہ چھپے گا ہرگز
ماہ پردے میں کتاں کے کوئی پنہاں ہوگا

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

شومیِ بخت تو ہے چھین لے اے وحشتِ دل
دیکھ زنداں ہی کوئی دن میں بیاباں ہوگا

---

[۱] "ہیں" مطابق نسخۂ ضیا طبع ۱۹۲۷ء (ص ۴) لیکن نولکشوری نسخے (طبع ۱۸۸۰ء ص ۳۵) میں "میں" ہے۔

نسبت عیش سے ہوں نزع میں گریاں یعنی ہے یہ رونا کہ دہن گور کا خنداں ہوگا
بات کرنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا دل بھی شاید اسی بدعہد کا پیماں ہوگا
چارہ جو اور بھی اچھا میں کروں گا ٹکڑے پردۂ شوخ جو پیوندِ گریباں ہوگا
دوستی اس صنمِ آفتِ ایماں سے کرے مومن ایسا بھی کوئی دشمنِ ایماں ہوگا

(۶)

دیدۂ حیراں نے تماشا کیا دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا
ضبط فغاں گو کہ اثر تھا کیا حوصلہ کیا، کیا نہ کیا، کیا کیا
آنکھ نہ لگنے سے سب احباب نے آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا
مرگئے اس کے لب جاں بخش پر ہم نے علاج آپ ہی اپنا کیا
بجھ گئی اک آہ میں شمعِ حیات مجھ کو دمِ سرد نے ٹھنڈا کیا
غیر عیادت سے برا مانتے قتل کیا آن کے اچھا کیا
ان سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی مجھ کو مری شرم نے رسوا[۲] کیا
زندگی ہجر بھی اک موت تھی مرگ نے کیا کار مسیحا کیا
پان میں یہ رنگ کہاں آپ نے[۳] آپ مرے خون کا دعویٰ کیا
جور کا شکوہ نہ کروں ظلم ہے راز مرا صبر نے افشا کیا
کچھ بھی بن آتی نہیں کیا کیجیے اس کے بگڑنے نے کچھ ایسا کیا
جائے تھی تیری مرے دل میں سو ہے غیر سے کیوں شکوۂ بے جا کیا
رحم فلک اور مرے حال پر تو نے کرم اے ستم آرا کیا
سچ ہی سہی آپ کا پیماں ولے مرگ نے کب وعدۂ فردا کیا
دعویٰ تکلیف سے جلاد نے روزِ جزا قتل پھر اپنا کیا
مرگ نے ہجراں میں چھپایا ہے منہ لو منہ اسی پردہ نشیں کا کیا
دشمنِ مومن ہی رہے بت سدا مجھ سے مرے نام نے یہ کیا کیا

۱۔ "میں" نسخۂ ضیا طبع ثانی ۱۹۴۷ء (ص ۶) "وہ" نسخۂ نول کشور (طبع ۱۸۸۰ء حاشیہ ص ۳۵)

۲۔ نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ (حاشیہ ص ۳۵) میں بجائے "رسوا" "اچھا" غلط ہے۔

۳۔ نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ء میں (صفحہ ۳۶) "کے" غلط ہے۔

(۷)

موئے نہ عشق میں جب تک وہ مہرباں نہ ہوا
بلائے جاں ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا

خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا

ہنسے نہ غیر مجھے بزم سے اٹھانے پر
سبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا

دیت میں روزِ جزا لے رہیں گے قاتل کو
ہمارا جان کے جانے میں بھی زیاں نہ ہوا

وہ آئے بہرِ عیادت تو تھا میں شادیِ مرگ
کسی سے چارۂ بے دادِ آسماں نہ ہوا

لگی نہیں ہے یہ چپ لذتِ ستم سے کہ میں
حریفِ کش مکشِ نالہ و فغاں نہ ہوا

دمِ حساب رہا روزِ حشر بھی یہی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

ہے شرط ہم پہ عنایت میں گونہ گونہ ستم
کبھی محبتِ دشمن کا امتحاں نہ ہوا

وہ حال زار ہے میرا کہ گاہ غیر سے بھی
تمھارے سامنے یہ ماجرا بیاں نہ ہوا

امیدِ وعدۂ دیدارِ حشر پر مومن
تو بے مزا تھا کہ حسرت کشِ بتاں نہ ہوا

(۸)

سم کھا موئے تو دردِ دلِ زار کم ہوا
بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا

کچھ اپنے ہی نصیب کی خوبی تھی بعد مرگ
ہنگامۂ محبتِ اغیار کم ہوا

معشوق سے بھی ہم نے نبھائی برابری
واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا

آئے غزال چشم سدا میرے دام میں
صیاد ہی رہا میں گرفتار کم ہوا

ناکامیوں کی کاہشِ بے حد کا کیا علاج
بوسہ دیا تو ذوقِ لبِ یار کم ہوا

ہر چند اضطراب میں میں نے کمی نہ کی
تو بھی نہ واں تغافلِ بسیار کم ہوا

کیا مجھ میں دم بھی لینے کی طاقت نہیں رہی
کیوں شورِ نالہ ہائے عزا بار کم ہوا

سب تا بہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں
اک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا

کچھ قیس اور میں ہی نہیں سب کے سب موئے
اچھا تو دردِ عشق کا بیمار کم ہوا

ذکرِ بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفرِ مومنِ دیں دار کم ہوا

(۹)

گر غیر کے گھر سے نہ دل آرام نکلا
دم کاہے کو یوں اے دلِ ناکام نکلا

میں وہم سے مرتا ہوں وہاں رعب سے اس کے
قاصد کی زباں سے نہیں پیغام نکلتا

کرتے جو مجھے یاد شب وصل عدو تم
کیا صبح کہ خورشید نہ تا شام نکلتا

جب جانتے تاثیر کہ دشمن بھی وہاں سے
اپنی طرح اے گردشِ ایام نکلتا

ہر ایک سے اس بزم میں شب پوچھتے تھے نام
تھا لطف جو کوئی مرا ہم نام نکلتا

کیوں کام طلب ہے مرے آزار سے گردوں
ناکام سے دیکھا ہے کہیں کام نکلتا

تھی نوحہ زنی دل کے جنازے پہ ضروری
شاید کہ وہ گھبرا کے سرِ بام نکلتا

کانٹا سا کھٹکتا ہے کلیجے میں غمِ ہجر
یہ خار نہیں دل سے گل اندام نکلتا

حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
بت خانے ہی سے کیوں یہ بدانجام نکلتا

(۱۰)

وصل کی شب شام سے میں سو گیا
جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا

دل نہ پھرا جان ہی ٹھہرے خدا
یہ تو نہ جاے کہیں وہ تو گیا

آئنہ جلدی سے پٹک دو کہیں
دل ہی نہیں ہاتھ سے دیکھو گیا

ہوں میں سیہ روز کہ وہ شمعِ رو
شام کو آیا تھا سحر کو گیا

طالعِ برگشتہ مرے کیا پھریں
ملکِ عدم سے نہ پھرا جو گیا

ساتھ نہ چلنے کا بہانہ تو دیکھ
آ کے مری نعش پہ وہ رو گیا

شوخیِ قاتل کے میں قربان ہوں
کہتے رہے سب یہ گیا ، وہ گیا

صبر نہیں شامِ فراق آچکو
جس سے کہ بے زار تھے تم سو گیا

شکر اثر تھا گلۂ دشمناں
نالہ مرے کام سے یارو گیا

زلف کی بو آے گی ہم کو اگر
غیر کے گھر دستۂ شبو گیا

ہاے صنم ہاے لب پہ کیوں
خیر ہے مومن تمھیں کیا ہوگیا

(۱۱)

ڈر تو مجھے کس کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
پر حال یہ افشا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ناصح یہ گلہ کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
تو کب مری سنتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

میں بولوں تو چپ ہوتے ہیں اب آپ جبھی تک
یہ رنجشِ بے جا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کچھ غیر سے ہونٹوں میں کہے ہے یہ جو پوچھو
تو وہ ہیں مکرتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کب پاس پھٹکنے دوں رقیبوں کو تمھارے
پر پاس تمھارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ناصح کو جو چاہوں تو ابھی ٹھیک بنا دوں
پر خوف خدا کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا کیا نہ کہے غیر کی گر بات نہ پوچھو
یہ حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا کہیے نصیبوں کو کہ اغیار کا شکوہ
سن سن کے وہ چپکا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مت پوچھو کہ کس واسطے چپ لگ گئی ظالم
بس کیا کہوں میں کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

چپکے سے ترے ملنے کا گھر والوں میں تیرے
اس واسطے چرچا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ہاں تنگ دہانی کا نہ کرنے کے لیے بات
ہے عذر پر ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

اے چارہ گرو! قابلِ درماں نہیں یہ درد
ورنہ مجھے سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ہر وقت ہے دشنام، ہر اک بات میں طعنہ
پھر اس پہ بھی کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کچھ سن کے جو میں چپ ہوں تو تم کہتے ہو بولو
سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

سنتا نہیں وہ ورنہ یہ سرگوشیِ اغیار
کیا مجھ کو گوارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مومن بہ خدا سحر بیانی کا جبھی تک
ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

(۱۲)

رات کس کس طرح کہا، نہ رہا
نہ رہا، پر وہ مہ لقا نہ رہا

غیر آکر قریبِ خانہ رہا
شوق اب تیرے آنے کا نہ رہا

تیرے پردے نے کی یہ پردہ دری
تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا

غم مرا کس لیے کہ دنیا میں
نہ رہا میں، مرا فسانہ رہا

مدعا غیر سے کہا تا وہ
سمجھے اب کچھ بھی مدعا نہیں رہا

کس کی زلفوں کا دھیان تھا کہ میں شب
محوِ دودِ چراغ خانہ رہا

غیر چھڑکے ہے زخمِ دل پہ نمک
شورِ الفت میں بھی مزا نہ رہا

پہنچے وہ لوگ رتبے کو کہ مجھے
شکوۂ بختِ نارسا نہ رہا

تلخ کامی نصیبِ اعدا، حیف!
جب کہ وہ اپنے کام کا نہ رہا

دل لگانے کے تو اٹھائے مزے
جی بلا سے رہا، رہا، نہ رہا

تو فلک مرگ ہم سے سب غافل
اب کسی کا بھی آسرا نہ رہا
مومن اس بت کے نیم ناز ہی میں
تم کو دعوائے اتقا نہ رہا

(۱۳)

ٹانکنے چاک گریباں کو تو ہر بار لگا
ہاتھ کٹواؤں جو ناصح رہے اب تار لگا
بس کہ اک پردہ نشیں سے دلِ بیمار لگا
جو مریضوں سے چھپاتے ہیں وہ آزار لگا
جذبۂ دل کو نہ چھاتی سے لگاؤں کیوں کر
آپ وہ میرے گلے دوڑ کے اک بار لگا
شوخ تھا رنگ حنا میرے لہو سے، ہو ہے
قتلِ اغیار سے کیا ہاتھ ترے یار لگا
تو کسی کا بھی خریدار نہیں، پر ظالم
سرفروشوں کا ترے کوچے میں بازار لگا
دُر و یاقوت کی پھر غیر پہ فرمائش ہے
جوہری کی تو دکاں چشمِ گہربار لگا
یاد آئی مجھے ناصح کی زباں کی تیزی
دیکھ اغوائے رقیباں سے نہ تلوار لگا
منہ میں کیا خمِ صہبا کے بھر آیا پانی
تیرے لب سے جو لبِ ساغرِ سرشار لگا

(ق)

ناگہاں نعش پہ عاشق کی دمِ نوحہ گری
کوئی مذکور ترا کرنے ستم گار لگا
دیکھ تو حسرتِ دیدار، پسِ مردن بھی
آنکھیں وہ کھول کے تکنے در و دیوار لگا
کعبے سے جانبِ بت خانہ پھر آیا مومن
کیا کرے جی نہ کسی طرح سے زنہار لگا

(۱۴)

شب، غمِ فرقت ہمیں کیا کیا مزے دکھلائے تھا
دم رکے تھا سینے میں، کم بخت جی گھبرائے تھا
یا تو دم دیتا تھا وہ یا نامہ بر بہکائے تھا
تھے غلط پیغام سارے کون یاں تک آئے گا
کُھل بے عیاری عدو کے آگے وہ پیماں شکن
وعدۂ وصل آج پھر کرتا تھا اور شرمائے تھا
سن کے میری مرگ بولے مر گیا اچھا ہوا
کیا برا لگتا تھا جس دم سامنے آجائے تھا
یار و دشمن راہ میں کل دیکھنا کیوں کر ملے
وہ ادھر کو جائے تھا اور یہ ادھر کو آئے تھا
بات شب کو اس سے منع بے قراری پر بڑھی
ہم تو سمجھے اور کچھ وہ اور کچھ سمجھائے تھا
کوئی دن تو اس پہ کیا تصویر کا عالم رہا
ہر کوئی حیرت کا پتلا دیکھ کر بن جائے تھا

سوئے صحرا لے چلے اس کو سے میری نعش ہائے
تھا یہی ڈر ان دنوں تکوا مرا کھجلائے تھا

ناز شوخی دیکھنا وقتِ تظلم دم بہ دم
مجھ سے وہ عذرِ جفا کرتا تھا اور جھنجلائے تھا

ہوگئی دو روز کی الفت میں کیا حالت ابھی
مومنِ وحشی کو دیکھا اس طرف سے جائے تھا

(۱۵)

ہماری جان شب تجھ بن دلِ ناکام لیتا تھا
خدنگِ آہ سے تیرِ قضا کا کام لیتا تھا

یہی حالت رہی آٹھوں پہر تجھ بن کہ دم الٹے
سحر تک شام سے دل صبح سے تا شام لیتا تھا

عبث الفت بڑھی تم کو وہ کب دیتا تھا دم تم پر
یہ مجھ کو دیکھ کر دشمن کلیجا تھام لیتا تھا

چھٹایا کیوں مرا واں رات دن رہنا، بہم پھرنا
بتا تو ! کیا ترا میں گردشِ ایام لیتا تھا

نہ کانٹوں پر کوئی یوں لوٹے جوں میں بسترِ گل پر
ترے بن کروٹیں شب اے سمن اندام لیتا تھا

رقیبوں پر ہوئی کیا آج فرمائش جواہر کی
کہ ہیرا عاشقِ خط زمرد فام لیتا تھا

سحر تک شام سے تجھ بن یہی حالت رکھی دل نے
نہ مجھ کو چین دیتا تھا، نہ آپ آرام لیتا تھا

نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات میں ناصح تمھارا نام لیتا تھا

میں اس کی بزمِ مے میں زہر پی کیوں کر نہ مر جاتا
کہ میرے سامنے اس لب کے بوسے جام لیتا تھا

اگر مومن ہی ہو مومن و لے میں تو نہ مانوں گا
جو عہدِ دوستی وہ دشمنِ اسلام لیتا تھا

(۱۶)

وقتِ جوشِ بحرِ گریہ میں جو گرمِ نالہ تھا
حلقۂ گرداب رشکِ شعلۂ جوالہ تھا

آگ کیا ہم کو لگائی ابر نے تیرے بغیر
وقتِ بارشِ اخگرِ خورشید تف ہر ژالہ تھا

اس لبِ نازک کو برگِ گل سے دیتے ہیں مثال
ہونٹ برگِ لالہ تھے اور نیل داغِ لالہ تھا

اک نگاہِ سرسری دیوانہ ہم کو کر گئی
گردشِ چشمِ پری رو ساحرِ بنگالہ تھا

دیکھ کر یہ مجمعِ اعدا کیا ہی ابرِ اشک آہ
حلقۂ اغیار اس کے گرد مہ کا ہالہ تھا

آبلے کیوں کر نہ نکلیں جائے اشک آنکھوں سے آہ
میرے پہلو میں ابھی وہ آگ کا پرکالہ تھا

شورِ الفت نے کیا کیا بے مزہ جلاد کو
گرم خونی سے لبِ شمشیر پر تبخالہ تھا

آہ پر دود اپنی کب زیبِ فلک تھی رات کو
دیدۂ مہتاب میں سرمے کا یہ دنبالہ تھا

مومنِ عاشق طبیعت نوجواں ہی مرگیا　　　عشقِ طفلِ چند سالہ دشمنِ صد سالہ تھا

(۱۷)

میرے کوچے میں عدو مضطر و ناشاد رہا　　　شب خدا جانے کہاں وہ ستم ایجاد رہا

اس روانی سے ذرا خنجرِ بے داد رہا　　　بارے اک دم اثرِ نالہ و فریاد رہا

بے کسی نے نہ دیا ہائے تہہِ خاک بھی چین　　　تا قیامت المِ گریۂ جلاد رہا

نقدِ جاں تھا نہ سزائے دستِ عاشق حیف　　　خونِ فرہاد سرِ گردنِ فرہاد رہا

لذتِ جور سے دم لینے کی فرصت نہ رہی　　　کیا اثر منتظرِ دعوتِ فریاد رہا

یاد سہواً اسے، اے غیر ہے نسیاں عمداً　　　یاد رکھ بھول گیا جس کو وہی یاد رہا

سر پٹکنے نے مرے سنگِ در اس کا توڑا　　　یہی سودا ہے تو گھر کاہے کو آباد رہا

کرۂ خاک ہے گردش میں طپش سے میری　　　میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں بھی آزاد رہا

چھوٹنا دامِ شکستہ سے بھی آسان نہیں　　　میں گرفتارِ خمِ گیسوئے صیاد رہا

لے چلا جوشِ جنوں جانبِ صحرا افسوس　　　جب مرے کوچے میں آکر وہ پری زاد رہا

گہ غمِ جور گہے عشقِ بتاں اے مومن　　　میں سدا سوختۂ حسنِ خدا داد رہا

(۱۸)

میں نے تم کو دل دیا تم نے مجھے رسوا کیا　　　میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھ سے کیا کیا

کشتۂ نازِ بتاں روزِ ازل سے ہوں مجھے　　　جان کھونے کے لیے اللہ نے پیدا کیا

روز کہتا تھا کہیں مرتا نہیں ہم مرگئے　　　اب تو خوش ہو بے وفا تیرا ہی نے کہنا کیا

سر سے شعلے اٹھتے ہیں، آنکھوں سے دریا جاری ہے　　　شمع سے یہ کس نے ذکر اس محفل آرا کا کیا

روئیے کیا بختِ خفتہ کو کہ آدھی رات سے　　　میں یہاں رویا کیا اور وہ وہاں سویا کیا

آتشِ الفت بجھا دی داغ ہائے رشک[۱] نے　　　مدعی کی گرمیِ صحبت نے جی ٹھنڈا کیا

آنکھ عاشق کی کوئی پھرتی ہے اے وعدہ خلاف　　　دیکھ لے میں مرتے مرتے سوئے در دیکھا کیا

دلبروں میں بے وفا میری وفا کی دھوم ہے　　　بوالہوس سے کیوں کہا تھا راز جو افشا کیا

۱۔ "اشک" نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ء (صفحہ ۳۰) میں "رشک" نسخۂ ضیا طبع اللہ آباد ۱۹۲۷ء (صفحہ ۱۸) میں ہے۔

چارہ گر زنداں[1] میں اس کے آستاں سے لے گئے
ایک بھی میری نہ مانی لاکھ سر پٹکا کیا

غیر کا اور آپ کا گر دل نہیں ہے ایک تو
کیوں ترے دل میں مری یاد آنے کا چرچا کیا

کیا خلش تھی رات دل میں آرزوئے قتل کی
ناخنِ شمشیر سے میں سینہ کھجلایا کیا

کیا خجل ہوں اب علاجِ بے قراری کیا کروں
دھر دیا ہاتھ اس نے دل پر تو بھی دل دھڑکا کیا

عرضِ ایماں سے ضد اس غارت گرِ دیں کو بڑھی
تجھ سے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا

(۱۹)

کسی کا ہوا آج کل تھا کسی کا
نہ ہے تو کسی کا نہ ہوگا کسی کا

کیا اس[2] نے قتلِ جہاں اک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

نہ میری سنے وہ، نہ میں ناصحوں کی
نہیں مانتا کوئی کہنا کسی کا

مجھے مار ڈالا ہے انکار نے پھر
نہ کہنا کہ کیا مجھ پہ دعویٰ کسی کا

جو پھر جائے اس بے وفا سے تو جانوں
کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا

صبا نکہتِ یار لائی کہاں سے
نہیں دخل اس کو میں اصلا کسی کا

وہ کرتے ہیں بے باک عاشق کشی یوں
نہیں کوئی دنیا میں گویا کسی کا

کوئی کیا کرے آپ ہرجائی ہو تم
نہیں میری جاں شکوہ بے جا کسی کا

دمِ الحذر اور عشقِ بتاں سے
تجھے ڈر ہے اے مومن ایسا کسی کا

(۲۰)

محشر میں پاس کیوں دمِ فریاد آگیا
رحم اس نے کب کیا تھا کہ اب یاد آگیا

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

ناکامیوں میں تم نے جو تشبیہ مجھ سے دی
شیریں کو دردِ کوہکنیِ فرہاد آگیا

ہم چارہ گر کو یوں ہی پنہائیں گے بیڑیاں
قابو میں اپنے گر وہ پری زاد آگیا

دل کو قلق ہے ترکِ محبت کے بعد بھی
اب آسماں کو شیوۂ بے داد آگیا

وہ بدگماں ہوا جو کہیں شعر میں مرے
ذکرِ بتانِ خلخ و نوشاد آگیا

۱۔ ''کعبے'' نسخۂ کمیا (ص ۱۹)۔ ''زنداں'' نسخۂ نول کشور (صفحہ ۴۰)

۲۔ ''تم'' نسخۂ کمیا (صفحہ ۱۹)

تھے بے گناہ جرأتِ پابوس تھی ضرور کیا کرتے وہم خجلتِ جلاد آگیا
جب ہو چکا یقیں کہ نہیں طاقتِ وصال دم میں ہمارے وہ ستم ایجاد آگیا
ذکرِ شراب و حور کلامِ خدا میں دیکھ مومن میں کیا کہوں مجھے کیا یاد آگیا

(۲۱)

وعدۂ وصلت سے دل ہو شاد کیا تم سے دشمن کی مبارک باد کیا
کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی آشیاں اپنا ہوا برباد کیا
نالۂ پیہم سے یاں فرصت نہیں حضرتِ ناصح کریں ارشاد کیا
ہیں اسیر اس کے جو ہے اپنا اسیر ہم نہ سمجھے صید کیا ، صیاد کیا
شوخ بازاری تھی شیریں بھی مگر ورنہ فرقِ خسرو و فرہاد کیا
نشۂ الفت سے بھولے یار کو سچ ہے ایسی بے خودی میں یاد کیا
نالہ اک دم میں اڑا ڈالے دھوئیں چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا
جب مجھے رنجِ دل آزاری نہ ہو بے وفا پھر حاصلِ بے داد کیا
پاؤں تک پہنچی وہ زلفِ خم بہ خم سرو کو اب باندھیے آزاد کیا
کیا کروں اللہ سب ہیں بے اثر ولولہ کیا ، نالہ کیا ، فریاد کیا
دل رہائی زلفِ جاناں کی نہیں پیچ و تابِ طرۂ شمشاد کیا
ان نصیبوں پر کیا اختر شناس آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا
روزِ محشر کی توقع ہے عبث ایسی باتوں سے ہو خاطر شاد کیا
گر بہائے خونِ عاشق ہے وصال انتقامِ زحمتِ جلاد کیا
بت کدہ جنت ہے چلیے بے ہراس لب پہ مومن ہر چہ بادا باد کیا

(۲۲)

دلِ بے تاب کو گر باندھ کر رکھوں نہ ٹھہرے گا سوا اس در کی زنجیروں کے یہ مجنوں نہ ٹھہرے گا
طپش سے خاک میں بھی عاشقِ مدفوں نہ ٹھہرے گا کہ گنبدِ قبر کا جوں گنبدِ گردوں نہ ٹھہرے گا
نہ ٹھہرا بوسہ تو دیتا دلِ مفتوں نہ ٹھہرے گا اگر واں دوں نہ ٹھہرے گا تو یاں بھی یوں نہ ٹھہرے گا
اگر گردش یہی ہے مغبچوں کی چشم سے گوں کی کفِ ساقی میں جامِ بادۂ گل گوں نہ ٹھہرے گا

مرے خط میں شکایت اس کے شہبازِ نظر کی ہے
پر و بالِ کبوتر ایک اک لکھ دوں نہ ٹھہرے گا

اسے خو پڑ گئی ہے بے طرح زانوے جاناں کی
یہ سر تکیے پہ ہم دَم جس طرح رکھوں نہ ٹھہرے گا

سراپا بس کہ محوِ شوخیِ قاتل ہوں محشر تک
مرے زخموں سے جاری ہی رہے گا خوں نہ ٹھہرے گا

کیا بہرِ عیادت گر ارادہ اس نے آنے کا
تو جب تک جان ہے درد دلِ محزوں نہ ٹھہرے گا

ہوئی تاثیر گر تھوڑی سی بھی اس سرو موزوں کو
زمیں کیا آسماں پر نالۂ موزوں نہ ٹھہرے گا

مہ تو بن گئے ہم طول شب ہائے جدائی سے
کہاں تک دیکھیے وہ حسن روز افزوں نہ ٹھہرے گا

وہ شاعر ہوں کہ باندھوں گا خمِ زنجیر کاکل سے
اگر دل کے قلق کا دھیان میں مضمون نہ ٹھہرے گا

طوافِ کعبہ کا خوگر ہے دیکھو صدقے ہونے دو
بتو سمجھو ذرا مومن ہے مومن یوں نہ ٹھہرے گا

(۲۳)

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا
میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

نہ شادیِ مرگ ہو کیوں کر ہے مژدہ قتلِ دشمن کا
کہ گھر میں سے لیے شمشیر وہ روتا نکل آیا

ستم اے گرمیِ ضبطِ فغاں و آہ چھاتی پر
کبھو بس پڑ گیا چھالا ، کبھو پھوڑا نکل آیا

کیا زنجیر مجھ کو چارہ گر نے کن دنوں میں، جب
عدو کی قید سے وہ شوخ بے پروا نکل آیا

نکل آیا اگر آنسو تو ظالم مت نکال آنکھیں
سنا معذور ہے ، مضطر نکل آیا ، نکل آیا

ہمارے خوں بہا کا غیر سے دعویٰ ہے قاتل کو
یہ بعدِ انفصال اب اور ہی جھگڑا نکل آیا

ہوئی بلبل ثنا خوانِ دہانِ تنگ کس گل کی
کہ فروردیں میں غنچے کا منہ اتنا سا نکل آیا

کوئی تیر اس کا دل میں رہ گیا تھا کیا کہ آنکھوں سے
ابھی رونے میں اک پیکان کا ٹکڑا نکل آیا

دمِ بسمل یہ کس کے خوف سے ہم پی گئے آنسو
کہ ہر زخمِ بدن سے خون کا دریا نکل آیا

خدنگِ یار کے ہمراہ نکلی جان سینے سے
یہی ارمان اک مدت سے جی میں تھا، نکل آیا

بہت نازاں ہے تو اے قیس وحشت پر دکھاؤں گا
کتابوں میں کبھو قصہ جو مومن کا نکل آیا

(۲۴)

روز جزا جو قاتلِ دل جو خطاب تھا
میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

ناصح ہے طعنہ زن مری ناکامیوں پہ کیا
دل جوئیوں سے تیری کبھی کامیاب تھا

پھرنے سے شامِ وعدہ تھکے یہ کہ سو رہے
آرام شکوۂ ستم اضطراب تھا

کیا کیا شکن دیے ہیں دلِ زار کو مگر
اس کے خیال میں ورق انتخاب تھا

عاشق ہوئے ہیں آپ کہیں گو اسی پہ ہوں
شب حال غیر مجھ سے زیادہ خراب تھا

وقت وداع بے سبب آزردہ کیوں ہوئے[۱]
یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا

وہ چشمِ انتظار کہاں باز بعد مرگ
دیکھا تو ہم نے آنکھ نہ لگنا بھی خواب تھا

بے پردہ غیر سے نہ ہوا ہوگا شب کہ صبح
آنکھوں میں شرم تھی نہ نظر میں حجاب تھا

دیکھا نہ ہے یہ رشک و حسد وہ بلا کہ آج
سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا

ہوں کیوں نہ محوِ حیرتِ نیرنگ ہائے شوق
جو دل میں شعلہ تھا وہی آنکھوں میں آب تھا

کیا جی لگا ہے تذکرۂ یار میں عبث
ناصح سے مجھ کو آج تلک اجتناب تھا

روزِ جزا خدا بتِ جلاد کو ملا
گویا کہ خونِ ناحقِ مومن صواب تھا

(۲۵)

مجھ کو تیرے عتاب نے مارا
یا مرے اضطراب نے مارا

بزم سے میں بس ایک میں محروم
آپ کے اجتناب نے مارا

لے کے دل بھی کجی نہیں جاتی
زلف کے پیچ و تاب نے مارا

کیا پسند آئی اپنی جور کشی
چرخ کے انتخاب نے مارا

خاک اٹھیں گے خواب سے جو یوں ہی
ترکِ آرام و خواب نے مارا

تشنہ کامی وصال کی مت پوچھ
شوقِ تیغِ خوش آب نے مارا

خون کیوں کر مرا کھلے کہ مجھے
اک سراپا حجاب نے مارا

یادِ ایامِ وصلِ یار افسوس
دہر کے انقلاب نے مارا

لب سے گوں پہ جان دیتے ہیں
ہمیں شوقِ شراب نے مارا

جبہ سائی کا بھی نہیں مقدور
ان کی عالی جناب نے مارا

نازک اندام سے لگی ہے آنکھ
حسرتِ فرشِ خواب نے مارا

کس پہ مرتے ہو آپ پوچھتے ہیں
مجھے فکرِ جواب نے مارا

یوں کبھی نوجواں نہ مرتا میں
تیرے عہدِ شباب نے مارا

۱۔ نسخۂ حمیدیہ "کیا" (صفحہ ۲۰ طبع ۱۹۲۸ء)، نسخۂ نول کشور (۱۸۸۰ء) میں "ہوئے" (حاشیہ ص ۴۲)

مومن از بس ہیں بے شمار گناہ　　غمِ روزِ حساب نے مارا

(۲۶)

دیکھ لو شوقِ نا تمام مرا　　غیر لے جائے ہے پیام مرا
بے اثر ہے فغانِ خوں آلود　　کیوں نہ ہوئے خراب کام مرا
آتشیں خو سے آرزوئے وصال　　پک گیا اب خیالِ خام مرا
دیکھنا کثرتِ بلا نوشی　　کاسۂ آسماں ہے جام مرا
رتبہ افتادگی کا دیکھو، ہے　　عرش کے بھی پرے مقام مرا
کس صنم کو چھڑا دیا واعظ　　لے خدا تجھ سے انتقام مرا
ہوکے یوسف جو دل چراتے ہو　　کون ہو جائے گا غلام مرا
اس لبِ لعل کی شکایت ہے　　کیوں کہ رنگیں نہ ہو کلام مرا
تو نے رسوا کیا مجھے اب تک　　کوئی بھی جانتا تھا نام مرا

(ق)

زانوئے بت پہ جان دی، دیکھا　　مومن انجام و اختتام مرا
بندگی کام آرہی آخر　　میں نہ کہتا تھا کیوں سلام مرا

(۲۷)

نازِ بے جا سے سوا شرم کے حاصل نہ ہوا　　غیر پر ظلم کیے، میرے مقابل نہ ہوا
خود گلا کاٹ موا جب کہ میں بسمل نہ ہوا　　ان کو آساں نہ ہوا جو مجھے مشکل نہ ہوا
کس طرح بزم میں وہ آنکھ چراتے مجھ سے　　دل کو کھو کر یہ ڈرا تھا کہ میں غافل نہ ہوا
خوں چھپانے کو مری لاش سے کہتا ہے وہ شوخ　　مجھ کو یہ غم ہے کہ میں کیوں ترا قاتل نہ ہوا
یادِ کاکل میں بھی خود رفتگی اپنی نہ گئی　　جوشِ وحشت سے میں پابندِ سلاسل نہ ہوا
دل دہی کیسی وہ دم دیتے ہیں سوائے دشمن　　کیا نہ دیتے مجھے میں آپ ہی سائل نہ ہوا
خوف مرا ہار گلے کا نہ ہو کیوں اے قاتل　　دستِ رنگیں مری گردن میں حمائل نہ ہوا
آتشِ سینۂ تفسیدہ کو میں کیا روؤں　　اشک جانبِ کرۂ آب کے مائل نہ ہوا
دیتے تکلیفِ شبِ ہجر میں کیا اپنے پاس　　قلقِ جاں پیشِ کشِ مرگ کے قابل نہ ہوا

بے حجابی کا گلہ کیجیے تو کہتا ہے ترے
پردۂ چشم کی تقصیر کہ حائل نہ ہوا

کیا گلے ہوتے گر اوروں پہ بھی رحم آجاتا
شکر صد شکر کہ میرا سا ترا دل نہ ہوا

مرگیا جس پہ نہیں گھر میں رسائی اس کے
تھا تو مومن میں ولے خلد میں داخل نہ ہوا

(۲۸)

فراقِ غیر میں ہے بے قراری یاب اپنا سا
بنایا تو نے اس کو بھی دلِ بے تاب اپنا سا

کسی کا سوز دل ہرگز تجھے باور نہیں آتا
تو سب کو جانے ہے اے مہرِ عالم تاب اپنا سا

جوابِ خونِ ناحق میرا ایسا کیا دیا تو نے
کہ ظالم رہ گئے منہ لے کے سب احباب اپنا سا

اگر مرضی یہی ٹھہری کہ تجھ کو چھوڑ دوں، مجھ کو
بتا دے اور کوئی غیرتِ مہتاب اپنا سا

یہ رنگ آمیزیاں کیسی ہیں، کس کا در ہے دیکھو تو
مجھے تو کچھ نظر آتا ہے یہ خوں ناب اپنا سا

بناوٹ سے یہ زلفیں لاکھ بل کھایا کریں لیکن
یہ ممکن ہی نہیں ہوئے جو پیچ و تاب اپنا سا

اگرچہ شعر مومن بھی نہایت خوب کہتا ہے
کہاں ہے لیک معنی بند مضموں یاب اپنا سا

(۲۹)

کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم نہ تھا

بے خود تھے، غش تھے، محو تھے، دنیا کا غم نہ تھا
جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا

شاید کہ دستِ غیر رہا رات شانہ کش
اس زلفِ تاب دادہ میں کچھ آج خم نہ تھا

جوشِ قلق نے اس کو بھی دیوانہ کردیا
پہلے تو ورنہ طبعِ تحمل میں رم نہ تھا

کیوں جورِ متصل سے ترے غیر کھنچ گئے
میں کیا حریفِ کش مکشِ دم بہ دم نہ تھا

چھڑکے ہے لون زخم پہ وہ کیوں نہ ہوں غمیں
الماس کی تھی آس جبھی تک الم نہ تھا

میں مرگیا وہ چشم جو یاد آئی اور یار
حیران ہیں کہ مے تھی پیالے میں، سم نہ تھا

چھوڑا نہ دل میں کچھ بھی تپِ ہجر نے کہ رات
روتے تھے زار زار اور آنکھوں میں نم نہ تھا

درباں کو آنے دینے پہ میرے نہ کیجیے قتل
ورنہ کہیں گے سب کہ یہ کوچہ حرم نہ تھا

مومن چلا گیا تو چلا جائے اے بتو
آخر قدیم خادمِ بیت الصنم نہ تھا

(۳۰)

غیر کو سینہ کبھی سے سیم بر دکھلا دیا
تم نے کیا کچھ کس کو اپنیٰ بات پر دکھلا دیا

زرد منہ دکھلا دیا ، غم کا اثر دکھلا دیا
آج ہم نے اس کو اپنا زور و زر دکھلا دیا

صبح سے تعریف ہے صبر و سکونِ غیر کی
کس نے شب مجھ کو تڑپتے پیش در دکھلا دیا

موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئے لاش پر
جو نہ دیکھا تھا تماشا عمر بھر، دکھلا دیا

اس کے دل میں اب خیالِ قتل ہر دم آئے ہے
موت کو کس نے الٰہی میرا گھر دکھلا دیا

گو حسد سے ہو پر اب بھی ہے وہی ناصح کی بات
ناحق اس جانِ جہاں کو اک نظر دکھلا دیا

نام الفت کا نہ لوں گا جب تلک ہے دم میں دم
تو نے چاہت کا مزہ اے فتنہ گر، دکھلا دیا

جب کہاں دل پھیر دو بولے کہ دل پہلو میں ہے
میں نے ان کی ضد سے سینہ کاٹ کر دکھلا دیا

اس قیامت قد کو شب دیکھا تھا ہم نے خواب میں
دل نے محشر کا سماں وقتِ سحر دکھلا دیا

صورتِ اغیار کو دیکھے ہے وہ حیرت زدہ
میرے رنگِ رخ نے آئینہ مگر دکھلا دیا

سخت کم بختی ہوئی یہ بھی نصیبوں کا لکھا
غیر کو خط نامہ بر نے بے خبر دکھلا دیا

دیکھیں گے مومن یہ ہم ایمان بالغیب آپ کا
اس بتِ پردہ نشیں نے جلوہ گر دکھلا دیا

(۳۱)

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا

اڑتے ہی رنگ رخ مرا نظروں سے تھا نہاں
اس مرغ پر شکستہ کی پرواز دیکھنا

دشنام یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکتِ آواز دیکھنا

دیکھ اپنا حالِ زار منجم ہوا رقیب
تھا سازگار طالعِ ناساز دیکھنا

بد کام کا مآل برا ہے جزا کے دن
حالِ سپہر تفرقہ انداز دیکھنا

مت رکھیو گردِ تارکِ عشاق پر قدم
پامال ہو نہ جائے سر افراز دیکھنا

کشتہ ہوں اس کی چشمِ فسوں گر کا اے مسیح
کرنا سمجھ کے دعویِٰ اعجاز دیکھنا

میری نگاہِ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو
بے طاقتی پہ سرزنشِ ناز دیکھنا

ترکِ صنم بھی کم نہیں سوزِ جحیم سے[1]
مومن غمِ مآل کا آغاز دیکھنا

---

[1] اپنی

(۳۲)

کہہ رہا ہے کون کس سے بے شکیبائی ملا — مجھ کو قسمت سے نصیحت گر بھی سودائی ملا
میرے گھر بھی پھرتے چلتے ایک دن آجائے گا — دو مبارک باد اب کے یار ہرجائی ملا
گور میں بھی جوشِ غم دل سے نہ نکلا ہائے ہائے — آپ ہی میں ہم نہیں جب کنجِ تنہائی ملا
ہم بھی تو ناداں ہیں آخر یاس مطلب کے لیے — خضر، موسیٰ کو پئے تعلیم دانائی ملا
پند کو حالِ زلیخا یاد کر کچھ خیر ہے — کامِ دل جس کو ملا یاں بعد رسوائی ملا
تلخ کلامی پر مجھے، تجھ کو لبِ شیریں پہ ناز — آ مرے جادو سے اعجازِ مسیحائی ملا
ہے جنوں ایسے کے آگے ٹھہرنا اے بوالہوس — دیکھتے ہی مجھ کو بھاگا جو تماشائی ملا
جستجو سے وصلِ دلبر کی تمنا کس لیے — کیا دلِ گم گشتہ اے ہنگامہ آرائی ملا
چھوڑ بت خانے کو مومن، سجدہ کعبے میں نہ کر — خاک میں ظالم نہ یوں قدرِ جبیں سائی ملا

(۳۳)

ہم رنگ لاغری سے ہوں گل کی شمیم کا — طوفانِ باد ہے مجھے جھوکا نسیم کا
چھوڑا نہ کچھ بھی سینے میں طغیانِ اشک نے — اپنی ہی فوج ہوگئی لشکر غنیم کا
یارانِ نو کے واسطے مجھ سے خفا ہو ہائے — تم کو نہیں ہے پاس نیازِ قدیم کا
یاد آئی کافروں کو مری آہِ سرد کی — کیوں کر نہ کانپنے لگے شعلہ جحیم کا
از بس کہ ثبت نامہ ہے سوزِ تپ دروں — قاصد کا ہاتھ ہے یدِ بیضا کلیم کا
واعظ کبھی ہلا نہیں کوئے صنم سے میں — کیا جانوں کیا ہے مرتبہ عرشِ عظیم کا
مارا ہے وصلِ غیر کے شکوے پہ چاہیے — مدفن جدا جدا مری لاش دونیم کا
کہتا ہے بات بات پہ کیوں جان کھا گئے — گویا کہ پک گیا ہے کلیجا ندیم کا
واعظ بتوں کو خلد میں لے جائیں گے کہیں — ہے وعدہ کافروں سے عذابِ الیم کا
مومن تجھے تو وھب ہے مومن ہی وہ نہیں — جو معتقد نہیں تری طبعِ سلیم کا

(۳۴)

جوں نکہتِ گل جنبش ہے جی کا نکل جانا — اے بادِ صبا میری کروٹ تو بدل جانا
پا لغزِ محبت سے مشکل ہے سنبھل جانا — اس رخ کی صفائی پر اس دل کا پھسل جانا

سینے میں جو دل تڑپا دھر ہی تو دیا دیکھا / پھر بھول گیا کیسا میں ہاتھ کا چھل جانا

اتنا تو نہ گھبراؤ راحت ہمیں فرماؤ / گھر میں مرے رہ جاؤ آج اور بھی کل جانا

اے دل وہ جو یاں آیا کیا کیا ہمیں ترسایا / تو نے کہیں سکھلایا قابو سے نکل جانا

کیا ایسے سے دعویٰ ہو محشر میں کہ میں نے تو / نظارۂ قاتل کو احسانِ اجل جانا

ہے ظلم کرم جتنا ، تھا فرق پڑا کتنا / مشکل ہے مزاج اتنا اک بار بدل جانا

حوروں کی ثنا خوانی واعظ یوں ہی کب مانی / لے آ کہ ہے نادانی باتوں میں بہل جانا

عشق ان کی بلا جانے، عاشق ہو تو پہچانے / لو مجھ کو اطبا نے سودے کا خلل جانا

(ق)

کیا باتیں بناتا ہے ، وہ جان جلاتا ہے / پانی میں دکھاتا ہے کافور کا جل جانا

مطلب ہے[1] کہ وصلت میں ہے بوالہوس آفت میں / اس گرمیِ صحبت میں اے دل نہ پگھل جانا

دم لینے کی طاقت ہے بیمارِ محبت میں / اتنا بھی غنیمت ہے مومن کا سنبھل[2] جانا

(۳۵)

کیا قہر طعنِ بوالہوس بے ادب ہوا / جرمِ رقیب قتل کا میرے سبب ہوا

محوِ جفا ، ستم کشِ الطاف کب ہوا / رحم اس کو میرے حال پہ آیا غضب ہوا

بوسے دمِ غضب لیے الٹی سمجھ تو دیکھ / بل جو پڑا جبیں پہ تمنا کو لب ہوا

کس دن تھی اس کے دل میں محبت جواب نہیں / سچ ہے کہ تو عدو سے خفا بے سبب ہوا

بجلی گری فغاں سے مری آسمان پر / جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا وہ اب ہوا

جی طعنِ وصلِ حور سے کیسا جلا دیا / روزِ جزا کا ذکر جو محفل میں شب ہوا

ازبس کہ تھی وصال میں غیروں سے ہم سری / عیش و سرور باعثِ رنج و تعب ہوا

تھا میں برنگِ شعلۂ جوالہ بے قرار / جی خاک ہوگیا مجھے آرام جب ہوا

بر میں عدو کے سوئے بغل سے مری اٹھے / وہ کیا کہ سب کو جذبۂ دل سے عجب ہوا

اب اذنِ انتقام جتائے فلک تو دوں / سو بار جوشِ نالہ اجازت طلب ہوا

۱۔ سنا آئے ہو (ن ض۔ ص ۳۵)

۲۔ "ہے" "نسخۂ ضیا" (صفحہ ۳۶) میں اور نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ء (صفحہ ۳۶) میں "میں" ہے۔

ربطِ بتانِ دشمنِ دیں اتہام ہے | ایسا گناہ حضرتِ مومن سے کب ہوا

(۳۶)

اے آرزوے قتل ذرا دل کو تھامنا | مشکل پڑا مرا مرے قاتل کو تھامنا
تاثیرِ بے قراریِ ناکام آفریں | ہے کام ان سے شوخ شمائل کو تھامنا
دیکھے ہے چاندنی وہ زمیں پر نہ گر پڑے | اے چرخ اپنے تو مہِ کامل کو تھامنا
مضطر ہوں کس کا طرزِ سخن سے سمجھ گیا | اب ذکر کیا ہے سامعِ عاقل کو تھامنا
ہو صرصرِ فغاں سے نہ کیوں کر وہ مضطرب | مشکل ہوا ہے پردۂ محمل کو تھامنا
سیکھے ہیں مجھ سے نالۂ نہ آسماں شکن | صیاد اب قفس میں عنادل کو تھامنا
یہ زلف خم بہ خم نہ ہو، کیا تاب غیر ہے | تیرے جنوں زدے کی سلاسل کو تھامنا
اے ہم دمِ آہ تلخیِ ہجراں سے دم نہیں | گرتا ہے دیکھ جام ہلاہل کو تھامنا
سیماب وار مرگئے ضبطِ قلق سے ہم | کیا قہر ہے طبیعتِ مائل کو تھامنا
آغوش گور ہوگئی آخر لہو لہان | آساں نہیں ہے آپ کے بسمل کو تھامنا
سینے پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہ بن گئی | لو جان کا عذاب ہوا دل کو تھامنا
باقی ہے شوقِ چاک گریباں ابھی مجھے | بس اے رفوگر اپنی انامل کو تھامنا
مت مانگیو امان بتوں سے کہ ہے حرام | مومن زبانِ بیہدہ سائل کو تھامنا

(۳۷)

لے اڑی لاشہ ہوا لاغر زبس تن ہوگیا | ذرۂ ریگِ بیاباں اپنا مدفن ہوگیا
بن ترے اے شعلہ رو آتش کدہ تن ہوگیا | شمع قد پر میرے پروانہ برہمن ہوگیا
تھی کمیں میں غارتِ بوسِ دہن ہنگامِ خواب | شب کی بیداری، سحر کا خواب رہ زن ہوگیا
ایک ہی جنبش میں تھی صد راحتِ خوابِ عدم | طفل ہائے اشک کو گہوارہ دامن ہوگیا
میرے جلنے پر جو رویا غیر تیری بزم میں | سوزِ دل کو آبِ اشکِ آتش پہ روغن ہوگیا
پاؤں زنداں سے اٹھے کیا سر اٹھا سکتے نہیں | حلقۂ زنجیر آخر طوقِ گردن ہوگیا

جھانکتے ہیں کیا ملائک اس پری رخسار کو پردہ تو برا¹ تو افلاک چلمن ہوگیا
شہر میں ہے شہرہ کس قدِ قیامت زا کا کیوں جلوہ گاہِ حشر ہر ہر کوے و برزن ہوگیا
ہم یقینی جوشِ وحشت سے فلک پر پہنچتے خار دامن گیر اور عیسیٰ کی سوزن ہوگیا
آخر اشکوں کے بھر آنے نے ڈبویا ہے مجھے چشم کا سوراخ لو کشتی کا روزن ہوگیا
خاک اڑائی میں نے کیا طرزِ جنونِ قیس کی شہ جہاں آباد سارا نجد کا بن ہوگیا
داغ سینہ سے دل و جان و جگر سب پھک گئے تھا چراغ خانہ ہم کو برقِ خرمن ہوگیا
بے کسی سے نزع میں اپنے کو رویا آپ میں دم جو کچھ باقی رہا تھا صرف شیون ہوگیا
اپنے ڈھب کی کیا پڑھی اک اور مومن نے غزل دو ہی دن میں یہ تو کیسا ماہرِ فن ہوگیا

(۳۸)

میں ہلاکِ اشتیاقِ طرزِ کشتن ہوگیا دوستی کیا کی کہ اپنا آپ دشمن ہوگیا
دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہوں کو مرے تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہوگیا
ہوگیا سن کر نویدِ وصل شادی مرگ میں لب تلک یہ زمزمہ آیا کہ شیون ہوگیا
کون سا گزرا یہاں سے شہ سوارِ نازنیں سبزۂ تربت مرا پامالِ توسن ہوگیا
زخم تو بھی مرہمِ زخمِ کہن ہے چارہ گر بند تیرِ یار سے سینے کا روزن ہوگیا
نیم جلوے کو بھی وہ کہتے ہیں اب بے پردگی جسمِ کاہیدہ یہ کس کا صرف چلمن ہوگیا
بس کہ میں سارے برس روتا رہا غم میں ترے جیٹھ اور بیساکھ کا بھی چاند ساون ہوگیا
اف رے سوزِ عشق بریاں دل کی تسکیں کے لیے خرمنِ گل پر جو ٹوٹا وہ بھی گلخن ہوگیا

(ق)

اور کی چاہت کا تو نے جب کیا مجھ پر خیال تب مجھے بھی تجھ سے وہمِ ربطِ دشمن ہوگیا
صاف تھا تو جب تلک مجھ سے تو میں بھی صاف تھا بدگمانی سے تری اب میں بھی بدظن ہوگیا
مومنِ دیں دار نے کی بت پرستی اختیار ایک شیخ وقت تھا، سو بھی برہمن ہوگیا

(۳۹)

قابو میں نہیں ہے دلِ کم حوصلہ اپنا اس جور پہ جب کرتے ہیں تجھ سے گلہ اپنا

ا۔ نسخۂ ضیا طبع ۱۹۲۷ء (ص ۳۹) "تو بر تو" ہے اور نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ء (ص ۴۷) میں "تو پر تو" ہے۔

لبیک حرم ہم ہیں نہ ناقوس کلیسا
پھر شیخ و برہمن میں ہے کیوں غلغلہ اپنا

تھا روز نخستیں غمِ شب ہائے دراز آہ
طفلی سے ہے اختر شمری مشغلہ اپنا

مل جاتے ہی اغیار نکل آئے ہیں باہر
زنجیرِ درِ یار ہے یا سلسلہ اپنا

تھے دشت میں ہم راہ مرے آبلۂ چند
سو آپ ہی پامال کیا قافلہ اپنا

اس حال کو پہنچے ترے غصے سے کہ اب ہم
راضی ہیں گر اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا

زندہ نہ ہوا ہائے دلِ مردہ اگرچہ
تھا شورِ قیامت سے فزوں ولولہ اپنا

صورت وہی، عظمت وہی، گردش وہی، کیسے
حیراں ہیں کہ یہ چرخ ہے یا آبلہ اپنا

انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالبِ زر ہم
تحسینِ سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

(۴۰)

راز نہاں زبانِ اغیار تک نہ پہنچا
کیا ایک ہی ہمارا خط یار تک نہ پہنچا

اللہ ری ناتوانی جب شدتِ قلق میں
بالیں سے سر اٹھایا، دیوار تک نہ پہنچا

روتے تو رحم آتا، سو اس کے روبرو تو
اک قطرہ خوں بھی چشمِ خوں بار تک نہ پہنچا

عاشق سے مت بیاں کر قتلِ عدو کا مژدہ
پیغامِ مرگ ہے یہ بیمار تک نہ پہنچا

بے بخت رنگِ خوبی کس کام کا کہ میں تو
تھا گل ولے کسی کی دستار تک نہ پہنچا

مفت اولِ سخن میں عاشق نے جان دے دی
قاصد ترا بیانِ اقرار تک نہ پہنچا

تھی خار راہ تیری مژگاں کی یاد بھر شب
تا صبح خوابِ چشمِ بیدار تک نہ پہنچا

بختِ رسا عدو کا جو چاہے سو کہے اب
اک بار یار مجھ تک، میں یار تک نہ پہنچا

غیروں سے اس نے ہرگز چھوڑی نہ ہاتھا پائی
جب تک اجل کا صدمہ دو چار تک نہ پہنچا

مومن اسی نے مجھ سے دی برتری کسی کو
جو پست فہم میرے اشعار تک نہ پہنچا

(۴۱)

وعدے کی جو ساعت دمِ کشتن ہے ہمارا
جو دوست ہمارا ہے، وہ دشمن ہے ہمارا

یہ کاہ ربا سے بھی ہیں کم اے کششِ دل
مذکور کچھ ایسا پسِ چلمن ہے ہمارا

افسوس موے شمعِ شبِ وصل کی مانند
جو قہقہۂ شادی ہے سو شیون ہے ہمارا

مہتاب کا کیا رنگ کیا دودِ فغاں نے
احوال شبِ تار سے روشن ہے ہمارا

دیتا نہیں اس ضعف پہ بھی جوشِ جنوں چین
ہر ریگِ رواں دشت میں توسن ہے ہمارا

تفریح نہ کیوں کر ہو ہوا آ نہیں سکتی
گویا درِ دل دار نشیمن ہے ہمارا

آغشتہ بہ خوں دست کو لو پوچھتے ہیں وہ
الٹے کفِ جلاد میں دامن ہے ہمارا

گر پاس ہے لوگوں کا تو آ جا کہ قلق سے
ہے لاش کہیں اور کہیں مدفن ہے ہمارا

جذبِ دل اسے کھینچ کے لائے تو کہاں سے
جو غیر کا گھر ہے وہی مسکن ہے ہمارا

بت خانے سے کعبے کو چلے رشک کے مارے
مومن بلدؔ راہ برہمن ہے ہمارا

(۴۲)

ہم سری اس زلف سے اب یہ بھی ایسا ہوگیا
لو مرے بختِ سیہ کو اور سودا ہوگیا

گو جنازے پر عدو کے وہ خود آرا ہوگیا
پر ہمارا بھی تو مرجانا تماشا ہوگیا

کس طرح معلوم ہو حالِ دلِ گم گشتہ ہائے
جو کبوتر لے گیا واں نامہ عنقا ہوگیا

مرگ سے تھی زندگی کی آس سو جاتی رہی
کیوں بری حالت نہ ہووے غیر اچھا ہوگیا

ظلم کا ثمرہ یہی تھا دیکھ کر گل ہائے داغ
بیدِ مجنوں شرم سے وہ سرو رعنا ہوگیا

چشمۂ حیواں بنا اس کے لبوں کی شرم سے
پانی پانی بس کہ اعجازِ مسیحا ہوگیا

روزِ محشر کیا ہوا پھر کیوں شبِ دیجور ہے
کیا ہمارا نامۂ اعمال کچھ وا ہوگیا

بے وفائی ہے سرشت اس کی سو وہ ہم ہیں کہاں
ہم مزاجی کے سبب سے غیر اپنا ہوگیا

جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوشِ یاس کی
مفت اس بلوے میں شب خونِ تمنا ہوگیا

ہٹ گیا ہوگا دوپٹہ منہ سے سوتے میں کہیں
شب یہاں رہنے کا تیرے سب میں چرچا ہوگیا

لگ گئی چپ مجھ کو تو بھی بات وہ کرتا نہیں
کیا کہوں قسمت کو کہنا دشمنوں کا ہوگیا

شربتِ مرگ، آبِ حسرت، شورِ بختی، زہرِ غم
تلخ کامی سے مجھے کیا کیا گوارا ہوگیا

رو دیا اس نے جو میری لاغری کو دیکھ کر
قطرۂ اشکِ ندامت مجھ کو دریا ہوگیا

ہے مشبک بس کہ روتے روتے چشم اے ماہ رو
شب جو اشک آیا سو اک عقدِ ثریا ہوگیا

حق تو یہ ہے کہ غزل اک اور مومن نے پڑھی
آج باطل سارے استادوں کا دعویٰ ہوگیا

خمعز (ن ش) ص ۴۴۔

(۴۳)

میں تو دیوانہ تھا اس کی عقل کو کیا ہو گیا
قیس کہتا ہے مجھے ناصح کو سودا ہو گیا

جوشِ عشق و حسن نے کیا رنگ بدلا دیکھنا
اشک خونی سے مرے منہ زرد اس کا ہو گیا

سینہ زن یا جامہ در ہوتا ہے بن ماتم کوئی
آپ اپنے ہاتھ سے میں ہائے رسوا ہو گیا

صور تھی منقار، مرغِ صبح پہلو سے مرے
وہ قیامت قد جو اٹھا حشر برپا ہو گیا

زخم کھایا، زہر کھایا تو بھی کچھ ہوتا نہیں
دیر گزری مرگ کو کیا جانیے کیا ہو گیا

یہ کسی سے ہو کہ ان لطفوں پہ گستاخی نہ ہو
غیر ہم سا کب ہوا ہر چند ہم سا ہو گیا

یوں لبِ خنجر کے بوسے متصل لینے نہ تھے
زخم کاری کی ہنسی میں کام میرا ہو گیا

سرمۂ تسخیر سے ہم خود مسخر کیوں نہ ہوں
آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا

تو فلک ہیں کیا کرے یہ نالۂ آتش فشاں
ایک دشمن سر سے کھویا اور پیدا ہو گیا

کفر ہے بے گل رخ ترسا تماشائے چمن
گلشن اپنے حق میں اے مومن کلیسا ہو گیا

(۴۴)

کیا رشکِ غیر تھا کہ تحمل نہ ہو سکا
میں جان کر حریفِ تغافل نہ ہو سکا

ہوتا ہے آہ صبح سے داغ اور شعلہ زن
کیسا چراغ تھا یہ کبھی گل نہ ہو سکا

اس نے جو دل کو منہ نہ لگایا دو نیم ہے
یہ جام جم ہوا، قدح مل نہ ہو سکا

عاشق نہ ہو کہیں کہ انہیں قتلِ غیر میں
مشکل بنی کچھ ایسی تساہل نہ ہو سکا

کہتے ہیں گلشن اپنی گلی اس کے دم سے تھی
دشمن جو ہم ترانۂ بلبل نہ ہو سکا

نفرت تھی اس قدر کہ نہ ٹھہرے وہ صبح دم
پاسِ درازیِ شب کا کل نہ ہو سکا

پروردۂ وفا سے ہو کب ترکِ عاشقی
کیا ناز تھے کہ مجھ سے تحمل نہ ہو سکا

وہ عکسِ زلف چشم عدو میں پڑا نہ ہو
نظارہ مجھ سے جانبِ سنبل نہ ہو سکا

تنگی وہی رہی دل صد چاک کی ہوا
یہ غنچہ پاش پاش مگر گل نہ ہو سکا

ہجرِ بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاشِ زہر
غم پر خرامِ خوارِ توکل نہ ہو سکا

(۴۵)

شوخ کہتا ہے بے حیا جانا | دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا
شعلۂ دل کو نازِ تابش ہے | اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا
شوق نے دور باشِ اعدا کو | اس کی محفل میں مرحبا جانا
گلے لگتا ہے دم بہ دم مجھ کو | طوقِ گردن نے کیا خفا جانا
اس کے اٹھتے ہی ہم جہاں سے اٹھے | کیا قیامت ہے دل کا آجانا
گھر میں خود رفتگی سے دھوم مچی | کیوں کہ ہو اس تلک مرا جانا
پوچھنا حالِ یار ہے منظور | میں نے ناصح کا مدعا جانا
مے نہ اتری گلے سے جو اس بن | مجھ کو یاروں نے پارسا جانا
شکوہ کرتا ہے بے نیازی کا | تو نے مومن بتوں کو کیا جانا

(۴۶)

اس وسعتِ کلام سے جی تنگ آگیا | ناصح تو میری جان نہ لے دل گیا گیا
ضد سے وہ پھر رقیب کے گھر میں چلا گیا | اے رشک میری جان گئی تیرا کیا گیا
یہ ضعف ہے تو دم سے بھی کب تک چلا گیا | خود رفتگی کے صدمے سے مجھ کو غش آگیا
کیا پوچھتا ہے تلخیِ الفت میں چند کو | ایسی تو لذتیں ہیں کہ تو جان کھا گیا
کچھ آنکھ بند ہوتے ہی آنکھیں سی کھل گئیں | جی اک بلائے جان تھا، اچھا ہوا گیا
میرا گلا ہنسی سے یوں ہی گھونٹتے تھے وہ | کیا سوچ کر رقیب خوش آیا، خفا گیا
آنکھیں جو ڈھونڈھتی تھیں نگہ ہائے التفات | گم ہونا دل کا وہ مری نظروں سے پا گیا
جلتی ہے جان آتشِ خس پوش دیکھ کر | چلون سے شعلہ رو کوئی جلوہ دکھا گیا
بوئے سمن سے شاد تھے اغیار بے تمیز | اس گل کو اعتبارِ نسیم و صبا گیا
وہ سحر ہماری فلک سے پھری نہ ہو | کیسی ہوا چلی یہ کہ جی سنسنا گیا
آتی نہیں بلائے شبِ غم نگاہ میں | کس مہروش کا جلوہ نظر میں سما گیا
اے جذبِ دل نہ تھم کہ نہ ٹھہرا وہ شعلہ رو | آیا تو گرم گرم و لیکن چلا گیا
مجھ خانماں خراب کا لکھا کہ جان کر | وہ نامہ غیر کا مرے گھر میں گرا گیا

مہندی ملے گا پاؤں سے دشمن تو آن کر
کیوں میرے تفتہ سینے کو ٹھوکر لگا گیا

بوسہ صنم کی آنکھ کا لیتے ہی جان دی
مومن کو یاد کیا حجرالا سود آگیا

(۴۷)

وہ ہنسے سن کے نالہ بلبل کا
مجھے رونا ہے خندۂ گل کا

دھیان ہے غیر کے تحمل کا
ہوش دیکھا ترے تغافل کا

ہم کسی شانہ بیں سے پوچھیں گے
سبب آشفتگی کاکل کا

لاش کس کی ہے یہ عدو سے نہ پوچھ
میں ہوں کشتہ ترے تجاہل کا

حال ساقی سے کہہ کے روتا ہوں
کہ محرک ہے خندہ قلقل کا

نکہت اس زلف کی صبا میں نہ ہو
اڑ گیا رنگ بوئے سنبل کا

جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشیں
میں نے دعوئ کیا تحمل کا

نالۂ شب نے یہ ہوا باندھی
ہو گیا گل چراغ بلبل کا

حیلۂ بے خودی سے ہے مومن
توڑنا ہم کو شیشۂ مُل کا

(۴۸)

اشک واشونہ اثر باعث صد جوش ہوا
ہچکیوں سے میں یہ سمجھا کہ فراموش ہوا

جلوہ افزائی رخ کے لیے مے نوش ہوا
میں کبھی آپ میں آیا تو وہ بے ہوش ہوا

کیا یہ پیغام بر غیر ہے اے مرغ چمن
خندہ زن باد بہاری سے وہ گل گوش ہوا

ہے یہ غم گوز میں رنج شب اول سے فزوں
کہ وہ مہ رو مرے ماتم میں سیہ پوش ہوا

مجھ پہ شمشیر نگہ خود بہ خود آپڑتی ہے
عاجز احوال زبوں سے وہ ستم کوش ہوا

آفریں دل میں رہی خنجر دشمن کے سبب
اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا

درد شانہ سے حنا محو نزاکت خوش ہے
کہ میں ہم دوش ہوں گو غیر بھی ہم دوش ہوا

وہ ہے خالی تو یہ خالی، یہ بھرے تو وہ بھرے
کاسۂ عمر عدو حلقۂ آغوش ہوا

تو نے جو قہر خدا یاد دلایا مومن
شکوۂ جور بتاں دل سے فراموش ہوا

(۴۹)

چلون کے بدلے مجھ کو زمیں پر گرا دیا
اس شوخ بے حجاب نے پردہ اٹھا دیا

برق آہ کو جو میں نے کہا مسکرا دیا
دل گرمیوں نے اس کی کلیجا جلا دیا

فرماتے ہیں وصال ہے انجامِ کارِ عشق
کیا ناصحِ شفیق نے مژدہ سنا دیا

دھوتا ہے عہد نامۂ غیر اپنا حال دیکھ
آبِ حیا نے خطِ جبیں کیا مٹا دیا

تاثیرِ سوزِ دل کرۂ نار ہے مگر
اس شعلہ رو کو سینے سے میرے لگا دیا

کیا شاد شاد ہوں کہ وہ ہے تلخ کام تر
میری جو شورشوں نے عدو کو مزا دیا

دیکھا نہ میرے نالۂ آہن گداز نے
آئینہ دیکھنے کا تماشا دکھا دیا

رشکِ فغاں کی ہائے رقیب آفرینیاں
محشر نے خفتگانِ زمیں کو جگا دیا

مٹی نہ دی مزار تلک آکے اس پہ بھی
کہتے ہیں لوگ خاک میں اس نے ملا دیا

ہم دم دکھا اب اس کو کسی ڈھب کہ رحم آئے
ناصح کو میرے حالِ زبوں نے رلا دیا

اس کی شرارتوں سے جگر داغ داغ ہے
گل کھانے کو رقیب کا چھلا منگا دیا

ایسی غزل کہی یہ کہ جھکتا ہے سب کا سر
مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا

(۵۰)

دل قابلِ محبتِ جاناں نہیں رہا
وہ ولولہ، وہ جوش، وہ طغیاں نہیں رہا

ٹھنڈا ہے گرم جوشیِ افسردگی سے جی
کیسا اثر کہ نالہ و افغاں نہیں رہا

کرتے ہیں اپنے زخمِ جگر کو رفو ہم آپ
کچھ بھی خیالِ جنبشِ مژگاں نہیں رہا

دل سختیوں سے آئی مصیبت میں بازکی
صبر و تحملِ قلقِ جاں نہیں رہا

کیا اچھے ہوگئے کہ بھلوں سے برے ہوئے
یاروں کو فکرِ چارہ و درماں نہیں رہا

غش ہیں کہ بے دماغ ہیں گل پیرہن نمط
از بس دماغِ عطرِ گریباں نہیں رہا

آنکھیں نہ بدلیں شوخ نظر کیوں کہ اب کہ میں
مفتونِ لطفِ نرگسِ فتاں نہیں رہا

ناکامیوں کا گاہ گلہ، گاہ شکر ہے
شوقِ وصال و اندوہِ ہجراں نہیں رہا

بے تودہ تودہ خاک سبک دوش ہوگئے
سر پر جنونِ عشق کا احساں نہیں رہا

ہر لحظہ مہر جلووں سے ہیں چشم پوشیاں
آئینہ زار دیدۂ حیراں نہیں رہا

پھرتے ہیں کیسے پردہ نشینوں سے منہ چھپائے — رسوا ہوئے کہ اب غمِ پنہاں نہیں رہا
آسیبِ چشمِ قہر پری طلعتاں نہیں — اے انس اک نظر کہ میں انساں نہیں رہا
بے کاریِ امید سے فرصت ہے رات دن — وہ کاروبارِ حسرت و حرماں نہیں رہا
بے سیرِ دشت و بادیہ لگنے لگا ہے جی — اور اس خرابِ گھر میں کہ ویراں نہیں رہا
کیا تلخ کامیوں نے لبِ زخم سی دیے — وہ شورِ اشتیاقِ نمک داں نہیں رہا
بے اعتبار ہوگئے ہم ترکِ عشق سے — از بس کہ پاسِ وعدہ و پیماں نہیں رہا
نیند آگئی فسانۂ گیسو و زلف سے — وہم و گمانِ خوابِ پریشاں نہیں رہا
کس کام کے رہے جو کسی سے رہا نہ کام — سر ہے مگر غرور کا ساماں نہیں رہا
مومن یہ لافِ الفتِ تقویٰ ہے کیوں مگر — دلی میں کوئی دشمنِ ایماں نہیں رہا

(۵۱)

کیا رم نہ کرو گے اگر ابرام نہ ہوگا — الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا
کاش آپ وہ آئیں جو سنوں ناز کی باتیں — قاصد سے ادا پاسخِ پیغام نہ ہوگا
ہاں جوشِ تپش چھیڑ چلی جائے کہ پر تو — جھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ہوگا
ناکامیِ امید پہ صبر آئے تو کیا آئے — ہر بات پہ کہتے ہو کہ یہ کام نہ ہوگا
منقوشِ دلِ خلق ہے پرہیز کی خوبی — کتنا ہی کرے ظلم وہ بدنام نہ ہوگا
بیٹھا رہوں کیا منتظرِ دور میں ساقی — اتنوں میں کوئی مے کدہ آشام نہ ہوگا
اس جوشِ تپش پر ہوئی مشکل سے رسائی — صد شکر گزر غیر کا تا بام نہ ہوگا
کیا کیجیے دل شوخیِ فطرت پہ جو آجائے — یہ تو میں سمجھتا تھا کہ وہ رام نہ ہوگا
گل رنگ ہوا گریۂ خوں سے مرا دامن — کیا اب بھی خجل چرخِ سیہ فام نہ ہوگا
خو ہوگئی ہجراں میں تڑپنے کی شبِ وصل — گو چین ہو دل کو مجھے آرام نہ ہوگا
ہیں پاک نظر ہم تو ولے ذوق فزا عشق — بے چاشنیِ بوسہ و دشنام نہ ہوگا
کم ظرفیِ اغیار پہ ساقی کو نظر ہے — افسوس ہے آلودہ لبِ جام نہ ہوگا
وہ شوخ فریبِ قلقِ غیر میں آیا — اب مجھ سے تو صبر اے دلِ ناکام نہ ہوگا
کیا فتنۂ محشر کو قدِ یار سے نسبت — ہے خاص کشی ولولۂ عام نہ ہوگا

ا۔ مستوں (ن۔ض۔ص ۵۵)

اغیار سے بے فائدہ ہے گرمیِ صحبت　　کاہے کو جلے گا جو کوئی خام نہ ہوگا
ہے مہر تجھے دیکھ کے شرمندہ و مشتاق　　اتنا کہ ظہورِ سحر و شام نہ ہوگا
بلبل کے سے نالے کہ صبا کی سی کروں سعی　　میرا نہ ہوا ہے وہ گل اندام نہ ہوگا
وہ مشق رہی اور نہ وہ شوق ہے مومن　　کیا شعر کہیں گے اگر الہام نہ ہوگا

(۵۲)

گر میں کم بخت، وہ بخیل ہوا　　مجھ کو چھیڑ آسماں ذلیل ہوا
گر بھی بے خودی ہے صہبا میں　　کون مشتاقِ سلسبیل ہوا
آسماں راہ پر نہیں آتا　　دعویٔ خضر بے دلیل ہوا
ہائے وہ لاف ہائے خود کامی　　غیر ہر کام میں دخیل ہوا
اب تغافل ہے واں مگر گردوں　　میرے آزار کا کفیل ہوا
کس قدر تیز رو ہے سوئے صنم　　نامہ بر میرا جبرئیل ہوا
اثرِ حسن و عشق تھا بے شک　　میں ترا تو مرا عدیل ہوا
العطش زن سپہر و یار و عدو　　بے گنہ خوں مرا سبیل ہوا
آپ کی کون سی بڑھی عزت　　میں اگر بزم میں ذلیل ہوا
آتشِ آہِ بے اثر سے مری　　آسماں گلشنِ خلیل ہوا
کوتہی کی جواب میں جوں جوں　　اور بھی خط مرا طویل ہوا
ہائے مومن شہادتِ بے اجر　　ہجرِ وصلِ صنم قتیل ہوا

(۵۳)

غصہ بیگانہ وار ہونا تھا　　بس کبھی تجھ سے یار ہونا تھا
کیا شب انتظار ہونا تھا　　ناحق امیدوار ہونا تھا
کیوں نہ ہوتے عزیز غیر تمہیں　　میری قسمت میں خوار ہونا تھا
مجھے جنت میں وہ صنم نہ ملا　　حشر اور ایک بار ہونا تھا
گر نہ تھی اے دل اس کے رنج کی تاب　　کیوں شکایت گزار ہونا تھا
خاک ہوتا نہ میں تو کیا کرتا　　اس کے در کا غبار ہونا تھا

ہرزہ گردی سے ہم ذلیل ہوئے چرخ کا اعتبار ہوتا تھا
مرگِ شامِ وصالِ حرماں ہائے صبح دم جاں نثار ہوتا تھا
اور سے ہم کنار ہے دشمن آج تو ہم کنار ہوتا تھا
شکوۂ دہر پر کہا تم کو آفتِ روزگار ہوتا تھا
چشمِ بے اعتبارِ جاناں میں کیا مرا اعتبار ہوتا تھا
صبر کر صبر ہو چکا جو کچھ اے دلِ بے قرار ہوتا تھا
کوئے دشمن میں جا پکڑتا کیوں کیا مجھے شرمسار ہوتا تھا
وہ نمک پاش بھی نہیں ہوتے یوں ہی دل کو فگار ہوتا تھا
خاک میں حیف یہ شراب ملے محتسب بادہ خوار ہوتا تھا
نہ گیا تیرِ نالہ سوئے رقیب مرغِ عرشی شکار ہوتا تھا
رات دن بادہ و صنم مومن کچھ تو پرہیز گار ہوتا تھا

(۵۴)

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا رنج راحت فزا نہیں ہوتا
بے وفا کہنے کی شکایت ہے تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا
ذکرِ اغیار سے ہوا معلوم حرفِ ناصح برا نہیں ہوتا
کس کو ہے ذوقِ تلخ کامی لیک جنگ بن کچھ مزا نہیں ہوتا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
اس نے کیا جانے کیا کیا لے کر دل کسی کام کا نہیں ہوتا
امتحاں کیجیے مرا جب تک شوق زور آزما نہیں ہوتا
ایک دشمن کہ چرخ ہے نہ رہے تجھ سے یہ اے دعا نہیں ہوتا
آہ طولِ امل ہے روز افزوں گرچہ اک مدعا نہیں ہوتا
نارسائی سے دم رکے تو رکے میں کسی سے خفا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
حالِ دل یار کو لکھوں کیوں کر ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

رحم کر خصم ، جانِ غیر نہ ہو
سب کا دل ایک سا نہیں ہوتا

دامن اس کا جو ہے دراز تو ہو
دستِ عاشق رسا نہیں ہوتا

چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمھارے سوا نہیں ہوتا

کیوں سنے عرضِ مضطر اے مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

(۵۵)

کیا ہوا ہُوا گر وہ بعدِ امتحاں اپنا
بے گنہ سزا پائے اب وہ دل کہاں اپنا

خار و خس میں گلشن کے بوئے گل جو آتی تھی
رشک سے کیا برباد آپ آشیاں اپنا

روز کا بگاڑ آخر جان پر بنا دے گا
ان کو شوقِ آرائش، دل ہے بدگماں اپنا

دشنہ چھین لے گا کیا ہم نشیں شبِ فرقت
آپ جب نہیں اپنے، کون میری جاں اپنا

بعد مدت اس کو سے یوں پھرے بہ تنگ آکر
جاے جاے پھرتے ہیں پوچھتے مکاں اپنا

صبر بعد آسائش اس فلق پہ مشکل تھا
عیش جاوداں نکلا ، رنجِ جاوداں اپنا

عشقِ بت میں خود آپ تو درخورِ پرستش ہیں
نام ہوگیا اتنا گم کیا نشاں اپنا

دل کے لینے تک ہے بس آپ کی خریداری
کیوں کریں وہ سودا ہم جس میں ہو زیاں اپنا

(ق)

دل کی بے قراری سے ہر تپش زمیں فرسا
بہرِ خرمنِ گردوں شعلہ ہر فغاں اپنا

دیکھیے پس مردن حالِ جسم و جاں کیا ہو
مدعی زمیں اپنی ، دشمن آسماں اپنا

دیر و کعبہ یکساں ہے عاشقوں کو اے مومن
ہو رہے وہیں کے ہم جی لگا جہاں اپنا

(۵۶)

ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا
مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا

اس حسن پہ خلوت میں جو حال کیا کم تھا
کیا جانیے کیا کرتا گر تو مری جا ہوتا

ایک ایک ادا سو سو دیتی ہے جواب اس کے
کیوں کر لبِ قاصد سے پیغام ادا ہوتا

اچھی ہے وفا مجھ سے، جلتے ہیں جلیں دشمن
تم آج ہوا سمجھو جو روزِ جزا ہوتا

جنت کی ہوس واعظ بے جا ہے کہ عاشق ہوں
ہاں سیر میں جی لگتا گر دل نہ لگا ہوتا

اس تلخیِ حسرت پر کیا چاشنیِ الفت
کب ہم کو فلک دیتا گر غم میں مزا ہوتا

تھے کوسنے یا گالی طعنوں کا جواب آخر
لب تک غمِ غیر آتا گر دل میں بھرا ہوتا

ہے صلح عدو بے حظ تھی[1] جنگ غلط فہمی
جیتا ہے تو آفت ہے مرتا تو بلا ہوتا

ہوتا تھا وصال اک شب قسمت میں بلا سے گر
تو مجھ سے خفا ہوتا، میں تجھ سے خفا ہوتا

ہے بے خودیِ دائم کیا شکوہ تغافل کا
جب میں نہ ہوا اپنا، وہ کیوں کہ مرا ہوتا

اس بخت پہ کوشش سے تھکنے کے سوا حاصل
گر چارۂ غم کرتا رنج اور سوا ہوتا

اچھی مری بدنامی تھی یا تری رسوائی
گر چھوڑ نہ دیتا میں پامالِ جفا ہوتا

دیوانے کے ہاتھ آیا کب بندِ قبا اس کا
ناخن جو نہ بڑھ جاتے تو عقدہ نہ وا ہوتا

ہم بندگیِ بت سے ہوتے نہ کبھی کافر
ہر جائے گر اے مومن موجود خدا ہوتا

(۵۷)

عدم میں رہتے تو شاد رہتے اسے بھی فکرِ ستم نہ ہوتا
جو ہم نہ ہوتے تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتا

ہوئی خجالت سے نفرت افزوں گلے کیے خوب آخریں دم
وہ کاش اک دم ٹھہر کے آتے کہ میرے لب پر بھی دم نہ ہوتا

پڑا ہے مرنا بس اب تو ہم کو جو اس نے خط پڑھ کے نامہ بر سے
کہا کہ گر سچ یہ حال ہوتا تو دفتر اتنا رقم نہ ہوتا

کسی کے جلنے کا دھیان آیا وگرنہ دودِ فغاں سے میرے
اگر ہزاروں سپہر بنتے تمھاری آنکھوں میں نم نہ ہوتا

جو آپ در سے اٹھا نہ دیتے کہیں نہ کرتا میں جبہ سائی
اگرچہ یہ سرنوشت میں تھا تمھارے سر کی قسم نہ ہوتا

وصال کو ہم ترس رہے تھے جواب ہوا تو مزا نہ پایا
عدو کے مرنے کی جب خوشی تھی کہ اس کو رنج و الم نہ ہوتا

جہانِ تنگ و ہجومِ وحشت غرض کہ دم پر بری بنی تھی
کہاں میں جاتا نہ جی ٹھہرتا کہیں جو دشتِ عدم نہ ہوتا

مگر رقیبوں نے سر اٹھایا کہ یہ نہ ہوتا تو بے مروت
نظر سے ظاہر حیا نہ ہوتی، حیا سے گردن میں خم نہ ہوتا

وہاں ترقی جمال کو ہے یہاں محبت ہے روز افزوں
شریکِ زیبا تھا بوالہوس بھی جو بے وفائی میں کم نہ ہوتا

غلط کہ صانع کو ہو گوارا خراشِ انگشت ہائے نازک
جوابِ خط کی امید رکھتے جو قولِ جف القلم نہ ہوتا

یہ بے تکلف پھرا رہی ہے کشش دلِ عاشقاں کی اس کو
وگرنہ ایسی نزاکتوں پر خرامِ ناز اک قدم نہ ہوتا

وصال تو ہے کہاں میسر مگر خیالِ وصال ہی میں
مزے اڑاتے ہوس نکلتی جو ساتھ اندازِ رم نہ ہوتا

ہوا مسلماں میں اور ڈر سے نہ درسِ واعظ کو سن کے مومن
بنی تھی دوزخ بلا سے بنتی عذابِ ہجرِ صنم نہ ہوتا

ا۔ ہے (ن۔ مں۔ ص ۶۲)

ردیف ب

(۵۸)

گئے وہ خواب سے اٹھ غیر کے گھر آخرِ شب
اپنے نالے نے دکھایا[1] یہ اثر آخرِ شب

(ق)

صبح دم وصل کا وعدہ تھا یہ حسرت دیکھو
مر گئے ہم دمِ آغازِ سحر آخرِ شب

سوزِ دل سے گئی جاں بخت چمکنے کے قریب
کرتے ہیں موسمِ گرما میں سفر آخرِ شب

شعلۂ آہ فلک رتبہ کا اعجاز تو دیکھ
اولِ ماہ میں چاند آئے نظر آخرِ شب

ملے ہو غیر سے بے پردہ تم انکار کے بعد
جلوہ خورشید کا سا تھا کچھ ادھر آخرِ شب

صبح دم آنے کو تھا وہ کہ گواہی دے ہے
رجعتِ قہقری میں چرخ و قمر آخرِ شب

غیر نکلا ترے گھر سے گئی اس وہم میں جان
غل ہوئے چور کے اس کوچے میں گر آخرِ شب

دی تسلی بھی تو ایسی کہ تسلی نہ ہوئی
خواب میں تو مرے آئے وہ مگر آخرِ شب

مو سفیدی کے قریب اور ہے غفلت مومن
نیند آتی ہے بہ آرام دگر آخرِ شب

(۵۹)

قتلِ عدو میں عذرِ نزاکت گراں ہے اب
مجھ میں ستم اٹھانے کی طاقت کہاں ہے اب

وحشت سے میری سارے احبا چلے گئے
آنا ہے گر تو آؤ کہ خالی مکاں ہے اب

سجدے پہ سر قلم ، ہو دعا پر زباں کٹے
گویا نہ وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں ہے اب

قتلِ عدو نے شوقِ شہادت مٹا دیا
لب پر ہمارے غلغلۂ الاماں ہے اب

---

[1] "جگایا" (ن۔ض صفحہ ۶۵)۔

پیری میں وصلِ غیرتِ یوسف ہوا نصیب بختِ وفا مثالِ زلیخا جواں ہے اب
بہ دیں رقیب نے تری بے التفاتیاں ناصح ہمارے حال پہ کچھ مہرباں ہے اب
رکھ لے سر اپنے زانوئے نازک پہ شوق سے تیرا مریضِ عشق بہت ناتواں ہے اب
چشمِ غضب سے مشورۂ قتل کھل گیا جو بات دل میں تھی سو نظر سے عیاں ہے اب
بے طاقتی سے مجھ میں نہیں تابِ التفات بیہودہ فکرِ جور و سرِ امتحاں ہے اب
وہ دن گئے کہ لاف و گزاف جہاد تھا مومن ہلاکِ خنجرِ نازِ بتاں ہے اب

(۶۰)

بھی رہنے لگے خفا صاحب کہیں سایہ مرا پڑا صاحب
ہے یہ بندہ ہی بے وفا صاحب غیر اور تم بھلے بھلا صاحب
کیوں الجھتے ہو جنبشِ لب سے خیر ہے میں نے کیا کہا صاحب
کیوں لگے دینے خطِ آزادی کچھ گنہ بھی غلام کا صاحب
ہائے ری چھیڑ رات سن سن کے حال میرا کہا کہ کیا صاحب
دمِ آخر بھی تم نہیں آتے بندگی اب کہ میں چلا صاحب
ستم آزار و ظلم و جور و جفا جو کیا سو بھلا کیا صاحب

ق

کس سے بگڑے تھے، کس پہ غصہ تھا رات تم کس پہ تھے خفا صاحب
کس کو دیتے تھے گالیاں لاکھوں کس کا شب ذکرِ خیر تھا صاحب
نامِ عشقِ بتاں نہ لو مومن کیجیے بس خدا خدا صاحب

(۶۱)

تھی وصل میں بھی فکرِ جدائی تمام شب وہ آئے تو بھی نیند نہ آئی تمام شب
واں طعنہ تیر بار، یہاں شکوہ زخم ریز باہم تھی کس مزے کی لڑائی تمام شب
رنگیں ہے خون سر سے وہ ہاتھ آج کل رہے جس ہاتھ میں وہ دستِ حنائی تمام شب

تالو سے یاں زبان سحر تک نہیں لگی
تھا کس کو شغل نغمہ سرائی تمام شب

یک بار دیکھتے ہی مجھے غش جو آگیا
بھولے تھے وہ بھی ہوش ربائی تمام شب

مرجاتے کیوں نہ صبح کے ہوتے ہی ہجر میں
تکلیف کیسی کیسی اٹھائی تمام شب

گرمِ جواب شکوۂ جور عدو رہا
اس شعلہ خو نے جان جلائی تمام شب

کہتا ہے مہروش تمھیں کیوں غیر گر نہیں
دن بھر ہمیشہ وصل، جدائی تمام شب

دھر پاؤں آستاں پہ کہ اس آرزو میں آہ
کی ہے کسی نے ناصیہ سائی تمام شب

مومن میں اپنے نالے کے صدقے کہ کہتے ہیں
اس کو بھی آج نیند نہ آئی تمام شب

ردیف پ

(۶۲)

یاں سے کیا دنیا سے اٹھ جاؤں اگر رکتے ہیں آپ
رک گیا میرا ابھی دم کیوں اس قدر رکتے ہیں آپ

ضبط نالہ بو الہوس کا ننگ کے باعث نہیں
شرم سے آہ و فغانِ بے اثر رکتے ہیں آپ

سنگِ رہ ہے امتحاں تاثیر حسن و عشق کا
ہم ادھر رکتے ہیں آپ اور وہ ادھر رکتے ہیں آپ

جذبِ دل نے غیر کے بھی کیا کہیں تاثیر کی
آج کیوں آتے ہوئے ہر گام پر رکتے ہیں آپ

جائیے پھر اس کے کوے دل کشا میں کس لیے
حضرتِ دل سینے میں آٹھوں پہر رکتے ہیں آپ

سچ کہو ہے کس سے وعدہ آج جاؤ گے کہاں
خود بہ خود بیٹھے ہوئے کیوں اپنے گھر رکتے ہیں آپ

پاس تم کو ہی نہیں تو جائیے غیروں کے پاس
میں نہ روکوں روکنے سے میرے گر رکتے ہیں آپ

وصلِ شیریں کی تمنا کوہ کن کو کیا کہوں
صحبتِ شاہاں سے اربابِ ہنر رکتے ہیں آپ

دل کسی بت کو دیا اے حضرتِ مومن کہیں
وعظ میں کیوں برہمن کو دیکھ کر رکتے ہیں آپ

ردیف ت

(۶۳)

کیا دیکھتا خوشی سے ہے غیروں کے گھر بسنت
پھولی ہے یاں کچھ اور ہی اے بے خبر بسنت

واں تو ہے زرد پوش، یہاں میں ہوں زرد رنگ
واں تیرے گھر بسنت ہے، یاں میرے گھر بسنت

یہ کس کے زرد چہرے[1] کا اب دھیان بندھ گیا
میری نظر میں پھرتی ہے آٹھوں پہر بسنت

آوارگی ہے باعثِ نشو و نما کہ دیکھ
سرسبز جب ہوئی کہ پھری دربہ در بسنت

ہم قیدیوں کو چاہئیں سونے کی بیڑیاں
اے چارہ گر جہان میں ہے جلوہ گر بسنت

اس رشکِ گل کے ہاتھ تلک کب پہنچ سکے
سرسوں ہتھیلی پہ نہ جمائے اگر بسنت

کس کو بھلا خلل یرقاں کا ہے اے طبیب
پھولی ہے باغِ عشق کی یاں آن کر بسنت*

ہے اولِ بہار یہ مستیوں کا جوش
دکھلائے ہے کچھ اب کی بہارِ دگر بسنت

مومن یہ کیا کہا کہ ہے رسمِ ہنود اب
کاہے یو لائیں گے وہ مری گور پر بسنت

(۶۴)

سودا تھا بلا کے جوش پر رات
بستر پہ بچھائے نیشتر رات

بگڑے تھے یہاں وہ آن کر رات
بے طور بنی تھی جان پر رات

ہم تا سحر آپ[2] میں نہیں تھے
کیا جانے رہے وہ کس کے گھر رات

افسانہ سمجھ کے سو گئے وہ
کام آئی فغانِ بے اثر رات

آئینے میں ہو نہ موم جادو
سوتے تمہیں اب وہ تا سحر رات

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے
تھا بام پہ کون؟ جگر رات

(ق)

اندھیر پڑا زمانے میں ہائے
نہ دن کو ہے مہر، نہ قمر رات

اس لیل و نہار غم نے مارا
ہے روزِ سیہ، سیاہ تر رات

۱۔ "چہرہ" نسخۂ ضیا ص ۶۹۔ "چہرے" نسخۂ نول کشور ۱۸۸۰ء، حاشیہ ص ۵۷۔

۲۔ نسخۂ ضیا "آپ" (ص ۷۰)۔ نسخۂ نول کشور ۱۸۸۰ء (ص ۵۸) "اب"۲

(ق)

کیا پوچھو ہو منکر و نکیر آہ
بگڑے جو وہ طعنِ غیر پر رات
یہ بات بڑھی کہ مرگئے ہم
موت آئی تھی قصہ مختصر رات
اس گھر میں ہے عیشِ خلد مومن
کیا جانے کہاں ہے دن، کدھر رات

(۶۵)

کرتے ہیں عدو وصل میں حرماں کی شکایت
تھی بارے موثر غمِ ہجراں کی شکایت
یوں کرتے تھے وہ کب دلِ نالاں کی شکایت
کی ہوگی فلک نے مرے افغاں کی شکایت
اے پردہ نشیں چلون اٹھادے کہ نہ جل جائے
کرتا ہوں میں سوزِ غمِ پنہاں کی شکایت
ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملے وہ
دل ہی میں رہی رنجشِ جاناں کی شکایت
پامالِ ستم ہے دلِ ناکام کے ہاتھوں
کس منہ سے کروں ولولۂ جاں کی شکایت
صد شکر وہ الجھی ہوئی تقریر نہ سمجھا
تھی بر ہمیِ زلف پریشاں کی شکایت
ہے کس لیے مجھ سے اسے دل دینے کا شکوہ
کرتا ہے جہاں میں کوئی احساں کی شکایت
کیا بابِ اجابت پہ گزر ہووے دعا کا
سنتا ہے اثر کب ترے درباں کی شکایت
اے شورِ جنوں ڈر ہے زباں بند نہ ہوجائے
گر آئے لبوں پر مرے زنداں کی شکایت
کیوں طعنہ سمجھ کر ہے گلہ شکر جفا کا
جانے دو کہ بے جا ہے پشیماں کی شکایت
کس واسطے اے شمع زباں کاٹتے ہیں لوگ
کیا تو نے بھی کی تھی شبِ ہجراں کی شکایت
حورانِ بہشتی کو بتوں کا سا نہ پایا
مومن مجھے کیوں کر نہ ہو ایماں کی شکایت

(۶۶)

ردیف ش

اظہارِ شوق شکوہ اثر اس سے تھا عبث
یعنی کہا کہ مرتے ہیں تم پر، کہا عبث
میں ایک سخت جان ہوں گردوں سے پوچھ لو
تم کو خیال ہے مرے آزار کا عبث
تھا ہم پہ لطف تو پئے افزائشِ الم
صد شکر غیر ہوگئے اس سے خفا عبث
اے مہروش یہ حسن تو ہرگز نہ چھپ سکے
چلون تو کیا ہے پردے کا بھی چھوڑنا عبث
امید وعدہ بھی تو نہیں روزِ ہجر میں
ہم سے وفائے زندگیِ بے وفا عبث
اس ضعف میں تو سینے سے آتا ہے لب تلک
کہتے ہیں اپنے نالے کو ہم نارسا عبث

کیا اپنے دودِ دل کا بھی شکوہ نہ کیجیے
الجھے ہے بات بات پہ زلفِ دوتا عبث

گو چارہ ساز حضرتِ عیسیٰ ہی کیوں نہ ہوں
گر دردِ عشق ہے تو امیدِ شفا عبث

جس غم میں مر رہے تھے وہ غم ہی نہیں رہا
افسوس مر کے سمجھے[1] کہ جینا ہے کیا عبث

اے روزِ حشر کچھ شبِ ہجراں بھی کم نہیں
بدنام ہو جہان میں تیری بلا عبث

ہرگز نہ رام وہ صنمِ سنگ دل ہوا
مومن ہزار حیف کہ ایماں گیا عبث

ردیف ج

(۶۷)

ہو نہ بے تاب ادا تمھاری آج
ناز کرتی ہے بے قراری آج

اڑ گیا چرخ پر غبار اپنا
ہوگئی خاک، خاکساری آج

نزع ہے اور روزِ وعدۂ وصل
ہے بہ ہر طور دم شماری آج

مانعِ قتل کیوں ہوا دشمن
جان ہی جائے گی ہماری آج

تیرے آتے ہی دم میں دم آیا
ہوگئی یاس امیدواری آج

کوئی کھینچے ہے دل کو پہلو میں
کس نے کی اس سے ہم کناری آج

اس کے شکوے سے ہے اثر ظاہر
کچھ تو کہتی ہے آہ و زاری آج

اک نئی آرزو کا خون ہوا
ہم ہیں اور تازہ سوگواری آج

چھٹ گئے مر کے نیشِ ہجراں سے
کام آیا ہے زخمِ کاری آج

بے کسی کیوں ہے نعش پر مجمع
کیا ہوئی تو مری پیاری آج

بھولے حضرت نصیحت اے ناصح
ہے کسی کی تو یادگاری آج

مومن اس بت کو دیکھ آہ بھری
کیا ہوا لافِ دین داری آج

ردیف چ

(۶۸)

پنجۂ شانہ سے تو زلف گرہ گیر نہ کھینچ
دل سے دیوانے کو مت چھیڑ، یہ زنجیر نہ کھینچ

ہم تو بچتے نہیں تا شام وہ آئے بھی تو کیا
اے دعائے سحری منتِ تاثیر نہ کھینچ

اے ستم پیشہ مرے بعد کہاں نشۂ عشق
دیکھ خمیازۂ حسرت ہے، یہ شمشیر نہ کھینچ

ا۔ نسخۂ ضیا (ص ۳۷) "دیکھا"۔ نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ء (حاشیہ ص ۵۸) "سمجھے"

ہے دوا میری وہی سو نہیں ممکن کہ ملے
چارہ گر رنج و مصیبت پئے تدبیر نہ کھینچ

میں نہ کہتا تھا مصور کہ وہ ہے شعلہ عذار
دیکھ تو صفحۂ قرطاس پہ تصویر نہ کھینچ

ہم جواں مرد محبت بھی سمجھ لیں گے بھلا
اپنی ایذا سے تو ہاتھ اے فلک پیر نہ کھینچ

روزِ غم کون بھلا آن کے ہوتا ہے شریک
انتظارِ اثر اے نالۂ شب گیر نہ کھینچ

اتنی فرصت دے ستم گر کہ پہنچ جائے اجل
دم کے دم اور بھی سینے سے مرے تیر نہ کھینچ

مومن آ کیش محبت میں کہ ہے سب جائز
حسرتِ حرمتِ صہبا و مزامیر نہ کھینچ

ردیف ح

(۶۹)

گر چندے اور یہ ہی رہی یار کی طرح
ہم بھی بنیں گے بو الہوس اغیار کی طرح

آوازِ گنبد اس سے شکایت عدو کی تھی
ناچار چپ ہیں صورتِ دیوار کی طرح

سونے دیا نہ اس نے شب وصل میں بھی کیا
ہم جاگتے ہیں طالعِ بیدار کی طرح

پھرتا ہے بہر کشتنِ عشاق کو بہ کو
گردش میں ہے وہ چرخِ ستم گار کی طرح

ہوتے ہیں پائمال گل اے بادِ نوبہار
کس سے اڑائی تو نے یہ رفتار کی طرح

چینِ جبیں بلا و نگاہِ غضب ستم
کرتی ہے قتل اس بتِ خوں خوار کی طرح

خو رنج رشک غیر کی بھی ہم کو ہوگئی
اب اور کچھ نکالیے آزار کی طرح

ہوتے ہیں قتل غیر ادھر ہے نگاہِ لطف
ارماں مرے نکلتے ہیں تلوار کی طرح

کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں
کب رو سکے گا دیدۂ خوں بار کی طرح

بس زندگی ضعف کہ گل گشت باغ میں
چبھتے ہیں میرے پاؤں میں گل خار کی طرح

دل میں ہوائے بت کدہ ظاہر میں کیا حضور
رہنا حرم میں مومنِ مکار کی طرح

(۷۰)

رویا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح
اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی مری طرح

آتا نہیں ہے وہ تو کسی ڈھب سے داؤ میں
بنتی نہیں ہے ملنے کی اس کے کوئی طرح

تشبیہ کس سے دوں کہ طرح دار کی مرے
سب سے نرالی وضع ہے، سب سے نئی طرح

مر چک کہیں کہ تو غمِ ہجراں سے چھوٹ جائے
کہتے تو ہیں بھلے کی و لیکن بری طرح

نے تاب ہجر میں ہے، نہ آرام وصل میں
کم بخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح

لگتی ہیں گالیاں بھی ترے منہ سے کیا بھلی
قربان تیرے پھر مجھے کہہ لے اسی طرح

پامال ہم نہ ہوتے فقط جورِ چرخ سے
آئی ہماری جان پر آفت کئی طرح

نے جائے واں بنے ہے، نہ بن جائے چین ہے
کیا کیجیے ہمیں تو ہے مشکل سبھی طرح

معشوق اور بھی ہیں بتا دے جہان میں
کرتا ہے کون ظلم کسی پر تری طرح

ہوں جاں بہ لب بتانِ ستم گر کے ہاتھ سے
کیا سب جہاں میں جیتے ہیں مومن اسی طرح

ردیف خ

(۷۱)

عدو نے دیکھے کہاں اشک چشم گریاں سرخ
نہ آستیں ہے، نہ رومال ہے، نہ داماں سرخ

نمودِ حسن خطِ یار سے نہ ہو کیوں کر
بہار ہے جو تہ سبز ہو نمایاں سرخ

تمھارے دشنے کا دستِ جفا[1] نے کام کیا
ہے زرد رنگ گلو حلقۂ گریباں سرخ

زبس فگار ہوئے پاؤں خار و خارہ سے
تمام دشت ہے جوں وسعتِ گلستاں سرخ

ملی ہیں غیر نے پائے نگار سے آنکھیں
سرشکِ خوں سے نہیں پنجہ ہائے مژگاں سرخ

گمانِ قہر سے اپنا تو رنگ زرد ہے اور[2]
سیاہ مستی مے سے ہے چشمِ جاناں سرخ

موا ہوں عشق میں گل پیرہن کے لازم ہے
مرا کفن بھی ہو جوں جامۂ شہیداں سرخ

سرایتیں ہیں یہ طوفانِ اشکِ خونی کی
کہ ایک ایک شجر ہے بہ رنگِ مرجاں سرخ

کرم جو غیر پہ دیکھا لہو اتر آیا
نہ پوچھ کیوں تری آنکھیں ہیں بن کے ناداں سرخ

نویدِ مرگ انھیں جو ہیں زخمیِ لبِ یار
کہ رنگِ پاں سے ہوئے اور لعلِ خنداں سرخ

نظارۂ رخِ مردم سے کیوں نہ غم ہو کہ تھا
ہمارا رنگ بھی پیش از ورودِ ہجراں سرخ

ہمارے خون کا دھبہ نہ جائے حشر تلک
وہ لاکھ بدلے قبا پر رہے گا داماں سرخ

غریقِ گریۂ خونی رہا نہ کر مومن
لباس یعنی پہنتے نہیں مسلماں سرخ

ردیف د

(۷۲)

ہم دامِ محبت سے ادھر چھوٹے ادھر بند
پرواز بھی کی آہ تو جوں طائر پر بند

۱۔ نسخۂ ضیا طبع ۱۹۲۷ء (صفحہ ۷۷) "دستِ نغد" اور نول کشوری نسخہ (طبع ۱۸۸۰ء حاشیہ ص ۶۰) میں "دستِ جفا" ہے۔
۲۔ نسخۂ ضیا طبع ۱۹۲۷ء (صفحہ ۷۸) میں "اور" کے مقابل "آج" بھی درج کیا ہے۔

دیکھا نہ کسی کی طرف ایمائے حیا سے
جادو کو کیا نرگسِ جادو نے نظر بند

یہ مشتِ پر سوختہ پھونکیں گے قفس کو
تو ساتھ کسی کے مجھے صیاد نہ کر بند

وہ آخرِ شب آئے ہیں کچھ بات تو کر لوں
کر اپنی زباں دم کے دم اے مرغِ سحر بند

کیا ٹھہرے دلِ بوالہوساں میں تری الفت
شیشے میں پری کرتے ہیں اربابِ ہنر بند

جا سکتے نہیں جاتے ہیں اس کو میں جو ناصح
چھٹ جائیں گے قصے سے کیا تو نے اگر بند

شاید کہیں تو نے بھی اسے خواب میں دیکھا
آنکھیں تری اے بخت ہیں کیوں آٹھ پہر بند

اے سوزشِ سینہ مجھے وہ سینہ دکھا دے
کھولے تری گرمی سے وہ گھبرا کے مگر بند

کیا حضرتِ مومن کہیں کعبے کو سدھارے
سنسان ہے گھر کس لیے، کیوں آج ہے در بند

(۷۳)

غربت میں گل کھلائے ہے کیا کیا وطن کی یاد
جیسے قفس میں مرغِ چمن کو چمن کی یاد

گل گوں قبا پہن کے کیا قتل غیر کو
کیا آئی اپنے کشتۂ خونیں کفن کی یاد

از خویش رفتگی ہے عناں کش زماں زماں
دکھلائے گی عدم ہی کہیں اس دہن کی یاد

تو آب زن نہ ہوئے تو کیا جانے کیا کرے
دشمن کے دل سے میرے دمِ شعلہ زن کی یاد

اے محتسب نہ توڑیو شیشے کو دیکھنا
آتی ہے مجھ کو سنگ دلِ دل شکن کی یاد

تا شکوہ غیر کا نہ کروں مجھ سے کہتے ہیں
کیوں سرگذشت تم کو بھی ہے کوہ کن کی یاد

پھر پیرہن کے ہوتے ہیں ٹکڑے برنگِ گل
پھر مجھ کو آگئی کسی گل پیرہن کی یاد

ایسے ہی روز گر ستمِ نو بہ نو رہے
تم کو بھلا رہے گی سپہرِ کہن کی یاد

ہے کفر و بدعت ایک نہیں تار سبحہ سے
زنار مومن آئے ہے کیوں برہمن کی یاد

ردیف ذ

(۷۴)

نامہ رونے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ
کہ بنا ہم گہرِ صفحۂ دریا کاغذ

اس کے کوچے سے چلا آئے ہے اڑتا کاغذ
پھاڑ کر پھینک دیا کیا مرے خط کا کاغذ

کیا جواب آئے کہ کثرت سے خطوں کی میرے[1]
کیمیا یاب سیاہی بنی، عنقا کاغذ

سب نوشتے ترے اغیار کو دکھلاؤں گا
جانتا ہے تو مرے پاس ہیں کیا کیا کاغذ

۱۔ نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۹ء (حاشیہ ص ۶۰) "مرے خطوں کی" اور نسخۂ ضیا طبع دوم (ص ۸۰) میں "خطوں کی میرے" ہے۔

لکھ کے بدمستیٔ غم تاکہ وہ بے کش پڑھ لے
باندھ دیتا ہوں سرِ شیشۂ صہبا کاغذ

مشق کرتے ہیں وہ کیوں لفظ ''نظر بازی'' کی
پردۂ دیدۂ مشتاق ہے یہ یا کاغذ

رنگ اڑ جانے کا احوال اسے لکھتا ہے
زردیٔ رخ سے زر افشاں میں کروں گا کاغذ

وصف لکھوں میں تری آنکھ کے ڈوروں کا اگر
رگِ گل خامہ دے اور نرگسِ شہلا کاغذ

ہو گیا اس لبِ لعل و دُرِ دنداں کے سبب
غیرتِ نسخۂ اکسیر مسی کا کاغذ

ضد یہ ہے خط سے مرے تاؤ ہزاروں کھائے
دستِ اغیار میں بھی گر کبھی دیکھا کاغذ

یاں تلک تو ہوں سیہ کار کوئی پڑھ نہ سکا
حشر میں جب مرے اعمال کا کھولا کاغذ

قبر میں چھوٹے عذابِ دلِ بے تاب سے ہم
نام جب لکھ کے ترا سینے پہ رکھا کاغذ

تو غزل سنج ہے یا مرثیہ خواں اے مومن
رو دیا جس نے کہ دیکھا ترا لکھا کاغذ

ردیف ر

(۷۵)

نہ کیوں کربس مواجاؤں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر
وہ تیرا مسکرانا کچھ مجھے ہونٹوں میں کہہ کہہ کر

کہاں لختِ جگر ہیں، سیل گریہ میں چڑھا دریا
چلے آتے ہیں یہ ڈوبے ہوؤں کے لاشے بہ بہ کر

بہارِ باغ دو دن ہے غنیمت جان اے بلبل
ذرا ہنس بول لے ہو زمزمہ پرداز چہ چہ کر

نوید اے دل کہ رشکِ غیر سے چھوٹے، اسے ہم نے
ستم کا کر دیا خوگر جفا و جور سہ سہ کر

ستم ہے شدتِ گریہ سرایت خوں نے کی پر کی
رکھے رومال چشمِ خوں فشاں پر لاکھ تہ تہ کر

لگی ہچکی ہے سر زانوئے غم پر ہے کہ یاد آیا
کسی کا ہاتھ ہر دم مارنا زانو پہ قہ قہ کر

خدا کو مان اپنی راہ لے کعبے کو جا مومن
صنم خانے میں کیا لیوے گا اے گم گشتہ رہ رہ کر

(۷۶)

اے تند خو آجا کہیں تیغا کمر سے باندھ کر
کن مدتوں سے ہم کفن بھرتے ہیں سر سے باندھ کر

یا وہ ڈبوئے گا زمیں یا ہم ڈبوئیں گے فلک
آجائے تو روتے ہیں ہم شرط ابرِ تر سے باندھ کر

خط میں تو لکھ سکتا نہیں احوالِ سوزِ دل اسے
پر بھیج دوں جی میں ہے پروانے کے پر سے باندھ کر

دشمن سگِ کوچہ نہ ہو اس شوخ آہو چشم کا
نادم ہوں کعب گرگ پائے نامہ بر سے باندھ کر

ہے سرخ پٹکا اور خونِ غیر میں رنگا ہوا
کیا قتل پر میرے کمر نکلے ہو گھر سے باندھ کر

آچھا تک تو بھی تو کہیں، بے دید کیسی ٹکٹکی
بیٹھے ہوئے ہیں روزنِ دیوار و در سے باندھ کر

جراح کیا سوچا، بتا کیا رنگ دیکھا، کیا ہوا
کیوں کھول لی پٹی مرے زخمِ جگر سے باندھ کر

دیوانہ نازک ہوں میں فصاد مژگاں نیشتر
لے فصد میرے ہاتھ کو تارِ نظر سے باندھ کر

مومن سے اچھی ہو غزل تھا اس لیے یہ زور شور
کیا کیا مضامیں لائے ہم کس کس ہنر سے باندھ کر

(۷۷)

جاتے تھے صبح رہ گئے بے تاب دیکھ کر
طالع ہمارے چونک پڑے خواب دیکھ کر

پایا جو دشمنوں نے ترے پاس اعتبار
آنکھیں چراتے ہیں مجھے احباب دیکھ کر

یہ تشنہ کامی نگہِ گرم دیکھنا
حسرت سے رو دیا طرفِ آب دیکھ کر

توبہ کہاں کدورتِ باطن کے ہوش تھے
غش ہوگیا میں رنگِ مئے ناب دیکھ کر

اٹھی نہ نعش بھی ترے کوچے سے بعدِ قتل
ہم رہ پڑے زمین کو شاداب دیکھ کر

روئے وہ میرے حال پہ حیران کیوں نہ ہوں
آنکھیں سی کھل گئیں درِ نایاب دیکھ کر

شوقِ وصال دیکھ کہ آیا عدو کے گھر
سوجھا نہ کچھ مجھے شبِ مہتاب دیکھ کر

ہے بے تمیز عشق و ہوس آج تک نہیں
وہ چھپتے پھرتے ہیں مجھے بے تاب دیکھ کر

مومن یہ تاب کیا کہ تقاضائے جلوہ ہو
کافر ہوا میں دین کے آداب دیکھ کر

(۷۸)

یاد اس کی گرمیِ صحبت دلاتی ہے بہار
آتشِ گل سے مرا سینہ جلاتی ہے بہار

کوہ و صحرا میں پئے فرحت پھراتی ہے بہار
میں تو کیا ان کو بھی دیوانہ بناتی ہے بہار

کھل چکی نرگس کہ شرمائی ہی جاتی ہے بہار
دیکھ کر اس کی بہار آنکھیں چراتی ہے بہار

جلوۂ لالہ رقیبوں کو دکھاتی ہے بہار
داغ کھانے پر مرے کیا داغ کھاتی ہے بہار

آمد آمد ہے چمن میں کس سمن اندام کی
سبزۂ خوابیدہ سے مخمل بچھاتی ہے بہار

خاک تو مرغِ گلستاں کو خزاں ہی نے کیا
دیکھیے اب آن کر کیا خاک اڑاتی ہے بہار

ہے خزاں میں بھی وہی جوشِ جنوں کیا ہوگیا
اب کہیں پاس اپنے ہم کو ہی بلاتی ہے بہار

جوشِ گل سے یاد آتی ہیں تری رنگینیاں
رنگِ رفتہ سے مرے کیا رنگ لاتی ہے بہار

داغ اور زخم اس میں ہیں جو لالہ و گل اس میں ہیں
فصل ہے یا آپ کے عاشق کی چھاتی ہے بہار

امتیازِ دل دہی و دل بری میں فرق ہے
تم کو بھاتی ہے خزاں اور ہم کو بھاتی ہے بہار

محوِ حیرت کو وصال و ہجر دونوں ایک ہیں
بلبلِ تصویر کو کب یاد آتی ہے بہار

میری ضد سے غیر پر تیری عنایت دیکھ کر
سبزۂ بیگانہ کے قربان جاتی ہے بہار

ابتدائے فصل ہی میں غیر بھی کھاتے ہیں گل
دیکھیے اس سال کیا کیا گل کھلاتی ہے بہار

چشمِ گلشن پر قدم رکھتا ہوا کون آئے گا
عطرِ فتنہ میں گلِ نرگس بساتی ہے بہار

خندۂ دیوانگی یاں بعد مردن بھی دعا
خاک سے اگتے ہیں گل ان کو ہنساتی ہے بہار

کچھ سوائے گریہ جوں ابر اپنی قسمت میں نہیں
زعفراں کی کیوں نہ ہو مجھ کو رلاتی ہے بہار

غنچہ ہائے آرزوئے مومن اب کھلنے کو ہیں
خیر مقدم گلشنِ ایماں میں آتی ہے بہار

(۷۹)

بے مروت ناتواں ہیں غش دے روتا دیکھ کر
دل دیا میں نے اسے کیا چاہیے کیا دیکھ کر

خواب میں کیا غش[۱] ہو یوسف کو زلیخا دیکھ کر
کھل گئیں آنکھیں تجھے اے جلوہ آرا دیکھ کر

تھی جہنم وہ نگاہِ گرم بھی سوئے عدو
سوجھی اپنی عاقبت کی ہم کو دنیا دیکھ کر

قیس کی دیوانگی میں عقل کیا حیران ہے
مجھ کو وحشت ہوگئی تصویرِ لیلا دیکھ کر

چشمِ نرگس بد نظر ہے اور گل بے اعتبار
بے وفا سیرِ گلستاں کیا کرے گا دیکھ کر

خاک میں کیوں کر نہ لوٹوں سنہ گیا سوئے میں رحیان
اس کے صحنِ خانہ کا پہنائے صحرا دیکھ کر

تاش کا ہم دم کفن لاتا کہ بس میں مر گیا
چلوتوں سے جلوۂ خورشید سیما دیکھ کر

یاد آیا سوئے دشمن اس کا جانا گرم گرم
پانی پانی ہوگیا میں موجِ دریا دیکھ کر

اس کے اٹھتے ہی اندھیرا آگیا ایسا کہ بس
گر پڑا میں روزنِ دیوار کو وا دیکھ کر

کیا تماشا تھا جھپکنا آنکھ کا بے اختیار
آئنے کو ہاتھ سے اس نے نہ چھوڑا دیکھ کر

میں نہ مانوں گا کہ چشمِ آبلہ بے دید ہے
یہ نہ دیکھے روئے غیر اپنے کفِ پا دیکھ کر

پھر گئی آنکھوں کے آگے اس کی چشمِ سرگیں
پھر گئیں آنکھیں مری نرگس کا جھکنا دیکھ کر

دشمنی دیکھو کہ تا الفت نہ آجائے کہیں
لے لیا منہ پر دوپٹا حال میرا دیکھ کر

کیوں نہ گھبرائے وہ میں گھبرا گیا مل ہے ہجوم
حسرتیں آتی ہیں کیا کیا اس کو تنہا دیکھ کر

انتظارِ ماہ وش میں تو نہ ہوں آنکھیں سفید
شب یہ وہم آیا ہے سوئے چرخِ خضرا دیکھ کر

کاٹ لیجے دو گلا تم شوق سے گھر جائیے
لیک رقصِ نیم بسمل کا تماشا دیکھ کر

۱۔ نسخۂ طبع ثانی (ص ۸۶) ”غش ہو“۔

(ق)

سب ستم ہائے نہاں نظروں میں تھے ناصح نہ پوچھ
کیا کہوں میں غش ہوا کیا سوچ کر، کیا دیکھ کر

جو نقاب اٹھی مری نظروں پہ پردہ پڑ گیا
کچھ نہ سوجھا عالم اس پردہ نشیں کا دیکھ کر

کرلیا خاک آپ کو اس بت کے در پر ہائے ہائے
جل گیا جی لاش کو مومن کی جلتا دیکھ کر

ردیف ڑ

(۸۰)

مومن خدا کے واسطے ایسا مکاں نہ چھوڑ
دوزخ میں ڈال خلد کو کوئے بتاں نہ چھوڑ

عاشق تو جانتے ہیں وہ اے دل یہی سہی
ہر چند بے اثر ہے پر آہ و فغاں نہ چھوڑ

اس طبع نازنیں کو کہاں تابِ انفعال
جاسوس میرے واسطے اے بدگماں نہ چھوڑ

ناچار دیں گے اور کسی خوب رو کو دل
اچھا تو اپنی خوئے بد اے بدزباں نہ چھوڑ

زخمی کیا عدو کو تو مرنا محال ہے
قربان جاؤں تیرے مجھے نیم جاں نہ چھوڑ

کچھ کچھ درست ضد سے تری ہو چلے ہیں وہ
یک چند اور کج روی اے آسماں نہ چھوڑ

جس کوچے میں گزار صبا کا نہ ہو سکے
اے عندلیب اس کے لیے گلستاں نہ چھوڑ

گر پھر بھی اشک آئیں تو جانوں کہ عشق ہے
حقے کا منہ سے غیر کی جانب دھواں نہ چھوڑ

ہوتا ہے اس جحیم میں حاصل وصالِ حور
مومن عجب بہشت ہے دیرِ مغاں نہ چھوڑ

ردیف ز

(۸۱)

ہے چشم بند پھر بھی ہیں آنسو رواں ہنوز
جی سرد ہو گیا ہے و لے دل طپاں ہنوز

یہ دن دکھائے ہیں شبِ فرقت نے ہم کو اور
وہ رشکِ آفتاب، نہیں مہرباں ہنوز

مر بھی گئے جدائی میں پردہ نشیں کے پر
آیا نہیں زبان پہ دردِ نہاں ہنوز

ہم تیرہ بخت خاک میں بھی مل گئے و لے
کچھ کم نہیں غبارِ دلِ آسماں ہنوز

یاں امتحانِ مرگ سے فارغ ہوئے ہیں یار
واں اپنے ہی پہ مرنے کا ہے امتحاں ہنوز

تشبیہ دی تھی میں نے کہیں انگبین سے
تبخالہ خیز ہے لبِ شیریں دہاں ہنوز

باغِ جہاں میں گو مہِ خور داد آگیا
یاں ہے اسی بہار پہ فصلِ خزاں ہنوز

روزِ جزا نہ قتل کا انکار کر کہ ہے
دامن پہ تیرے میرے لہو کا نشاں ہنوز

یاں اپنا ان کی چاہ میں مرنا یقیں ہوا
واں اور ہی کے چاہنے کا ہے گماں ہنوز

مومن تو مدتوں سے ہوئے پر بہ قولِ درد
دل سے نہیں گیا ہے خیالِ بتاں ہنوز

(۸۲)

ہجراں کا شکوہ لب تک آیا نہیں ہنوز
لطفِ وصال غیر نے پایا نہیں ہنوز

اے جذبِ دل وہ شوخ ستم گر تو یک طرف
پیغام لے کے بھی کوئی آیا نہیں ہنوز

جا چک خدا کے واسطے اے موسمِ بہار
خاکِ عدو پہ پھول وہ لایا نہیں ہنوز

یہ اہتمامِ جور ہے کیا تو نے اے فلک
اندازِ غفلت اس سے اڑایا نہیں ہنوز

یک چند اور کاہشِ غم چشمِ التفات
میں یار کی نظر میں سمایاں نہیں ہنوز

واعظ ہمارے سامنے کرتا ہے وصفِ حور
سمجھا ہے اس نے جلوہ دکھایا نہیں ہنوز

ہوں خوں گرفتہ یارو شفاعت سے فائدہ
صیدِ اجل کسی نے چھڑایا نہیں ہنوز

کیوں کر مجھے گناہِ زلیخا یقین آئے
دامن کو تیرے ہاتھ لگایا نہیں ہنوز

کیا سوزِ رشک کی دلِ اغیار کو خبر
دوزخ نے کافروں کو جلایا نہیں ہنوز

ایسے ستم کیے کہ مرا جی بٹھا دیا
ہر چند سر فلک نے اٹھایا نہیں ہنوز

ناصح رقیب سے ہے بد آموز تر کہیں
پر میں نے تیرا حال سنایا نہیں ہنوز

اب کے وفورِ عشقِ صنم میں ہے گفتگو
مومن وہ لب پہ ہائے خدایا نہیں ہنوز

(۸۳)

لب پہ دم آیا ولے نالہ نہیں ہے ہنوز
نغمۂ غم بھی ترا پردہ نشیں ہے ہنوز

ہائے پسِ مرگ بھی دفن کریں مجھ کو غیر
خاک میں مل جائے چرخ برسرِ کیں ہے ہنوز

لے کے دل و عقل و دیں پھر پئے غارت ہے عشق
اے اجل آ چک کہیں جانِ حزیں ہے ہنوز

روزِ جزا کیوں کیا خوں کا مرے اہتمام
مہرِ عدو بدگماں تجھ کو یقیں ہے ہنوز

مردہ و حیراں میں کیا شبہ پڑا دیکھنا
محوِ خود آرا ترا آئنہ بیں ہے ہنوز

چاکِ سراپردہ سے جھانکے تھے وہ ایک دن
سجدۂ محراب در شغلِ جبیں ہے ہنوز

کیوں نہیں لاتا اسے آہ مری یاد ہے
کہہ دو فلک سے دمِ بازپسیں ہے ہنوز

دودِ دل و گردِ غم کیوں یہ امید اثر
وہ ہی فلک ہے ہنوز وہ ہی زمیں ہے ہنوز

جھوٹ نہیں تیرے پاس بیٹھتے ہیں بے تمیز
چیں بہ جبیں کیوں نہ ہو فرش میں چیں ہے ہنوز

وصلِ بتاں کی دعا کرتے ہو شکرِ خدا
حضرتِ مومن تمھیں دعویِٔ دیں ہے ہنوز

ردیف س

(۸۴)

یوں ہے شعاعِ داغ مرے دل کے آس پاس
ہالہ ہو جس طرح مہِ کامل کے آس پاس

ڈوبا جو کوئی آہ کنارے پہ آگیا
طغیانِ بحرِ عشق ہے ساحل کے آس پاس

یہ غیرتِ وفا کا اثر ہے کہ بوالہوس
بسمل تڑپتے ہیں ترے بسمل کے آس پاس

کیا دعویٰ آہ جب نہ رہا میں ہی کس لیے
ہیں جمع اقربا مرے قاتل کے آس پاس

اے قیس تیرے نالے کی غیرت کو کیا ہوا
لیلیٰ نے رنگ باندھے ہیں محمل کے آس پاس

مر جائیں تا خوشی سے عدو سن وصال کی
یارو دعا کرو گلے مل مل کے آس پاس

کیا کیا جلی ہے بزم میں تجھ سے نہ جب پھرے
پروانے شمعِ شعلہ شمائل کے آس پاس

ہے تو ہی بے وفا نہیں باور تو دیکھ لے
گل جامہ در ہیں گورِ عنادل کے آس پاس

کافر ہے کون ہم میں سے مومن پھرے ہے تو
کعبے کے آس پاس تو میں دل کے آس پاس

(۸۵)

کھا گیا جی غمِ نہاں افسوس
گھل گئی غم کے مارے جاں افسوس

میرے مرنے سے بھی وہ خوش نہ ہوا
جی گیا یوں ہی رائگاں افسوس

شکوہ آزارِ غیر کا جو کروں
ہنس کے کہتا ہے وہ کہ ہاں افسوس

مرتے ہم، غیر چھوٹتے نہ کیا
تو نے الفت کا امتحاں افسوس

گلِ داغِ جنوں کھلے ہی نہ تھے
آگئی باغ میں خزاں افسوس

کشتۂ روزِ ہجر کا اس کے
مرگ کرتی ہے ہر زماں افسوس

بے وفائی ہوئی وفا کا سبب
غیر سے ہے وہ بدگماں افسوس

مرگ پر اپنے ناتواں کی ترے
دل سے آیا نہ تا زباں افسوس

موت بھی ہوگئی ہے پردہ نشیں
راز رہتا نہیں نہاں افسوس

تھا عجب کوئی آدمی مومن
مر گیا کیا ہی نوجواں افسوس

ردیف ش

(۸۶)

کل دیکھ کے وہ عذار آتش — کیا کیا ہی جلی ہے یار آتش
پھونکا تپِ غم نے جی کو نکلے — دل کے ترے اب بخار آتش
ہووے نہ مقابلِ تفِ دل — بھڑکائے کوئی ہزار آتش
ہاں سیر دکھا لگا کہیں تو — اے نالۂ شعلہ بار آتش
اف ری تپ گرمیِ محبت — اس نام پہ جاں نثار آتش
دل کو مرے پوج گبر جس کو — سجدے کرے بار بار آتش
تو نے تو وہاں لگائی مہندی — یاں دل میں لگی نگار آتش
مت آئیو میری خاک پر تو — برسے ہے سرِ مزار آتش
میں آہ زبانہ کش جو کھینچوں — باندھے ہے ابھی حصار آتش
دیکھے ہے تو اور لگی ہے دل میں — اے دیدۂ اشک بار آتش
پڑھتا کہیں غزل جو مومن — لگ اٹھتی ہے ایک بار آتش

(۸۷)

کہاں نیند تجھ بن مگر آئے غش — تو یک صورتِ خواب دکھلائے غش
تمھاری کدورت سے ہوش آگیا — کیا بوئے گل نے مداوائے غش
نہ ٹھہرے بس آئینے کو دیکھ کر — وہ اتنا کہ دیکھیں تماشائے غش
قیامت جنوں میں ہوں نازک دماغ — نہ کیوں نکہتِ گل سے آجائے غش
ترے بال لاکر سنگھائے کہیں — کہ غش ہوگئے چارہ فرمائے غش
نہ ہو جب کہ میرا خیالِ وفات — تو کیا اس ستم گر کو پروائے غش
خبر لو مری تم کہاں تک رہے — یہ حالت کہ غش پر چلا آئے غش
خدائی کا جلوہ ہے مومن کہ تو — گر اس بت کو دیکھے تو ہو جائے غش

ردیف ص

(۸۸)

روز ہوتا ہے بیاں غیر کا اپنا اخلاص
چشمِ بد دور تمھیں ہم سے بھی ہے کیا اخلاص

غیر کرتا ہے بیاں مجھ سے تو میں کہتا ہوں
بارے اب تک تو نہیں تجھ سے مرا سا اخلاص

غیر سے لطف کی باتیں ہیں مرے چھیڑنے کو
دشمنی کہتے ہیں جس کو وہ تمھارا اخلاص

ہم یہاں سورۂ اخلاص کا پڑھتے ہیں عمل
اور بڑھتا ہے وہاں غیر سے اس کا اخلاص

مجھ سے مل ورنہ رقیبوں سے میں سب کہہ دوں گا
دشمنی اب کی تری اور وہ پہلا اخلاص

جنبشِ لب کی ترے پوچھنے کو کیفیت
تیرے بیمار سے کرتا ہے مسیحا اخلاص

اس ستم گر نے بناوٹ کی لگاوٹ بھی نہ کی
ہائے قسمت مرے کچھ کام نہ آیا اخلاص

پسِ قتل[1] آ مری خاطر سے ٹھہر جاتا دفن
ظالم آخر تجھے مجھ سے بھی کبھی تھا اخلاص

چاہتا ہے کہ دل اس تنگ قبا سے پھٹ جائے
میرے ناصح کا ہے دنیا سے نرالا اخلاص

اب انھیں لکھتے ہیں ہم خط میں سراسر دشمن
جن کو لکھتے تھے سدا یار سراپا اخلاص

موت بھی آ نہ پھری پاس ہمارے شبِ ہجر[2]
سچ تو یہ ہے کہ برے وقت میں کیسا اخلاص

مومن اس زہد ریائی سے بھی کیا بدتر ہے
اس بتِ دشمنِ ایماں سے ہمارا اخلاص

ردیف ض

(۸۹)

بے صبر کو کہاں تپِ داغِ جگر سے فیض
گل چیں کو کب ہوا شجرِ بار ور سے فیض

زاہد نگاہ بھر کے وہ بے دیدہ دیکھ لے
اتنا ہوا نہ خدمتِ اہلِ نظر سے فیض

یادِ خطِ نگار میں ہم زہر کھا موئے
کیا آبِ زندگی کا ہوا ہے خضر سے فیض

بالطبع گر کرم ہو تو مفلس بھی ہے کریم
ہوتا ہے سایے کا شجرِ بے ثمر سے فیض

ہے چرخ سے امید کشائش عبث ہمیں
کس کو ہوا ہے خانۂ وابستہ در سے فیض

ملنے کو خاک ہی میں بخیلوں کا مال ہے
دیکھو تو ہے کسی کو بھی غنچے کے زر سے فیض

۱۔ نسخۂ ضیا طبع ثانی "اب" (ص ۹۷)۔ نسخۂ نول کشور ۱۸۸۰ء (حاشیہ ص ۶۷) "آ"۔
۲۔ نسخۂ ضیا طبع ثانی (ص ۹۷) "اب تک"۔ نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ء (حاشیہ ص ۶۷) "شبِ ہجر"۔

شب بھر کیا ہے مبدءِ فیاض کا گلہ
تو بھی عیاں ہوا نہ دعائے سحر سے فیض

ترسا صنم پہ مر گئے ہم آہ جب نہیں
جاری مسیح کے لب اعجاز اثر سے فیض

تصویر سے تری مجھے تسکینِ دل کہاں
کیا خاک تشنہ کام کو آبِ گہر سے فیض

کیوں کر نہ غم ہو خلق کو مومن کی مرگ کا
تھا سب کو اس کی ذات سراپا اثر سے فیض

(۹۰)

ہاں مان کہا بیچ بوئے زلفِ دوتا قرض
جاں اب تو نہیں حشر کے دن دیں گے صبا قرض

سمجھیں گے قیامت میں ستم پیشہ دمِ قتل
دیکھا نہ ادھر تو نے رہا خون بہا قرض

کیوں کر دے فلک دام، عدو کو درمِ داغ
مفلس کو جہاں میں کوئی دیتا ہے بھلا قرض

گر کہیے کہ کیوں لیتے ہو تم دل کو تو وہ شوخ
کس ناز سے کہتا ہے کہ یوں دیتے ہو یا قرض

کچھ دینے کا بھی دیکھ لے اے آہ ٹھکانا
کس برتے[1] پہ لیتی ہے تو تاثیرِ دعا قرض

افلاس سے کھایا کیے غم سبز خطوں کا
افسوس کہیں زہر بھی ہم کو نہ ملا قرض

گن گن کے دیے داغ فلک نے مجھے گویا
آتا تھا یہ اس پر زرِ نایاب مرا قرض

آمد سے فزوں خرچ ہے اے شورِ محبت
بخیوں کا مرے زخم سے کیوں کر ہو ادا قرض

ہم قرض یہ نقدِ دل اسے دیتے ہیں مومن
جس نے نہ کبھی آج تلک لے کے دیا قرض

ردیف ط

(۹۱)

ہر غنچہ لب سے عشق کا اظہار ہے غلط
اب مبحثِ صحیح کی تکرار ہے غلط

کہنا پڑا درست کہ اتنا رہے لحاظ
ہر چند وصلِ غیر کا انکار ہے غلط

کرتے ہیں مجھ سے دعویٔ الفت وہ کیا کریں
کیوں کر کہیں مقولۂ اغیار ہے غلط

یہ گرم جوشیاں تری گو دل سے ہوں ولے
تاثیرِ نالہ ہائے شرربار ہے غلط

کرتے ہو مجھ سے راز کی باتیں تم اس طرح
گویا کہ قولِ محرمِ اسرار ہے غلط

اٹھ جا کہاں تلک کوئی باتیں اٹھائے گا
ناصح تو خود غلط، تری گفتار ہے غلط

تھا ربط غیر میں مرے مرنے کا انتظار
اے شوخ بے وفا تو وفادار ہے غلط

کیا جذبِ انتظار کی تاثیر بے وفا
منکر نہ ہو تو پہلے ہی اقرار ہے غلط

۱۔ "پورے" نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۸۰ء (ص ۶۸)۔ نسخۂ ضیا طبع ثانی (ص ۹۸) "برتے"۔

ہے حرفِ کامیابیِ دشمن میں ہم نشیں
مت کہہ درست وہم غلط کار ہے غلط

سچ تو یہ ہے کہ اس بتِ کافر کے دور میں
لاف و گزاف مومنِ دیں دار ہے غلط

ردیف ظ

ہاں تو کیوں کر نہ کرے ترکِ بتاں اے واعظ
ایسی حوریں تری قسمت میں کہاں اے واعظ

منتظر ہی کسی بت کا تو نہیں تو کیوں ہے
مجلسِ وعظ میں ہر سو نگراں اے واعظ

اب ذرا جاں دہی کوئے بتاں کی باتیں
ہو چکا تذکرۂ باغِ جناں اے واعظ

سچ ہے کافر تری تقریر سے کیوں کر نہ جلیں
شعلۂ آتشِ دوزخ ہے زباں اے واعظ

حور کی مدح میں کیا ترکِ صنم کا مذکور
یہی باتیں ہیں مرے دل پہ گراں اے واعظ

ڈر مری آہ سے ظالم نہ جلا جی کہ نہیں
یہ جہنم سے تو کم شعلہ فشاں اے واعظ

اہلِ جنت سے کرو دل بریِٔ حور کا ذکر
ایسی باتیں کوئی سنتا نہیں یاں اے واعظ

جو ملیں تجھ سے بہ صد شوق وہ کیا ہوں گی نہ کر
بس مرے سامنے حوروں کا بیاں اے واعظ

کیسے اسلام پسِ مرگ مگر کافر تو
اہلِ اسلام کا ہے دشمنِ جاں اے واعظ

شرم کی بات نہیں ہے یہ اثر ہو کیوں کر
نہ میں مومن ہوں، نہ تو پیرِ مغاں اے واعظ

ردیف ع

(۹۳)

کس ضبط پر شرار فشاں ہے فغانِ شمع
اک برق تھی جو لال نہ ہوتی زبانِ شمع

دل گرمیِ فریب پہ بھی میں نثار ہوں
پروانہ کیا مجال کرے امتحانِ شمع

روشن ہے اہلِ بزم پہ شکوہ نسیم کا
اس بہکتی زبان پہ دیکھو بیانِ شمع

آتا ہے بے کسوں پہ تو جلاد کو بھی رحم
روتی ہے شمع آپ سرِ کشتگانِ شمع

مجھ بے گنہ کے قتل میں کیوں سوچ سمجھ لے
بن بولے لوگ کرتے ہیں قطعِ زبانِ شمع

ہے تارِ گریہ تارِ نفس اہلِ سوز کو
یعنی روانِ شمع ہے اشکِ روانِ شمع

داغِ جدائیِ درِ دندان و روئے و زلف
ہے اشکِ شمع و شعلۂ شمع و دخانِ شمع

سب گرمیِ نفس کی ہیں اعضا گدازیاں
دیکھو نہ زندگی ہے سراپا زبانِ شمع

اس کو بھی کوئی پردہ نشیں ہی جلائے ہے
فانوس سے سنا ہے یہ رازِ نہانِ شمع

ا۔ نسخۂ ضیا طبع دوم (ص ۱۰۰) "جو"۔ نول کشور طبع چہارم (حاشیہ ص ۶۸) "تو"۔

اک اور پڑھ وہ مومنِ شعلہ زباں غزل
جل جائیں جس کے رشک سے حاسد بسانِ شمع

(۹۴)

محفل فروز تھی تب و تابِ نہانِ شمع
پروانہ جل گیا کہ نہیں راز دانِ شمع

تھا شب چراغ خانۂ دشمن وہ شعلہ رو
کیا کیا جلا ہے صبح تلک جی بسانِ شمع

اے سوز گریہ آگے تری آب و تاب کے
پانی بھرے ہے جلوۂ آتش فشانِ شمع

صحبت میں ایک رات کی کیا محو ہوگئی
اس بزم میں سحر کو نہ پایا نشانِ شمع

پہنچے تری نزاکت و گرمی کو کیا مجال
ہر چند موم جسم ہے اور شعلہ جانِ شمع

ہوں داغ بدگمانیٔ دل بس کہ یار پر
پروانے کو ہے سادہ دلی سے گمانِ شمع

حیرت فزا ہے حسن بہت کیا عجب اگر
تھم جائے تیری بزم میں اشک روانِ شمع

گر دیکھ لے رخِ عرق آلودہ کو ترے
گھل جائے سوزِ رشک سے تا استخوانِ شمع

اب تک یہ سوزِ دل ہے کہ میرے مزار پر
مائل ہوا زمین کی جانب دخانِ شمع

لائیں نہ تابِ حرفِ بتاں کافرانِ عشق
پروانے کو جحیم ہے مومن زبانِ شمع

ردیف غ

مت کہہ شبِ وصال کہ ٹھنڈا نہ کر چراغ
ظالم جلا ہے میری طرح عمر بھر چراغ

پروانے کیوں نہ صدقے ہوں اس آگ کے کہ ہے
ہر رشتۂ فتیلۂ زخمِ جگر چراغ

وہ سوختہ جگر ہوں کہ پیمانہ و سبو
بنتے نہیں ہیں خاک سے میری مگر چراغ

زلفیں اٹھاؤ رخ سے کہ دل کی جلن مٹے
بجھ جائے ہے جہان میں وقتِ سحر چراغ

اس مہروش کے جلوے کے قربان کیوں نہ ہوں
پروانے کو بھی رات نہ آیا نظر چراغ

کیا بے تکلف آئے صدا "ہائے شمع رو"
گر میرے آبِ اشک سے ہو نوحہ گر چراغ

ہم پیشہ کے ہے سامنے عرضِ ہنر ضرور
جلتا ہے میرے گھر میں بہ طرزِ دگر چراغ

کیا خوب روشنی ہے کہ چہرے کی تاب سے
ہے داغِ بوالہوس تری مجلس میں ہر چراغ

غم خانہ تنگ و تار ہے اور ہم سیاہ روز
جلتے ہیں، یعنی چاہیے آٹھوں پہر چراغ

ہے شامِ انتظار تماشائے سوختن
جلتے ہیں تا بہ صبح ادھر ہم، ادھر چراغ

اس شعلہ رو نے تا کہ پسِ مرگ بھی جلوں
جلوائے دشمنوں سے مری گور پر چراغ

مومن یہ شاعروں کا مرے آگے رنگ ہے
جوں پیشِ آفتاب ہو بے نور تر چراغ

(۹۶)

گلشن میں لالہ میں ہوں کہ ہے دل میں جائے داغ
اپنے تو دل نشیں نہیں کچھ بھی سوائے داغ

کیا دکھ نہ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ
زخموں پہ زخم جھیلے ہیں، داغوں پہ کھائے داغ

پہنا ہے کس کا جامۂ گل دوز غیر نے
کیوں تنگ ہوگئی مرے تن پر قبائے داغ

کیا کہیے گرمیاں دلِ بے تاب کی کہ ہے
سینے میں ایک شعلۂ جوالہ جائے داغ

کرتا ہے سخت ناخنِ غم روخراشیاں
دل کو یہ کس کے چہرے کے چیچک کے بھائے داغ

اس رشکِ مہر و مہ کی نشانی ہے دیکھنا
اے چشمِ اشک بار کہیں بہہ نہ جائے داغ

چھوڑا نہ لالہ زار میں ساتھ اس نے غیر کا
سو بار سینہ چیر کے میں نے دکھائے داغ

دیکھو تو سرد مہریِ چرخ اس سے گرم ہو
واں تو بغل رقیب کی، یاں دل جلائے داغ

دوزخ میں کچھ عذاب نہ پایا زبس کہ میں
خو کردہ تھا بہ تاب و تب شعلہ ہائے داغ

رہ تو بغل میں غیر کے سینے سے لگ کے یاں
پہلو برائے زخم ہے، سینہ برائے داغ

تاروں کے بدلے گن کے شب تار کاٹ دی
ایامِ ہجر میں مرے کیا کام آئے داغ

جلتا ہوں اہلِ ناز کی تبدیل جلد سے
مومن غضب ہے لذتِ آتش فزائے داغ

ردیف ف

(۹۷)

مجلس میں تا نہ دیکھ سکوں یار کی طرف
دیکھے ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار کی طرف

کتنا شعاعِ مہر نے حیراں کیا ہمیں
تکتے ہیں کب سے روزنِ دیوار کی طرف

وہمِ فغانِ غیر نے سینہ جلا دیا
آتش لگی تھی کوچۂ دل دار کی طرف

شامِ فراقِ خوابِ عدم کا ہے انتظار
آنکھیں لگی ہیں دولتِ بیدار کی طرف

اس نے دکھا دکھا کے مجھے چھیڑ دیکھنا
گل پھینکے عندلیبِ گرفتار کی طرف

ہے کیا قبول سجدہ شہیدانِ عشق کا
ہوں غوث سر جھکاتے ہی تلوار کی طرف

دیکھ اشکِ لالہ گوں رقیب اس نے ہنس دیا
دیکھا نہ میرے دیدۂ خوں بار کی طرف

گلبانگ نالہ ہے یہ نیا گل کھلا مگر
گزری نسیم آہ چمن زار کی طرف

اب رشکِ زخمِ یار پہ منصف کریں کسے
کی آکے موت نے بھی تو اغیار کی طرف

دل بعدِ قتل بھی نہیں پھرتا کہ گور میں
منہ پھر گیا ہے کوئے ستم گار کی طرف

کافر گلے لگا ہے تو مومن کے مت مکر / دیکھ اپنے نقشِ رشتۂ زنار کی طرف

ردیف ق

(۹۸)

وہ جو زندگی میں نصیب تھا وہی بعد مرگ رہا قلق / یہ قلق ہے کیسا کہ ہے ستم گئی جان پر نہ گیا قلق

کسی کے خرام کی یاد میں تہِ خاک بھی یہ رہا قلق / کہ زمیں کو زلزلہ آئے ہے جو لٹائے ہے مجھ کو ذرا قلق

پئے ہم ہے حالتِ جاں کنی غرض اب تو جان پر آ بنی / یہ عذابِ مرگ ہے یا تپش، یہ خدا کا قہر ہے یا قلق

یہ کہاں کی جی کو بلا لگی مری ہائے کیوں کہ ہو زندگی / کوئی کیا جیے جو ہو ایک سا شب و روز صبح و مسا قلق

شبِ ہجر روزِ وصال کی تری شوخیاں جو نظر میں تھیں / کہوں کیا تغیرِ حالِ دل کبھی تھا، سکوں، کبھی تھا قلق

نہیں چاہ میری اگر اسے، نہیں راہ دل میں تو کس لیے / مجھے روتے دیکھ وہ رو دیا مرا حال سن کے ہوا قلق

غمِ ہجر یار کے ہاتھ سے شب و روز ہوں میں عذاب میں / ہے ہمیشہ ایک نئی تپش ہے، مدام ایک نیا قلق

شبِ وعدہ جذبۂ شوق سے ہوئی کش مکش یہ ستم ہوا / کہ وہ آتے آتے جو تھم گئے تو کسی طرح نہ تھما قلق

کہا جاں بہ لب ہوں جو آئے تو مری زندگی ہو تو یوں کہا / ترے جینے کی مجھے کیا خوشی، ترے مرنے کا مجھے کیا قلق

یہ شرارتوں کی شکایتیں، یہ جلانا غیر کا دیکھیو / کہے مجھ سے وہ ترے ہاتھ سے نہیں چین مجھ کو سوا قلق

نظر ابر پر جو کبھی پڑے تو خیال رونے کا آ بندھے / جو تپش کو برق کی دیکھوں تو مجھے یاد آئے ترا قلق

یہی دیں اگر ہے تو چھوڑ دو طرف اس صنم کے نہ رخ کرو / جسے مومن آپ کے واسطے ہے مثالِ قبلہ نما قلق

(۹۹)

قہر ہے، موت ہے، قضا ہے عشق / سچ تو یہ ہے بری بلا ہے عشق

اثرِ غم ذرا بتا دینا / وہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق

آفتِ جاں ہے کوئی پردہ نشیں / کہ مرے دل میں آ چھپا ہے عشق

بوالہوس اور لافِ جاں بازی / کھیل ہی تو سمجھ لیا ہے عشق

وصل میں احتمالِ شادیٔ مرگ / چارہ گر دردِ بے دوا ہے عشق

سوجھے کیوں کر فریبِ دل داری / دشمنِ آشنا نما ہے عشق

کس ملاحت سرشت کو چاہا / تلخ کامی پہ با مزا ہے عشق

ہم کو ترجیح تم پہ ہے یعنی / دل ربا، حسن و جاں ربا ہے عشق

دیکھ حالت مری کہیں کافر / نام دوزخ کا کیوں دھرا ہے عشق

دیکھیے کس جگہ ڈبووے گا — میری کشتی کا ناخدا ہے عشق
اب تو دل عشق کا مزا چکھا — ہم نہ کہتے تھے کیوں برا ہے عشق
آپ مجھ سے نباہیں گے سچ ہے — با وفا حسن، بے وفا ہے عشق
میں وہ مجنون وحشت آرا ہوں — نام سے میرے بھاگتا ہے عشق
قیس و فرہاد وامق و مومن — مرگئے سب ہی کیا وبا ہے عشق

ردیف ک

(۱۰۰)

امتحاں کے لیے جفا کب تک — التفاتِ ستم نما کب تک
غیر ہے بے وفا پہ تم تو کہو — ہے ارادہ نباہ کا کب تک
جرم معلوم ہے زلیخا کا — طعنۂ دستِ نارسا کب تک
مجھ پہ عاشق نہیں ہے کچھ ظالم — صبر آخر کرے وفا کب تک
دیکھیے خاک میں ملاتی ہے — نگہِ چشمِ سرمہ سا کب تک
کہیں آنکھیں دکھا چکو مجھ کو — جانبِ غیر دیکھنا کب تک
نہ بلائیں گے وہ، نہ آئیں گے — جوشِ لبیک و مرحبا کب تک
ہوش میں آ تو مجھ میں جان نہیں — غفلتِ جرأت آزما کب تک
لے شبِ وصلِ غیر بھی کاٹی — تو مجھے آزمائے گا کب تک
تم کو خو ہو گئی برائی کی — درگزر کیجیے بھلا کب تک
مرچلے اب تو اس صنم سے ملیں — مومنِ اندیشۂ خدا کب تک

(۱۰۱)

ہم ہیں اور نزع شبِ ہجر میں جاں ہونے تک — صبر آتا ہے کوئی تاب و تواں ہونے تک
آسماں فتنہ کچھ ایسا نہیں اے اہلِ جہاں — کوئی باقی نہیں رہنے کا اماں ہونے تک
شمع ساں اپنی تپش ہے تو سنے یا نہ سنے — طے نہ ہووے گا یہ افسانہ زباں ہونے تک
اس چمن زار کا حسرت سے نظارہ کرلے — اے نگہ دیدۂ ہر سو نگراں ہونے تک
کون جیتا ہے نگاہوں میں سبک ہونے کو — سخت جانی ہے ترے دل پہ گراں ہونے تک
گرمیِ نالۂ جاں کاہ کے ہیں شور و شغب — دم رہا کا ہے کو تاثیرِ فغاں ہونے تک

ہاتھ شاید کہ وہ سرمایۂ حسن آجاوے
کچھ نہ کچھ فائدہ ہے جی کے زیاں ہونے تک

غم و غصہ سے ہے خلقت مری جوں طفلِ سرشک
نہیں کرنے کی وفا عمر جواں ہونے تک

ضد ہوئی محتسب و پیرِ مغاں میں مومن
عید ہر روز ہے اب کی رمضاں ہونے تک

(۱۰۲)

پھر نہ چھوڑوں گو وہ کردے چاک جیب جاں تلک
ہاتھ پہنچا چاہیے اس شوخ کے داماں تلک

خاک دے آنکھوں کو مری گردواں کی مجھ سے تو
سب مکدر ہیں ہوائے کوچۂ جاناں تلک

اول الفت ہے یارب، وصل ہی میں ہو وصال
ہم کو تو جیتا نہ رکھیو آمدِ ہجراں تلک

سینے سے گھبرا کے آخر جان لب پر آگئی
حال پہنچا یاں تلک اور تم نہ آئے یاں تلک

کل کا جلسہ بھولتا ہرگز نہیں اے اضطراب
آج پھر لے چل کسی ڈھب سے مجھے تو واں تلک

گر مثل سچ ہے کوئیں کے پاس پیاسا آئے ہے
کیوں نہ آ پہنچی زلیخا مصر سے کنعاں تلک

طالعِ برگشتہ اے شوقِ شہادت دیکھنا
مرگ و قاتل پھر گئے سب خنجرِ براں تلک

نیند میں یارب دوپٹہ کس کے منہ سے ہٹ گیا
ہے زمیں سے روشنی افلاک نور افشاں تلک

شوقِ بزمِ احمد و ذوقِ شہادت ہے مجھے
جلد مومن لے پہنچ اس مہدیٔ دوراں تلک

ردیف گ

(۱۰۳)

لگائی آہ نے غیروں کے گھر آگ
ہوئے کیا کیا وہ اتنی بات پر آگ

وفورِ اشک و طغیانِ فغاں ہے
کدھر جاؤں، ادھر پانی، ادھر آگ

سمندر کردیا آتش رخوں نے
کہ گر پڑتا ہوں آتے ہی نظر آگ

جلایا آتشِ ہجراں نے دل کو
ترے گھر میں لگی اے بے خبر آگ

نچوڑیں گے ہم اپنا دامنِ تر
جہنم میں ہے اے واعظ اگر آگ

وہاں تابِ رخ و یاں آتشِ دل
جدھر دیکھو ادھر ہے جلوہ گر آگ

جلے کیا کیا قمر تربت پہ میری
دبی تھی لاش کے بدلے مگر آگ

زبس غیروں سے ہے وہ گرمِ صحبت
مرا جلتا ہے جی کیا دیکھ کر آگ

دھواں اٹھتا ہے دل سے وقتِ گریہ
بجھا دی تو نے کیا اے چشمِ تر آگ

حصولِ سوزِ دل جز داغ کیا ہو
کہ گل شعلہ لاتا ہے ثمر آگ

نکالا رنگِ عالم سوز کس نے / یہ کیوں بکھری پڑی ہے در بہ در آگ
پڑھے مومن سے کیا کیا گرم اشعار / بھری تھی دل میں یارب کس قدر آگ

ردیف ل

(۱۰۴)

مجھ پر بھی تجھ کو رحم نہیں یہ[1] کرخت دل / کم ہوئے گا جہان میں تجھ سا بھی سخت دل
داغِ جنون و سنگِ درِ یار ہو نصیب / کرتا ہے رات دن ہوسِ تاج و تخت دل
گر جانتے کہ ہے شبِ ہجراں یہ کچھ بلا / دیتے کسی کو کاہے کو ہم تیرہ بخت دل
الماس ریزہ تھے مرے آنسو کہ ضبط سے / ہے پاش پاش سب جگر اور لخت لخت دل
کیا شبہہ مومن آہن و قمری کے کفر میں / کرتے ہیں نذر جلوۂ سنگ و درخت دل

(۱۰۵)

مردِ عشق ستیزہ کار ہے دل / ملک الموت سے دو چار ہے دل
بس کہ مشتاقِ نازِ یار ہے دل / ستم آموز روزگار ہے دل
زلفِ مشکیں میں کاہے کو رکھتے / کیا خبر تھی انہیں فگار ہے دل
وصلِ جاناں کہوں سوائے خیال / ہم ہیں مایوس، امیدوار ہے دل
دیکھ افراطِ زخم و کثرتِ داغ / سینہ گلزار و لالہ زار ہے دل
بس کہ تھے ہم زباں گلے میں ترے / دل سے میں، مجھ سے شرم سار ہے دل
بے دوا درد و بے وفا ہے وہ شوخ / بے اثر آہ و بے قرار ہے دل
تیرہ بختوں کے پیچ و تاب نہ پوچھ / غیرتِ زلف تاب دار ہے دل
بس کہ اس نے جلا کے خاک کیا / سرِ عشاق کا غبار ہے دل
کیا کہوں میں ہجومِ یاس و امید / رشکِ ہنگام انتظار ہے دل
شبِ ہجراں کو سمجھا روزِ جزا / مومن ایسا سیاہ کار ہے دل

(۱۰۶)

کیا کروں کیوں کر رکوں ناصح رکا جاتا ہے دل / پیش کیا چلتی ہے اس سے جس پر آجاتا ہے دل
سوزشِ پروانہ دکھلاتے ہو کیا، میں کیا کہوں / دیکھ جلتے شمع محفل کو جلا جاتا ہے دل

ا۔ نسخہ ضیا طبع ثانی (ص ۱۳) "اے" نسخہ نول کشور (حاشیہ ص ۷) "یہ"

یا الٰہی مجھ کو کس پردہ نشیں کا غم لگا
سینے میں اندر ہی اندر کچھ گھلا جاتا ہے دل

حیرتِ دیدار بس آئینہ رکھ دے ہاتھ سے
اپنی حالت دیکھ کر ظالم کٹا جاتا ہے دل

کوئی سنتا ہی نہیں بکتا ہے کیوں دیوانہ وار
میرے دل کے ساتھ ناصح کا بھی کیا جاتا ہے دل

مت بگڑ تو ہرزہ گردی سے مری انصاف کر
کچھ بھی بن آتی ہے جب اے بے وفا جاتا ہے دل

وہ ستم گر دلبرِ عالم ادھر آتا ہے اب
کیا بنے گی دیکھیے رہتا ہے یا جاتا ہے دل

ہاتھ اٹھائے کس کے دل سے کس کے سینے پر دھرے
ہاتھ سے اغیار کا بھی تو چلا جاتا ہے دل

آمدِ گریہ دمِ اندوہ بے موجب نہیں
سینے میں رکتا ہے جب آنکھوں میں آجاتا ہے دل

چاہتا ہوں میں تو مسجد میں رہوں مومن ولے
کیا کروں بت خانے کی جانب کھنچا جاتا ہے دل

ردیف م

(۱۰۷)

شام سے تا صبح مضطر صبح سے تا شام ہم
ایک عالم میں ہیں کیوں اے گردشِ ایام ہم

شب رہے تجھ بن زبس بے چین بے آرام ہم
صبح تک رویا کیے لے لے کے تیرا نام ہم

یار و دشمن نے ستایا جب کہ ہم عاشق ہوئے
ہے گنہ اپنا ہی پھر دیویں کسے الزام ہم

کیا مزہ پایا عدو سے بے مزہ ہو آپ نے
تلخ کام عشاق میں تھے لائقِ دشنام ہم

بس کہ اک پردہ نشیں کے عشق میں ہے گفتگو
بات بھی کرتے نہیں جز صنعتِ ایہام ہم

آن بیٹھا کون کوٹھے پر جو یوں حیران سے
خاک پر چپکے پڑے تکتے ہیں سوئے بام ہم

تو خبر لا کیا کہا قاصد سے چھپتے پھرتے ہیں
ہم دم اس پردہ نشیں کو بھیج کر پیغام ہم

اس سیہ بختی پہ رکھیں تجھ سے امیدِ وفا
ایسے سودائی نہیں اے چرخِ نیلی فام ہم

آئینے کا بوسہ لے تو عکسِ لب کو دیکھ کر
اور بس رہ جائیں یوں ناکام اے خود کام ہم

پہنچتے واں تک تو اس پردہ نشیں کو دیکھتے
کاش ہوتے چشمِ نرگس دیدۂ بادام ہم

گر ترے کوچے کو دی کعبے سے نسبت کیا گناہ
مومن آخر تھے کبھی اے دشمنِ اسلام ہم

(۱۰۸)

سرمہ ہیں اس چشمِ جادو فن میں ہم
خاک ڈالیں دیدۂ دشمن میں ہم

ناتواں تھے پر نہ چھوڑا مثلِ خار
خود الجھ کر رہ گئے دامن میں ہم

غیر کو جھانکا تو ڈھیلے آنکھ کے
دیکھنا رکھ دیویں گے روزن میں ہم

پھولے جامے میں سماتے ہی نہیں
وصلِ شوخِ چست پیراہن میں ہم

اور شبنم دن کو ٹھہرے کیا مجال
روئے ہیں اے مہروش گلشن میں ہم

کر دیا اس جلوے نے مجنوں چلو
خاک اڑائیں وادیٔ ایمن میں ہم

دل میں ناصح آئے کیا اپنا خیال
جا سکے کب یار کے مسکن میں ہم

جوشِ وحشت نے اٹھایا لاش کو
اپنے پاؤں سے گئے مدفن میں ہم

توڑتا مومن نہ پیمانِ الست
ہیں مسلّم عاشقی کے فن میں ہم

(۱۰۹)

پاتے تھے چین کب غمِ دوری سے گھر میں ہم
راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم

اس طرح خاک چھانتے پھرتے نہ دشت دشت
ہوتے جو پائمال کسی رہ گزر میں ہم

لکھتے ہیں اک پری کو بھی آوارگی کا حال
باندھیں گے نامہ طائرِ مجنوں کے پر میں ہم

تھیں دشت سے زیادہ تر اس کو میں سختیاں
کیا پھوڑیں سر تصورِ دیوار و در میں ہم

ہے یاد رطب و یابسِ تقریرِ ناصحاں
کیا بولیں شکوۂ سفرِ بحر و بر میں ہم

یکساں ہے شامِ غربت و صبحِ وطن اثر
پائیں فغانِ شب میں نہ آہِ سحر میں ہم

اس گل کے غم میں پھولتے پھلتے تو رشک سے
کیوں جلتے سایۂ شجرِ بارور میں ہم

دلی سے رام پور میں لایا جنوں کا جوش
ویرانہ چھوڑ آئے ہیں ویرانہ تر میں ہم

جانیں اثر جب اے رقمِ جذبِ اشتیاق
دیکھیں زمامِ ناقۂ کف نامہ بر میں ہم

وصلِ بتاں کے دل تو نہیں یہ کہ ہو وبال
مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم

(۱۱۰)

غمِ ابرو میں بھرتے ہیں دمِ شمشیر اکثر ہم
کیا کرتے ہیں اپنے قتل کی تدبیر اکثر ہم

کہاں کھینچے ہے وہ اور ہم خجالت سخت جانی سے
وہ دل توڑے ہے اپنا، اور اس کے تیر اکثر ہم

کسی کی زلفِ پیچیدہ کے کیا سودے میں بکتے ہیں
کیا کرتے ہیں کیا کیا پیچ کی تقریر اکثر ہم

چمن کو جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے گویا
کہ دیکھا کرتے ہیں داغوں کو سینہ چیر اکثر ہم

ہوئے تم کیوں خفا تاثیر سے آہِ رسا کی اب
کیا کرتے تھے سو تو پہلے بھی تقصیر اکثر ہم

لگے آگ آتشِ غم کو زبانِ خامہ شعلہ ہے
جلا دیتے ہیں سو سو خط دمِ تحریر اکثر ہم

جبیں یاں تک تو سنگِ آستاں پر تیرے گھستے ہیں
مٹا دیتے ہیں بالکل دفترِ تقدیر اکثر ہم

وہاں چھوٹا گلے لگنا کہ شوق ہم کناری میں
لگاتے تھے گلے سے غیر کی تصویر اکثر ہم

عجب حالت ہے سودے میں تری زلفِ مسلسل کے
کہ سر سے باندھتے ہیں پاؤں کی زنجیر اکثر ہم

نہیں پاتے اثر اپنا یہ غیرت کا اثر دیکھا
کہا کرتے تھے بے تابی کو بے تاثیر اکثر ہم

یہ اب کیوں پڑ گئے جوں نے نگو سے تا بہ دل روزن
الٰہی روکتے تھے نالۂ شب گیر اکثر ہم

نہ تھی مسجد میں برکت ورنہ وہ بت رام ہو جاتا
گئے مومن فسوں پڑھنے پے تسخیر اکثر ہم

(۱۱۱)

کب چھوڑتے ہیں اس ستم ایجاد کے قدم
سر ہے ہمارا اور ہیں جلاد کے قدم

کیا ٹھہرے فوجِ غم کے مقابل فغان و آہ
جمتے نہیں ہیں لشکرِ برباد کے قدم

اب تک کیا نہ باغ میں تو بہرِ انتظار
سن ہو گئے کھڑے کھڑے شمشاد کے قدم

پابوسِ یار کرتے ہوئے کھینچ دیوے تو
تصویر میری چوم لے بہزاد کے قدم

اے ہمدمانِ باغ رہا ہوں پہ کیا کروں
اٹھتا نہیں ہے کوچے سے صیاد کے قدم

تلوار لے کے گھر سے جو نکلا وہ جنگ جو
تاثیر نے لیے مری فریاد کے قدم

سر پہ یہ کوہِ غم گر اٹھاتا تو بوجھ سے
دھس جاتے بے ستون میں فرہاد کے قدم

خوابِ عدم حرام ہے یاں انتظار میں
کیا سو گئے اجل تری بے داد کے قدم

کیا ہووے دل پہ ہاتھ دھرے سے مگر رکھے
سینے پہ وہ ہی عاشقِ ناشاد کے قدم

پامالِ جہل حضرتِ مومن بغیر ہوں
دکھلائے پھر خدا مجھے استاد کے قدم

(۱۱۲)

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی سے کسی کو ہم
منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بے کسی سے ہم

ہم سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہیں بھلا
انصاف کیجیے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم

بیزار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے
شاہد شکایتوں پہ تری مدعی سے ہم

اس کو میں جا مریں گے مدد اے ہجومِ شوق
آج اور زور کرتے ہیں بے طاقتی سے ہم

صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا
لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم

بے روئے مثلِ ابر نہ نکلا غبارِ دل
کہتے تھے ان کو برقِ تبسم ہنسی سے ہم

ان ناتوانیوں پہ بھی تھے خارِ راہِ غیر
کیوں کر نکالے جاتے نہ اس کی گلی سے ہم

کیا گل کھلے گا دیکھیے ہے فصلِ گل تو دور
اور سوئے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم

منہ دیکھنے سے پہلے بھی کس دن وہ صاف تھے
بے وجہ کیوں غبار رکھیں آرسی سے ہم

ہے چھیڑ اختلاط بھی غیروں کے سامنے
ہنسنے کے بدلے روئیں نہ کیوں گدگدی سے ہم

وحشت ہے عشقِ پردہ نشیں میں دمِ بکا
منہ ڈھانکتے ہیں پردۂ چشمِ پری سے ہم

کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا
کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں[۱]
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

(۱۱۳)

جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم
تو اب یہ لوگوں کی باتیں سنا نہ کرتے ہم

اگر نہ ہاتھ میں اس دل ربا کے دل دیتے
تو دل پہ ہاتھ سدا دھر لیا نہ کرتے ہم

اگر نہ دام میں زلفِ سیہ کے آ جاتے
تو یوں خراب و پریشاں رہا نہ کرتے ہم

اگر نہ لگتی چپ اس بدگماں کی شوخی سے
تو بات بات میں مضطر ہوا نہ کرتے ہم

اگر جلاتے نہ اس شعلہ رو کے عشق میں جی
تو سوزِ آتشِ غم سے جلا نہ کرتے ہم

نہ جاتے اس بت ہرجائی کی گلی میں اگر
تو دوڑے دوڑے قلق سے پھرا نہ کرتے ہم

اس آفتِ دل و جاں پر اگر نہ مر جاتے
تو اپنے مرنے کی ہر دم دعا نہ کرتے ہم

نہ بھرتے دم جو کسی شعلہ رو کی خواہش کا
تو ٹھنڈی سانس ہمیشہ بھرا نہ کرتے ہم

اگر نہ آنکھ تغافل شعار سے لگتی
تو بیٹھے بیٹھے یہ یوں چونک اٹھا نہ کرتے ہم

نہ ہوش کھوتے اگر اس پری کی باتوں پر
تو آپ ہی آپ یہ باتیں کیا نہ کرتے ہم

نہ کرتے اس کی برنگِ حنا جو پابوسی
تو شکلِ برگِ حنا یوں پسا نہ کرتے ہم

اگر نہ ہنستا ہنساتا کسی کا بھا جاتا
تو بات بات پہ یوں رو دیا نہ کرتے ہم

نہ لگتی آنکھ تو دن رات سوتے ہی رہتے
کسی کی چاہ نہ کرتے تو کیا نہ کرتے ہم

اگر نہ دیکھتے وہ پیاری پیاری صورت آہ
تو ایک ایک کے منہ کو تکا نہ کرتے ہم

جو غم بتوں کا نہ ہوتا تری طرح مومن
تو دیکھ چرخ کو ہے ہے خدا نہ کرتے ہم

(۱۱۴)

الجھے نہ زلف سے جو پریشانیوں میں ہم
کرتے ہیں اس پہ ناز ادا دانیوں میں ہم

۱۔ نسخۂ ضیا طبع ۱۹۲۷ء (ص ۱۴۲) "دیں" نسخۂ نول کشور (ص ۷۶) طبع ۱۸۸۰ء "لیں"

سرگرمِ رقصِ تازہ ہیں قربانیوں میں ہم
شوخی سے کس کی آئے ہیں جولانیوں میں ہم

ثابت ہے جرمِ شکوہ نہ ظاہر گناہِ رشک
حیراں ہیں آپ اپنی پشیمانیوں میں ہم

مارے خوشی کے مر گئے صبحِ شبِ فراق
کتنے سبک ہوئے ہیں گراں جانیوں میں ہم

آتا ہے خواب میں بھی تری زلف کا خیال
بے طور گھر گئے ہیں پریشانیوں میں ہم

دیکھا ادھر کو تو نے کہ بس دم نکل گیا
اترے نظر سے اپنی نگہ بانیوں میں ہم

اب قید سے امید رہائی نہیں رہی
ہم درد پاسباں ہیں زندانیوں میں ہم

وردِ زباں ہیں اس نگہ سرمگیں کے وصف
تکرار کر رہے ہیں صفا ہانیوں میں ہم

آہوں نے اپنی بو الہوسوں کو رلا دیا
ہیں رشک چشم یار فسوں خوانیوں میں ہم

وہ صید ناتواں ہیں کہ اس اضطراب پر
اچھلے نہ آبِ تیغ کی طغیانیوں میں ہم

معمور اس قدر ہیں ترے وحشیوں سے دشت
گنتے ہیں شہریوں کو بیابانیوں میں ہم

پیشِ نظر ہے کس کا رخ آئنہ گداز
روتے ہیں اپنے حال پہ حیرانیوں میں ہم

کھا کھا کے زخم سوئے نمک زار پر دریغ
کھو بیٹھے اپنی جان تن آسانیوں میں ہم

مومن حسد سے کرتے ہیں ساماں جہاد کا
ترسا صنم کو دیکھ کے نصرانیوں میں ہم

(۱۱۵)

دل آگ ہے اور لگائیں گے ہم
کیا جانے کسے جلائیں گے ہم

وادی میں جو اپنی آئیں گے ہم
کیا قیس کی خاک اڑائیں گے ہم

اب گریے میں ڈوب جائیں گے ہم
یوں آتشِ دل بجھائیں گے ہم

منجر تو نہ توڑ سخت جانی
پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم

گر غیر سے ہے یہ رنگِ صحبت
تو اور ہی رنگ لائیں گے ہم

تو، بخت، عدو، اجل، فلک، دل
کس کس کے ستم اٹھائیں گے ہم

اے پردہ نشیں نہ چھپ کہ تجھ سے
پھر دل بھی یوں ہی چھپائیں گے ہم

بھیجیں گے عدو کے ساتھ پیغام
حالِ دل اسے جتائیں گے ہم

مت لال کر آنکھ اشکِ خوں پر
دیکھ اپنا لہو بہائیں گے ہم

دشمن کے کہے سے روٹھتا ہے
وہ ہی کہے تو بتائیں گے ہم

کترا ہے جو گوشۂ سرِ خط
مطلب ہے کہ سر اڑائیں گے ہم

ٹھہرو کوئی دم کہ جان ٹھہرے　　　مت جاؤ کہ جی سے جائیں گے ہم
دم دیجے تو ہو پہ یہ سمجھ لو　　　دشمن کی قسم دلائیں گے ہم
کیوں غش ہوئے دیکھ آئنے کو　　　کہتے تھے کہ تاب لائیں گے ہم
وزدیدہ نظر ہے کیوں دمِ قتل　　　کیا مرنے سے جی چرائیں گے ہم
گر ہے دلِ غیر نقشِ تسخیر　　　تو تیرے لیے جلائیں گے ہم
آئینہ زنگِ غم نے توڑا　　　کیوں کر اسے منہ دکھائیں گے ہم
کیا پوچھے ہے رکھ تو دیکھ دشنہ　　　آپہی[1] گردن جھکائیں گے ہم
کہہ اور غزل بہ طرزِ واسوخت　　　مومن پہ اسے سنائیں گے ہم

(۱۱۶)

اب اور سے لو لگائیں گے ہم　　　جوں شمع تجھے جلائیں گے ہم
برباد نہ جائے گی کدورت　　　کیا کیا تری خاک اڑائیں گے ہم
سر دوشِ عدو پہ رکھ کے بیٹھے　　　جانا کہ سر اٹھائیں گے ہم
بگڑے تو کریں گے اور سے صلح　　　تجھ پر بھی بری بنائیں گے ہم
دل دے کے اک اور لالہ رو کو　　　ہر داغ پہ داغ کھائیں گے ہم
لب کا ترے دعویٔ مسیحی　　　مر اور پہ آزمائیں گے ہم
گر خواب میں بھی ادھر کو دیکھا　　　آنکھیں مژہ کو دکھائیں گے ہم
گر تیری طرف کو بے قراری　　　کھینچے گی تو لوٹ جائیں گے ہم
گر دیکھ کے ہنس دیا ہمیں تو　　　منہ پھیر کے مسکرائیں گے ہم
کیا ذکر ہے ہونٹ چاٹنے کا　　　کچھ اور مزہ چکھائیں گے ہم
پھر تیری ہوا کا دم بھرا تو　　　جی ہی کو ہوا بتائیں گے ہم
گر خواب میں آن کر جگایا　　　سوتے مردے جگائیں گے ہم
آتا ہے گلے سے دھیان تیرے　　　خاطر میں ستم نہ لائیں گے ہم
بت خانہ چیں ہو گر ترا گھر　　　مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم

ردیف ن

صفحۂ سیجوں پر جو کبھی ہم سوزشِ دل لکھواتے ہیں　　　سارے حباب لبِ دریا تبخالے سے بن جاتے ہیں

[1] نسخۂ ضیا طبع ثانی ۱۹۴۷ء (ص ۱۳۶) "آپہی"

آ چکے کل تم جھوٹ ہے ایسی باتوں میں ہم کب آتے ہیں
اس سے کہو جو تم کو نہ جانے آپ کے فرماتے ہیں

پھرتے ہیں سو سو سے جی میں دل میں سو سو آتے ہیں
کوٹھے پر وہ دھوپ میں اپنے بال کھڑے سکھلاتے ہیں

سوزشِ دل جب کہتے ہیں تب آنسو وہ بھر لاتے ہیں
موم کے مانند آتشِ غم سے، پتھر کو پگھلاتے ہیں

آب و ہوائے ملکِ محبت راس نہیں ہے ہم کو تو
ہوتے ہیں لاغر اور زیادہ، جتنا غم ہم کھاتے ہیں

کس کی خبر آنے کی ہے، کس لیے ہے یہ بے تابی
کس لیے ہم ہیں ہر دم پھرتے، آتے ہیں اور جاتے ہیں

شکوہ کیا بیداد گری کا کیجیے اس سے دیکھو تو
دیکھے ہے ظالم خنجر جب ہم زخمِ جگر دکھلاتے ہیں

اف ری کثرتِ اشک و تبسم، مل بے ہجومِ یاس و امید
جی ہے دھڑکتا ملنے کی اس کے فال تو ہم کھلواتے ہیں

خط غلامی لکھ دے غیرت تو بھی گلہ کیا لکھیے اب
چھیڑ تو دیکھو میرا خط وہ غیروں سے پڑھواتے ہیں

ہوش گئے یاں دل سے پہلے ہووے بجا تو سمجھیں بات
یہ تو کچھیے حضرتِ ناصح آپ کے سمجھاتے ہیں

(ق)

کیا کہیں تم سے اے ہمدردو پوچھو مت مرغانِ چمن
کیوں کر یاں ایامِ خزاں اور ہجر کے دن کٹ جاتے ہیں

کنجِ قفس میں بیٹھ کے گاہے روتے ہیں تنہائی پر
یادِ سیرِ موسمِ گل سے گاہے جی بہلاتے ہیں

شام سے اپنے سو رہے وہ تو اور ہم ان کے کوچے میں
ولولہ ہائے شوق سے کیا کیا پھرتے ہیں، گھبراتے ہیں

کرتے ہیں آواز زفیری، دیتے ہیں دستک سو سو بار
گھر میں پتھر پھینکتے ہیں، زنجیرِ در کھٹکاتے ہیں

کیا کسی بت کے دل میں جگہ کی کوئی ٹھکانا اور ملا
حضرتِ مومن اب تمھیں کچھ ہم مسجد میں کم پاتے ہیں

(۱۱۸)

عشق نے یہ کیا خراب ہمیں
کہ ہے اپنے سے اجتناب ہمیں

بس کہ پردہ نشیں پہ مرتے ہیں
موت سے آئے ہے حجاب ہمیں

کیسی حیرت سے اے سبک روحی
دیکھے ہے دیدۂ حباب ہمیں

شبِ فرقت میں خاک جھپکے آنکھ
یاد ہے چشمِ نیم خواب ہمیں

وہ جفا کش ہیں اے فلک کہ کیا
اس ستم گر نے انتخاب ہمیں

دم رکے ہے بہشت میں تو کوئی
اس کے گھر لے چلو شتاب ہمیں

غیر سے ہے وہ گرمِ صحبت سے
کیوں نہ غیرت کرے کباب ہمیں

کس کی زلفوں کی بو نسیم میں تھی
ہے بلا آج پیچ و تاب ہمیں

غیر کے واسطے نہ ہو بے تاب
طعنہ دیتا ہے اضطراب ہمیں

اب کوئی کیا کرے علاجِ افسوس
موت نے بھی دیا جواب ہمیں

اے حبِ ہجر دیکھ مومن ہیں
ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں

(۱۱۹)

لاش پر آنے کی شہرت شبِ غم دیتے ہیں
اے پری ہم ملک الموت کو دم دیتے ہیں

دھیان آتا ہے تری منہ میں زباں لینے کا
جی ہم اے شوخ پئے سیرِ عدم دیتے ہیں

کر دیا خانۂ اغیار ہوس ناک خراب
داد رونے کی مرے دیدۂ نم دیتے ہیں

مرگئے رشک سے ہم تو کہ وہ دشمن کو خطاب
خطِ ترسائی پہ اعجازِ رقم دیتے ہیں

سبزۂ پشتِ لبِ یار دلاتے ہیں یاد
گھول کر شہد میں دشمن مجھے سم دیتے ہیں

دم نہ لے اے اثرِ آہ کہ معلوم ہوا
جن پہ دم دیتے ہیں ہم، وہ ہمیں دم دیتے ہیں

کیا دوا سے ہو تری رنجشِ ہر دم کا علاج
چارہ گر کیوں مجھے رنجِ پئے ہم دیتے ہیں

کیا پڑی رہتی ہے اے پردہ نشیں جوں بیمار
بد دعائیں تری چلون کو جو ہم دیتے ہیں

لذتِ جور کشی نے مجھے شرمندہ کیا
طعنے کیا کیا اسے اربابِ ستم دیتے ہیں

مدعا یہ ہے کہ غیرت سے میں سم کھا جاؤں
اس لیے غیر کو وہ اپنی قسم دیتے ہیں

اہلِ بازارِ محبت کا بھی کیا سودا ہے
عشرتِ عمرِ ابد، قیمتِ غم دیتے ہیں

خوں بہا قاتلِ بے درد سے مانگا کس نے
کہ فرشتے مجھے یاں داغِ درم دیتے ہیں

کعبے کا دھیان نہ ہو حضرتِ مومن کو کہ جاں
حسرتوں سے پسِ دیوارِ صنم دیتے ہیں

(۱۲۰)

ناصحِ ناداں پہ دانائی نہیں
دل کو سمجھاؤ میں سودائی نہیں

کس توقع پر امیدِ وصل اب
طاقتِ صبر و شکیبائی نہیں

دعویٔ حسن جہاں سوز اس قدر
پھر کہو گے تم میں ہر جائی نہیں

دیکھ مضطر کیوں نہ پھیرے دشنہ پھر
یار ہے وہ کچھ تماشائی نہیں

گر نہیں ملتے ملوں گا اور سے
کیوں مجھے کیا پاس رسوائی نہیں

ہے دعا بھی بے اثر گویا کہیں
عرضِ عاشق کی پذیرائی نہیں

دردِ دل تو سن لے ظالم ایک بار
گو دماغِ چارہ فرمائی نہیں

چاہتا قاتل کو ہوں روزِ جزا
چاہ کی اب تک سزا پائی نہیں

ترکِ مذہب کیوں کروں مومن میں کیا
اس صنم کو لافِ یکتائی نہیں

(۱۲۱)

کہے ہے چھیڑنے کو میرے گر سب ہوں مرے بس میں
نہ دوں ملنے کسی معشوق اور عاشق کو آپس میں

اگر مشہور ہو افسانہ اپنی بت پرستی کا
برہمن کیا عجب ایمان لے آئیں بنارس میں

نہیں دم لینے کی طاقت فلک ورنہ بتا دیتے
کہ یہ تاثیر ہوتی ہے فغانِ آسماں رس میں

تنِ کاہیدہ سے اپنے میں خوش ہوں اس توقع پر
کہ اک دن آئے تیرے صرفِ عشرت خانۂ خس میں

رقیبِ بوالہوس نے رونما میں تیرے کب جاں دی
وہ نووارد ہے کیا جانے دیارِ عشق کی رسمیں

نہ میں اپنا، نہ دل اپنا، نہ تم میرے، نہ جاں میری
اثر کس کس کو ہو، ہووے بھی گر فریادِ بے کس میں

کہوں گر غیر سے مت مل تو کہوے طعن سے رک کر
یہ کیوں، کس واسطے، ہم ایسے تیرے ہو گئے بس میں

ذرا سمجھو تو جانِ من وصالِ غیر پر ہم دم
مری جاں کون ہے یہ کس کی جھوٹی کھاتے ہو قسمیں

درِ بت خانہ و عشقِ بتاں اور آپ اے مومن
یہ حضرت آ گئی اک بار کیا طبعِ مقدس میں

(۱۲۲)

چین آتا ہی نہیں سوتے ہیں جس پہلو ہمیں
اضطرابِ دل غرض جینے نہ دے گا تو ہمیں

لطف سے ہوتی ہے کیا کیا بے قراری بن جفا
تیری بدخوئی نے ظالم کر دیا بدخو ہمیں

دیکھتے ہی گل نظر میں تیرا ہنسنا پھر گیا
آتشِ گل نے لگائی آگ اے گل رو ہمیں

کیا اثر تھا اشکِ دشمن میں جو کوئے یار سے
مارے غیرت کے بہا کر لے چلے آنسو ہمیں

دودِ شمعِ بزم نے دل پھونک کر آف کر دیا
کیا دلائی یاد وہ زلفِ خمیدہ مو ہمیں

گیسو و خال و خط اپنا دین و ایماں لے گئے
مل کے اک دو کافروں نے کر دیا ہندو ہمیں

ہوش کیوں جاتے رہے اور دم ہوا کیوں ہو چلا
تجھ سے اے بادِ صبا آئی یہ کس کی بو ہمیں

کیا بلا اس زلفِ خوش خم کا تصور بندھ گیا
سانپ سے دن رات آتے ہیں نظر ہر سو ہمیں

وہم آتا ہے فغانِ ہجر کوئے یار کا
صورِ اسرافیل ہے قمری تری کو کو ہمیں

باعثِ بے تابیِ عالم نگاہِ یاس ہے
چشمِ جادوگر نے یہ سکھلا دیا جادو ہمیں

قیس شورِ خواب کیوں کر دعوئ ملکِ وحشت کا کرے
مہرِ محضر ہو گیا نقشِ سمِ آہو ہمیں

گر یہی شوقِ شہادت ہے تو مومن جی چکے
مار ڈالے کاش کوئی کافرِ دل جو ہمیں

(۱۲۳)

ہو گئی گھر میں خبر ہے منع واں جانا ہمیں
وہ بھی رسوا ہو خدا جس نے کیا رسوا ہمیں

دم بہ دم روتا ہمیں چاروں طرف تکنا ہمیں
یا کہیں عاشق ہوئے یا ہوگیا سودا ہمیں

ہر ستم صیاد کا کیا التفات آمیز تھا
بند کرنے کو قفس میں دام سے چھوڑا ہمیں

یار تھے یا دشمنِ جاں تھے الٰہی چارہ گر
لے چلے مرتے ہی زنداں سے سوئے صحرا ہمیں

طالعِ برگشتہ بختِ خفتہ مت پوچھو کہ ہم
غش پڑے تھے پھر گیا وہ جان کر سوتا ہمیں

تو نہ جانے عشق بازی اور ہم نادان ہوں
بے سمجھ کہتا ہے ناصح تو نے کیا سمجھا ہمیں

یہ ستم کیا غیر پر کرتا وہ سچ پوچھو تو ہے
یار کے نازِ بجا سے شکوۂ بے جا ہمیں

کیا کہیں کیوں رہ گئے حیران تجھ کو دیکھ کر
آگیا دل یاد اے آئینہ رو اپنا ہمیں

دست بوسی پر کرو ہاں قتل اپنے ہاتھ سے
سچ تو کہتے ہیں قبول انصاف غیروں کا ہمیں

اہلِ ماتم اپنے روئیں کس طرح منہ ڈھانک کر
مرتے مرتے پاس اس پردہ نشیں کا تھا ہمیں

ہم سے نازک طبع سے کب اٹھ سکے بے درد چرخ
مر گئے مضمونِ جورِ یار جوں سوجھا ہمیں

مومن ان کا تو نہ تھا ملنے میں آخر اختیار
یہ شکایت بھی خدا سے ہے بتوں سے کیا ہمیں

(۱۲۴)

غیر بے مروت ہے آنکھ وہ دکھا دیکھیں
زہر چشم دکھلائیں پھر ذرا مزا دیکھیں

کب تلک جلیں یارب ہجرِ غیرتِ مہ میں
صبح اٹھ کے منہ کب تک آفتاب کا دیکھیں

ناصح ان کو گر میری شکل سے تنفر ہے
تو بھی کم نگاہی کیوں جانبِ وفا دیکھیں

کچھ نظر نہیں آتا، آنکھ لگتے ہی ناصح
گر نہیں یقیں حضرت آپ آزما دیکھیں

غیر کو دکھاتا ہوں چاکِ دل تماشا ہو
گر وہ روزنِ در سے آن کر ذرا دیکھیں

چشم وا نے نابینا کر دیا جدائی میں
کوئی آنکھ لگتی ہے خوابِ وصل کیا دیکھیں

دیکھیے خدا کب تک پھر وہ دن دکھائے گا
یار کو ان آنکھوں سے غیر پر خفا دیکھیں

ٹکٹکی لگائی ہے اب تو اس توقع پر
تا وہ گر ادھر دیکھیں مجھ کو دیکھتا دیکھیں

کس نے اور کو دیکھا کس کی آنکھ جھپکی ہے
دیکھنا ادھر آؤ پھر نظر ملا دیکھیں

وہم عاشقی سے تو یہ ستم نہ کرتا ہو
کیوں نگاہِ حسرت سے چرخ کو سدا دیکھیں

نکلے آرزو اپنی مومن آہ جب تجھ کو
صحنِ بت کدہ میں ہم خاک پر پڑا دیکھیں

(۱۲۵)

بزم میں اس کی بیانِ دردِ غم کیوں کر کریں
وہ خفا جس بات سے ہووے وہ ہم کیوں کر کریں

مجھ پہ بعدِ امتحاں بھی جور کم کیوں کر کریں
وہ ستائیں غیر کو ایسا ستم کیوں کر کریں

لکھتے لکھتے ہی سیاہی حرف سے اڑ جائے ہے
ہائے احوالِ دلِ مضطر رقم کیوں کر کریں

گر نگاہِ ناز کو مشقِ ستم منظور ہے
دشمن اپنی نرگسِ تربت قلم کیوں کر کریں

دیکھ لیوے عکسِ رخ تو کیا بنے پھر دیکھ تو
گریہ اس کے سامنے اے چشمِ نم کیوں کر کریں

جب دلِ اغیار خوں ہو کر مژہ تک آ گیا
پھر لحاظِ غمزۂ شمشیر دم کیوں کر کریں

اضطرابِ شوق شاید غیر اس کے پاس ہو
جانبِ چلون نظارہ دم بہ دم کیوں کر کریں

ہے شبِ فرقت میں مرگ افسانہ خواں بے فائدہ
نام آرام آ گیا خوابِ عدم کیوں کر کریں

دیکھ پیچ و تابِ سنبل ہو گیا دل بے قرار
اب نہاں سودائے زلفِ خم بہ خم کیوں کر کریں

سب کو ہوتا ہے جہاں میں پاس اپنے نام کا
ہم بھی تو مومن ہیں دل نذرِ صنم کیوں کر کریں

(۱۲۶)

نہ تن ہی کے ترے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
ہے پاش پاش جگر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

جنونِ عشق پری روے دل شکن ہے بلا
کہ زیرِ سر کے سرے سل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

اٹھا کے سوتے میں دے پٹکا رات سر شاید
کہ زیرِ سر کے مرے سِل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

درازدستی پہ کس بے ادب نے کی دمِ قتل
تمام دامنِ قاتل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

یہاں ہے چاک گریباں تو واں بھی چستی سے
قبائے شوخ شمائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

یہ کس کی چشمِ فسوں گر نے کی فسوں سازی
طلسمِ جادوئے بابل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

یہ بے حجابیٔ بری گو مجھی کو جھانکو تم
کہ روز پردۂ حائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

کہے نہ ملنے کی اس سنگ دل کے گر قاصد
تو سنگ وسرا بھی یاں مل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

نہ کیوں کہ رشک سے خوں ہو کسی کا اس در پہ
ہمیشہ اک نئے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

غزل سرائی کی مومن نے کیہ کہ رشک سے آج
چمن میں سینے عنادل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

(۱۲۷)

ہے جلوہ ریزِ نورِ نظر گردِ راہ میں
آنکھیں ہیں کس کی فرش تری جلوہ گاہ میں

کیا رحم کھا کے غیر نے دی تھی دعائے وصل
ظالم کہاں وگرنہ اثر میری آہ میں

مت کچھ دیر آنے میں لیا جانے کیا بنے
پھینکا ہے جذبِ شوق نے یوسف کو چاہ میں

اتنی بھی تاب دوریٔ خورشید طلعتاں
نقصان کیا کمال سے آیا ہے ماہ میں

جانے دے چارہ گر شبِ ہجراں میں مت بلا
وہ کیوں شریک ہو مرے حالِ تباہ میں

ظالم وہ بے وفا ہے عدو جس کے رشک سے / اتنا کچھ آ گیا خلل اپنے نباہ میں

اس منہ پہ اس سے دعویِ حسن اک ذرا نہیں / اے مہر روشنی مرے روزِ سیاہ میں

شیریں پہ طعن تلخیِ فرہاد کس لیے / مجھ کو بھی کچھ مزا نہ ملا تیری چاہ میں

ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا / جادو بھرا ہوا ہے تمھاری نگاہ میں

ظالم کہیں روا نہیں عاشق سے احتراز / کہہ دے اگر ہو شکِ سخن داد خواہ میں

اب تک نہیں گواہیِ اطفال معتبر / محبوب ہے جو عصمتِ یوسف گناہ میں

مومن کو ہیچ ہے دوستِ دنیا و دیں نصیب / شب بت کدے میں گزرے ہے، دن خانقاہ میں

(۱۲۸)

تا نہ پڑے خلل کہیں آپ کے خوابِ ناز میں / ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شبِ دراز میں

اور ہی رنگ آج ہے عارضِ گل عذار کا / خونِ دل اپنا تھا مگر گونہ رخِ طراز میں

کیوں کہ نہ آدھی رات تک جاگے وہ جس کا دھیان ہو / آ ہوئے نیم خواب میں نرگسِ نیم باز میں

خسرو وہ عیشِ وصلِ یار، جاں کنی اور کوہ کن / اپنا جگر تو خوں ہوا، عشق کے امتیاز میں

بن ترے بزمِ سور میں ہیں وہ قیامتیں کہ ہے / نفخۂ صور کا اثر نغمۂ نے نواز میں

ان سے اب التفات کی غیر کو ہیں شکایتیں / سن کے مرا مبالغہ منتِ احتراز میں

کیا ہی سینے جل چکے، کیا ہی دل پگھل چکے / بوئے کباب اب نہیں آہِ جگر گداز میں

پردہ نشیں کے عشق میں پردہ دری نہ ہو کہیں / ہوتی ہیں بے حجابیاں جانِ نہفتہ راز میں

رخنۂ در سے غیر پاس دیکھا کسے کہ آج ہے / رخنہ گری کچھ اور ہی نالۂ رخنہ ساز میں

یادِ بتاں میں لاکھ بار فرطِ قلق سے ہم بھی تو / بیٹھے اٹھے ہیں مومن آپ، گر رہے شب نماز میں

(۱۲۹)

جیب درست لائقِ لطف و کرم نہیں / ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں / اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

سیدھا نہ کر دیا ہو مرے ذوقِ قتل نے / قاتل کے آگے گردنِ اغیار خم نہیں

غیرت کی جا ہے رام نزاکت ہوا وہ شوخ / وحشت کا جوش کیوں کہ نہ ہو مجھ سے رم نہیں

کیا خوش ہوں کوئے غیر میں گر نقشِ پا نہ ہو / وہ شوخ جانتا ہوں کہ ثابت قدم نہیں

"آدھی آدھی رات" نسخۂ ضیا طبع ثانی (ص ۱۴۰)۔

فریاد نالہ ہائے عزا یار پر انہیں
آیا ہے رحم کب کہ ذرا مجھ میں دم نہیں

کس بوالہوس کے حال پہ رویا وہ گل عذار
خارِ مژہ میں اب خلشِ دم بہ دم نہیں

جانا حرام ہجرِ بتاں میں تو کیا گناہ
پیرِ مغاں شراب ہے شیشے میں سم نہیں

بے التفاتیاں جو عدو سے سنی نہ تھیں
ہم جانتے تھے وصل میں رنج و الم نہیں

معلوم ہو تو تیرے ہی عالم کا حال ہو
میرا دلِ دو نیم ہے یہ جامِ جم نہیں

بے جرم پائمال عدو کو کیا، کیا
مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

ہوں آب آب اُف رے نگہ ہائے گرم گرم
اس مہروش کے سامنے آنکھوں میں نم نہیں

نامِ وصال لینے سے ہوتا ہے مضطرب
کیوں کر کہوں اسے مرے مرنے کا غم نہیں

ناصح کہاں تلک تری باتیں اٹھا سکوں
سچ ہے کہ مجھ میں طاقتِ جور و ستم نہیں

عاشق کشی ہے شیوہ، اگر بوالہوس سہی
آخر کچھ اپنی جان کے دشمن تو ہم نہیں

مومن سوئے حرم ہے لگا پوے فکر کیوں
کیا اس زمیں میں قافیہ بیت الصنم نہیں

(۱۳۰)

غنچہ ساں خاموش بیٹھے ہیں سخن کی فکر میں
قافیہ کیا تنگ ہے وصفِ دہن کی فکر میں

دامنِ قاتل کو وقتِ قتل کیوں کر چھوڑتے
بے کسی سے جان تھی اپنی کفن کی فکر میں

شوقِ مردن کو بھی سامانِ سفر درکار تھا
سو ہے از خود رفتگی ترکِ وطن کی فکر میں

تلخیِ خسرو ہو شیریں کام شادیِ مرگ کیا
جاں کنی ہے انتقامِ کوہ کن کی فکر میں

وہمِ عشقِ لالہ رو سے داغِ دل کیا کیا کھلے
جان کر گلچیں کو تاراجِ چمن کی فکر میں

سر سے شعلے اٹھتے ہیں کس طرح روکوں کیا کروں
جل گیا جی ضبطِ آہِ شعلہ زن کی فکر میں

ہے گریباں گیر واں نازِ تغافل اب تلک
جی جلایاں باعثِ دیر آمدن کی فکر میں

دردِ بے درماں مرا منت کشِ مرہم نہیں
داغ تو ہے چارۂ داغِ کہن کی فکر میں

گر یقینی واں دعا ہوتی ہے اے مومن قبول
جائیں گے کعبہ بھی طفلِ برہمن کی فکر میں

(۱۳۱)

دن بھی دراز، رات بھی کیوں ہے فراقِ یار میں
کاہے سے فرق آ گیا گردشِ روزگار میں

بس کہ بن آئے مر گئے ہم شبِ انتظار میں
دن جو رہے تھے عمر کے جیتے رہے مزار میں

خاک میں وہ تپش نہیں، خار میں وہ خلش نہیں
کیوں نہ ہمیں زیادہ ہو جوشِ جنوں بہار میں

ہوگئی کیا بلائے جاں بوسۂ زلف کی ہوس
پھیرتے ہیں زباں کو ہم کام و دہانِ یار میں

مرگ ہے انتہائے عشق یاں رہی ابتدائے شوق
زندگی اپنی ہوگئی رنجشِ بار بار میں

پوچھا ہے اس نے کیا مری بےخودی و قلق کا حال
ہوش نہیں حواس میں، تاب نہیں قرار میں

کیوں نہ گلے کا ہار ہو شوق اجل پروئے ہیں
پھول عدو کی خاک کے اس نے گلے کے ہار میں

خاک اڑائی گل نے یہ کس کے جنونِ عشق میں
آئے ہے کچھ اٹی ہوئی بادِ صبا غبار میں

لاکھ شگفتگی سے بھی دل کی گرہ نہ کھل سکی
عقدۂ مو ہے ہر شکن طرۂ تاب دار میں

تھا قلق بِہ تہی دشمن جاں شب فراق
کاٹ کے اپنے سر کو ہم بھیجتے ہیں کنار میں

دھیان میں مومن آگئے مبحث جبر و اختیار
قابوئے یار میں ہیں ہم، وہ نہیں اختیار میں

(۱۳۲)

کون کہتا ہے دمِ عشق عدو بھرتے ہیں
کہ ہوا باندھنے کو آہ کبھو بھرتے ہیں

شمع پر کچھ نہیں موقوف کہ سارے ظالم
پانی آگے ترے اے عربدہ جو بھرتے ہیں

حوضِ مے خانہ پیے سے بھی مرا جی نہ بھرا
کیا تنک ظرف ہیں جو خم سے سبو بھرتے ہیں

حسرتِ بوسۂ کاکل کا کیا ہم نے علاج
زخمِ دل مشک سے اے غالیہ مو بھرتے

کر چکے سلکِ درِ اشک کا مذکور کہ ہم
آج غمازوں کے منہ دیکھیو تو بھرتے ہیں

اس ستم گر سے مگر آنکھ لڑی ہے کہ حباب
کیسے کچے گھڑے پانی لبِ جو بھرتے ہیں

کس کے ہاتھوں سے ہے دم نے کی طرح ناک میں جو
نالے کرتے ہیں کبھو، آہ کبھو بھرتے ہیں

حالتِ نزع ہے جیتے ہیں ترے ہجر میں خاک
دن جو کچھ عمر کے ہیں آئنہ رو بھرتے ہیں

اشک دیتے ہیں مرے نالۂ موزوں کا صلہ
موتیوں سے دہنِ زخمِ گلو بھرتے ہیں

غیر کرتے ہیں سبوئے مے گل گوں خالی
ساغرِ چشم میں ہم دل کا لہو بھرتے ہیں

پی ہے مے حضرتِ مومن نے جبھی مضمضے کو
آفتابے کئی ہنگامِ وضو بھرتے ہیں

(۱۳۳)

مانے نہ مانے منع تپش ہائے دل کروں
میں غیر تو نہیں کہ تماشائے دل کروں

ہو جاں بھی جاکے کچھ تو مداوائے دل کروں
کب تک میں دل پہ ہاتھ دھرے، ہائے دل کروں

سو طرح کے زیان ہیں رہنے میں اس کے گر
دشمن بھی مفت لے تو میں سودائے دل کروں

مرتا ہوں کس عذاب سے، ہے وقت جی میں ہے
اس دم دعا برائے تمنائے دل کروں

جاں دے دوں ہے اس آفتِ جاں سے معاملہ
بس کب تک انتظارِ تقاضائے دل کروں

کیوں کہ پھرے دل اس سے کہیں قرض و عاریت
ناصح دیا نہ تھا کہ میں دعوائے دل کروں

میں اور وہ کوچہ لے گیا کس جائے ظلم ہے
اس پر بھی گر شکایت بے جائے دل کروں

چھٹتا ہے جیتے جی کوئی زنجیرِ زلف سے
دیوانہ ہوں کہ چارۂ سودائے دل کروں

بے رحم ہرزہ گردیوں سے پاؤں گھس گئے
کیا ذکرِ جوشِ حوصلہ فرسائے دل کروں

دھبا لگا ہے شوق سیہ کار زلف کو
اللہ کیا علاج سویدائے دل کروں

کہیے جو دردِ دل تو وہ کہتا ہے مجھ کو کیا
میں کیا طبیب ہوں کہ مداوائے دل کروں

اس بت کو ترکِ دیں سے نہیں مومن اعتماد
کیوں کر نہ میں شکایتِ اغوائے دل کروں

(۱۳۴)

بے مزہ ہو کر نمک کو بے وفا کہنے کو ہیں
کھل گئے زخموں کے منہ کس کو برا کہنے کو ہیں

سب جفا جو اس ستم گر کے سوا کہنے کو ہیں
جن کو چرخ و مرگ کہتے ہیں سنا کہنے کو ہیں

نالہ ہی نکلے ہے گو ہم مدعا کہنے کو ہیں
لب نہیں کہنے میں اب کیا جانے کیا کہنے کو ہیں

تیری تیغ و دشنہ کے کیوں لب پہ چھالے پڑ گئے
گرم خونی کا مری کیا ماجرا کہنے کو ہیں

دوست کرتے ہیں ملامت، غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

ترجمانِ التماسِ شوق ہے تغیرِ رنگ
جوں زبانِ شمع، عاشق بے صدا کہنے کو ہیں

جل گیا دل تو بھی اٹھتا ہے دھواں سر سے کہ اب
مرثیہ ہم اس چراغِ کشتہ کا کہنے کو ہیں

دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہنچا دیا
بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں

ایک دن کو تو زبانِ شعلہ دوزخ قرض دے
قصۂ شب ہائے غم روزِ جزا کہنے کو ہیں

شکوہ حرفِ تلخ کا یا شورِ بختی کا گلہ
ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سو بے مزا کہنے کو ہیں

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات
ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

وہ نہیں آتے نہ آویں، مرگِ ظالم تو تو آ
یاں لبِ شوق و تمنا مرحبا کہنے کو ہیں

غیر سے سرگوشیاں کر لیجیے پھر ہم بھی کچھ
آرزو ہائے دلِ رشک آشنا کہنے کو ہیں

تیغِ غمزہ کو لگا لے جلد سنگ سرمہ پہ
حرفِ مطلب آرزو مندِ جفا کہنے کو ہیں

ہو گئے نامِ بتاں سنتے ہی مومن بے قرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں

(۱۳۵)

وہ علی الرغم عدو مجھ پہ کرم کرتے ہیں
ہے ستم لطف کے پردے میں ستم کرتے ہیں

طالبِ وصل کس انداز سے رم کرتے ہیں
شوق نامہ اسے وصلی پہ رقم کرتے ہیں

جب ترے کوچے کا بے تابیِ دل سے پھرنا
یاد آتا ہے زمیں بوسِ قدم کرتے ہیں

نیم بسمل ہیں نہ چھیڑ اے تپشِ دل کہ ابھی
روئے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں

اے اجل کاش الٹ جائیں شبِ ہجراں میں
وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں

دم میں مت آئیو اے غیر کہ مانندِ صبا
جس سے لگ چلتے ہیں وہ اس سے ہی رم کرتے ہیں

محضرِ قتل ہے مکتوبِ گنہ گاروں کا
سرِ قاصد کو وہ فتوے سے قلم کرتے ہیں

دیکھنا اس دہنِ تنگ کے بوسے کا مزا
کہ ہوس ناک تمنائے عدم کرتے ہیں

ہائے قسمت کہ ہوئی مجھ پہ جفا اور فزوں
ان دنوں غیر پہ گر لطف وہ کم کرتے ہیں

کشتۂ یار ہوں اس رشک سے مرتا ہے جہاں
وہ بھی کیا ہیں جو مری موت کا غم کرتے ہیں

کیا ہی بیزار ہے اس زیست سے جی ہائے ستم
قتل کرتے نہیں وہ اور ستم کرتے ہیں

اپنے سودے کی نہ پوچھو کہ خریدار کے ساتھ
جنس میں تو ہے دل اور بیع سلم کرتے ہیں

آبرو رہ گئی مرنے کی کہ روتے تو ہیں وہ
اشکِ شادی ہی سے گو چشم کو نم کرتے ہیں

جا کے کعبے میں بھی مومن نہ گئی دیر کی یاد
جائے لبیک صدا ہائے صنم کرتے ہیں

(۱۳۶)

صورت دکھائیے جو کبھو جا کے خواب میں
بے دید آنکھ کھول دے جھنجلا کے خواب میں

شب وہ جو سو رہے مرے پاس آ کے خواب میں
جاگے تھے بختِ خفتہ تمنا کے خواب میں

آنکھوں کو بند کر کے وہیں کھول دے گر آئے
یوسف کسی کے محو تماشا کے خواب میں

کابوس ہیں بتاتے مجھے واں تو رشک ہے
کاش اور کوئی آئے اطبا کے خواب میں

وہ ہے بغل میں تو بھی تو یاں نیند اڑ گئی
یہ سوچ ہے گیا نہ ہو اعدا کے خواب میں

سو رہتے پائے ناقہ زمانِ وداع اگر
طالع نہ ہوتے قیس کے لیلا کے خواب میں

ان نالہ ہائے شب کا اثر صبح دیکھیو
آیا خلل گر اس ستم آرا کے خواب میں

نیرنگِ عشق سے نہ ہو غافل، ہے ایک رنگ
اس دل کے جاگنے میں زلیخا کے خواب میں

رہتا ہے دھیان دیکھتے ہو جب مجھے نہیں
کیوں چونک چونک پڑتے ہو گھبرا کے خواب میں

اس کی گلی ہے نالۂ زنجیر غل نہ کر
یاں پاؤں جاگتے ہیں کوئی جا کے خواب میں

سو جاؤں روتے روتے تو کیا انس کے طعن سے
کہتا ہے سوتے ہو مرے بن آ کے خواب میں

کیا کفر ہے کہ چھوڑ دے سونا ہی گر کبھی
مومن نظر پڑے بتِ ترسا کے خواب میں

(۱۳۷)

سوزِ دل کے ہاتھ سے ڈھونڈھوں جو مامن آب میں
ہووے ہر ہر قطرہ داغ افزائے گلخن آب میں

گر ہو وہ دستِ حنائی عکس افگن آب میں
ہووے مرجاں جوں چنار آتش زن تن آب میں

بے کسی دیکھو وفورِ اشکِ عبرت سے ہوا
بعدِ مردن جوں غریق اپنا بھی مدفن آب میں

دی دلِ سوزاں کو تشبیہِ سمندر میں نے اب
چھوڑ کر آتش کدہ ڈھونڈھے ہے مسکن آب میں

بے حجابانہ یہ رویا کون مجلس میں کہ ہے
غرق جوں آئینہ وہ شوخ حیا فن آب میں

دوستو مرتا ہوں میں اس روئے عرق آلودہ پر
لاش بھی میری بہانا بعد مردن آب میں

یادِ چشمِ یار میں دریا پہ رویا بن گئیں
مردمِ آبی کی پلکیں شمع روشن آب میں

کون ڈوبا تنگ آ کر غرقِ دریائے الم
کیوں سدا شورِ تموج سے ہے شیون آب میں

تشنہ کامِ آبِ تیغِ یار ہوں گرمی تو دیکھ
بہرِ تسکیں تیرتا ہوں تا بہ گردن آب میں

اشکِ چشم و گریۂ زخمِ دل اب میں کیا کروں
ہوگئی سب آستیں ترخوں میں دامن آب میں

کشتۂ غیرت ترے پانی چھوانے سے ہے غیر
مرتے دم پاتا ہوں ذوقِ خونِ دشمن آب میں

ڈوب مریے کیوں نہ غیرت سے جب اے مومن نہائے
غیر کے ہمراہ وہ طفلِ برہمن آب میں

(۱۳۸)

دکھاتے آئنہ ہو اور مجھ میں جان نہیں
کہو گے پھر بھی کہ میں تجھ سا بدگمان نہیں

جو یار صلح پہ ہے اب تو آسمان نہیں
وہ مہربان ہوا تو یہ مہربان نہیں

ترے فراق میں آرام ایک آن نہیں
یہ ہم سمجھ چکے گر تو نہیں تو جان نہیں

نہ پوچھو کچھ مرا احوال میری جاں مجھ سے
یہ دیکھ لو کہ مجھے طاقتِ بیان نہیں

یہ گل ہیں داغ جگر کے انہیں سمجھ کر چھیڑ
یہ باغ سینۂ عاشق ہے، گلستان نہیں

نہ چاہوں روز جزا داد یہ ستم دیکھو
کب آزماتے ہیں جب وقتِ امتحان نہیں

نہ پوچھے حال تو جب تک مرا بیاں نہ کروں
مری زبان نہیں گر ترے دہان نہیں

زبس کہ دیر لگی نامہ بر کو ڈھونڈھتے ہم
عدم میں جاتے ہیں گو پاؤں کا نشان نہیں

شبِ فراق میں پہنچی نہ دل سے جان تلک
کہیں اجل بھی تو مجھ سی ہی ناتوان نہیں

وہ حال پوچھے ہے میں چشمِ سرگیں کو دیکھ
یہ چپ ہوا ہوں کہ گویا مری زبان نہیں

نہ کیوں نثار ہو جاں فرطِ تمکینِ جاناں پہ
کہ اس کو میرے سوا اور کا دھیان نہیں

نکل کے دیر سے مسجد میں جا رہ اے مومن
خدا کا گھر تو ہے تیرے اگر مکان نہیں

(۱۳۹)

ہجراں میں بھی زیست کیوں نہ چاہوں / جاں دادۂ شوخِ بے وفا ہوں
ہیں غیر مرے نکلنے سے خوش / گویا کہ میں ان کا مدعا ہوں
اُف کر گئی یاد گرم جوشی / میں آتشِ مردہ سے جلا ہوں
کیا شکوہ جفائے آسماں کا / میں آپ کو دور کھینچتا ہوں
دشمن سے ہے چشم مہربانی / محرومِ نگاہِ آشنا ہوں
ربط اس سے ہے مثلِ شعلہ و شمع / مر جاؤں گر ایک دم جدا ہوں
کیوں کر نہ بگڑ کے وہ نکالے / میں دل کے غبار سے بنا ہوں
شکوہ نہیں غیر کے ستم کا / انصاف کروں تو میں بھی کیا ہوں
کھاتا ہوں بدن پہ عشق میں داغ / اعمال کی اپنے خود جزا ہوں
ہے طعن سے مدحِ شامِ ہجراں / میں کیسی بلا کو چھیڑتا ہوں
اس کو میں نے چھوڑ جائے مجھ کو / ہر چند عدو کا نقش پا ہوں
خود بینی و بے خودی میں ہے فرق / میں تم سے زیادہ کم نما ہوں
بے زار ہے سوزِ عشق سے جی / کس شعلہ مزاج سے خفا ہوں
مجھ رمز شناس سے یہ باتیں / کیا خوب میں غیر سے برا ہوں
اے کاش عدو کو غیرت آوے / میں منتظر اپنی موت کا ہوں
اس نام کے صدقے جس کی دولت / مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں

(۱۴۰)

ہر دم رگِ جاں کش مکشِ دستِ یار ہیں / چلون کے بند کس کے گریباں کے تار ہیں
بالیدہ دم بہ دم جو مرے دل کے خار ہیں / ہر آن برچھیاں سی کلیجے کے پار ہیں
کیا کیجیے کہ طاقتِ نظارہ ہی نہیں / جتنے وہ بے حجاب ہیں، ہم شرم سار ہیں
عمرِ دراز کی ہے رقیبوں کو آرزو / دیکھو زمانِ ہجر کے امیدوار ہیں
مضطر وہ گُل جو میرے دمِ سرد سے ہوا / کیا کیا شمال و بادِ صبا بے قرار ہیں
چھاتی سے میں لگائے رکھوں کیوں نہ رات دن / یہ داغِ زخم دل کی مرے یادگار ہیں
جز نہ سپہر ہیں مرے دشمن تو اور بھی / لیکن بڑے غضب یہی دو تین چار ہیں

جو طبع غیر سمجھ کر مزے اٹھائے
خوش حرف بے نمک سے بھی ہم دل فگار ہیں

کیسا فلک کہ اخترِ طالع جلا دیے
کیا سرد مہر میرے دمِ شعلہ بار ہیں

کیوں کر نہ رحم حال پہ آئے شبِ وصال
اندوہ و درد روز مصیبت کے یار ہیں

پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
اٹھتے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار ہیں

شبنم خراب مہر و کتاں سینہ چاک ماہ
لو اور بھی ستم زدۂ روزگار ہیں

ناصح سے مجھ کو کیوں کہ نہ ہوں بدگمانیاں
دشمن ہیں جو مرے وہ ترے دوست دار ہیں

کیسے گلے رقیب کے کیا طعنِ اقربا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

مردوں کو تجھ پہ دیتے ہیں ترجیح جو حسود
مومن یہ جان لے کہ سگِ جیفہ خوار ہیں

(۱۴۱)

شبِ وصل اس کے تغافل کی زبس تاب نہیں
تلخیِ مرگ ہے آنکھوں میں شکر خواب نہیں

حسرتیں میرے نصیبوں میں لکھی ہیں کیا کیا
اتنے دفتر میں کہیں فصل نہیں، باب نہیں

دل کا کیا حال کرے دیکھیے یہ گرمیِ حسن
ٹھہرتا آئنۂ یار میں سیماب نہیں

سرفروشوں کے اگر آپ خریدار ہوئے
تو گراں ہووے گی وہ جنس جو کم یاب نہیں

جب وہ بدمست ادھر آیا تو عدو کے گھر سے
اپنی قسمت میں بجز دردِ مئے ناب نہیں

رستی کا عوض افلاک سے لوں گا پسِ مرگ
قتلِ عاشق ہے یہ خوں ریزیِ سہراب نہیں

کلبۂ تار میں کیوں کر ترے بن گزرے گی
دن کو یاں دھوپ نہیں رات کو مہتاب نہیں

محتسب وہم ہے تو پہلے پلا دیکھ مجھے
نہ لنڈھا پی لے ہے ناب ہے زہراب نہیں

عشق کیوں در پے جاں شوق ہے کیوں سینہ شگاف
دشمنی، دل شکنی شیوۂ احباب نہیں

گلۂ چرخ عبث، شکوۂ جاناں بے جا
یاس و حرماں کو مرے حاجتِ اسباب نہیں

کششِ ابروے صنم کی سی کہاں اے مومن
لاکھ سجدے کرے[۱] دل مائل محراب نہیں

(۱۴۲)

آہ فلک فگن ترے غم سے کہاں نہیں
جو فتنہ خیز اب ہے زمیں آسماں نہیں

کہنا پڑا مجھے پئے الزام پند گو
وہ ماجرا جو لائقِ شرح و بیاں نہیں

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوے آسماں نہیں

ا۔ کریں: نسخۂ ضیا طبع ثانی (صفحہ ۱۵۸)۔

اظہارِ دوستی کی خوشی کیا شبِ وصال — دشمن سے سن چکا ہوں کہ تو مہرباں نہیں
باتیں تری وہ ہوش رباہیں کہ کیا کہوں — جو کوئی رازِ دل ہے مرا راز داں نہیں
نومیدیِ جواب ہے کیوں اتنے شوق پر — یہ کیا ہوا کہ میں پسِ قاصد رواں نہیں
پیشِ عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھنا — قابو میں دل نہیں مرے بس میں زباں نہیں
بے صرفہ جاں کنی کا مری کچھ تو ہو حصول — محنت کسی کی آج تلک رائگاں نہیں
کرتے وفا امیدِ وفا پر تمام عمر — پر کیا کریں کہ اس کو سرِ امتحاں نہیں
اس کو بھی جانتا ہوں فریبِ وصالِ غیر — تم کو عبث یقیں ہے کہ میں بدگماں نہیں
میں اپنی چشمِ شوق کو الزام خاک دوں — تیری نگاہِ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں
فطری ہے چرخِ پیر سے اپنا مقابلہ — طفلی سے مجھ کو حسرتِ بختِ جواں نہیں
گزرے ہیں میری خاک سے غیروں کے ساتھ وہ — فتنہ اٹھا ہے گردِ پسِ کارواں نہیں
لگ جائے شاید آنکھ کوئی دم شبِ فراق — تا صبح ہی کو لے آؤ گر افسانہ خواں نہیں
اتنے سبک نظر میں ہیں اوضاعِ روزگار — دنیا کی حسرتیں مرے دل پر گراں نہیں
ہر ذرہ میری خاک کا برباد ہو چکا — بس اے خرامِ ناز کہ تاب و تواں نہیں
نالے کے ساتھ دم کے نکل جانے کا ہے خوف — پر کیا علاج طاقتِ ضبطِ فغاں نہیں
میں جانتا ہوں نعش پہ آنے کا مدعا — آسودگی پسند تری شوخیاں نہیں
اس بت کی ابتدائے جوانی مراد ہے — مومن کچھ اور فتنۂ آخر زماں نہیں

(۱۴۳)

تاثیر صبر میں نہ اثر اضطراب میں — بے چارگی سے جان پڑی کس عذاب میں
بے نالہ منہ سے جھڑتے ہیں، بے گریہ آنکھ سے — اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں
چرخ و زمیں میں توبہ کا ملتا نہیں سراغ — ہنگامۂ بہار و ہجومِ سحاب میں
اے زہرہ چہرہ دشمنِ منحوس کو نہ دیکھ — نالے بہیں گے خون کے اس فتحِ باب میں
اتنی کدورت اشک میں حیراں ہوں کیا کہوں — دریا میں ہے سراب کہ دریا سراب میں
فکرِ مآل سے مے و شاہد رہے عزیز — پیری میں موت یاد تھی پیری شباب میں
تم نکلے بہرِ سیر تو نکلے گا مہر بھی — ہووے گا اجتماع شبِ ماہ تاب میں
ڈوبی ہجومِ اشک سے کشتی زمین کی — ماہی کو اضطراب ہوا جوشِ آب میں

کھولا جو دفترِ گلہ اپنا زیاں کیا / گذری شبِ وصال ستم کے حساب میں
اے حشر جلد کر تہ و بالا جہان کو / یوں کچھ نہ ہو امید تو ہے انقلاب میں
قاتل جفا سے باز نہ آیا وفا سے ہم / فتراک میں جو سر ہے تو جاں ہے رکاب میں
بازیچہ کردیا ستمِ یار و جورِ چرخ / طفلی سے غلغلہ ہے مرا شیخ و شاب میں
مومن یہ عالم اس، صنمِ جاں فزا کا ہے / دل لگ گیا جہانِ سراسر خراب میں

(۱۴۴)

جلتا ہوں ہجرِ شاہد و یادِ شراب میں / شوقِ ثواب نے مجھے ڈالا عذاب میں
کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں / سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں
پھیلی شمیمِ یار مرے اشکِ سرخ سے / دل کو غضب فشار ہوا پیچ و تاب میں
چینِ جبیں کو دیکھ کے دل بستہ تر ہوا / کیسی کشودِ کار کشادِ نقاب میں
ہم کچھ تو بد تھے جب نہ کیا یار نے پسند / اے حسرت اس قدر غلطی انتخاب میں
رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام / آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں
آنکھ اس کی پھر گئی تھی، دل اپنا بھی پھر گیا / یہ اور انقلاب ہوا انقلاب میں
بدنام میرے گریۂ رسوا سے ہو چکے / اب عذر کیا رہا نگہِ بے حجاب میں
مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کر دیا / حسرت بھی اب نہیں دلِ ناکامیاب میں
گویا کہ رو رہا ہوں رقیبوں کی جان کو / آتش زبانہ زن ہوئی طوفانِ آب میں
ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں / پیری میں یاس ہے جو ہوس تھی شباب میں
ہے اختیار یار میں سود و زیاں مگر / فاضل تھے ہم جہاں سے قضا کے حساب میں
ناصح ہے عیب جوے و دل آزار اس قدر / گویا ثواب ہے سخنِ ناصواب میں
دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش / وہ ہی خط اس نے بھیج دیا کیوں جواب میں
تقدیر بھی بری، مری تدبیر بھی بری / بگڑے وہ پرسشِ سببِ اجتناب میں
کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں / بے بادہ مست ہوں میں شبِ ماہ تاب میں
ہے منتوں کا وقت شکایت رہی رہی / آئے تو ہیں منانے کو وہ پر عتاب میں
تیری جفا نہ ہو تو ہے سب دشمنوں سے امن / بدمستِ غیر، محو دل اور بخت خواب میں
پیہم سجود پائے صنم پر دمِ وداع / مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

(۱۴۵)

بیم بے داد و ستم کچھ دلِ مضطر میں نہیں
یوں ہوں نالاں کہ وہ گویا صفِ محشر میں نہیں

خار بستر پہ شبِ ہجر بچھاؤں کیوں کر
دل میں تو ہے وہ گل اندام اگر بر میں نہیں

سر پٹکتا ہوں کہ بس ہم بھی نہ ہوں، گھر بھی نہ ہو
دھیان جس وقت یہ آتا ہے کہ وہ گھر میں نہیں

مجھ سے مے کش کی طرف محتسب آتا ہے تو آئے
ایک قطرہ بھی سبو و خم و ساغر میں نہیں

جی اٹھے اور وہی رنجِ محبت کے عذاب
ہم نہ مانیں گے کہ ایذا تری ٹھوکر میں نہیں

ہم نفس کیوں کہ مسخر وہ پری رو ہوگا
نام اہلِ ہوس اوراد فسوں گر میں نہیں

قطعِ امید سے سر کاٹنے کو کیا نسبت
مجھ میں وہ دم ہے ابھی جو ترے خنجر میں نہیں

دے دیا کیجیے بوسہ طلبِ اول پر
سچ کہا تم نے مزا حرفِ مکرر میں نہیں

کیا موثر ہو دعا وصلِ صنم کی مومن
ہم طلب کرتے ہیں وہ شے جو مقدر میں نہیں

ردیف و

(۱۴۶)

سرمہ گیں آنکھ سے تم نامہ لگاتے کیوں ہو
خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو

گرم جولاں مرے مدفن پہ تم آتے کیوں ہو
اپنے دل سوختہ کی خاک اڑاتے کیوں ہو

شعلہ ہائے حبِ دل آگ لگاتے کیوں ہو
گر ہو دل سوز مرے مجھ کو جلاتے کیوں ہو

کون سے سوختہ اختر کا خیال آتا ہے
سرمہ جب دیتے ہو تم اشک بہاتے کیوں ہو

بارِ گردن تو نہیں تیغ ستم گار آخر
جاں نثارو سرِ مشتاق جھکاتے کیوں ہو

جن سے منظور وفا ہے، ہو جفا بھی ان پر
مجھ سے کچھ کام نہیں ہے تو ستاتے کیوں ہو

کھول دو وعدہ کہ تم پردہ نشیں ہو نہ وصال
آپ چھپتے ہو چھپو، بات چھپاتے کیوں ہو

دلِ بے تاب کی اکسیر بتاؤ گے کہیں
اس قدر شوق تپِ دل سے جلاتے کیوں ہو

نہیں منظور اگر بوالہوسی کا شکوہ
غیر کو تم مرے اشعار سناتے کیوں ہو

توڑنا جان کا ہو جائے گا دشوار آخر
چارہ سازو مری امید بندھاتے کیوں ہو

اس نے کیا غیر کو دزدیدہ نظر سے جھانکا
رخنہ ہائے درِ یار آنکھ چراتے کیوں ہو

خیر ہے کس نے کہا شورِ قیامت تم کو
نالہ ہائے سحری دھوم مچاتے کیوں ہو

دم قدم سے ہے لگا جان نکل جائے گی
دیکھو سینے سے مرے پاؤں اٹھاتے کیوں ہو

کھل گیا عشقِ صنم طرزِ سخن سے مومن
آپ چھپاتے ہو عبث، بات بناتے کیوں ہو

(۱۴۷)

اگر زنجیر کش سوئے بیاباں اپنی وحشت ہو
تو پائے قیس کا ہر ایک چھالا چشمِ حیرت ہو

ہمارے قتل سے قاتل نہ کیوں غیروں کو عبرت ہو
بہم جوہر سے جوہر تیغ کا جب دستِ حسرت ہو

کسی کے ابروئے خوش خم کا کشتہ ہوں تعجب کیا
جو میری خاک سے تعمیر محرابِ عبادت ہو

دمِ بسمل خیالِ شکوۂ قاتل گر آجاوے
لبِ زخمِ جگر میں دشنہ انگشتِ ندامت ہو

سمجھتا خوب ہوں میں اسی بناوٹ کی لگاوٹ کو
قسم کھا جاؤں گا گر تیرے دل میں کچھ محبت ہو

ہوئے بے خواب آہِ نیم شب سے تو لگے کہنے
کہ سوتوں کو جگا دیتے ہو تم بھی کیا قیامت ہو

جلا جاتا ہوں سوزِ رشک سے مانند پروانہ
جلا مت اور کو تو گرچہ میری شمعِ تربت ہو

عدو سے بزم میں ہوتی رہی چشمک زنی کیا کیا
نہ دیکھا حال میرا تم بھی کتنے بے مروت ہو

بجائے سبزہ نکلے خاک سے میری زباں ظالم
دلِ نالاں پس مردن جو سرگرمِ شکایت ہو

بھلا ایسے صنم کو خاک دل دے کوئی اے مومن
نہ جس کو کچھ مروت ہو نہ خاطر ہو نہ الفت ہو

(۱۴۸)

کیسے مجھ سے بگڑے تم اللہ اکبر رات کو
ذبح ہی کرتے جو ہوتا پاس خنجر رات کو

اپنی آوازِ قدم سے بھی وہ ڈر کر رات کو
مڑ کے پیچھے دیکھ لے تھا ہر قدم پر رات کو

ہم میں کیا باقی رہا تھا اے ستم گر رات کو
جاں بہ لب تھے بچ گئے قسمت سے مر کر رات کو

یاں جو تو اے مہروش تھا جلوہ گستر رات کو
چھوٹ رہی تھی کیا ہوائی مہ کے منہ پر رات کو

صرصرِ آہ و فغانِ شعلہ زنِ طوفانِ اشک
جمع سامانِ خرابی تھا مرے گھر رات کو

بوئے گل کا اے نسیمِ صبح اب کس کو دماغ
ساتھ سویا ہے ہمارے وہ سمن بر رات کو

صبح دم مہتاب کا سا رنگ کیوں ہے، گر نہ تھا
بوالہوس کے پاس تو اے ناز پرور رات کو

بزمِ دشمن میں نہ ہو وہ نغمہ گر آتی رہی
ہر فغاں کے ساتھ لب پر جانِ مضطر رات کو

روزِ ہجراں سے شبِ فرقت نہ ہو کیوں سخت تر
گاہے گاہے دن کو ملتے تھے وہ اکثر رات کو

رشک سے جلتا ہوں روز اے شمعِ بارِ عام میں
دن کو ہے مجھ پر وہی صدمہ جو تجھ پر رات کو

دیکھیے وہ کون سی شب ہوئے گی، اللہ رے جھوٹ
روز کہتے ہو کہ آؤں گا مقرر رات کو

رہ گئے ہم جھانکنے سے بھی یہ کیا اندھیر ہے
بند کس نے کر دیے تھے روزنِ در رات کو

بن ترے پیشِ نظر تھی یہ اندھیری چھا گئی
جائیں آنکھیں پھوٹ گر دیکھے ہوں اختر رات کو

کود کر گھر میں تو پہنچا میں ترے پر کیا کروں
دم نکل جاتا تھا کھٹکے کے برابر رات کو

یاد دلوائی تپش نے تیری شوخی وصل کی
مر گئے ہم دیکھ کر چھیں ہائے بستر رات کو

کیا کہوں تم جو نہ آئے کیا قیامت آ گئی
میہماں تھا میرے گھر میں روزِ محشر رات کو

کیا اسی بت خانے کو فرماتے ہو ظلمت کدہ
حضرتِ مومن جہاں جاتے ہو چھپ کر رات کو

(۱۴۹)

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو
ہے بوالہوسوں پر بھی ستم، ناز تو دیکھو

اس بت کے لیے میں ہوسِ حور سے گزرا
اس عشقِ خوش انجام کا آغاز تو دیکھو

چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرتِ ناصح
طرزِ نگہِ چشمِ فسوں ساز تو دیکھو

اربابِ ہوس ہار کے بھی جان پہ کھیلے
کم طالعیِ عاشقِ جاں باز تو دیکھو

مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
بدنامیِ عشاق کا اعزاز تو دیکھو

محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے
منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو

اس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

دیں پاکیِ دامن کی گواہی مرے آنسو
اس یوسفِ بے درد کا اعجاز تو دیکھو

جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے
جورِ اجلِ تفرقہ پرداز تو دیکھو

(۱۵۰)

یہ قدرت ضعف میں بھی ہے فغاں کو
کہ دے پٹکے زمیں پر آسماں کو

وفا سکھلا رہے گا دل ہمارا
تمہاری خاطرِ نامہرباں کو

پڑی ہے اس گلی میں لاشِ دشمن
اٹھاؤں کیوں کر اس بارِ گراں کو

کہاں ہے تاب نازِ برق، اے کاش
جلا دے آتشِ گل آشیاں کو

پسینے کی جگہ آنے لگا خوں
چھپاؤں کس طرح زخمِ نہاں کو

سمجھتا کیوں کہ دیوانے کی باتیں
نہ پایا محرم اپنے رازداں کو

عدو کے گھر میں ہے تصویرِ شیریں
دکھاؤں کس طرح اس بدگماں کو

نہیں آتا وہ لیلیٰ وش سکھا دے
کوئی مجنوں کا قصہ ساربان کو

ہمارا غش تو کیا مر جائیں تو بھی
نہ کھولے طرۂ عنبر فشاں کو

دیا اس بدگماں کو طعنۂ غیر / غضب ہے کیا کہوں اپنی زباں کو
دلِ مضطر کی بے تابی نے مارا / کہاں سے لاؤں اس آرامِ جاں کو
سن اے مومن یہ ایماں ہے ہمارا / نہ کہنا کفر پھر عشقِ بتاں کو

(۱۵۱)

ایسے سے کیا درستیِ پیمان بستہ ہو / جو قول دے تو رنگِ حنا کا شکستہ ہو
دم ہی الٹ گیا جو سنا ہے ترا مریض / کیا حضرتِ مسیح سے درمان خستہ ہو
پروانہ وار گرمِ تپش ہیں قلق سے ہم / تم شوخیوں سے شعلۂ بے تاب جستہ ہو
ممنون جوشِ گریۂ شادی ہو چشمِ تر / صبحِ شبِ وصال کا گر بند رستہ ہو
کب جان دے ہے بسملِ ابرو نہ جب تلک / خنجر کا تیرے شاخِ غزالاں کا دستہ ہو
شاید کبھی وہ مے کشِ بدمست منہ لگائے / خاک اپنی کاش دردِ تہِ خم نشستہ ہو
مومن نہ توڑ رشتۂ زنارِ برہمن / مت کر وہ بات جس سے کوئی دل شکستہ ہو

(۱۵۲)

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو / وہی یعنی وعدہ نباہ کا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیش تر، وہ کرم کہ تھا مرے حال پر / مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ نئے گلے، وہ شکایتیں، وہ مزے مزے کی حکایتیں / وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشارتوں ہی سے گفتگو / وہ بیان شوق کا برملا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بہ دم / گلۂ ملامتِ اقربا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کوئی ایسی بات اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بری لگی / تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی، کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی / کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمھیں یاد ہو نہ کہ یاد ہو
سنو ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا اک آپ نے وعدہ تھا / سو نباہنے کا تو ذکر کیا، تمھیں یاد ہو کہ یاد ہو
کہا میں نے بات وہ کوٹھے کی مرے دل سے صاف اتر گئی / تو کہا کہ جانے مری بلا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ بگڑنا وصل کی رات کا، وہ نہ ماننا کسی بات کا / وہ نہیں نہیں کی ہر آن ادا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا / میں وہی ہوں مومنِ مبتلا، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

(۱۵۳)

آئے ہو جب بڑھا کر دل کی جلن گئے ہو / جوں سوزِ دل کہا ہے، تم آگ بن گئے ہو

روٹھے سو روٹھے ہم سے منتے نہیں ہو کیوں کر / غیروں سے جب لڑے ہو لڑتے ہی من گئے ہو
باقی نہیں کدورت شوقِ ستم کی ہرگز / کیا اے دل و جگر تم تیروں سے چھن گئے ہو
جاؤ تو جاؤ سوئے دشمن سوئے فلک کیوں / اے گرمِ نالہائے آتش فگن گئے ہو
بادِ بہار میں ہے کچھ اور عطر ریزی / تم آج کل میں شاید سوئے چمن گئے ہو
کیا حال ہے عدم کا کہلا تو بھیجو جو تم / اے خوگرانِ غربت سوئے وطن گئے ہو
ہے کچھ تو بات مومن جو چھا گئی خموشی / کس بت کو دے دیا دل، کیوں بت سے بن گئے ہو

(۱۵۴)

پونچھنے سے ہم ڈبو دریا ہے، کیوں کر خشک ہو / سب کے دامن تر ہوں پر کب دیدۂ تر خشک ہو
آہ کی گرمی سے دنیا میں ہو جو تر خشک ہو / نوح کا طوفاں بھی ہو تو خشک ہو پر خشک ہو
اف رے سوزِ نالہ واللہ رے سیلابِ اشک / اس سے تر روئے زمیں، اس سے سمندر خشک ہو
سوزِ دل آبِ جگر لینے دے دم تو کب تلک / تر رہیں آنکھیں ہمیشہ اور لب اکثر خشک ہو
موج زن ہے ایک دریا ہائے جوشِ اشک ہائے / آستیں ہو جائے تر دامانِ تر گر خشک ہو
شمع ساں میں سوزِ گریہ سے سراپا جل گیا / ہے تعجب گر شجر پانی کے اندر خشک ہو
ابر بھی کھل جائے دریا بھی گہہ تھم جائے ہے / دیدۂ پرنم کبھی تو بھی تو دم بھر خشک ہو
روزِ محشر آپ کے اس تشنۂ دیدار کا / حلق تشنہ تر نہ ہو اور حوضِ کوثر خشک ہو
گریۂ خونیں کو قصدِ عالمِ بالا ہے پھر / کیوں نہ خوں روحانیوں کا آسماں پر خشک ہو
تشنہ کامِ عشق ہوں گر خاک سے مری بنے / آب جوں جوں بھریے دوں دوں اور ساغر خشک ہو
رونے کی جا ہے اگر ہو بعد ملنے کے فراق / ہے غضب گر نخل کوئی پھول پھل کر خشک ہو
شعر تر وہ ہیں مرے مومن کہ ہنگامِ جواب / خوف سے منہ اور[1] زبانِ ہر سخن ور خشک ہو

(۱۵۵)

اے ناصحو! آ ہی گیا وہ فتنۂ ایام لو / ہم کو تو کہتے تھے بھلا اب تم تو دل کو تھام لو
مجنونِ محوِ یار ہوں سودے کا میرے کیا علاج / گر چارہ سازو ہو سکے تو فصدِ لیلیٰ فام لو
کیا قہر ہے کب تک کوئی رہ جائے آنسو پی کے یوں / ہنس ہنس کے میرے آگے تم دستِ عدو سے جام لو
بندے ہیں ہم صیاد کے کہتا ہے کس کس لطف سے / گر ہو سکے راہِ چمن اے رستگانِ[2] دام لو

۱۔ ان: میں
۲۔ "بستگان" مطبوعہ نول کشور ۱۸۷۶ء، (ص ۹۳)

ایسی ادا سے بوسہ دو لب کا کہ شادیٔ مرگ ہوں　　جور و ستم کا میری جاں، لطف و کرم سے کام لو
بختِ سیہ اے مُنعمو آخر ملائے خاک میں　　یک چند ملک ہند لو یا سر زمین شام لو
دن رات فکرِ جور میں یوں رنج اٹھاتا کب تلک　　میں بھی ذرا آرام لوں، تم بھی ذرا آرام لو
پھر سوئے مقتل آئے وہ ہاتھ آئے تو بہرِ نثار　　اے کشتگانِ شوق جاں زندوں سے سودے وام لو
مومن تم اور عشقِ بتاں، اے پیر و مرشد خیر ہے　　یہ ذکر اور منہ آپ کا صاحب خدا کا نام لو

(۱۵۶)

یہ مایوسی دل و جاں، نالۂ شب گیر تو کھینچو　　کھنچے گا اس کا دل آہ و فسوں تاثیر تو کھینچو
شفیعِ بے گناہاں ہے نزاکت اس کلائی کی　　بھلا خوں تو کرو گے پہلے تم شمشیر تو کھینچو
سبک روحِ تجرد بھی کہیں پابند ہوتا ہے　　شمیمِ گل کی نقاشو بھلا تصویر تو کھینچو
وہ آئے یا نہ آئے زیست میری ہو نہ ہو لیکن　　فغاں سے پیش تر تم خجلتِ تقریر تو کھینچو
سرِ زور آزمائی جذبِ دل کو آج ہی دیکھو　　کھنچے گا ہاتھ سینے سے تم اپنا تیر تو کھینچو
عبث نالش ہے آہِ تیرہ روزِ چشمِ جادو کی　　دہاں بندِ ہوس سرے کی اک تحریر تو کھینچو
دکھا دوں گا تماشا بس نہ چھیڑو مجھ سے مجنوں کو　　ہلا دوں گا زمین و آسماں زنجیر تو کھینچو
کہاں اس نوجواں کے ناز کی طاقت تمھیں مومن　　ابھی سر مشق تو ہو جورِ چرخِ پیر تو کھینچو

(۱۵۷)

اعجازِ جاں دہی ہے ہمارے کلام کو　　زندہ کیا ہے ہم نے مسیحا کے نام کو
لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو　　بندے کا بس سلام ہے ایسے سلام کو
اب شور ہے مثال جو دی اس خرام کو　　یوں کون جانتا تھا قیامت کے نام کو
آتا ہے بہرِ قتل وہ دور اے ہجومِ یاس　　گھبرا نہ جائے دیکھ کہیں ازدحام کو
گو آپ نے جواب برا ہی دیا و لے　　مجھ سے بیاں نہ کیجیے عدو کے پیام کو
یاں وصل ہے تلافیٔ ہجراں میں اے فلک　　کیوں سوچتا ہے تازہ ستم انتقام کو
تیرے سمندِ ناز کی بے جا شرارتیں　　کرتی ہیں آگ نالۂ اندیشہ گام کو
گریے پہ میرے زندہ دلو ہنستے کیا ہو آہ　　روتا ہوں اپنے میں دلِ جنت مقام کو
سن سن[1] کے نا درست تری خو بگاڑ دی　　ہم نے خراب آپ کیا اپنے کام کو

۱۔ (ن) سہہ سہہ۔

اس سے جلا کے غیر کو امید چشمکِ
لگ جائے آگ دل کے خیالاتِ خام کو

بختِ سعید آئینہ داری کرے تو میں
دکھلاؤں دل کے جور اس آئینہ فام کو

جب تو چلے جنازۂ عاشق کے ساتھ ساتھ
پھر کون وارثوں کے سنے اذنِ عام کو

شاید کہ دن پھرے ہیں کسی تیرہ روز کے
اب غیر اس گلی میں نہیں پھرتے شام کو

مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج
دیکھا بھی ہم نے اس شعرا کے امام کو

(۱۵۸)

ہم سمجھتے ہیں آزمانے کو
عذر کچھ چاہیے ستانے کو

سنگِ در سے ترے نکالی آگ
ہم نے دشمن کا گھر جلانے کو

صبحِ عشرت ہے وہ نہ شامِ وصال
ہائے کیا ہوگیا زمانے کو

بوالہوس روئے میرے گریے پہ اب
منہ کہاں تیرے مسکرانے کو

برق کا آسمان پر ہے دماغ
پھونک کر میرے آشیانے کو

سنگِ سودا جنوں میں لیتے ہیں
اپنا ہم مقبرہ بنانے کو

شکوہ ہے غیر کی کدورت کا
سو مرے خاک میں ملانے کو

روزِ محشر بھی ہوش گر آیا
جائیں گے ہم شراب خانے کو

سن کے وصف اس پہ مرگیا ہم دم
خوب آیا تھا غم اٹھانے کو

کوئی دن ہم جہاں میں بیٹھے ہیں
آسماں کے ستم اٹھانے کو

(ق)

چل کے کعبے میں سجدہ کر مومن
چھوڑ اس بت کے آستانے کو

نقشِ پائے رقیب کی محراب
نہیں زیبندہ سر جھکانے کو

(۱۵۹)

صد حیف سینہ سوز فغاں کارگر نہ ہو
یاں جان پر بنے ترے دل میں اثر نہ ہو

دیکھیں غمِ درونہ پہ کب تک نظر نہ ہو
میرا[۱] شگافِ سینہ، ترا چاکِ در نہ ہو

اے آہ آسماں میں عبث رخنہ گر نہ ہو
ڈرتا ہوں میں نزولِ بلا بیش تر نہ ہو

فریاد بے گناہ کشی جا بہ جا کروں
گر وہم جاں نثاری پیغام بر نہ ہو

ا۔(ن) سفید۔

معشوق وے سے زاہدِ مفلس کو یاس ہے
قطعِ تعلقات کس امید پر نہ ہو

ایسے سے قدرِ مہر و وفا کی امید کیا
جس کو ہنوز اپنے ستم کی خبر نہ ہو

ہوں خانماں خراب ستم سے زیادہ تر
ایسا نہ ہو کہ اب بھی ترے دل میں گھر نہ ہو

عابد فریب شوخی و رغبت فزا نگاہ
میں کیا کسی سے صبر تجھے دیکھ کر نہ ہو

اے گردشِ زمانہ کبھی تو تغیر آئے
حسرت مجھے قبول اگر اس قدر نہ ہو

سودا ہے مجھ کو گرمیِ بازارِ عشق کا
اس کا کہاں خیال کہ اپنا ضرر نہ ہو

پائے طلب شکستہ نہ کوتاہ دستِ شوق
ہم بھی ستم کریں جو وہ نازک کمر نہ ہو

حزن و ملال میں ہے دل آزردگی کا وہم
کیسی بری بنے جو گلہ بے اثر نہ ہو

ہیں آرزو سے مرگ کی بے التفاتیاں
جینا مرا محال تو دشمن اگر نہ ہو

صحبت میں ایک رات کی وہ تنگ آگئے
طولِ امل سے قصہ مرا مختصر نہ ہو

لذت بغیر جاں دہیِ مردگاں محال
آبِ بقا فشردۂ دامانِ تر نہ ہو

ہیں جاں نثار کہیے تو مرجائیں ہم ابھی
یہ کام بوالہوس سے کبھی عمر بھر نہ ہو

جب فرق بے کلاہ ہوا چین آگیا
راحت زیادہ تر ہو اگر تن پہ سر نہ ہو

پامال کیجے شوق سے پر بزمِ خاص میں
اتنا تو ہو کہ خاک مری در بہ در نہ ہو

سوتے سے اٹھ کر آئے ہیں یارب نہ جائیں وہ
شرمندہ آہِ شب سے دعائے سحر نہ ہو

اب کیجے آہ تابِ گسل ہر جفا کے ساتھ
جب جان سے گزر گئے پھر درگزر نہ ہو

مومن ہوا رقیب حذر اے صنم پرست
ایسے سے ڈریے جس کو خدا کا بھی ڈر نہ ہو

(۱۶۰)

خالی ہوائے فتنہ سے گاہے جہاں نہ ہو
اس دم قیامت آئے اگر آسماں نہ ہو

اعجاز سے زیادہ ہے سحر ان[1] کے ناز کا
آنکھیں وہ کہہ رہی ہیں جو لب سے بیاں نہ ہو

یوں تو بہت سے دل کے خریدار ہیں ولے
جو ہے سو بد معاملہ کیوں کر زیاں نہ ہو

لکھتا ہوں اس کو بستگیِ دل کا ماجرا
آنسو رواں نہ ہوں تو سیاہی رواں نہ ہو

شیخِ حرم سے کام نہ پیرِ مغاں سے ربط
کیا کفر و دیں جو پاس وہ زیبا جواں نہ ہو

تر کر دیا ہے ابرِ بہاری نے اس قدر
بجلی گرے تو گرم مرا آشیاں نہ ہو

اب شوقِ وصل ہے نہ غمِ قربِ مدعی
پامال ہو چکا ہوں عبث سرگراں نہ ہو

۱۔ آس، نسخۂ نول کشور مطبوعہ ۱۸۷۶ء، صفحہ ۹۵

کرنی نہ تمھیں بگاڑ کی باتیں گلے میں ہائے / کیسی بنے جو دل سے وہ نامہرباں نہ ہو
عزمِ سفر جہاں سے کروں کیا شبِ فراق / میں جانتا ہوں چین کہاں تو جہاں نہ ہو
اس شرط پر جو لیجے تو حاضر ہے دل ابھی / رنجش نہ ہو، فریب نہ ہو، امتحاں نہ ہو
یہ جامہ پارہ پارہ تڑپنے سے ہوگیا / صبحِ شبِ فراق ہے تو بدگماں نہ ہو
مومن بہشت و عشقِ حقیقی تمھیں نصیب / ہم کو تو رنج ہو جو غمِ جاوداں نہ ہو

ردیف ہ

(۱۶۱)

چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھلا منہ / اے شبِ ہجر تیرا کالا منہ
آرزوے نظارہ تھی تو نے / اتنی ہی بات پر چھپایا منہ
دشمنوں سے بگڑ گئی تو بھی / دیکھتے ہی مجھے بنایا منہ
بات پوری بھی منہ سے نکلی نہیں / آپ نے گالیوں پہ کھولا منہ
ہوگیا رازِ عشق بے پردہ / اس نے پردے سے جو نکالا منہ
شبِ غم کا بیان کیا کیجے / ہے بڑی بات اور چھوٹا منہ
جب کہا یار سے دکھا صورت / ہنس کے بولا کہ دیکھو اپنا منہ
کس کو خونِ جگر پلائے گا / ساغرِ مے کو کیوں لگایا منہ
پھر گئی آنکھ مثلِ قبلہ نما / جس طرف اس صنم نے پھیرا منہ

(ق)

گھر میں بیٹھے تھے کچھ اداس سے وہ / بولے بس دیکھتے ہی میرا منہ
ہم بھی غمگین سے ہیں آج کہیں / صبح اٹھے تھے دیکھ تیرا منہ
سنگِ اسود نہیں ہے چشمِ بتاں / بوسہ مومن طلب کرے کیا منہ

(۱۶۲)

جو تیرے منہ سے نہ ہو شرمسار آئینہ / تو رخ کرے سوے آئینہ دار آئینہ
کہے ہے دیکھ کے رخسارِ یار آئینہ / کہ اس صفائی پہ صدقے نثار آئینہ
سیاہ رو نہ کرے ترکِ الفتِ گل فام / میں بوالہوس کو دکھاؤں ہزار آئینہ
صفاے دل کی کہاں قدر تیرہ روزی میں / چراغِ صبح ہے شب ہاے تار آئینہ

سمجھ لیا مگر اس سبز رنگ کو طوطی
کہ ہے نظارے کا امیدوار آئینہ

وہ سخت جاں ہوں کہ دکھلائیں گر دمِ مردن
تو توڑ دے کمرِ کوہ سار آئینہ

مقابل اس رخِ روشن کے کھل گئی قلعی
نہ ٹھہرا آگ پہ سیماب وار آئینہ

سما رہے ہیں مگر تیرے تو بہ تو جلوے
کہ بن گیا ہے طلسمِ بہار آئینہ

شکستِ رنگ پہ مستی میں ہنستے ہیں ہم بھی
دکھائیں گے انہیں وقتِ خمار آئینہ

مجھے تو کہتے ہو مت دیکھ میری جانب تو
اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ

بلا ہے منعِ وفا نور اڑ گیا ناصح
تو لے کے دیکھ تو رنگِ عذار، آئینہ

سمجھ تو مومن اگر ناروا ہے خود بینی
تو دیکھیں کاہے کو پرہیز گار آئینہ

(۱۶۳)

سیماب ہے پہلو میں مرے دل تو نہیں یہ
اس دل نے ستایا مجھے غارت ہو کہیں یہ

معلوم رسائی ترے کانوں تک اگرچہ
نالہ مرا کہتا ہے کہ ہے عرش بریں یہ

کچھ شورِ محبت کی تو لذت ہی نہ پوچھو
ہے آپ کے بھی حسن سے کتنا نمکیں یہ

اک آہ ہی کرلوں کہ ہو شاید اسے تاثیر
فرصت نہیں اب ہے نفسِ باز پسیں یہ

حسرت سے کہا خضر نے دیکھ اس کی گلی کو
مرتا ہوں ابھی گر ملے مدفن کو زمیں یہ

کیا یار کے آنے کی سنی کچھ کہ اجل کی
کاہے کو خوشی ہجر میں ہے جانِ حزیں یہ

کیوں چھیڑتے ہو مجھ کو برا ہونے لگا کیوں
ہے غیر کا نامہ نہ مرا خطِ جبیں یہ

یا[1] پردہ اٹھا ورنہ کھلا شوقِ نہانی
اب مجھ سے تو چھپتا نہیں اے پردہ نشیں یہ

یاں کاہے کہ وہ آنے لگا اے کششِ دل
تو لاکھ کہے پر کوئی آتا ہے یقیں یہ

(ق)

بے دم سا پڑا تھا کوئی اس کوچے میں اس نے
دروازے میں آ جھانک کے دیکھا جو کہیں یہ

اس رحم کے صدقے وہیں گھبرا کے کہا ہاں
جا کر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں یہ

(۱۶۴)

دل بستگی سی ہے کسی زلفِ دوتا کے ساتھ
پالا پڑا ہے ہم کو خدا کس بلا کے ساتھ

کب تک نبھائیے بتِ نا آشنا کے ساتھ
کیجے وفا کہاں تلک اس بے وفا کے ساتھ

ا۔ (ن) ہاں۔

یادِ ہوائے یار نے کیا کیا نہ گُل کھلائے
آئی چمن سے نکہتِ گُل جب صبا کے ساتھ

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجرِ یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

ہے کس کا انتظار کہ خوابِ عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آوازِ پا کے ساتھ

یا رب وصالِ یار میں کیوں کر ہو زندگی
نکلی ہی جان جاتی ہے ہر ہر ادا کے ساتھ

اللہ رے سوزِ آتشِ غم بعد مرگ بھی
اٹھتے ہیں میری خاک سے شعلے ہوا کے ساتھ

سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر
یوں روئے زار زار تو اہلِ عزا کے ساتھ

ہر دم عرق عرق نگہِ بے حجاب ہے
کس نے نگاہِ گرم سے دیکھا حیا کے ساتھ

مرنے کے بعد بھی وہی آوارگی رہی
افسوس جاں گئی نفسِ نارسا کے ساتھ

دستِ جنوں نے میرا گریباں سمجھ لیا
الجھا ہے ان سے شوخ کے بندِ قبا کے ساتھ

آتے ہی تیرے چل دیے سب ورنہ یاس کا
کیسا ہجوم تھا دلِ حسرت فزا کے ساتھ

میں کینے سے بھی خوش ہوں کہ سب یہ تو کہتے ہیں
اس فتنہ گر کو لاگ ہے اس مبتلا کے ساتھ

مومن وہی غزل پڑھو شب جس سے بزم میں
آتی تھی لب پہ جان زہ و حبذا کے ساتھ

(۱۶۵)

الٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذرِ جفا کے ساتھ

بہرِ عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آوازِ پا کے ساتھ

بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

وہ لالہ رو گیا نہ ہو گل گشتِ باغ کو
کچھ رنگ بوئے گل کے عوض ہے صبا کے ساتھ

اس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغِ خلد ہے
کس جائے مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ

آتی ہے بوئے داغ شبِ تارِ ہجر میں
سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ

گل بانگ کس کا مشورۂ قتل ہو گیا
کچھ آج بوئے خوں ہے وہاں کی ہوا کے ساتھ

تھے وعدے سے پھر آنے کے خوش یہ خبر نہ تھی
ہے اپنی زندگانی اسی بے وفا کے ساتھ

کوچے سے اپنے غیر کا منہ ہے ہٹا سکے
عاشق کا سر لگا ہے ترے نقشِ پا کے ساتھ

اللہ ری گم رہی بت و بت خانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

(۱۶۶)

تکلیف ہے جوں پنجۂ گل لال ہوا ہاتھ
نازک ہے وہ بس چھوڑ دے اے رنگِ حنا ہاتھ

میں اپنے گریبان کے ٹکڑوں کا ہوں پیرو
چلتے ہیں جنوں میں مرے پاؤں سے سوا ہاتھ

ہے دست مری نبض کی تف سے ید بیضا
یہ معجزۂ تازہ مسیحا کے لگا ہاتھ

ہنگامِ وداع آہ گلا کاٹ رہے تھے
کیا کھینچتے دامن کو ترے کام میں تھا ہاتھ

رکھا تو دل و چشم سے اب اٹھ نہیں سکتا
قربان نزاکت کے میں کیا پاؤں ہے، کیا ہاتھ

ہونے نہ دیا چاک گریبان کفن کو
یاروں نے کیے دفن مرے تن سے جدا ہاتھ

یہ دستِ بریدہ مرے قاصد کا نہ ہووے
ہے مہر کا خط ہائے شعاعی سے بھرا ہاتھ

جیسا مجھے آرام ترے ہاتھ سے آیا
اللہ کرے یوں ہی ترا سینہ مرا ہاتھ

جوں شاخِ گل اے جوش جنوں زار ہوں یعنی
جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گیا ہاتھ

بیٹھا کفِ افسوس ملے گا پسِ کشتن
غیروں سے بھی ظالم تو مرے ساتھ اٹھا ہاتھ

ہم اور یہ بدعت تپشِ دل کے سبب سے
مومن مرے سینے پہ رہے بعدِ فنا ہاتھ

(۱۶۷)

ہم میں فلک تنگ کی بھی طاقت نہ چھوڑ دیکھ
دستِ مژہ سے پنجۂ خور مت مڑوڑ دیکھ

اے جامہ زیب میں ہوں وہ مجنوں کہ قیس کا
پھٹ جائے سینہ میرے گریباں کے جوڑ دیکھ

دورِ خمار کا بھی ہے کچھ دھیان یا نہیں
اے مستِ حسن شیشۂ دل کو نہ توڑ دیکھ

گر نازکی سے بار ہے دشنہ تو اک نگاہ
ہم نیم بسملوں کو تڑپتا نہ چھوڑ دیکھ

اغوائے غیر سے نہ جگا خفتہ فتنے کو
میں غش نہیں ہوں لاش مری سب جھنجھوڑ دیکھ

آئینہ خانہ بن گیا دل توڑنا نہ تھا
یعنی اب ایسے جلوہ نما ہیں کروڑ دیکھ

طوفاں ہیں آب ہر گہر اشک میں نہاں
اے یاد دوست دامن مژگاں نچوڑ دیکھ

میرا قلق بھی قبلہ نما سے نہیں ہے کم
باور نہیں تجھے تو ذرا منہ کو موڑ دیکھ

کیا رحم دیکھنے کی بھی بندی ہو چاہیے
اے چشم اس کے سامنے تو ہاتھ جوڑ دیکھ

جلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا
مومن یقیں نہیں ہے تو پتھر کو پھوڑ دیکھ

ردیف ی

(۱۶۸)

خوشی نہ ہو مجھے کیوں کر قضا کے آنے کی
خبر ہے لاش پہ اس بے وفا کے آنے کی

ہے ایک خلق کا خوں سر پہ اشک خوں کے مرے
سکھائی طرز اسے دامن اٹھا کے آنے کی

سمجھ کے اور ہی کچھ مر چلا میں اے ناصح
کہا جو تو نے نہیں جان جا کے آنے کی

امید سرمہ میں تکتے ہیں راہ دیدۂ غم
شمیم سلسلۂ مشک سا کے آنے کی

چلی ہے جان نہیں تو کوئی نکالو راہ
تم اپنے پاس تک اس مبتلا کے آنے کی

نہ جائے کیوں دلِ مرغِ چمن کہ سیکھ گئی
بہار وضع ترے مسکرا کے آنے کی

مشامِ غیر میں پہنچے ہے نکہتِ گُلِ داغ
یہ بے سبب نہیں بندی ہوا کے آنے کی

جو بے حجاب نہ ہوگے تو جان جائے گی
کہ راہ دیکھی ہے اس نے حیا کے آنے کی

پھر اب کی لا ترے قربان جاؤں جذبۂ دل
گئے ہیں یاں سے وہ سوگند کھا کے آنے کی

خیالِ زلف میں خود رفتگی نے قہر کیا
امید تھی مجھے کیا کیا بلا کے آنے کی

کروں میں وعدہ خلافی کا وعدہ کس کس سے
اجل بھی رہ گئی ظالم سنا کے آنے کی

کہاں ہے ناقہ! ترے کان بجتے ہیں مجنوں
قسم ہے مجھ کو صدائے درا کے آنے کی

مرے جنازے پہ آنے کا ہے ارادہ تو آ
کہ دیر اٹھانے میں کیا ہے صبا کے آنے کی

مجھے یہ ڈر ہے کہ مومن کہیں نہ کہتا ہو
مری تسلی کو روزِ جزا کے آنے کی

(۱۶۹)

ہوئی تاثیر آہ و زاری کی
رہ گئی بات بے قراری کی

شکوۂ دشمنی کریں کس سے
واں شکایت ہے دوست داری کی

مبتلائے شبِ فراق ہوئے
ضد سے ہم تیرہ روزگاری کی

یاد آئی جو گرم جوشیِ یار
دیدۂ تر نے شعلہ باری کی

کیوں نہ ڈر جاؤں دیکھ کر وہ زلف
ہے شبِ ہجر کی سی تاریکی

پاس دیکھو کہ غیر سے کہہ دی
بات اپنی امید واری کی

بس کہ ہے یار کی کمر کا خیال
شعر کی سوجھتی ہے باریکی

کر دے روزِ جزا شبِ دیجور
ظلمت اپنی سیاہ کاری کی

تیرے ابرو کی یاد میں ہم نے
ناخنِ غم سے دل فگاری کی

قتلِ دشمن کا ہے ارادہ اسے
یہ سزا اپنی جاں نثاری کی

کیا مسلماں ہوے کہ اے مومن
حاصل اس بت سے شرم ساری کی

(۱۷۰)

منہ کو نہ سیا ناصح کی بخیہ گری اتنی
لوں میں بھی ابھی لتے ہیں پردہ دری اتنی

تم اٹھ گئے محفل سے ذکر آتے ہی مجنوں کا
سائے سے مرے وحشت اے رشکِ پری اتنی

دل لے کے وفا کیسی پر قول تو دینا تھا
اے سیم تن آفت ہے تو مفت بری اتنی

بے پردہ پسِ چلون یک بار تم آ بیٹھے
ہے تابِ نظر کس کو کیوں جلوہ گری اتنی

لازم تھا حذر مجھ سے ناچیز کے نالوں سے
پر تجھ کو کہاں غیرت اے بے اثری اتنی

لو چھیڑے ہے نکہت کو گل ہائے شبینہ کی
اب تم سے بھی چل نکلی بادِ سحری اتنی

یہ کون کہے اس سے کی ترکِ وفا میں نے
کر تو ہی ذرا ناصح پیغام بری اتنی

کیا ہو گئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے
یا خوش نگہی وہ کچھ یا بدنظری اتنی

کہتا ہے مرے آگے وہ مجھ پہ عدو غش ہے
ہے ہے مری الفت سے ہے بے خبری اتنی

سجدہ نہ کہیں کرنا مومن قدمِ بت پر
کعبے ہی میں ہوتی ہے بیہودہ سری اتنی

(۱۷۱)

مجھے یاد آ گئی بس وہ ہیں اس کے قد و قامت کی
چمن میں دیکھ کر کل سرو میں نے کیا قیامت کی

دیا ظالم کو دل جاں غیر کو آرام وحشت کو
کسی کا شکوہ کیا کیجئے یہ خوبی اپنی قسمت کی

ستم پیشہ ہے، بدخو ہے، ستم گر ہے، جفا جو ہے
کروں کیا کیا شکایت دوستو اس بے مروت کی

موئے ہیں حسرتِ دیدار میں خوں روتے روتے ہم
عجب کیا ہے جو نکلے سرخ نرگس اپنی تربت کی

مبارک خفتگانِ خاک کو تصدیع بے داری
کہ گورِ تیرہ سے یاد آئی مجھ کو رات فرقت کی

جفا کا شکوہ اب کیوں جو کیا اچھا کیا اس نے
سزا ہے اے دلِ ناداں اس الفت، اس محبت کی

تری دل گرمیاں آخر جلا رہویں گی غیروں کو
کہ دوزخ نے قسم کھائی ہے میرے سوزِ غیرت کی

مزہ خوابِ عدم کا بے ستوں کو کاٹ کر پایا
ملی فرہاد شیریں کام کو راحت یہ محنت کی

گلہ کیا کیجیے اس بدگماں عیار پُرفن کا
کہ عرضِ حال سے جس کو شکایت ہو شکایت کی

وہی مذہب ہے اپنا بھی جو قیس و کوہ کن کا تھا
نئی راہ افترا ہے کب بھلا مومن نے بدعت کی

(۱۷۲)

وہ گردن دیکھ یہ حالت ہوئی تغییر شیشے کی
کہ تھمتی ہی نہیں ہچکی ہوئی ہے دیر شیشے کی

مدام اس دلبرِ مے کش کے منہ لگتا ہے اے ساقی
بنائی ہائے کیا اللہ نے تقدیر شیشے کی

سوائے محتسب اس کے کہ اپنے دل کی صورت ہے
سزا وارِ شکستن کون سی تقصیر شیشے کی

اثر اس سنگ دل کو کیا ہو عرضِ دلِ شکستن کا
شکایت ہے مری فریاد بے تاثیر شیشے کی

ہوں اک آئینہ رو کا دیدۂ پر آب دیوانہ
بنا اشکِ مسلسل سے مرے زنجیر شیشے کی

بیاں کرتا ہے ہکلانے کا اس بدمست کے عالم
ولے کیا مجھے پیچیدہ ہے تقریر شیشے کی

یہ کیا طاقت کہ اب بھی محتسب پامال کر ڈالے
ملا تو خاک میں پر ہے وہی توقیر شیشے کی

کرامت ہے رخِ زرد آپ کے دل تفتہ کا ورنہ
کہیں بنتی سنی ہے آج تک اکسیر شیشے کی

بھلا کیا اعتبار اے مومن ایسی پارسائی کا
کہ بے خود ہو گئے تم دیکھ کر تصویر شیشے کا

(۱۷۳)

تمھیں تقصیر اس بت کی کہ ہے میری خطا لگتی
مسلمانو! ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

تڑپنے لوٹنے رونے کا باعث تجھ پہ بھی کھلتا
ترے دل کو بھی میری سی اگر اے بے وفا لگتی

ستم اے شور بختی میری ہڈی کیوں ہما کھاتا
سگِ لیلیٰ ادا کو گر نہ ظالم بد مزا لگتی

جو مر جاتا تو یہ دکھ کا ہے کو سہتا اگر آمیں
نہ کہتا میں تو شاید دشمنوں کی بد دعا لگتی

وہ پھر ہے گرمِ نظارہ کہاں تک زخمِ دل ٹانکوں
کہ ہے ہر ہر نگہ کے ساتھ اک برچھی سے آ لگتی

نسیمِ مصر کا دم پیرِ کنعاں کا ہے کو بھرتا
اگر کوچے کی تیرے خاک آلودہ ہوا لگتی

جو گریہ تر نہ کر دیتا تو جیسے نالہ کھینچا تھا
چمن میں، کوہ میں، صحرا میں آتش جا بہ جا لگتی

کیے تھے کاٹ کاٹ آلودہ خوں سے ہاتھ یاں اپنے
وہاں دستِ عدو سے پاؤں میں تھی شب حنا لگتی

بلائے جاں ہوا دھیان اس سیہ کاکل کی چوٹی کا
نہ لگتا دل تو دل کے پیچھے کا ہے کو بلا لگتی

کہیں سے ڈھونڈھ کے لانا بتِ کافر کو اے مومن
طبیعت سیرِ جنت میں نہیں اس کے سوا لگتی

(۱۷۴)

کیوں بنی خوں نابہ نوشی بادہ خواری آپ کی
کس لیے ہے بے خودی غفلت شعاری آپ کی

کیوں رمِ جانانہ کے بدلے ہے از خود رفتگی
کس لیے شوخی ہوئی ہے بے قراری آپ کی

منفعل سازِ دمِ ناہید نغمے کیا ہوئے
کیوں گزرتی ہے فلک سے آہ و زاری آپ کی

آشنا سے ہو گئے بیگانگی جاتی رہی
ہو گئی کس آشتی دشمن سے یاری آپ کی

بوئے گل سے ہو مکدر کس کی بو آئی ہے یاد
خاک اڑانے کیوں لگی بادِ بہاری آپ کی

عشقِ مہ رو میں تڑپتے ہو نہیں تو کس لیے
جوں کتاں ہر شب قبا ٹکڑے ہے ساری آپ کی

مجھ کو حیراں دیکھ کر حیران رہ جاتے ہو کیوں
ایسی محوِ یاس ہے امیدواری آپ کی

جی جلا جاتا ہے کیوں ہر لحظہ کس پر دل گیا
لے گئی قابو سے جاں بے اختیاری آپ کی

کیوں ہے رنگِ زرد پر گلگونہ اشکِ سرخ کا
کس لیے ملنے لگی رنگت ہماری آپ کی

ہائے کیا بے تاب ہو کر دھر لیا سینے پہ ہاتھ
کھل گئی مہ وش کہے سے دل فگاری آپ کی

سرمہ دینے لگتے ہو جس وقت رونا آئے ہے
بارے ہے اب تک تو باقی شرم ساری آپ کی

دل گیا دم پر بنی آنکھیں لڑیں کہتی ہے حال
بے قراری، آہ و زاری، اشک باری آپ کی

قطرہ ہائے اشک گنتے ہو اگر روتا ہوں میں
اس قدر خو ہوگئی اختر شماری آپ کی

کس صنم کی بندگی میں بت پرستی چھوڑ دی
ہوگئی مومن کی سی کیوں دین داری آپ کی

(۱۷۵)

نہ انتظار میں یاں آنکھ ایک آن لگی
نہ ہائے ہائے میں تالو سے شب زبان لگی

جلا جگر تپِ غم سے پھڑکنے جان لگی
الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی

گلی میں اس کی نہ پھر آتے ہم تو کیا کرتے
طبیعت اپنی نہ جنت کے درمیان لگی

جفائے غیر کا شکوہ تھا تیرا تھا کیا ذکر
عبث یہ بات بری تجھ کو بدگمان لگی

ہنسو نہ تم تو مرے حال پر میں ہوں وہ ذلیل
کہ جس کی ذلت و خواری سے تم کو شان لگی

کہاں وہ آہ و فغاں دم بھی لے نہیں سکتے
ہمیں یہ تیری دعائے بد آسمان لگی

میں اور اس کو بلاؤں گا روزِ وصل میں لو
اجل بھی کرنے محبت کا امتحان لگی

سدا تمھاری طرف جی لگا ہی رہتا ہے
تمھارے واسطے ہے دل کو مہربان لگی

وہ کینہ ورز تھا مومن تو دل لگایا کیوں
کہو تو کیا تمھیں[۱] ایسی بھلی وہ آن لگی

برنگِ صورتِ بلبل نہیں نوا سنجی
یہ کیا ہوا کہ چپ اے گلستاں بیان لگی

(۱۷۶)

تسلی دمِ واپسیں ہو چکی
ہمیں ہو چکے جب نہیں ہو چکی

قلق کشتۂ سخت جانی ہے پھر
امیدِ اجل آفریں ہو چکی

بلا اس سیہ روز کو بزم میں
شبِ عیش اے مہ جبیں ہو چکی

یہاں دم نہیں شوق سے قتل کر
مرے خوں سے تر آستیں ہو چکی

مری تعزیت میں نہ لا غیر کو
کہاں تک ستم پیشہ کیں ہو چکی

کہو مرگ سے ہاں نوازش کرے
کہ اس سے زیادہ نہیں ہو چکی

وہ ہم دوش ہوگا بھی تو غیر سے
مری قسمت اے شانہ بیں ہو چکی

اب اغیار سے ہاتھا پائی ہے کیوں
نزاکت بس اے نازنیں ہو چکی

خیالِ اجل سے تسلی کروں
یہ طاقت بھی جانِ حزیں ہو چکی

۱۔ "تمھی کو" نسخۂ عبا طبع ثانی (ص ۲۲۳)

ثوابت ہیں سیار مثلِ شرر مری آہ کرسی نشیں ہو چکی
جنوں میں بھلا کوئی کیا خاک اڑائے کہ اک جوش ہی میں زمیں ہو چکی
کمیں میں ہے مومن وہ کافر صنم بس اب پاسبانیِ دیں ہو چکی

(۱۷۷)

نہ کٹی ہم سے شب جدائی کی کتنی ہی طاقت آزمائی کی
رشکِ دشمن بہانہ تھا سچ ہے میں نے ہی تم سے بے وفائی کی
کیوں برا کہتے ہو بھلا ناصح میں نے حضرت سے کیا برائی کی
دامِ عاشق ہے دل وہی نہ ستم دل کو چھینا تو دل ربائی کی
آگے وہ دستِ غیر میں دیے ہاتھ آس ٹوٹی شکستہ پائی کی
گر نہ بگڑو تو کیا بگڑتا ہے مجھ میں طاقت نہیں لڑائی کی
گھر تو اس ماہ وش کا دور نہ تھا لیک طالع نے نارسائی کی
مر گئے پر ہے بے خبر صیاد اب توقع نہیں رہائی کی
کوچۂ غیر میں ملا وہ ہمیں ہرزہ تازی نے رہ نمائی کی
دل ہوا خوں، خیالِ ناخنِ یار تو نے اچھی گرہ کشائی کی
مومن آؤ تمھیں بھی دکھلا دوں سیر بت خانے میں خدائی کی

(۱۷۸)

دل میں اس شوخ کے جو راہ نہ کی ہم نے بھی جان دی پر آہ نہ کی
پردہ پوشی ضرور تھی اے چرخ کیوں شب بوالہوس سیاہ نہ کی
تشنہ لب ایسے ہم گرے مے پر کہ کبھی سیرِ عید گاہ نہ کی
اس کو دشمن سے کیا بچائے وہ چرخ جس نے تدبیر خسفِ ماہ نہ کی
کون ایسا کہ اس سے پوچھے کیوں پرسشِ حال، داد خواہ نہ کی
تھا بہت شوقِ وصل تو نے تو کمی اے حسنِ تاب کاہ نہ کی
عشق میں کام کچھ نہیں آتا گر نہ کی حرصِ مال و جاہ نہ کی
تاب کم ظرف کو کہاں تم نے دشمنی کی عدو سے چاہ نہ کی
میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کرکے تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

محتسب یہ ستم غریبوں پر | کبھی تنبیہ بادشاہ نہ کی
گریہ و آہ بے اثر دونوں | کس نے کشتی مری تباہ نہ کی
تھا مقدر میں اس سے کم ملنا | کیوں ملاقات گاہ گاہ نہ کی
دیکھ دشمن کو اٹھ گیا بے دید | میرے احوال پر نگاہ نہ کی
مومن اس ذہنِ بے خطا پر حیف | فکرِ آمرزشِ گناہ نہ کی

(۱۷۹)

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی | تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی
موئے آغازِ الفت میں ہم، افسوس | اسے بھی رہ گئی حسرت جفا کی
کبھی انصاف ہی دیکھا نہ دیدار | قیامت اکثر اس کو میں رہا کی
فلک کے ہاتھ سے میں جا چھپوں گر | خبر لا دے کوئی تحت الثریٰ کی
شبِ وصلِ عدو کیا کیا جلا ہوں | حقیقت کھل گئی روزِ جزا کی
چمن میں کوئی اس کو سے نہ آیا | گئی برباد سب محنت صبا کی
کشاد دل پہ باندھی ہے کمر آج | نہیں خیر آپ کے بند قبا کی
کیا جب التفات اس نے ذرا سا | پڑی ہم کو حصولِ مدعا کی
کہا ہے غیر نے تم سے مرا حال | کہے دیتی ہے بے باکی ادا کی
تمھیں شورِ فغاں سے میرے کیا کام | خبر لو اپنی چشمِ سرمہ سا کی
دیا علم و ہنر حسرت کشی کو | فلک نے مجھ سے یہ کیسی دغا کی
غمِ مقصد رہی تا نزع اور ہم | اب آئی موت بختِ نارسا کی
مجھے اے دل تری جلدی نے مارا | نہیں تقصیر اس دیرآشنا کی
جفا سے تھک گئے تو بھی نہ پوچھا | کہ تو نے کس توقع پر وفا کی
کہا اس بت سے مرتا ہوں تو مومن | کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی

ردیف ے

(۱۸۰)

منظور نظر غیر سہی اب ہمیں کیا ہے | بے دید تری آنکھ سے دل پہلے پھرا ہے

کھائی ہے قسم ہم نے کہ پرہیز کریں گے — گر درد سے بھر جائے طبیعت تو مزا ہے
جب گھر میں نہ ہو تم تو رہیں کوچے میں ہم کیوں — شکوہ جو تمھارا تو ہمارا بھی بجا ہے
بس بس نہ کرو بات کہ یاد آئے ہے مجھ کو — ناصح سے جو کچھ بے خودیوں میں بھی سنا ہے
کس طرح نہ اس شوخ کے رونے پہ ہنسوں میں — نظروں میں مروت ہے نہ آنکھوں میں حیا ہے
اب شوق سے تم محفلِ اغیار میں بیٹھو — یاں گوشۂ خلوت میں عجب لطف اٹھا ہے
یا رب کوئی معشوقۂ دلجو نہ ملے اب — جو ان کی دعا ہے، وہی اپنی بھی دعا ہے
توبہ گنہِ عشق سے فرمائے ہے واعظ — یہ بھی کہیں دل دے کے گنہگار ہوا ہے
آرزدۂ حرمانِ ملاقات ملے[1] کیا — یعنی کہ نہ ملنا ہی نہ ملنے کی سزا ہے
پرہیز سے اس کے گئی بیماریِ دل آہ — بے گانگیوں میں بھی عجب ربط رہا ہے
تھا محوِ رخِ یار میں کیا آئنہ دیکھوں — معلوم ہے یارو مجھے جو رنگ مرا ہے
چاہا کرے دل لاکھ نہ بولوں گا جو ہم دم — وہ میرے منانے کو رقیبوں سے خفا ہے
میں ترکِ وفا سے بھی وفادار ہوں مشہور — کیں تجھ سے جو اے دشمنِ اربابِ وفا ہے
مومن نہ کسی بوسۂ پا سجدہ کریں گے — وہ بت ہے جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ہے

(۱۸۱)

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آ جائے — پر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یار آ جائے
باندھو اب چارہ گرو چلتے کہ وہ بھی شاید — وصلِ دشمن کے لیے سوئے مزار آ جائے
کر ذرا اور بھی اے جوشِ جنوں خوار و ذلیل — مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آ جائے
نامِ بدبختیِ عشاق خزاں ہے بلبل — تو اگر نکلے چمن سے تو بہار آ جائے
جیتے جی غیر کو ہو آتشِ دوزخ کا عذاب — گر مری نعش پہ وہ شعلہ عذار آ جائے
کلفتِ ہجر کو کیا روؤں ترے سامنے میں — دل جو خالی ہو تو آنکھوں میں غبار آ جائے
محوِ دلدار ہوں کس طرح نہ ہوں دشمنِ جاں — مجھ پہ جب ناصحِ بے درد کو پیار آ جائے
ٹھیر جا جوشِ تپش ہے تو تڑپنا لیکن — چارہ سازوں میں ذرا دم دلِ زار آ جائے
حسنِ انجام کا مومن مرے بارے ہے خیال — یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے

(۱۸۲)

تیری پابوسی سے اپنی خاک بھی مایوس ہے — نقشِ پا پر نقشِ پا ظالم کفِ افسوس ہے

۱۔ (ن) ملنے۔

ہائے یادِ مرغِ مجنوں کی جنوں افزائیاں / میرے سر کو سایۂ بالِ ہما منحوس ہے
چشمِ دریا بار ہے کس کے خیالِ خط میں جو / فلسِ ماہی داغ افزائے پرِ طاؤس ہے
کیا یہ مطلب ہے کہ برعکسِ وفا ہوگی جفا / جو تمھارے عہد نامے میں خط معکوس ہے
یاں جلایا جی حجابِ شمع رونے اور بھی / سوزِ پروانہ کو مانع پردۂ فانوس ہے
بس کہ شامِ وصل آغازِ سحر میں مر گئے / سینہ کوبی اہلِ غم کی ہم صدائے کوس ہے
غیرتِ آمد شدِ دشمن سے تلووں سے لگی / جل بجھیں گے اب کہ حال مشعل منکوس ہے
گر نہ ہو شکرِ جفائے متصل سے دردِ سر / لب پہ کچھ کچھ التماسِ جانِ غم مانوس ہے
نزع میں جی کا نکلنا تیرا آنا ہوگیا / بس کہ مرتے مرتے دل میں حسرتِ پابوس ہے
شاعری اپنی ہوئی نیرنگیٔ دانش وری / جو سخن ہے وہ طلسمِ رازِ بطلیموس ہے
کرچکا ہوں دورِ اخلاصِ بتاں میں امتحاں / میں نہ مانوں گا کہ مومن زاہدِ سالوس ہے

(۱۸۳)

دیتے ہو تسکیں مرے آزار سے / دوستی تم کو نہیں اغیار سے
کچھ نہ سوجھا حسرتِ دیدار سے / سہل چھوٹے مردنِ دشوار سے
داغِ خوں سے میرے وہ حیراں ہوا / دامن الجھا ہے گلِ بے خار سے
چھوڑ جلد اے بوالہوس سر کو کہ اب / جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے
فصد کی حاجت مجھے کیا چارہ گر / بہہ گیا خوں دیدۂ خوں بار سے
مال کیسا جاں بھی دے کر بوالہوس / گر بنے تو دل چھڑا لوں یار سے
مت کرو کنگھی نہ یہ وزدِ حنا / دل چرائے طرۂ طرار سے
آہ دورِ چرخ کی کیا خاک اڑائے / فتنہ برپا ہے تری رفتار سے
کھا گیا جان آ کے دوں اس کو نکال / میں نہیں خوش صحبتِ غم خوار سے
یوں کہے درد آیا اپنی چیز کا / حال دل گر پوچھیے دلدار سے
گر نصیحت گر میں ہیچ ہوں سادہ لوح / تو نبھے گی خوب اس عیار سے
کیوں نہ کاٹیں لب اطبا مر گیا / حال پوچھا تھا ترے بیمار سے
وعدہ کرکے وہ نہ آئے نامہ بر / تو نے پوچھا ہوے گا تکرار سے
دستِ قاصد کاٹے کیوں ثابت ہے کیا / وزدیٔ مضموں مرے طومار سے
ہائے بختِ خفتہ کی یوں جھپکی آنکھ / دشمنوں کے طالعِ بیدار سے

مجھ سے وہ چھپتے پھریں اس کے سوا | اور حاصل عشق کے اظہار سے
کہہ غزل اک اور بھی مومن کہ ہے | شوق اس بت کو ترے اشعار سے

(۱۸۴)

زہر ٹپکے ہے نگاہِ یار سے | موت سوجھی نرگسِ بیمار سے
قتل ہو کر ہم بچے آزار سے | عمر کے دن کٹ گئے تلوار سے
جا بہ جا نہریں ہیں جاری، میں نے اشک | پونچھے ہوں گے دامنِ کہسار سے
گر نہ کھیلیں جان پر جی ہار دیں | عشق بازی سیکھیے اغیار سے
لاغری سے زندگی مشکل ہوئی | ہے گراں تو جان جسمِ زار سے
کر علاجِ جوشِ وحشت چارہ گر | لا دے اک جنگل مجھے بازار سے
ذکرِ اشکِ غیر میں رنگینیاں | بوے خوں آئی تری گفتار سے
عشق میں ناصح بھی ہے کیا مدعی | جرم ثابت ہو گیا انکار سے
چھڑکے ہے کانِ ملاحت لون کیا | خود لپٹ جا سینۂ افگار سے
گر دعا کرتا ہوں مومن وصل کی | ہاتھ باندھے ہے وہ بت زنار سے

(۱۸۵)

ہے نگاہِ لطف دشمن پر تو بندہ جاے ہے | یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جاے ہے
سامنے سے جب وہ شوخِ دل ربا آ جاے ہے | تھامتا ہوں پر یہ دل ہاتھوں سے نکلا جاے ہے
حال دل کیوں کر کہوں میں کس سے بولا جاے ہے | سر اٹھے بالیں سے کیا کچھ جی ہی بیٹھا جاے ہے
جاں نہ کھا وصلِ عدو بیچ ہی سہی پر کیا کروں | جب گلہ کرتا ہوں ہم دم وہ قسم کھا جاے ہے
رشکِ دشمن نے بنا دی جان پر اے بے وفا | کب تلک کوئی نہ بگڑے حال بگڑا جاے ہے
تلخ کامِ عشق شیریں لب جیے تو کیا ہوا | شور بختی سے مزا ہی زندگی کا جاے ہے
حسن روز افزوں پہ غرہ کس لیے اے ماہ رو | یوں ہی گھٹتا جاے گا جتنا کہ بڑھتا جاے ہے
پونچھے آنسو دار ثوں کے کیا کروں اب ہاے ہاے | داغ میرے خون کا دامن سے چھوٹا جاے ہے
غیر کے ہم راہ وہ آتا ہے میں حیران ہوں | کس کے استقبال کو جی تن سے میرا جاے ہے
تاب و طاقت، صبر و راحت، جان و ایماں، عقل و ہوش | ہاے کیا کہیے کہ دل کے ساتھ کیا کیا جاے ہے

رو رہا ہوں خندۂ دنداں نما کی یاد میں
آبِ گوہر کے لیے آنکھوں سے دریا جائے ہے

خاک میں مل جائے یارب بے کسی کی آب رو
غیر میری نعش کے ہم راہ روتا جائے ہے

اب تو مر جانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو
ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے

پند گو اب تو ہی فرما کس کو سودا ہے یہ کون
اور کی سنتا نہیں اپنی ہی بکتا جائے ہے

دیکھیے انجام کیا ہو مومنِ صورت پرست
شیخ صنعاں کی طرح سوئے کلیسا جائے ہے

(۱۸۶)

دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوں گے
فلس ماہی کے گلِ شمع شبستاں ہوں گے

ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے
نیم بسمل کئی ہوں گے، کئی بے جاں ہوں گے

تابِ نظارہ نہیں آئنہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہوں گے

ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے

کر کے زخمی مجھے نادم ہوں یہ ممکن ہی نہیں
گر وہ ہوں گے بھی تو بے وقت پشیماں ہوں گے

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہوں گے

ہم نکالیں گے سن اے موجِ ہوا بل تیرا
اس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے

صبر یارب مری وحشت کا پڑے گا کہ نہیں
چارہ فرما بھی کبھی قیدیِ زنداں ہوں گے

منتِ حضرتِ عیسیٰ نہ اٹھائیں گے کبھی
زندگی کے لیے شرمندۂ احساں ہوں گے

تیرے دل تفتہ کی تربت پہ عدو جھوٹا ہے
گل نہ ہوں گے شررِ آتشِ سوزاں ہوں گے

غور سے دیکھتے ہیں طوف کو آہوئے حرم
کیا کہیں اس کے سگِ کوچہ کے قرباں ہوں گے

داغ دل نکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ
یہ وہ اخگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہوں گے

چاک پردہ سے یہ غمزے ہیں تو اے پردہ نشیں
ایک میں کیا کہ سبھی چاک گریباں ہوں گے

(ق)

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
پھر وہی پاؤں، وہی خارِ مغیلاں ہوں گے

سنگ اور ہاتھ وہی وہ ہی سر و داغِ جنوں
وہ ہی ہم ہوں گے، وہی دشت و بیاباں ہوں گے

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

(۱۸۷)

سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اٹھے
کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اٹھے

آج اس بزم میں طوفان اٹھا کے اٹھے
یاں تلک روئے کہ اس کو بھی رلا کے اٹھے

دل سے کیوں کر نہ دھواں ساتھ ہوا کے اٹھے
شعلہ ہائے تپ غم سینہ جلا کے اٹھے

گر نہ ہو دل میں خیالِ نگہِ خواب آلود
درد کیا کیا اثرِ خفتہ جگا کے اٹھے

شمع کے چور کا محفل میں جو مذکور ہوا
دل چرا بیٹھے تھے جب آنکھ چرا کے اٹھے

گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے اک حرفِ غلط
لیک اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اٹھے

ہو عذابِ شب یلدا سے رہائی یا رب
زلف منہ سے کہیں اس مہر لقا کے اٹھے

اف رے گرمیِ محبت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے

میں دکھاتا تمھیں تاثیر مگر ہاتھ مرے
ضعف کے ہاتھ سے کب وقت دعا کے اٹھے

سوزشِ دل سے ہوا کیا ہی میں پانی پانی
وہ جو پہلو سے پسینے میں نہا کے اٹھے

جی ہی مانندِ نشانِ کفِ پا بیٹھ گیا
پاؤں کیا کوچے سے اس ہوش ربا کے اٹھے

شعر مومن کے پڑھے بیٹھ کے اس کے آگے
خوب احوالِ دلِ زار سنا کے اٹھے

(۱۸۸)

پھر وہ وحشت کے خیالات ہیں سر میں پھرتے
دشت یاد آتے ہیں، آہو ہیں نظر میں پھرتے

واہ اے طالعِ برگشتہ کہ وہ پھر ہی گیا
آن کر دیکھ مجھے راہ گزر میں پھرتے

پھرتے دن اپنے تو غیروں کی طرح راتوں کو
کیسے ہم کوچۂ ہم تاب قمر میں پھرتے

منتظر کس کے یہ رہتے ہیں کہ ہم ہر شب کو
تا سحر شام سے اٹھ اٹھ کے ہیں گھر میں پھرتے

بے زباں بند اثر دل سے شبِ وصل میں اور
فکر سو سو ہیں دلِ مرغِ سحر میں پھرتے

قلق دل سے ہے جنبش ترے پیکانوں کو
پوچھ مت حال کہ برے سے ہیں بر میں پھرتے

ایک دم گردشِ ایام سے آرام نہیں
گھر میں ہیں تو بھی ہیں دن رات سفر میں پھرتے

گر گئے تھے تو تسلی کو مری کہہ جاتے
کہ اب آتا ہوں وہ گو آٹھ پہر میں پھرتے

زرد رخ رنگ طلائی کے ہوئے دیوانے
کیمیا ساز بھی ہیں خواہشِ زر میں پھرتے

سرمہ گیں چشم کی گردش جو نہ بھا جاتی تو
خاک یوں کا ہے کو ہم ڈالتے سر میں پھرتے

جنبشِ نرگسِ جنت نے رلایا مومن چشمِ کافر کے اشارے ہیں نظر میں پھرتے

(۱۸۹)

پامال اک نظر سے قرار و ثبات ہے اس کا نہ دیکھنا نگہِ التفات ہے
پیغام بر رقیب سے ہوتے ہیں مشورے سنتا نہیں کسی کی یہ کہنے کی بات ہے
چھٹ کر کہاں اسیرِ محبت کی زندگی ناصح یہ بندِ غم نہیں قیدِ حیات ہے
کیا یوں ہی جائے گی مری فریاد سرزنش واعظ کو روزِ حشر امیدِ نجات ہے
بدنامیوں کے ڈر سے عبث تم چلے کہ میں ہوں تیرہ روز میری سحر بھی تو رات ہے
لکھا جو اس کو خط میں بلا نوشیوں کا شکر بالیدگی سے جوں خمِ گردوں دوات ہے
کیا مال ہیں کہ جاں دیں، دیتے ہیں دم تمھیں اغیار بوالہوس کی یہی کائنات ہے
کیا ابتدائے حسن میں میں تجھ پہ مر گیا خلقت کا تیری دن مرا روزِ وفات ہے
جھوٹی شراب اپنی مجھے مرتے دم تو دے یہ آبِ تلخ شربتِ قند و نبات ہے
کیوں کر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہے احتیاج مومن یہ نقدِ دل زرِ جاں کی زکات ہے

(۱۹۰)

نہ دینا بوسۂ پا گو فلک جھکتا زمیں پر ہے کہ یہ اِتنا زمیں کے نیچے ہے جتنا زمیں پر ہے
تڑپتا ہے پڑا، شوقِ شہادت خاک اور خوں میں گرا کوچے میں تیرے یہ لہو کس کا زمیں پر ہے
خرامِ ناز نے کس کے جہاں کو کر دیا برہم زمیں گرتی فلک پر ہے، فلک گرتا زمیں پر ہے
تری دوری میں بھی کیا جا۔ے جاں اس پاس جاتا ہے کہ جس نے آسماں پر سے اسے پٹکا زمیں پر ہے
رہا اس کو میں مٹی یار لے جائیں تو لے جائیں کہ پڑتا پاؤں ماہِ نشانِ پا زمیں پر ہے
نویدِ قتل سے بھی ہو دلِ مضطر کو کیا تسکیں کہ قدرِ نیم رقصِ مرغِ بسمل جا زمیں پر ہے
مری فریاد سن کہتا ہے اسرافیل حیرت سے قیامت آ گئی کیوں کر یہ غل کیسا زمیں پر ہے
گلہ ہے گردشِ چشمِ سیہ کا تیرے وحشی کو کہ تنگی سے سدا ہے بے فلک لکھتا زمیں پر ہے
وہ سر جو کل ترے زانو پہ تھا سو آج اے ظالم کبھی رہتا ہے پتھر پر، کبھی رہتا زمیں پر ہے
فرشتو لے چلے اس کو سے کیوں جنت میں تم مجھ کو بھلا کیا ساکنانِ چرخ کا دعویٰ زمیں پر ہے
ہوا مہرِ براتِ عفو نقشِ سجدہ مومن کو قدم رکھتا فلک پر ہے کہ سر رکھتا زمیں پر ہے

(۱۹۱)

کشتۂ حسرت دیدار ہیں یا رب کس کے
نخلِ تابوت میں جو پھول لگے نرگس کے

وہ چلا، جان چلی، دونوں یہاں سے کھسکے
اس کو تھاموں کہ اسے پاؤں پڑوں کس کس کے

پاؤں تربت پہ مری دیکھ سنبھل کر رکھنا
چور ہے شیشۂ دل سنگِ ستم سے پس کے

مجھ کو مارا مرے حالِ متغیر نے کہ ہے
کچھ گماں اور ہی دھڑکے سے دلِ مونس کے

کس پری روے ستم گر سے ملا دل افسوس
کس پہ دیوانہ ہوا ہوش گئے ہیں اس کے

بختِ پروانہ سے قربانِ عدو ہوں یعنی
آگ بن جاے ہے وہ گرد پھروں میں جس کے

نالۂ رشک نہ ہو باعث دردِ سرِ مرگ
غیر کے سر پہ لگاتا ہے وہ صندل گھس کے

لذتِ مرگ سے ہجراں میں دعا ہے کہ خدا
یہ مزا ہو نہ نصیبوں میں کسی بے حس کے

کیوں نہ ہم شمع کے مانند جلیں دور کھڑے
جب عدو باعثِ گرمی ہوں تری مجلس کے

یار مومن سے بھی ہیں مدعی طبع رواں
واہ افکارِ تر ان ادمغۂ یابس کے

(۱۹۲)

مجھ پہ طوفاں اٹھائے لوگوں نے
مفت بیٹھے بٹھائے لوگوں نے

کر دیئے اپنے آنے جانے کے
تذکرے جاے جاے لوگوں نے

وصل کی بات کب بن آئی تھی
دل سے دفتر بنائے لوگوں نے

بات اپنی وہاں نہ جمنے دی
اپنے نقشے جمائے لوگوں نے

سن کے اڑتی سی اپنی چاہت کی
دونوں کے ہوش اڑائے لوگوں نے

اور ہی کچھ پڑھا دیا اس کو
دشمنوں کے پڑھائے لوگوں نے

بن کہے راز ہاے پنہانی
اسے کیوں کر سنائے لوگوں نے

کیا تماشا ہے جو نہ دیکھے تھے
وہ تماشے دکھائے لوگوں نے

کر دیا مومن اس صنم کو خفا
کیا کیا ہائے ہائے لوگوں نے

(۱۹۳)

سرمگیں چشم سے کیوں تیز نظر کرتا ہے
کب مرا نالہ ترے دل میں اثر کرتا ہے

جب وہ حیرت زدہ چہرے پہ نظر کرتا ہے
آئنہ صد گلۂ آئنہ گر کرتا ہے

گر تصور سے ہوں ہم بزم تو بے تاب رہے
کس قدر وہ مرے ملنے سے حذر کرتا ہے

غمِ خط میں ترے مر جائیں تو کچھ کیا ہے عجب
زہر کو جو کوئی کھاتا ہے ضرر کرتا ہے

اک نمک داں سے تو نہ اٹھی اے قاتل
زخمِ دل عرضِ نمک دانِ دگر کرتا ہے

کیا کیا دل نے کہ آنکھوں سے کہا رازِ نہاں
ایسے غماز کو بھی کوئی خبر کرتا ہے

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو
کہ شبِ غم کوئی کس طور بسر کرتا ہے

عدم آباد سے آنا مجھے یاد آئے ہے جب
کوئی حسرت زدہ دنیا سے سفر کرتا ہے

بختِ بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں
تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

قتل کی ٹھہر گئی اپنے رقیبوں میں کہ آج
خندہ کچھ طرز دگر چاک جگر کرتا ہے

سن رکھو سیکھ رکھو اس کو غزل کہتے ہیں -
مومن! اے اہلِ فن اظہار ہنر کرتا ہے

(۱۹۴)

دیکھ گریاں مجھے وہ چشم کو تر کرتا ہے
اشک غماز بھی کیا آنکھوں میں گھر کرتا ہے

ذکر کر بیٹھیں برائی ہی سے شاید میرا
اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے

نالۂ غیرتِ بلبل سے بھڑک اٹھے ہے آگ
گل مری قبر پہ کیا کارِ شرر کرتا ہے

سدرہ ایسی نہیں غیرتِ یادِ اغیار
کب خیال اپنا ترے دل میں گزر کرتا ہے

میرے زرد آبلوں سے تختۂ صد برگ ہے دشت
ہے وہ اکسیر جنوں خاک کو زر کرتا ہے

ہے تری جائے تو ہر ایک کے دل میں کیوں کر
دیکھیے حال مرا سب کو اثر کرتا ہے

تیری غفلت سے یہ حالت ہے کہ اب دیکھ مجھے
ترک آئینہ گری آئنہ گر کرتا ہے

کیا رلاتی ہے مجھے فکرِ خیالِ دشمن
وصل میں جب وہ ادھر ہنس کے نظر کرتا ہے

اشکِ شادی نے دمِ وصل جلایا کہ مجھے
منعِ نظارہ مرا دیدۂ تر کرتا ہے

محوِ وعدہ ہے کسی بت کا تو مومن کہ نماز
پھیر کر قبلے سے منہ جانب در کرتا ہے

(۱۹۵)

فغاں کیا دم بھی لینا پارہ ہائے دل اڑاتا ہے
کہوں کیا دردِ پنہاں کی کلیجہ منہ کو آتا ہے

سنا اس نے مرا نالہ اثر بھی کچھ ہوا شاید
کہ دشمن کہہ گیا بے فائدہ کیوں غل مچاتا ہے

پری لوٹے ہے انگاروں پہ، دوزخ میں پڑیں حوریں
تمھارا حسنِ عالم سوز کس کس کو جلاتا ہے

گراں خوابی وہی ہے بختِ خوابیدہ کی اے ظالم　　مرا شورِ فغاں کا ہے کو سوتوں کو جگاتا ہے
گرائے اشک پر تاثیر کیوں خلوت میں اے آنکھو　　کوئی یوں خاک میں ایسے گہر کو بھی ملاتا ہے
کبھی کی پھر گئیں آنکھیں فرشتے بھی نظر آئے　　تمھارا منہ چھپانا دیکھیے کیا کیا دکھاتا ہے
میں ایسا ہوں کہ دوں گا تجھ کو طعنہ بے وفائی کا　　سگو تا گر نہیں دشمن سے کیوں باتیں بناتا ہے
نہ کرنی تھی نصیحت اس کے بیٹھے پر قیامت کی　　عجب فتنہ ہے ناصح بھی کہ یہ فتنے اٹھاتا ہے
خیالِ خوابِ راحت ہے علاج اس بدگمانی کا　　وہ کافر گور میں مومن مرا شانہ ہلاتا ہے

(۱۹۶)

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے　　کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے
رشکِ پیغام ہے عناں کشِ دل　　نامہ بر راہ بر نہ ہو جائے
دیکھو مت دیکھیو کہ آئینہ　　غش تمھیں دیکھ کر نہ ہو جائے
ہجرِ پردہ نشیں میں مرتے ہیں　　زندگی پردہ در نہ ہو جائے
کثرتِ سجدہ سے وہ نقشِ قدم　　کہیں پامالِ سر نہ ہو جائے
میرے تغییرِ رنگ کو مت دیکھ　　تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے
میرے آنسو نہ پونچھنا دیکھو　　کہیں دامان تر نہ ہو جائے
بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں　　کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے
اے قیامت نہ آئیو جب تک　　وہ مری گور پر نہ ہو جائے
مانعِ ظلم ہے تغافلِ یار　　بختِ بد کو خبر نہ ہو جائے
غیر سے بے حجاب ملتے ہو　　شبِ عاشق سحر نہ ہو جائے
رشکِ دشمن کا فائدہ معلوم　　مفت جی کا ضرر نہ ہو جائے
اے دل آہستہ آہِ تاب شکن　　دیکھ ٹکڑے جگر نہ ہو جائے
مومن ایماں قبول دل سے مجھے　　وہ بت آزردہ گر نہ ہو جائے

(۱۹۷)

جہاں سے شکل کو تیری ترس ترس گزرے　　جو تجھ پہ بس نہ چلا اپنے جی سے بس گزرے
نئی ہے صورِ سرافیل آہِ بے تاثیر　　کہ میرے دم پہ قیامت نفس نفس گزرے

نہ جاؤں کیوں کہ سوئے دام آشیاں سے جب
خیالِ حسرتِ مرغانِ ہم قفس گزرے

ہو اور کو تو ہدایت جو خود ہوں آوارہ
یہ عمر کاش کے جوں نالۂ جرس گزرے

وفائے غیرت شکر جفا نے کام کیا
کہ اب ہوس سے بھی اعدائے بوالہوس گزرے

یہ نیم جان و غمِ ہجر ہے وہی انصاف
جو تیرے دھیان میں اے مرگ دادرس گزرے

دکھاؤں ناقۂ لیلیٰ خرامِ ناز تجھے
کبھی ادھر سے جو اس شوخ کا فرس گزرے

نہ چھوٹے کیوں تنِ کاہیدہ سے پسینہ ہائے
طرف سے غیر کی جب نذرِ عطر خس گزرے

کہاں وہ ربطِ بتاں اب کہ اس کو تو مومن
ہزار سال ہوئے سیکڑوں برس گزرے

(۱۹۸)

کیا مرے قتل پہ ہامی کوئی جلاد بھرے
آہ جب دیکھ کے تجھ سا ستم ایجاد بھرے

خونِ دل پیتے ہیں خوکردۂ محنت اے کاش
ساغرِ دہر میں ساقی مئے بیداد بھرے

کہیں ہو جائے وصال آہ بلا سے چھوٹوں
ہجر کا دکھ کوئی کب تک دلِ ناشاد بھرے

تیشہ کچھ دشنۂ شیرویہ نہیں اے غیرت
اپنے ہی خوں سے مگر دامنِ فرہاد بھرے

ہوں میں وہ صید جگر خون اسیری مشتاق
جو پسِ ذبح بھی ہردم دمِ صیاد بھرے

پھر تو سرگوشیٔ دشمن میں بھی تاثیر نہ ہو
گر نہ کان اس کے فغان گلہ ارشاد بھرے

چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا
خون اتنا کہ سرِ نشترِ فصاد بھرے

دم بہ دم رنگ ہے تغییر مرا حیراں ہے
رنگ کیسا مری تصویر میں بہزاد بھرے

مومن اس شعلہ زبانی کی کہاں قدر مگر
منہ درِ آبلہ سے گرمیٔ فریاد بھرے

(۱۹۹)

کرتا ہے قتلِ عام وہ اغیار کے لیے
دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کے لیے

دیکھا عذابِ رنج دلِ زار کے لیے
عاشق ہوئے ہیں وہ مرے آزار کے لیے

دل عشق تیری نذر کیا جان کیوں کہ دوں
رکھا ہے اس کو حسرتِ دیدار کے لیے

قتل اس نے جرمِ صبرِ جفا پر کیا مجھے
یہ ہی سزا تھی ایسے گنہ گار کے لیے

لے تو ہی بھیج دے کوئی پیغامِ تلخ اب
تجویز زہر ہے ترے بیمار کے لیے

آتا نہیں ہے تو تو نشانی ہی بھیج دے
تسکین اضطرابِ دلِ زار کے لیے

کیا دل دیا تھا اس لیے میں نے تمھیں کہ تم
ہو جاؤ یوں عدو مرے اغیار کے لیے

چلنا تو دیکھنا کہ قیامت نے بھی قدم
طرزِ خرام و شوخیِ رفتار کے لیے

جی میں ہے موتیوں کی لڑی اس کو بھیج دوں
اظہارِ حالِ چشمِ گہربار کے لیے

دیتا ہوں اپنے لب کو بھی گل برگ سے مثال
بوسے جو خواب میں ترے رخسار کے لیے

جینا امیدِ وصل پہ ہجراں میں سہل تھا
مرتا ہوں زندگانیِ دشوار کے لیے

مومن کو تو نہ لائے کہیں دام میں وہ بت
ڈھونڈھے ہے تارِ سبحہ کے زنار کے لیے

(۲۰۰)

کہاں تک دم بہ خود رہیے، نہ ہوں کیجئے نہ ہاں کیجے
کہاں تک کھایئے غم، کب تلک ضبطِ فغاں کیجے

سوائے نقطۂ موہوم کیا وصفِ دہاں کیجے
بنا کر بات کیا کہیے جو کچھ ہو تو بیاں کیجے

سوا گل دیکھتے ہی یادِ رخ میں یار کہتے تھے
ذرا بہلایئے جی، چلیے سیرِ گلستاں کیجے

(ق)

عدو کے وہم سے تکتا ہوں بزمِ عیش میں ہر سو
نہیں ہے اور کچھ یوں آپ جو چاہیں گماں کیجے

غرض ہمسائے میں بھی اس کا رہنا کیا قیامت ہے
کہ سن لیتا ہے وہ گھر میں جو کچھ مذکوریاں کیجے

کہیں تو کیا کہیں اور بن کہے کیوں کر دوا ہووے
بڑی مشکل پڑی کیا چارۂ دردِ نہاں کیجے

وہی ہجراں ہے غم کھانے پہ کب تک زندگانی ہو
بس اب مر جایئے کچھ کھا کے عیشِ جاوداں کیجے

رکھے سے ہاتھ سینے پر بھلا کب مانتا ہے دل
نہ جب تک رویئے دو چار آہ خوں چکاں کیجے

عدو اس اوج پر شاکی ہے شاید غصہ آ جاوے
ملا دے خاک میں یہ تو بھی شکرِ آسماں کیجے

کچھ آخر حد بھی ہے جور و جفا و ظلم کی کب تک
تحمل در گزر ہر لحظہ ہر دم ہر زماں کیجے

گلا ہم کاٹ لیں گے آپ تیغِ رشک سے اپنا
عدو کو قتل کیجے پھر ہمارا امتحاں کیجے

عذابِ ایزدی جاں کاہ ہے مانا بس اب مومن
خدا کے واسطے ذکرِ ستم پائے بتاں کیجے

(۲۰۱)

اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے
نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے

حنا کے رشک سے کیوں کر نہ آئے جوش میں خوں
کسی سبب سے ہو پر وہ بھی پائمال تو ہے

ذرا تھم اے دلِ مضطر کہ فکرِ وصل کروں
شبِ قلق نہ سہی خواب بھی خیال تو ہے

زمیں لگ گئیں آنکھیں تمھاری طرح نہیں
شریکِ قتل ہو گردوں کو انفعال تو ہے

کہاں تلک گلہ ہائے تغافلِ قاتل
ہم آپ کاٹ لیں آخر یہ سر وبال تو ہے

جفائے یار کو سونپا معاملہ اپنا
اب آگے ہو نہ ہو امید انفعال تو ہے

وہ اضطراب کہاں ضعف سے مگر اب بھی
ہو آوں حضرتِ عیسیٰ تلک اتنا حال تو ہے

شبِ فراق میں بھی زندگی پہ مرتا ہوں
کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے

عبث ترقی فن کی ہوس ہے مومن کو
زیادہ ہووے گا کیا اس سے بے مثال تو ہے

(۲۰۲)

در پہ در ناصیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے

اک نظر دیکھے سے سرتن سے جدا ہوتا ہے
بے جگہ آنکھ لڑی دیکھیے کیا ہوتا ہے

شوق کم ملنے سے اندوہ فزا ہوتا ہے
ہائے پرہیز سے یہ درد سوا ہوتا ہے

چشمِ خوں بار مری آپ نے تلووں سے ملی
ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے

جاں بہ لب ہوں خبرِ وصل سنا دے قاصد
لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے

ہو کے آزردہ پشیماں ہوں کہ میں جس سے کہوں
وہی کہوے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے

دل دیا جس نے وہ ناکام رہا تا دمِ زیست
فی الحقیقت کہ برا کام برا ہوتا ہے

وا رہیں حشر تلک بہرِ دعا گو لبِ زخم
پر ترا حقِ نمک کوئی ادا ہوتا ہے

زہر نوشِ غمِ شیریں نے کہا خسرو سے
تلخیِ مرگ میں شکر کا مزا ہوتا ہے

واقعی سجدۂ در ایسی ہی تقصیر ہے اب
جور جو بندے پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے

اے دل آجانے دے اس زلفِ مسلسل کا خیال
جان کر کوئی گرفتارِ بلا ہوتا ہے

دل میں اتنا تو سمایا ہے کہ جل جاتا ہوں
سرو نوخیز جو انگشت نما ہوتا ہے

ناتوانی مری مت پوچھ کہوں کیا ہمدم
بات کہنے میں مرا دم ہی ہوا ہوتا ہے

چاک پیراہنِ گل پر تو نہ پھول اے بلبل
جامہ یاران لباسی کا قبا ہوتا ہے

ہو نہ بے تاب غمِ ہجرِ بتاں میں مومن
دیکھ دو دن میں بس اب فضلِ خدا ہوتا ہے

(۲۰۳)

اجل جاں پہ لب اس کے شیون سے ہے
یہ نادم مرے زود کشتن سے ہے

وہ بدخواہ مجھ سا تو میرا نہیں
عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے

یہ پردہ نہ ہو نیشِ زنبور کا
مشبک مرا سینہ چلون سے ہے

مرے داغ یاد آئے گل دیکھ کر
کہ بیزار وہ سیرِ گلشن سے ہے

جلانے سے بھی تیرے شاکر ہوں میں
گلہ نالۂ آتش افگن سے ہے

شبِ غم ہوئے شمع کو دیکھ کر
ہمیں خجلت اس شوخ بدظن سے ہے

مرا خون کیا بارِ گردن ہوا
کہ بے تاب وہ دردِ گردن سے ہے

کھلائے نہ کیوں سرمہ گوسالہ کو
خجل سامری چشمِ پرفن سے ہے

جہاں خاک اڑائی وہیں دب رہے
کدورت عبث فکرِ مدفن سے ہے

نئی کچھ نہیں اپنی جاں بازیاں
یہی کھیل ہم کو لڑکپن سے ہے

بگڑتے ہو کیا اب بھی کہتا ہوں میں
عیاں صلح پھر کس کی چتون سے ہے

دلِ مومن آتش کدہ کیوں بنے
لگاوٹ یہ طفلِ برہمن سے ہے

(۲۰۴)

ہے دل میں غبار اس کے گھر اپنا نہ کریں گے
ہم خاک میں ملنے کی تمنا نہ کریں گے

کیوں کر یہ کہیں منتِ اعدا نہ کریں گے
کیا کیا نہ کیا عشق میں، کیا کیا نہ کریں گے

ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی مرے قتل کی باتیں
اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کریں گے

کیا نامے میں لکھوں دلِ وابستہ کا احوال
معلوم ہے پہلے ہی کہ وہ وا نہ کریں گے

غیروں سے شکر لب سخن تلخ بھی تیرا
ہر چند ہلاہل ہو گوارا نہ کریں گے

بیمارِ اجل چارہ کو گر حضرتِ عیسیٰ
اچھا بھی کریں گے تو کچھ اچھا نہ کریں گے

جھنجلاتے ہو کیا دیجیے اک بوسہ دہن کا
ہو جائیں گے لب بند تو غوغا نہ کریں گے

دیوار کے گر پڑتے ہی اٹھنے لگے طوفان
اب بیٹھ کے کونے میں بھی رویا نہ کریں گے

گر سامنے اس کے بھی گرے اشک تو دل سے
کیوں روزِ جزا خون کا دعویٰ نہ کریں گے

کس وقت کیا مردمکِ چشم کا شکوہ
اے پردہ نشیں ہم تجھے رسوا نہ کریں گے

ناصح کفِ افسوس نہ مل چل تجھے کیا کام
پامال کریں گے وہ مجھے یا نہ کریں گے

اس کو میں ٹھہرنے نہ دیا جوشِ قلق نے
اغیار سے ہم شکوۂ بے جا نہ کریں گے

گر ذکرِ وفا سے بھی غصہ ہے تو اب سے
گو قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کریں گے

مومن وہ غزل کہتے ہیں اب جس سے یہ مضموں
کھل جائے کہ ترکِ درِ بت خانہ کریں گے

(۲۰۵)

توبہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کریں گے
وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا، نہ کریں گے

ٹھہری ہے کہ ٹھہرائیں گے زنجیر سے دل کو
پر برہمی زلف کا سودا نہ کریں گے

اندیشۂ مژگاں میں اگر خوں نے کیا جوش
نشتر سے علاجِ دلِ دیوانہ کریں گے

گر آرزوے وصل نے بیمار کیا تو
پرہیز کریں گے پہ مداوا نہ کریں گے

تشبیہ زبس دیتے ہیں لب ہاے بتاں کو
مر جائیں گے پر منتِ عیسیٰ نہ کریں گے

پھر جاے نہ تا چشمِ صنم آنکھ کے آگے
سیرِ چمنِ نرگسِ شہلا نہ کریں گے

رکھ لیویں گے پتھر مگر ان سنگ دلوں کو
چھاتی سے لگانے کی تمنا نہ کریں گے

گو دار پہ کھینچیں ہمیں دل دار نصاریٰ
پر آرزوے زلفِ چلیپا نہ کریں گے

گر حسن گلوسوز نے پھر آگ لگائی
کیوں آپ دمِ تیغ سے ٹھنڈا نہ کریں گے

ہے عہد کہ پھر جا نہ پھریں کوے بتاں میں
پھر جائیں اب اس عہد سے ایسا نہ کریں گے

کہتے ہیں یہ ہم چاٹ کے خاک اس میں ہوں گو خاک
پر اب تو زمیں بوسِ کلیسا نہ کریں گے

جوں قبلہ نما گرچہ تڑپتے ہی کٹے عمر
پر منہ سوے دیرِ صنم آرا نہ کریں گے

(ق)

اے حضرتِ مومن یہ مسلم جو ہے ارشاد
بھولے سے بھی اب ذکر بتوں کا نہ کریں گے

لیکن جو بتوں نے ہی بھلا آپ سے کی بات
پھر آپ ہی فرمائیں کہ کیا کیا نہ کریں گے

(۲۰۶)

شب تم جو بزمِ غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

پوچھا کسی پہ مرتے ہو اور دم نکل گیا
ہم جان سے عناں بہ عنانِ صدا گئے

پھیلی وہ بو جو ہم میں نہاں مثلِ غنچہ تھی
جھونکے نسیم کے یہ نیا گل کھلا گئے

اے آبِ اشک آتشِ عنصر ہے دیکھنا
جی ہی گیا اگر نفسِ شعلہ زا گئے

مجلس میں اس نے پان دیا اپنے ہاتھ سے
اغیار سبز بخت تھے ہم زہر کھا گئے

اٹھا نہ ضعف سے گلِ داغِ جنوں کا بوجھ
قاروں کی طرح ہم بھی زمیں میں سما گئے

غیروں سے ہو وہ پردہ نشیں کیوں نہ بے حجاب
دم ہاے بے اثر مرے پردہ اٹھا گئے

تھی بدگمانی اب انہیں کیا عشقِ حور کی
جو آ کے مرتے دم مجھے صورت دکھا گئے

تابندہ و جوان تو بختِ رقیب تھے
ہم تیرہ روز کیوں غمِ ہجراں کو بھا گئے

بیزار زندگانی کا جینا محال تھا
وہ بھی ہماری نعش کو ٹھوکر لگا گئے

واعظ کے ذکرِ مہرِ قیامت کو کیا کہوں
عالم شبِ وصال کے آنکھوں میں چھا گئے

جس وقت اس دیار سے اغیار بوالہوس
بد خوئیوں سے یار کی ہو کر خفا گئے

دنیا ہی سے گیا میں جوں ہی ناز سے کہا
اب بھی گمان بد نہ گئے تیرے، یا گئے

اے مومن آپ کب سے ہوے بندۂ بتاں
بارے ہمارے دین میں حضرت بھی آ گئے

(۲۰۷)

از بس جنوں جدائیِ گلِ پیرہن سے ہے
دل چاک چاک نغمۂ مرغِ چمن سے ہے

سرگرم مدحِ غیر دمِ شعلہ زن سے ہے
دوزخ کو کیا جلن مرے دل کی جلن سے ہے

روزِ جزا نہ دے جو مرے قتل کا جواب
وہمِ سخن رقیب کو اس کم سخن سے ہے

یاد آ گیا زبس کوئی مہ روے مہروش
امیدِ داغ تازہ سپہرِ کہن سے ہے

کچھ بھی کیا نہ یار کی سنگیں دلی کا پاس
سب کاوشِ رقیب بجا کوہ کن سے ہے

ان کو گمان ہے گلۂ چینِ زلف کا
خوش بو دہانِ زخم جو مشکِ ختن سے ہے

میں کیا کہ مرگِ غیر پہ دامان تر نہ ہو
وہ اشک ریز خندۂ چاکِ کفن سے ہے

کیوں کر نجات آتشِ ہجراں سے ہو کہ مرگ
آئی تو دور ہی تب و تابِ بدن سے ہے

خود رفتگی میں چین وہ پایا کہ کیا کہوں
غربت جو مجھ سے پوچھو تو بہتر وطن سے ہے

رشکِ پری کہے سے عدو کے یہ وحشتیں
نفرت بلا تمھیں مرے دیوانہ پن سے ہے

داغِ جنوں کو دیتے ہیں گل سے زبس مثال
میں کیا کہ عندلیب کو وحشت چمن سے ہے

کیوں یار نوحہ زن ہیں کہاں مرگ مجھ کو تو
لب بستگی تصورِ بوسِ دہن سے ہے

کیا کیا جواب شکوہ میں باتیں بنا گیا
لو اب بھی دل درست اسی دل شکن سے ہے

اپنا شریک بھی نہ گوارا کرے بتو
مومن کو ضد یہ کیش بد برہمن سے ہے

(۲۰۸)

وہ کہاں ساتھ سلاتے ہیں مجھے
خواب کیا کیا نظر آتے ہیں مجھے

اس پری وش سے لگاتے ہیں مجھے
لوگ دیوانہ بناتے ہیں مجھے

یا رب ان کا بھی جنازہ اٹھے
یار اس کو سے اٹھاتے ہیں مجھے

ابروے تیغ سے ایما ہے کہ آ
قتل کرنے کو بلاتے ہیں مجھے

بے وفائی کا عدو کی ہے گلہ
لطف میں بھی وہ ستاتے ہیں مجھے

حیرتِ حسن سے یہ شکل بنی
کہ وہ آئنہ دکھاتے ہیں مجھے

پھونک دے آتشِ دل داغ مرے
اس کی خو یاد دلاتے ہیں مجھے

گر کہے غمزہ کہ قتل کروں
تو اشارت سے بتاتے ہیں مجھے

میں تو اس زلف کی بو پر غش ہوں
چارہ گر مشک سنگھاتے ہیں مجھے

شعلہ رو کہتے ہیں اغیار کو وہ
اپنے نزدیک جلاتے ہیں مجھے

جاں گئی پر نہ گئی جور کشی
بعد مردن بھی دباتے ہیں مجھے

وہ جو کہتے ہیں تجھے آگ لگے
مژدۂ وصل سناتے ہیں مجھے

اب یہ صورت ہے کہ اے پردہ نشیں
تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے

مومن اور دیرِ خدا خیر کرے
طور بے ڈھب نظر آتے ہیں مجھے

(۲۰۹)

جذبِ دل زور آزمانا چھوڑ دے
پائے نازک کا ستانا چھوڑ دے

جان سے جاتی ہیں کیا کیا حسرتیں
کاش وہ دل میں بھی آنا چھوڑ دے

حال دکھلاتا ہوں شاید شرم سے
غیر اس کو منہ دکھانا چھوڑ دے

گوشِ نازک پر کسی کے رحم کر
جوشِ افغاں غل مچانا چھوڑ دے

داغ سے میرے جہنم کو مثال
تو بھی واعظ دل جلانا چھوڑ دے

پردے کی کچھ حد بھی اے پردہ نشیں
کھل کے مل بس منہ چھپانا چھوڑ دے

ہوں وہ مجنوں گر میں زنداں میں رہوں
فصلِ گل گلشن میں آنا چھوڑ دے

لب پہ حرفِ آرزو کا خوں ہوا
رنگِ پاں کا منہ لگانا چھوڑ دے

ہم نہیں اٹھنے کے تیری بزم سے پاس غیروں کا بٹھانا چھوڑ دے
اس دہن کو غنچہ اے دل کیا کہوں ڈر لگے ہے مسکرانا چھوڑ دے
وصل میں بھی دل سے غم جاوے کہاں کیا کوئی اپنا ٹھکانا چھوڑ دے
آہ میری کب دعائے نوح تھی چشمِ تر طوفاں اٹھانا چھوڑ دے
ناتوانی سے نزاکت ہے زیاد مجھ سے تو دامن چھڑانا چھوڑ دے
گر ہے مومن روزۂ وصلِ بتاں تو غمِ فرقت بھی کھانا چھوڑ دے

(۲۱۰)

پھر سینہ سوزِ داغِ غمِ شعلہ فام ہے پھر گرم جوشیِ دل و سودائے خام ہے
ہر مو پہ پھر ہے طائرِ مجنوں کا آشیاں پھر فوج فوج سر پہ مرے ازدہام ہے
پھر زیبِ سر ہے شعلۂ داغِ جنوں سے تاج پھر دور باشِ نالۂ اثر اہتمام ہے
پھر دل ہے داغ مطلعِ خورشید دیکھ کر از بس کہ یاد جلوۂ بالائے بام ہے
اس آہوئے رمیدہ کو پھر ڈھونڈھتا ہے دل رم کردہ شوقِ وصل پھر اک صید رام ہے
پھر آگیا ہے کون سے بے باک کا خیال یہ کیا ہوا کہ رخصتِ ناموس و نام ہے
جاں لوٹتی ہے پھر کہ وہی عیش ہو نصیب ہم ہیں، وہ مست ناز ہے اور دورِ جام ہے
جی چاہتا ہے پوچھے کوئی کیا وہ مر گیا پھر ایک بات کہنے میں قصہ تمام ہے
پھر تلخ کامیوں نے کیا جان و دل سے کوچ پھر آرزوئے بوسہ کا لب پر مقام ہے
چلون سے کس پری کا نظارہ ہوا نصیب پھر اپنے نیکے چھٹنے کی کیوں دھوم دھام ہے
پھر پردہ در ہے کس کی وہ انگلی ہلال سی جو مثلِ صبح چاکِ گریبانِ شام ہے
پھر کس نے مسکرا کے مجھے بے وفا کہا کیوں کہہ رہا ہوں بندہ تو صاحب غلام ہے
پھر کس نے غیر کو نہ دیا ناز سے جواب پھر خواہشِ پیامِ اجل کا پیام ہے
دیکھا نگاہِ ناز سے کس شوخ چشم نے پھر مضطرب نظر کو جہاں نیم گام ہے
کس کم سخن نے دیکھ مجھے آہ کی کہ پھر اپنے بھی چپکے رہنے میں کچھ کچھ کلام ہے
پھر کس ستم شعار نے پوچھا ہے میرا حال پھر ناصحوں کو کیوں خطرِ انتقام ہے
پھر کیوں نہ کام ہووے کہ اس کینے پر کہا سو بار مجھ کو تم سے، تمھیں مجھ سے کام ہے

پھر کچھ صدائے پا سے دلِ مردہ جی اٹھا
پھر جلوہ ریز کون قیامت خرام ہے
پھر دوریِ بتاں میں نہیں خواب کا خیال
مومن مرے بھی دین میں سونا حرام ہے

(۲۱۱)

میں احوالِ دل مر گیا کہتے کہتے
تھکے تم نہ بس بس سنا کہتے کہتے
مجھے چپ لگی مدعا کہتے کہتے
رکے ہیں وہ کیا جانے کیا کہتے کہتے
زباں گنگ ہے عشق میں گوش کر ہے
برا سنتے سنتے ؛ بھلا کہتے کہتے
شبِ ہجر میں کیا ہجومِ بلا ہے
زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے
گلہ ہرزہ گردی کا بے جا نہ تھا کچھ
وہ کیوں مسکرائے بجا کہتے کہتے
صد افسوس جاتی رہی وصل کی شب
ذرا ٹھہر اے بے وفا کہتے کہتے
چلے تم کہاں میں نے تو دم لیا ہے
فسانہ دلِ زار کا کہتے کہتے
برا ہو ترا محرمِ راز تو نے
کیا ان کو رسوا برا کہتے کہتے
ستم ہائے گردوں مفصل نہ پوچھو
کہ سر پھر گیا ماجرا کہتے کہتے
نہیں یا صنم مومن اب کفر سے کچھ
کہ خو ہو گئی ہے صدا کہتے کہتے

(۲۱۲)

مشورہ کیا کیجیے چرخِ پیر سے
دن نہیں پھرتے کسی تدبیر سے
کس طرح مایوس ہوں تاثیر سے
دم رکے ہے نالۂ شب گیر سے
میری وحشت کے لیے صحرائے قیس
تنگ تر ہے خانۂ زنجیر سے
کیوں نہ ٹپکے آب جب ٹپکے لہو
برق کٹتی ہے تری شمشیر سے
وہ مٹا دے نامۂ مضمونِ وصل
گر ہو خطِ کاتبِ تقدیر سے
یوں بنا کر حالِ دل کہنا نہ تھا
بات بگڑی میری ہی تقریر سے
انگلیوں میں خامہ جم کر رہ گیا
نامہ ہائے شوق کی تحریر سے
قہر ہے پھرنا نگاہِ یار کا
الاماں اس باز گشتی تیر سے
وحشتِ چشمِ پری رو دیکھنا
پھر گیا جی سرمۂ تسخیر سے

لے گئی جاں یادِ رونق ہائے وصل گھر مرا ویراں ہوا تعمیر سے
اے صنم مومن ہوں آخر کس طرح مجھ کو تسکیں ہو تری تصویر سے

(۲۱۳)

کیوں کہ پوچھے حالِ تلخیِ عاشقِ دل گیر سے ہو گئے ہیں بند لب شیرینیِ تقریر سے
جوشِ وحشت، کشمکش اس ناتواں دل گیر سے جو نہ در تک پہنچے صحنِ خانۂ زنجیر سے
کام ہوتے ہیں جوانوں کے سپہرِ پیر سے لے گیا ہے پشت خم شاید تری شمشیر سے
دوستو لے آؤ قاصد کو کسی تدبیر سے سر کٹائیں گے کہ اب تو جنگ ہے تقدیر سے
صبح دم جاتا ہے پہلو سے مرے وہ مہ جبیں دن سپہ ہوتے ہیں کیا کیا مہر کی تنویر سے
وہم سے خواری سے دل کو نعرۂ بنگ آ گیا ہوش جاتے ہیں تری بہکی ہوئی تقریر سے
فرطِ ضعف و جوشِ بے تابی ہے میرا حال دیکھ اشکِ خوں جاری ہیں چشمِ ہر جوان و پیر سے
ہوں غضب سے اس کے سرگرمِ فغانِ شعلہ زن جل گیا جی احتراقِ زہرہ کی تاثیر سے
لذتِ وحشت سے جلتا ہوں کہیں بھاگے نہ دل ہیں مشابہ آپ کی زلفیں بہت زنجیر سے
کام جز الفت نہیں اے کاتبِ اعمال یاں فائدہ حرفِ مکرر کی بھلا تحریر سے
طوطیاں سیکھیں کہاں سے نالۂ رشک آفریں ہو نہ زیبِ پشتِ آئینہ تری تصویر سے
ہوں سزاوارِ ستم میں نے کیا ہے جرمِ عشق بوالہوس ہیں بے گنہ پھر کیوں ڈریں تعمیر سے
اے فسوں گر چشمِ جادو پر نہیں چلتا عمل دیکھنا بھی چھوٹ نہ جائے سرمۂ تسخیر سے
حسن کی نیرنگیوں سے کم نہیں ارژنگِ عشق تو بہ تو جلوہ ملا لو رنگ کی تغییر سے
اشکِ دامانِ جواہر اور لکھی ہے غزل جس کو مفلس بھی نہ بدلے نسخۂ اکسیر سے

(۲۱۴)

جل گئے اختر یہ کس کے حسن کی تنویر سے ہے منور تر شبِ غم، مہرِ عالم گیر سے
رو دیا بے اختیار اس شوخ نے تاثیر سے دودِ دل بھی کم نہیں ہے سرمۂ تسخیر سے
چین ہو خوابِ عدم میں تو کسی تدبیر سے میرے بالش کے لیے پر لا دو اس کے تیر سے
ہو گئی ساری زمیں صرفِ حروفِ نو رقم اک جہاں ویراں ہے میرے نامے کی تحریر سے

کیوں کہا تھا یہ کہ بکتے بکتے سر پھرنے لگا — اب تو باندھوں گا میں ناصح اس کو بھی زنجیر سے

کیوں نہ مجھ سے دم وہ مہوش اب زیادہ تر کرے — بدگماں ہے سبعۂ سیارہ کی تسخیر سے

یاس محوِ قطعِ آز اور شوق بے تابِ جواب — باندھتے ہیں نامہ بالِ ہدہدِ بے تاب جواب

جی رکے ہے ضبط کرتے کرتے میں تو مر گیا — ناک میں آیا دم اس آہِ ستم تاثیر سے

صبح کیوں کر ایک دم میں ہو گئی شامِ فراق — کیا اثر ہوتا تھا تم کو نالۂ شب گیر سے

کہتے ہیں سب یہ رہا آوارہ بعدِ قتل بھی — ہو گئی کتنی مری نام آوری تشہیر سے

ان کو جلدی جانے کی مجھ کو عذابِ جاں کنی — دونوں کا دم ناک میں ہے موت کی تاخیر سے

میں نے سوچا آپ اپنے خونِ ناحق کا جواب — نام اس کا سینے پر لکھا ہے نوکِ تیر سے

غیر کے خط لکھنے کو تم نے تراشی ہے قلم — ورنہ میرے استخواں کیوں ہو گئے قطگیر سے

مار ڈالا ہم کو جورِ گردشِ ایام نے — بڑھ گئی رات اپنی روزِ حشر کی تقصیر سے

مومن اب پڑھتا ہوں وہ مضمونِ بسمل کی غزل — شوخیوں کو جس کے دعوئی ہو رمِ نخچیر سے

(۲۱۵)

ہے فسانہ ساتھ سوئے کب کسی تدبیر سے — نیند آتی ہے ہمارے خواب کی تعبیر سے

ہائے پھر مرنے لگا میں لطف کی تقریر سے — اس کا دم بھی کم نہ تھا ہرگز دمِ شمشیر سے

بزمِ دشمن سے نہ اٹھے وہ کسی تدبیر سے — مل گئے ہم خاک میں محشر تری تاخیر سے

میرے لکھنے کو مٹایا آپ نے اچھا ہوا — تھا شگوں ہی مدعا یاں نامے کی تحریر سے

جائے شربت مرتے دم بھی خوں پلایا ہائے ہائے — منہ مرا کھولا ستم پیشہ نے نوکِ تیر سے

ایسے نازک کے شمائل کیوں نہ دل میں نقش ہوں — کھنچ گیا سینے پہ نقشہ غیر کی تصویر سے

کب لگائے کاسہ گر اس لب سے جام اس خاک کا — کام ہونے کا نہیں پھر فائدہ تدبیر سے

کاٹتا ہوں عرضِ سوزش میں زباں کو دم بہ دم — میرے دندانِ ندامت کم نہیں گل گیر سے

اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہی — حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے

کب ہمارے ساتھ سوتے ہیں کہ دیکھے گا کوئی — ان کو بے تابی ہے کیوں اس خوابِ بے تعبیر سے

تم سے وہ کرتا ہے باتیں رشک سے روتا ہوں میں — سچ کہا جھڑتے ہیں موتی غیر کی تقریر سے

نالہ ہائے بوالہوس نے کھو دیا آزارِ شوق — لو ہم اچھے ہو گئے درمانِ بے تاثیر سے

ساتھ سونا غیر کے چھوڑ اب تو اے سیمیں بدن — خاک میری ہو گئی نایاب تر اکسیر سے

عشق اس قاتل کا بعد قتل بھی ہم کو رہا
ہے یہ کیسا جرم جو جاتا نہیں تعزیر سے
سر پٹکتا ہے قلق میں مومنِ خانہ خراب
مسجدیں رہتی نہیں کیا فائدہ تعمیر سے

(۲۱۶)

مومن سوئے شرق اس بتِ کافر کا تو گھر ہے
ہم سجدہ کدھر کرتے ہیں اور کعبہ کدھر ہے
بے ہوش ہے عاشق پہ یہ مست سے کم تر
تم مجھ کو تو کہتے ہو کچھ اپنی بھی خبر ہے
کھاتا ہوں محبت میں اس آداب سے میں گل
گویا شجر وادیِ ایمن کا ثمر ہے
حسرت سے میں دیکھوں تو فلک کیوں کہ نہ ہو رام
اس نرگسِ جادو کی نگہ پیشِ نظر ہے
خط کی مجھے، قاصد کو ہے انعام کی خواہش
میں دست نگر خود ہوں، وہ کیا دست نگر ہے
ارمان نکلنے دے بس اے بیمِ نزاکت
ہاں ہاتھ تصور میں مرا زیرِ کمر ہے
رندوں پہ یہ بے داد خدا سے نہیں ڈرتا
اے محتسب ایسا تجھے کیا شاہ کا ڈر ہے
ایسے دمِ آرام اثر خفتہ کب اٹھا
ہم کو عبث امید دعا ہائے سحر ہے
ہم حال کہے جائیں گے سنیے کہ نہ سنیے
اتنا ہی تو یاں صحبتِ ناصح کا اثر ہے
وہ ذبح کرے اور یہاں جان فدا ہو
ایسے سے نبھے یوں یہ ہمارا ہی جگر ہے
اب بھی نہیں جاتی ترے آ جانے کی امید
گو پھر گئیں آنکھیں پہ نظر جانبِ در ہے
دل کھول کے مل لیجیے مومن صنموں سے
اس سال میں گر سوئے حرم عزمِ سفر ہے

(۲۱۷)

بندھا خیال جناں بعد ترکِ یار مجھے
کیا ہے یاس نے کیا کیا امیدوار مجھے
نہ آسمان کا رخ پھیر دوں جدھر چاہوں
دیا ہے کیا طپشِ دل نے اختیار مجھے
وہ شام وعدہ جو آئے تو بے خود و سرمست
رہا وصال میں بھی وہ ہی انتظار مجھے
وہ رندِ خم کدہ کش ہوں کہ زہر دیتے ہیں
بہ تنگ آ کے حریفانِ بادہ خوار مجھے
نہ ہو وہ بات کہ جس سے وفا میں آئے خلل
کہیں نہ کیجیو ناصح سے شرمسار مجھے
بہ قدرِ جوشِ تڑپنے کو تھا ولے پسِ قتل
وہ بے قرار ہوئے آ گیا قرار مجھے
امیدِ مرگ پہ ہر فتنہ راحتِ جاں ہے
شبِ فراق میں کیا بیمِ روزگار مجھے
قرانِ انجمِ سیارہ برجِ آبی میں
ڈبوئے گی مری چشمِ ستارہ بار مجھے
اگر حسابِ وفا امتحاں کے بعد نہ ہو
قبول عذر ستم ہائے بے شمار مجھے

شبِ وصال میں سب قطرہ قطرہ مے پی لی
رہا نہ وسوسۂ چارۂ خمار مجھے

رقیب کھائے قسم تو وفا کا آئے یقیں
تو میری جان ہے کیا تیرا اعتبار مجھے

نہ سیرِ گل نہ قدح نوشی اس کے ساتھ ہوئی
غمِ خزاں ہے نہ کچھ حسرتِ بہار مجھے

پس شکستنِ خم زجرِ محتسب معقول
گناہ گار نے سمجھا گناہ گار مجھے

لبوں پہ جان ہے ایسی بھی کیا ہے بے دردی
نہ قرض دیتے ہو بوسہ نہ مستعار مجھے

نہ کام زور سے نکلا ، نہ عجز کام آیا
بس اب تو چین دے اے شوقِ ہرزہ کار مجھے

خدا کرے ملک الموت ان سے پہلے آئے
بہت سی لیتی ہیں جانیں پئے نثار مجھے

کیے ہیں طولِ امل نے تمام کام خراب
ہمیشہ نظمِ جہاں کے ہیں کاروبار مجھے

ہر آن آن دگر کا ہوا میں عاشقِ زار
وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے

ثوابِ ترکِ صنم ہیچ سہی ولے مومن
یہ کیا سبب کہ سناتے ہو بار بار مجھے

(۲۱۸)

دعا بلا تھی شبِ غم سکونِ جاں کے لیے
سخن بہانہ ہوا مرگِ ناگہاں کے لیے

نہ پائے یار کے بوسے، نہ آستاں کے لیے
عبث میں خاک ہوا میلِ آسماں کے لیے

خلافِ وعدۂ فردا کی ہم کو تاب کہاں
امید یک شبہ ہے یاسِ جاوداں کے لیے

سنیں نہ آپ تو ہم بوالہوس سے حال کہیں
کہ تخت چاہیے دل اپنے رازداں کے لیے

حجابِ چرخ بلا ہے ہوا کرے بے تاب
فغاں اثر کے لیے اور اثر فغاں کے لیے

ہے اعتماد مرے بختِ خفتہ پر کیا کیا
وگرنہ خواب کہاں چشمِ پاسباں کے لیے

مزہ یہ شکوے میں آیا کہ بے مزہ ہوئے وہ
میں تلخ کام رہا لذتِ زباں کے لیے

لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سوداگری زیاں کے لیے

وہ لعل روح فزا دے کہاں تلک بوسے
کہ جو ہے کم ہے یہاں شوقِ جاں فشاں کے لیے

ملے رقیب سے وہ جب سنا وصال ہوا
دریغ جان گئی ایسے بدگماں کے لیے

کہاں وہ عیشِ اسیری، کہاں وہ امنِ قفس
ہے بیمِ برقِ بلا روزِ آشیاں کے لیے

جنونِ عشقِ ازلی کیوں نہ خاک اڑائیں کہ ہم
جہاں میں آئے ہیں ویرانیِ جہاں کے لیے

بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے موئے
ہمیں بھی دینی تھی جاں اس کے امتحاں کے لیے

روانی فزائی سحرِ حلال مومن سے
رہا نہ معجزہ باقی لبِ بتاں کے لیے

(۲۱۹)

نہ ربط اس سے، نہ یاری آسماں سے
جفا بہرِ عدو لاؤں کہاں سے

یہ حالت ہے تو کیا حاصل بیاں سے
کہوں کچھ اور کچھ نکلے زباں سے

قیامت مرتے دم آئی فغاں سے
جہاں لے کر چلے ہیں ہم جہاں سے

شبِ وصل آپ کا عذرِ نزاکت
بجا ہے، پر نہ مجھ سے نیم جاں سے

برا ہے عشق کا انجام یارب
بچانا فتنۂ آخر زماں سے

رہی شب کی سی بے تابی تو ہر روز
چرائیں گے ہم آنکھیں پاسباں سے

وہ آیا خاک پر تو بھی نہ اٹھے
ہوئے ہم کیا سبک خوابِ گراں سے

مرا بچنا برا ہے، آپ نے کیوں
عیادت کی لبِ معجز بیاں سے

ملے دشمن سے کیوں کر بے حجاب آپ
نہ شرم آئی مرے شوقِ نہاں سے

مرے گھر آپ یوں جاتے تھے کس دن
اٹھانا مدعا ہے آستاں سے

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر آپ
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

(ق)

گر اپنے وہم ہی سے اس نے پوچھا
مرا احوال میرے راز داں سے

نہ بولوں گا، نہ بولوں گا کہ میں ہوں
زیادہ بدگماں اس بدگماں سے

نہ نکلی ہائے یوں بھی حسرتِ دل
بہے سو بحر چشمِ خوں فشاں سے

نہ بجلی جلوہ فرما ہے تو صیاد
نکل کر کیا کریں ہم آشیاں سے

اٹھے دیوار کیا جب خانۂ غیر
بنے میرے غبارِ ناتواں سے

جہاں سے تنگ تر جنت نہ ہو جائے
بہت حسرت بھرا جاتا ہوں یاں سے

برا انجام ہے آغازِ بد کا
جفا کی ہو گئی خو امتحاں سے

خدا کی بے نیازی ہائے مومن
ہم ایماں لائے تھے نازِ بتاں سے

فردیات

قلق نے شب یہ گھبرایا نہ جب وہ ماہ رُو آیا
کہ جب اچھلا زمیں سے دامنِ گردوں کو چھو آیا

اس ستم کیش نے یہ اپنے نصیبوں کا لکھا
خط بھی لکھا تو سلام اس میں رقیبوں کا لکھا

جوڑا کھلا تو زلفِ سیہ فام میں پھنسا
چھوٹا تھا دل قفس سے سو پھر دام میں پھنسا

سیئہ مجنوں کی جانب دیکھ کر رخ کیجیو
محملِ لیلیٰ کہیں مت سنگِ طفلاں توڑتا

عطر ملتا تھا وہ عذرِ بد دماغی کے لیے
دور سے دیکھا عدو کو ہاتھ مل کر رہ گیا؟

نہ کیوں کر دیکھ مجھ کو رنگ بدلے اس پری رو کا
پلٹنا ان نگاہوں کا الٹ جانا ہے جادو کا

بدایوں میں مجھے جوشِ جنوں لایا ہے دلی سے
یہ کیوں کر چارۂ پندِ خردمنداں کا ہوش آیا

وقتِ وداع یار عجب اپنا حال تھا
کیا کرتے ہرہی کہ ٹھہرنا محال تھا

جاں باز مومن اس نے دیا غیر کو خطاب
ہم جان پر بھی کھیلے پہ نام اور کا ہوا

رحم کرنے کا نہیں مومن وہ کافر کیش پھر
فائدہ رونے سے سر چوکھٹ سے حاصل توڑنا

تھے ہمیں مومن کی خود داری پہ کیا کیا اعتماد
کیا خبر تھی یہ کہ یوں محوِ بتاں ہو جائے گا

تمھیں ملنا تھا دشمن سے تو ملتے
ولے یک چند ترسایا تو ہوتا

بارے محشر میں بگڑنا تو ہمیں بن آیا
کہہ اٹھے خاک سے جب وہ سرِ مدفن آیا

جان دی اور اس وفا پر امتحاں باقی رہا
حشر کی فریاد کا اس کو گماں باقی رہا

ہے زمیں سب فتنہ خیز اس کے خرامِ ناز سے
یہ قیامت کیسی آئی آسماں باقی رہا

خیالِ نرگسِ بے گوں میں مر گئے ہیں ہم
نہ کیوں کہ لوگ چئیں اپنی بزمِ غم میں شراب

محروم ہوا مومنِ ناکامِ محبت
اے اہلِ محبت، یہ ہے انجامِ محبت

درِ بت خانہ پہ کھڑا تھا آج
مومنِ دیں دار کیا باعث

جس سے ہمیں ہے کام اسی خود کام کے باعث
ہم نام سے صحبت ہے تو کیوں نام کے باعث

بھیج قاصد اے دل جو اور معتمد سا بھیج
تیرے واسطے میں نے دل رکھا ہے منگوا بھیج

۱۔ چکھا۔

اے غیر کے پاس سنتے نہیں ہیں
زیادہ ہمیں ہوش سے بھائے ہے غش

میں تو دیوانہ ہوں مومن کا کہ ہے اس شخص کو
اس قدر وحشی مزاجی پر بھی اک عالم سے ربط

سمجھے ہیں شورِ محبت کا مزا لذت نصیب
تجھ سے اے ناصح کہے کیا کوئی غم کھانے کا خط

مجھ پہ ہنستے تو ہیں پر دیکھنا روئیں گے رقیب
لبِ خنداں کی قسم ، دیدۂ گریاں کی قسم

خوش نہ کیوں کر ہوں میں کافر کو مسلماں کر کے
مومن اس بت نے دلائی مجھے ایماں کی قسم

بے جا کدورتوں سے تری دم ہے ناک میں
مل جاؤں کاش پر اسی کوچے کی خاک میں

مضمون بسمل ان کے کہوں کیا عتاب میں
قاصد کی لاش آئی ہے خط کے جواب میں

دستِ جنوں کے جائیے صدقے کہ چین سے
پھیلائے پاؤں ہم نے گریباں کے چاک میں

ساقیا زہر دے ہجراں میں کہ بے ہوش ہوں میں
کاسۂ عمر ہو لب ریز تو مے نوش ہوں میں

نہ کیوں اٹھ جائیں اس محفل سے جب یہ طور ہم دیکھیں
لڑائے آنکھ تو غیروں سے بیٹھا اور ہم دیکھیں

ہے لطف بناوٹ کا ہم خوب سمجھتے ہیں
یہ طور لگاوٹ کا ہم خوب سمجھتے ہیں

مجھ کو کیا کام کہ آئینے کی حیرت دیکھوں
دیکھ تو آئنہ اور میں تری صورت دیکھوں

جیوں یا مر چکوں یوں نزع کب تک
ادھر ہو جاؤں یا رب یا ادھر میں

نہ ہو تو بیٹھے بٹھائے خراب اے مومن
لڑا نہ اُس بتِ خانہ خراب سے آنکھیں

مری تربت پہ کیا ہے کام شمع و گل کا اے یارو
یہاں پروانہ و بلبل کے اک دو چار پر دیکھو

خوش آئے مجھ کو صبا کب گلوں کی باغ میں بو
بھری ہوئی ہے یہاں اور ہی دماغ میں بو

بہائیں کیا کہیں اب دیدۂ اعدا سے ہم آنسو
کہ بن کر بہہ گئی اے شوقِ گریہ چشمِ نم آنسو

یارو کسی صورت سے تو احوال جتا دو
دروازے پہ اس کے مری تصویر لگا دو

میں تو بولا ہی نہیں کس نے کیا ہے شکوہ
جھوٹ طوفاں نہ اٹھا خیر ہے برہم مت ہو

گریۂ شب نے بھگویا ہے اب اے آہِ سحر
تیری گرمی سے جو بستر نہ جلے خشک تو ہو

یہ حالت بن گئی مومن ذرا کچھ منہ سے تو پھوٹو
تمھیں کیا ہوگیا یہ دل دیا کس شوخ کافر کو

ہو صورت خاک دل لگنے کی جنت میں بھلا مومن
مری نظروں میں ہے شاہ جہاں آباد کا نقشہ

سنگِ مرقد سے مرے فیض ہے سب کو مومن
ہوں جہاں خاک بھی طوطیِ پسِ آئینہ

چاک کر کھول دیا گرچہ یہ سینہ تو نے
تو بھی دل کی نہ گرہ ناخنِ شمشیر کھلی

لچھے ریشم کے نہ ہاتھوں میں پہن
دیکھ نازک ہے کلائی تیری

ہجر کی شب اور یادِ زلف نے لوٹا مجھے
جی وہ آ کر لے گئی اور دل یہ آ کر لے گئی

یہ جان و دل پیام. یار کی تعظیم کی ہم نے
سلام اس کا کہا قاصد نے جاں تسلیم کی ہم نے

اے ماتمِ فراقِ اجل سے بچا بچا
رکھا تھا میں نے جان کو کیا تیرے واسطے

اس نے نامہ لکھا نصیب پھرے
نامہ بر کیا پھرا ، نصیب پھرے

جہاں نے جوں خاک ہم کو رونڈا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے
ہوئی ہے مٹی خراب کیا کیا نہ تم سے ملتے نہ ایسے بنتے

بھا کب اشک آ کر اس کی چشم سرمہ گیں میں ہے
عصائے آبنوسی دستِ بیمارِ حزیں میں ہے

چھیڑ دیکھو. جو سنا نالۂ موزوں میرا
غیر سے شوخ نے اشعار فغانی مانگے

ستم گر پوچھتا ہے حال کیا بیمار کا اپنے
کوئی دم کا ، گھڑی کا ، لحظے کا ، ساعت کا مہماں ہے

خدا کے واسطے اب تو جنوں ہو سلسلہ جنباں
کوئی دیوانۂ وحشت زدہ تا دست و پا کھولے

جنبش نہ دیجے ابروئے خوش خم کو دیکھیے
تیغ ستم کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے

دیکھا ہے خواب میں یہ کس آرام جاں کو ہائے
غش پہروں آپ جان کے رہتے ہیں ہم پڑے

باقی نہیں رہا ہے کچھ تن میں حال اپنے
اک ایک موئے سر ہے سر کا وبال اپنے

یاں یہ ٹھہری ہے کہ اب بیڑی پنہانی چاہیے
ان کو مقناطیس کی چوکھٹ لگانی چاہیے

جو بعدِ مرگ بھی الفت کا کچھ اثر ہو جائے
ہماری خاک پہ ہو جائے، یار پہ ہو جائے

کافر اسے بتانا تھا یہ کیا کیا جو
مومن سے مل کے تم بھی مسلمان ہوگئے

دو ہی دن ہے شب و روزِ غم و شادی مومن
کچھ ہمیشہ نہ رہے گا نہ رہا یاد رہے

رباعیات

(۱)

تھا ہم سے بھی ربط بے وفا یا کہ نہ تھا
ایسی ہوئی کچھ کبھی بھی گویا کہ نہ تھا
یاروں میں تمہارے ہم بھی تھے یا کہ نہ تھے
دیکھو تو ادھر کو کبھی کچھ تھا کہ نہ تھا

(۲)

ہو حق وفا ادا قضا نے چاہا
کعبے کا سفر بختِ رسا نے چاہا
ہے ترک علاج ان بتوں کا مومن
دیکھو چاہیں گے گر خدا نے چاہا

(۳)

کیا گوشۂ خفا میں انجمن میں بھی تو تھا
کیا دشت کہ تنگ دل چمن میں بھی تو تھا
کچھ اور نہیں سفر میں ایذا لیکن
اک درد ہے دل میں سو وطن میں بھی تو تھا

(۴)

جب سے وہ گئے ادھر نہیں یاد کیا
بھیجی نہیں کچھ خبر، نہیں یاد کیا
ہم یاد میں جس کی آہ سب کچھ بھولے
اس نے ہمیں بھول کر نہیں یاد کیا

(۵)

گر جور و ستم پہ طبع آئی اچھا
ہے شوق محبت آزمائی اچھا
یاں روزِ جزا کی آس ہے روزِ فزوں
کر لیجے جو ہو سکے برائی اچھا

(۶)

گر دل میں اثر نہ تیرے غم کا ہوتا
کاہے کو یہ لوٹنا تڑپنا ہوتا
کیسی آرام سے گذرتی اوقات
اے کاش کہ میرا دل بھی تجھ سا ہوتا

(۷)

محرومِ حصولِ مدعا نے چاہا
حسرت زدہ بختِ نارسا نے چاہا
مومن اس بت نے گر نہ چاہا نہ سہی
ہم خوش ہیں اسی میں جو خدا نے چاہا

(۸)

کیوں مد نظر ہے تم کو مرنا میرا
کیوں بھائے ہے جان سے گزرنا میرا
ہے روز وصال یا کہ عیدِ قرباں
واجب گنتے ہو ذبح کرنا میرا

(۹)

جام آپ نے دم بہ دم دیے ہیں کیا کیا
خوں نابۂ درد و غم پیے ہیں کیا کیا
کچھ کش مکشِ صبر و جفا کی حد ہے
انصاف کرو ستم کیے ہیں کیا کیا

(۱۰)

رباعی مستزاد

گہ دین میں تھا لقب یگانا اپنا تھے بت سے خفا
گاہے صنموں کو ہم نے جانا اپنا اللہ ری خطا
سب دیر و حرم کی خاک چھانی مومن کیا خاک کہیں
دیکھا تو کہیں نہیں ٹھکانا اپنا جی بیٹھ گیا

(۱۱)

جب پاسِ وفا اسے ہمارا نہ رہا
ہم کو بھی خیالِ دوستی کا نہ رہا
قربان میں کس ادا سے کہتا ہے تمھیں
اتنے ہی میں عاشقی کا دعوا نہ رہا

(۱۲)

کیا ظلم یہ اے نالۂ بے باک کیا
اس شعلہ مزاج کو غضب ناک کیا
افسوس وہ لعل لب نہیں گرمِ سخن
اس آتشِ خاموش نے جی خاک کیا

(۱۳)

یوں کا ہے کو یار بے وفا جانا تھا
یوں کاہے کو دشمن آشنا جانا تھا
ایسا کہیں آتا ہے دل ایسے پر بھی
کیا جانیے میں نے تم کو کیا جانا تھا

(۱۴)

اندیشۂ پایانِ جفا کرتا تھا
نادان ذرا پاسِ وفا کرتا تھا
غیروں کے لیے ہاتھ سے کھویا ہم کو
کیا تم نے کیا اور آہ کیا کرتا تھا

(۱۵)

ہنگامۂ حشر جب کہ برپا ہوگا
یوں روے سوال سوے اعدا ہوگا
اولادِ نبی پہ ظلم کیا کیا نہ کیے
سمجھے نہ یہ تم کہ ہم پہ کیا کیا ہوگا

(۱۶)

روشن ہے جو ہے آلِ عبا کا پایا
ہاں مرتبہ تسلیم و رضا کا پایا
قندیل ہے عرش کی جو ہر جانِ شہید
کیا ہوئے گا، شاہِ شہدا کا پایا

(۱۷)

ہے عہد شباب زندگانی کا مزا
پیری میں کہاں وہ نوجوانی کا مزا
اب یہ بھی کوئی دن میں فسانہ ہوگا
باتوں میں جو باقی ہے کہانی کا مزا

(۱۸)

ہے طرفہ ستم ان کے پھر گھر جاتا
حسرت زدہ جیتا بھی ہے گو مر جاتا
پر مجھ کو سحر تلک نہ جینے دے گا
تیرا یہ شب بہ خیر کہہ کر جاتا

(۱۹)

مومن کو رفیقِ گبر و ترسا دیکھا
پھر طائفِ کعبۂ معلّیٰ دیکھا
ہندی صنم اب ہیں جستجو میں بے تاب
اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھا

(۲۰)

لکھا نہ گیا اگرچہ دفتر لکھا
لکھا وہی بالکل کہ ہے دل پہ لکھا
حیراں ہوں کہ جو حالِ پریشاں ہے مرا
یہ کاتبِ تقدیر نے کیوں کر لکھا

(۲۱)

رباعی مستزاد

مومن دل سا مکاں جو برباد دیا — مانندِ حباب
ان سنگ دلوں کو دے کے کیا خاک کیا — جز رنج و عذاب
یعنی وہ مکاں کہ تھا خدا کا مسکن — کہ نذرِ بتاں
برباد کیا اسے یہ کیا کام کیا — اے خانہ خراب

(۲۲)

کیا کہیے ہوا جو ضعف سے حال خراب
کیا ذکرِ طعام پی نہیں سکتا آب
منہ خاک چلے ہے ، لب کی جنبش معدوم
لوں تاب و تواں کا نام میری کیا تاب

(۲۳)

ہے شرم گنہ سے جان کیسی بے تاب
یہ ذکر جہاں ہوا ، ہوا جی بے تاب
یا رب کہ موثر ہو یہ کہنا میرا
یا رب ہے ترا بندۂ عاصی بے تاب

(۲۴)

اے خواجۂ خواجگاں دمِ خشم و عتاب
کیا تاب کہ دے سکے کوئی تجھ کو جواب
گر جرم کا میرے وزن کرنا ٹھہرا
انصاف سے کر اپنے کرم کا بھی حساب

(۲۵)

یہ چند منافق سراپا بدعت
ہے کفر و ضلال و فسق جن کی طینت
بتلاتے ہیں بدعتی امامِ حق کو
گویا کہ جہاد ہے خلافِ سنت

(۲۶)

رو رو کے کہا اس سے ملاقات کی رات
رو رو کے کٹیں ہجر کی راتیں ہیہات
اب ذکرِ شبِ وصل ہے احباب سے اور
رونا وہی زار زار یہ ہے کیا بات

(۲۷)

اے حلقۂ زلف دام داری ہے عبث
اے ناز و ادا کمیں ہماری ہے عبث
یاں دل سے قرار جا چکا ہے کب کا
اے شوخیِ یار بے قراری ہے عبث

(۲۸)

درماں میں مرے طبیب کو غور ہے آج
معلوم ہوا مزاج بے طور ہے آج
اس حال میں کل تلک تو جینا معلوم
آج آؤ کہ زندگی مری اور ہے آج

(۲۹)

پامال ہوں میں اگر جفا سے ناصح
کیا کام تجھے، تیری بلا سے ناصح
جس بت کو کہ پوجے خلق دل میں بھی
کیا ظلم ہے ڈر ذرا خدا سے ناصح

(۳۰)

جوں ماہ میں عمر بھر پھرا ہوں اے چرخ
ہر شہر میں در بہ در پھرا ہوں اے چرخ
ان سا کوئی مہروش تو دیکھا ہی نہیں
میں تجھ سے زیادہ تر پھرا ہوں اے چرخ

(۳۱)

مومن نے کیا نامِ محبت برباد
ہے طوفِ حرم میں اور کیا کیا شاد
آتا ہے یہ جی میں پوچھیے کیوں حضرت
اب بھی وہ بتوں کے گرد پھرتا ہے باد

(۳۲)

یہ کچھ رہِ سنت نہ طریقِ توحید
پھر کیا ہے ضرور سب کی یکساں فہمید
ہم سمجھے ہیں معنیِ حقیقی یعنی
حیواں ہیں حقیقت میں یہ اہلِ تقلید

(۳۳)

مومن نہیں زہدِ بے ریا سے امید
کیا شیخ بتوں کسی دعا سے امید
جب رحم محبتِ صنم میں نہ کیا
کیا عشقِ حقیقی میں خدا سے امید

(۳۴)

کرتا ہے لگاوٹیں وہ رشکِ مہِ عید
بے وجہ نہیں ہے جوشِ دریائے امید
پانی اس نے جو تجھ پہ پھینکا مومن
تر دامنیِ وصال کی ہے یہ نوید

(۳۵)

کیا سخت تھے ابن سعد اور ابن زیاد
اولادِ نبی پہ ہے ستم یہ بیداد
فریاد امام کی کسی نے نہ سنی
اللہ سنے مقلدوں کی فریاد

(۳۶)

کیا ڈر ہے اگر نیند نہ آئی یک چند
بے خوابیِ ہر روزہ سے میں ہوں خرسند
معلوم ہوا ابھی خدا کو میرے
منظور نہیں کہ میری آنکھیں ہوں بند

(۳۷)

تہمت ترے عشق کی لگا دی مجھ پر
کر دی مری جاں حرام شادی مجھ پر
نہ دن کو قرار اور نہ ہے رات کو خواب
دل نے مرے ہائے کیا بنا دی مجھ پر

(۳۸)

یاں رشکِ کمال و ناتمامی ہے لذیذ
کیوں کر نہ جلوں وفا کی خامی ہے لذیذ
خوں نابۂ دردو تندی ے میں ہے فرق
افسوس، عدو کی تلخ کامی ہے لذیذ

(۳۹)

امواجِ فرات دیکھ روئے شبیر
حسرت سے یہ خوں نابہ فشاں کی تقریر
ہیں اپنے ہی امتی لہو کے پیاسے
کیا تشنگیِ آلِ نبی کی تدبیر

(۴۰)

مومن ہے اگرچہ سب اسی کا یہ ظہور
توحیدِ وجودی کا نہ کرنا مذکور
یعنی کہ بنائے ہیں خدا نے بندے
بندے کو خدا بنائے کس کا مقدور

(۴۱)

ہے ضعف سے دل پہ ہاتھ دھرنا دشوار
جب دم نہ رہا تو نام کرنا دشوار
اس پر یہ غضب کہ حسرتوں کا ہے ہجوم
جینا دشوار ، مجھ کو مرنا دشوار

(۴۲)

ہر چند نہیں قیاس سے کچھ سروکار
پر توبہ سے از بس کہ ہوا میں بیمار
ہے بہرِ دوا پینے کو مفتی کے حضور
تقلیدِ ابو حنیفہ کا ہے اقرار

(۴۳)

خلوت میں نہ تھا کوئی فقط میں اور یار
سب صبح دم آئے ہیں رفیق و غم خوار
جو لطف اٹھائے ہیں شبِ وصل اس نے
وہ قصہ کہے کون کہ بہلے دلِ زار

(۴۴)

ہے بس کہ محبتِ رسول مختار
مذہب کو میں سوچتا ہوں لیکن ہر بار
آتا ہے قیاس میں حق اہلِ حدیث
ہر چند قیاس سے نہیں ہے سروکار

(۴۵)

کعبے سے اٹھا ابر ہمیں سوجھی دیر
پرہیز پہ بے راہ روی دیکھو سیر
واللہ بڑا ہے ابرِ رحمت کا ہجوم
توبہ کی نہیں آج نظر آتی خیر

(۴۶)

ہم بو الہوس اور یار ٹھہرے جاں باز
ہم غیر بنے ، عدو ہوئے محرمِ راز
گو بات بگڑ گئی پہ سب کچھ بن آئے
گر ہوئے موافق یہ سپہر ناساز

(۴۷)

تشریف وہ یاں نہ لائے افسوس افسوس
مرتے دم بھی نہ آئے افسوس افسوس
سب رہ گئیں دل کی حسرتیں دل ہی میں
افسوس افسوس ، ہائے ! افسوس افسوس

(۴۸)

کہتا ہوں میں اک بات بہ تعلیم سروش
کرلے جسے تسلیم ہر اک صاحب ہوش
مدت سے کہے نہیں جو تم نے اشعار
تب کا نہیں یہ گرمیِ مضموں کا ہے جوش

(۴۹)

جلتی ہے تمام رات جس طرح سے شمع
روتی ہے ہمارے سات کس طرح سے شمع
پر شعلہ زبانی ہے یہاں روز فزوں
کیا بات کہے یہ بات اس طرح سے شمع

(۵۰)

پروانے کو کس لیے جلایا اے شمع
بے جرم کو خاک میں ملایا اے شمع
سر کٹنے سے بھی ذرا شرارت نہ گئی
تونے تو غضب ہی سر اٹھایا اے شمع

(۵۱)

ہر روز ہوں مثلِ مہر سر تا پا داغ
ہر رات ہے سوزِ سینہ مانندِ چراغ
سیماب کی طرح جانِ مضطر کے سبب
مر کر بھی ہوا نہ مجھ کو جلنے سے فراغ

(۵۲)

گہ دھیان ہے طالعِ بد اختر کی طرف
گہ چشمِ امید لطفِ دل بر کی طرف
ہے خوفِ بلا و انتظارِ جاناں
اک آنکھ ہے سوئے چرخ اک در کی طرف

(۵۳)

تاثیر نہ کی عشق نے اپنے مطلق
چھیڑے ہے زیادہ شوخ ہنگامِ قلق
گلگونہ لالہ رنگِ خوں نابہ کو دیکھ
کہتے ہیں وہ کیا ہی منہ پہ پھولی ہے شفق

(۵۴)

مومن شوقِ گناہ گاری کب تک
اے تیرہ دروں سیاہ کاری کب تک
مان اپنے خدا کو باز آ بہرِ خدا
اے دشمنِ دیں ! بتوں سے یاری کب تک

(۵۵)

خاطر میں یہ کلفتیں نہ لائیں کب تک
صحرا پہ خاک اڑائیں کب تک
ناچار جہان سے ہم اٹھ جائیں گے
جور و ستمِ فلک اٹھائیں کب تک

(۵۶)

ہر ایک پہ کھل رہا ہے سارا احوال
مشہور ہے خلق میں ہمارا احوال
افسوس یہ پوچھنا کہ احوال ہے کیا
معلوم ہوا مجھے تمہارا احوال

(۵۷)

مومن تب و تابِ غم میں رونے سے حصول
پھل پا چکے مفت جان کھونے سے حصول
یہ تخم کہیں ہوا ہے سرسبز اب تک
اس دانۂ سوختہ کے بونے سے حصول

(۵۸)

کیوں زرد ہے رنگ، کس لیے آنسو لال
کس واسطے ہر گھڑی رہے ہے تو نڈھال
کیا شکل یہ بن گئی ہے تیری مومن
کیا ہوگیا تجھ کو کیوں ہے تیرا یہ حال

(۵۹)

بدنام کیا ترا برا ہو اے دل
ناکام کیا ترا برا ہو اے دل
مومن کو بتوں سے کیا سروکار بھلا
کیا کام کیا ترا برا ہوا اے دل

(۶۰)

میں شمع نہیں میرے رلانے سے حصول
لوبان نہیں میرے جلانے سے حصول
ہوں خردۂ گل نہ آبِ بارانِ بہار
ظالم مرے خاک میں ملانے سے حصول

(۶۱)

معلوم ہے رنج کا جو سارا احوال
ہے تم سے زیادہ تو ہمارا احوال
واں تن پہ ہے صدمہ اور یہاں جان پہ ہے
اپنا کہیں یا سنیں تمھارا احوال

(۶۲)

مصروف روائے کار تھے ہر جا ہم
کام آئے ہر ایک شخص کے کیا کیا ہم
پر جس کے ہوئے نہ جانا اس نے اپنا
دنیا میں مکانِ وقف تھے گویا ہم

(۶۳)

کس واسطے متصل رلاتا ظالم
یوں کس لیے دم بہ دم جلاتا ظالم
ہوتی ہے ادا اگر قضا ہو بیداد
ہے فرض مگر مرا ستاتا ظالم

(۶۴)

ہے تم کو عداوت آزمانا معلوم
کیا زیست کہ گور پر بھی آنا معلوم
ہم جان سے جائیں یا جہاں سے لیکن
ہو آپ کے دل میں کچھ ٹھکانا معلوم

(۶۵)

تابندگیِ عذار سے فرقِ امام
تھا جلوہ نما سناں پہ جوں ماہِ تمام
یہ حجتِ ساطع کراماتِ حسین
افزوں ہوئی تیرہ روزیِ لشکرِ شام

(۶۶)

خالص ہوں محمدی مرا دین اسلام
گو رائے صواب ہو نہیں مجھ کو کام
تقلید کی ٹھہری تو بنوں گا شیعہ
کس واسطے چھوڑ دیجیے افضل تر امام

(۶۷)

مومن تمھیں کچھ بھی ہے جو پاسِ ایماں
ہے معرکۂ جہاد چل دیجیے واں
انصاف کرو خدا سے رکھتے ہو عزیز
وہ جاں جسے کرتے تھے بتوں پر قرباں

(۶۸)

اس طالعِ شور کا تو چارا ہی نہیں
دنیا میں علاج ایک ہمارا ہی نہیں
اغیار کو نوشِ جاں ہے وصل کہ یاں
جز شربتِ مرگ کچھ گوارا ہی نہیں

(۶۹)

مومن رہِ عشق آہ کچھ خوب نہیں
واللہ بتوں کی چاہ کچھ خوب نہیں
آ مان کہا نہ جا سوئے بت خانہ
کچھ خوب نہیں یہ راہ ، کچھ خوب نہیں

(۷۰)

اب ہم پہ جو ہر گھڑی وہ جھنجلاتے ہیں
الطافِ قدیم آہ یاد کرتے ہیں
تھا یا تو وہ لطف یا یہ نفرت واللہ
لوگ ایسے بھی دنیا میں بدل جاتے ہیں

(۷۱)

پانی اس بت نے تجھ پہ پھینکا مومن
احسان میں سر بہ سر ڈبویا مومن
ہے کشتِ امید سبز و خرم بارے
ابرِ رحمت کچھ آج برسا مومن

(۷۲)

اچھا ہے گر اس کے دم میں پھر آؤں میں
چاہت کی سزا زیادہ تر پاؤں میں
اس دشمنِ جاں کا پاس کب تک ہے ہے
کہتا ہوں کہ دل ملے تو مل جاؤں میں

(۷۳)

قاصد میں ترے سخن کا شائق ہی نہیں
کچھ ذکر ہو طبع کے موافق ہی نہیں
پیغام سے بن ملے ہو کیوں کر تسکیں
باتوں میں جو بہل جائے عاشق ہی نہیں

(۷۴)

پائی یہ سزا چاہ کی جی کھوتا ہوں
ہنسنے کی ہے کیا جائے اگر روتا ہوں
اس جور پہ اب تلک نہیں شرم تمھیں
میں ذکرِ وفا کرکے خجل ہوتا ہوں

(۷۵)

آرام و سکوں کہاں ہے بے تابی میں
صد برقِ تپاں نہاں ہے بے تابی میں
اک آن بھی دل کو چین لینے نہ دیا
تیری ہی سی شوخیاں ہے[1] بے تابی میں

(۷۶)

کیا خوب عذاب میں گرفتار ہوں میں
جاں دادۂ لطف، رشکِ اغیار ہوں میں
جینے سے مرے وہ دشمنی سے خوش ہے
جانے ہے کہ زندگی سے بیزار ہوں میں

(۷۷)

تاثیر یہ پند کی ہے، میں بھی کیا ہوں
یہ کہتے ہیں آپ اور میں جلتا ہوں
اے حضرتِ مومن اب تمھاری ضد سے
ان شاء اللہ پھر بتوں کو چاہوں

(۷۸)

(رباعی مستزاد)

اتنا عاشق پہ ظلم، اتنی بے داد اے آفت جاں
یہ لوگ جہاں میں شوخ کافر جلاد پیدا ہیں کہاں
صد حیف نہ جانی قدر اس کی تو نے تھا ایک ہی وہ
افسوس کی بات ہے کہ یوں ہو برباد مومن سا جواں

(۷۹)

روتا ہوں حسین ابنِ علی کے غم میں
ہیں عیشِ جناں کی آز، اس ماتم میں
حیف آلِ نبی میں کوئی باقی نہ رہا
لازم ہے کہ باقی نہ رہے کچھ ہم میں

ا۔ نسخۂ نول کشور (کانپور اکتوبر ۱۸۷۶ء حاشیہ ص ۱۳۷) میں "ہیں" ہے لیکن مصرعِ اول اور ثانی میں "ہے" آیا ہے اس لیے تصحیح کی گئی۔

(۸۰)

ہر لحظہ جو نا امید تر ہوتا ہوں
بے فائدہ رو رو کے میں جی کھوتا ہوں
قسمت میں شب و روز لکھا ہے رونا
قسمت کے لکھے کو رات دن روتا ہوں

(۸۱)

اربابِ حدیث کا میں فرماں بر ہوں
تقلید کے منکروں کا سر دفتر ہوں
مقبول روایتِ آئمہ نہ قیاس
یعنی کہ فقط مطیع پیغمبر ہوں

(۸۲)

یہ حکم خدا کہ قطرہ مے کا نہ پیوں
اور مرضیِ جاناں نہ کہ پیمانہ پیوں
توبہ بھی عزیز، خاطرِ ساقی بھی
حیراں ہوں کہ پھر بادہ پیوں یا نہ پیوں

(۸۳)

تھا لائقِ سیر گرچہ گل زارِ جہاں
جاں بخش و طرب خیز و خوش و آباداں
پرہم کو بہ رنگِ داغ لالہ کیا حظ
سودے میں گئی بہار حسرت میں خزاں

(۸۴)

کیا طولِ عمل سے جان کو شاد کروں
حسرت سے دلِ خراب آباد کروں
بیزار ہوا ہوں اس قدر دنیا سے
گر ہاتھ لگے تو خوب برباد کروں

(۸۵)

جنت میں ہے روزِ حشر جاتا مومن
ناداں نہ بن کہ تو ہے داتا مومن
ہر رات نہ مل روئے صنم سے آخر
اک دن ہے خدا کو منہ دکھاتا مومن

(۸۶)

ہے فکر سدا کوئی نہ چاہے تجھ کو
ہو کچھ ایسا کوئی نہ چاہے تجھ کو
شکوہ کرکے کروں گا سب میں رسوا
تا میرے سوا کوئی نہ چاہے تجھ کو

(۸۷)

گر ضعف یہی رہے گا مومن خاں کو
ہو گی تکلیف رحمتِ یزداں کو
کیوں کر پہنچے گی عالمِ بالا تک
دشوار ہو جب تن سے نکلنا جاں کو

(۸۸)

مظلوم ہوں پر داد خدا دے کس کو
اس بارِ گناہ سے بچاوے کس کو
جو اپنی بنی سو اپنے ہاتھوں سے بنی
گر رحم کرے مجھ پہ سزا دے کس کو

(۸۹)

کیسے دیے پیچ و تاب دل نے مجھ کو
دکھلائے یہ سب عذاب دل نے مجھ کو
کہتے ہو کہ اب غیر کا میں نام نہ لوں
کیا کیا نہ کیا خراب دل نے مجھ کو

(۹۰)

نہ صبر و سکوں کا گھر میں یارا مجھ کو
نے کوچۂ یار میں گزارا مجھ کو
سیماب کی طرح ایک دم چین نہیں
بے تابیِ دل نے آہ مارا مجھ کو

(۹۱)

پھر کوئے صنم پسند آئے مجھ کو
کوئی بت مہر جلوہ بھائے مجھ کو
جس دن نے دکھائیں یہ اندھیری راتیں
وہ دن اللہ پھر دکھائے مجھ کو

(۹۲)

کیا خوار و زبوں کیا وفا نے مجھ کو
کونے میں بٹھا دیا حیا نے مجھ کو
نظروں سے بتوں کی گر پڑا تھا مومن
صد شکر اٹھا لیا خدا نے مجھ کو

(۹۳)

میں کیا کہوں اپنے منہ سے کیسے تم ہو
تم آپ ہی جانتے ہو جیسے تم ہو
ہرجائی و ناقدر عدو کو نہ کہو
کہہ بیٹھے کوئی مبادا ایسے تم ہو

(۹۴)

مومن ہے امید وصل بے جا تجھ کو
کم فہمی شوق نے ڈبویا تجھ کو
پانی پھینکا تو گرم جوشی نہ سمجھ
ناداں یہ دیا ہے اس نے چھینٹا تجھ کو

(۹۵)

الفت میں بھی مجھ کو دکھ دیے جاتے ہو
مذکور ندامت کا کیے جاتے ہو
کہتے ہو کہ اب غیر کا میں نام نہ لوں
یوں بھی تو وہی نام لیے جاتے ہو

(۹۶)

بے فائدہ غیروں سے جدا ہوتے ہو
کب مائلِ اربابِ وفا ہوتے ہو
اک ایک سے میری بے وفائی کا گلہ
کچھ خبر ہے غیرت سے خفا ہوتے ہو

(۹۷)

کیا رحم نہ آئے بات باور تم کو
کیا لوں جگر چاک دکھا کر تم کو
ہوں کاغذ نامہ کے ہزاروں پرزے
حالِ دلِ صد چاک لکھوں گر تم کو

(۹۸)

جو میرے بخار کا سبب ہے نہ کہو
یہ بات جگر سوز غضب ہے نہ کہو
معلوم نہیں تم کو طبیبو احوال
جلتا ہوں یہ کہنے سے کہ تب ہے نہ کہو

(۹۹)

دردِ شہدائے کربلا تو دیکھو
خوں ریزیِ چشم ماجرا تو دیکھو
ایسوں سے ہو کیوں نہ حق تعالیٰ راضی
کیا صبر کیا ان کی رضا تو دیکھو

(۱۰۰)

مومن یہ اثر سیاہ مستی کا نہ ہو
اندیشہ کبھی بلند و پستی کا نہ ہو
توحیدِ وجودی میں جو ہے کیفیت
ڈرتا ہوں کہ حیلہ خود پرستی کا نہ ہو

(۱۰۱)

گردش میں ہیں خاص و عام کیا دور ہے یہ
صہبائے طرب حرام ، کیا دور ہے یہ
جو بزم نشاط ہے جہاں میں ، سو خراب
یک جا نہیں دور جام ، کیا دور ہے یہ

(۱۰۲)

کب تک ربطِ بتانِ دل جو کی نباہ
کب تک فکرِ حصولِ حشمت اور جاہ
آتا ہے یہ جی میں چھوڑ سب کچھ مومن
اک کونے میں بیٹھے کیجے اللہ اللہ

(۱۰۳)

گر دیکھے ہے آئنہ نوازش خاں گاہ
اور پڑتی ہے صورت مبارک پہ نگاہ
ابلیس کے شبہ[۱] میں یہ پڑھتے ہیں آپ
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

(۱۰۴)

بے شاہد و بے بادہ صبر توبہ توبہ
اس عمر میں دل پہ جبر توبہ توبہ
ایامِ شباب اور دل جو ساقی
فصلِ گل و جوش ابر توبہ توبہ

۱۔ شبیہ۔ نسخۂ نول کشور (کان پور طبع ۱۸۷۶ء ص ۱۴۰)۔ تصحیح قیاسی "شبہ"۔

(۱۰۵)

آوارہ ہے خلق سب برا دور ہے یہ
پھرتے نہیں دن کبھی نیا دور ہے یہ
چکر میں ہے چرخ اور تو ہے بدنام
اے گردشِ روزگار کیا دور ہے یہ

(۱۰۶)

افسوس شکایتِ نہانی نہ گئی
دل پر سے فریب کی گرانی نہ گئی
الطاف تھے بس کہ روبروئے دشمن
اس شوخ سے مجھ کو بدگمانی نہ گئی

(۱۰۷)

مومن یوں بھی کسی پہ مرتا ہے کوئی
اس طرح بھی جان سے گزرتا ہے کوئی
خود کام کو کیا سمجھ کے دل تو نے دیا
نادان ایسا بھی کام کرتا ہے کوئی

(۱۰۸)

خاطر نہیں تم کو گر ہماری نہ سہی
گر اب نہیں وہ جو دوستی تھی نہ سہی
ملتا نہیں تو پیام بھی ہو موقوف
جب وہ نہ رہا تو خیر یہ بھی نہ سہی

(۱۰۹)

ہے اور ہی آگ سوزشِ پنہانی
یہ بات طبیبوں نے کہاں پہچانی
سمجھو نہ عرق کہ دیکھ کر دل کی جلن
تپ شرم سے ہوگئی ہے پانی پانی

(۱۱۰)

دنیا کی طلب نہ روضۂ رضواں کی
ہو کوئی خفا کہیں گے ہم ایماں کی
چھوڑا کیا کچھ تیرے لیے ، پر تجھ کو
کافر ہوئی کچھ قدر نہ مومن خاں کی

(۱۱۱)

عاشق ہوئے کیا ایک مصیبت آئی
جوں روزِ نشور شامِ فرقت آئی
گویا یہ مکاں تھا تنگ ناے عالم
جس وقت کہ دل گیا قیامت آئی

(۱۱۲)

ہے بزمِ طرب میں اور ہی پامالی
مستی نے نئی خلش یہ دل میں ڈالی
حسرت سے فلک کو دیکھ کر کہتا ہوں
یا رب یہ سبو کیا ہے کس نے خالی

(۱۱۳)

فرمایئے رات آپ کی کیوں کر گذری
ہر آن قیامت مرے دم پہ گذری
تھی بس کہ خبر جوشِ مرض کی مجھے رات
بیمار کی رات سے بھی بدتر گذری

(۱۱۴)

مظہر سے بری ہے کبریائی اس کی
آئینہ گداز خود نمائی اس کی
وہ بندۂ نفس جو "انا اللہ" کہے
زیبندہ اسی کو ہے خدائی اس کی

(۱۱۵)

مردک نے شہنشاہ سے بیعت چاہی
گمراہ نے کس راہ سے بیعت چاہی
مصداق ہوا معنی "تبت" کا یزید
فرزندِ "ید اللہ" سے بیعت چاہی

(۱۱۶)

واں تم کو سفر ہوا جو مجبوری سے
یاں ناک میں دم ہے دردِ مجبوری سے
تم تو واں پہنچے اور میں یاں پہنچا
مرنے کے قریب آپ کی دوری سے

(۱۱۷)

رازِ غمِ عشق کو چھپایا ہم نے
اس ضبط سے جان کو کھپایا ہم نے
تھی دل میں بھری ہوئی ہوائے جاناں
دردِ قولنج اسے بتایا ہم نے

(۱۱۸)

جو کھائے یہ داغ شعلہ زا خاک جیے
جو زیست سے جلتا ہو بھلا خاک جیے
ہوتے جاتے ہیں خاک اجزائے وجود
یک چند جو یوں جیے تو کیا خاک جیے

(۱۱۹)

دل درد کا مبتلا خرابی یہ ہے
تو یار سو بے وفا خرابی یہ ہے
میں جان دوں تجھ پہ ہو نہ تجھ کو معلوم
اے خانہ خراب کیا خرابی یہ ہے

(۱۲۰)

شوخی تھی یہ بس میرے ستانے کے لیے
گرمی تھی یہ آگ پر لٹانے کے لیے
دشمن پہ گناہِ سرد مہری کے سبب
تم آگ ہوئے میرے جلانے کے لیے

(۱۲۱)

کی صرف کمالِ زندگانی ہم نے
دیکھی نہ جہاں میں قدردانی ہم نے
افسوس کہ ایسے بے تمیزوں سے گلہ
قدر اپنی کچھ آپ ہی نہ جانی ہم نے

(۱۲۲)

آتش دلِ زار میں لگائی اس نے
برسوں جانِ حزیں جلائی اس نے
پھینکا مجھ پر کل اختلاطاً پانی
بھڑکی ہوئی کیا آگ بجھائی اس نے

(۱۲۳)

احسان کیا اگر ستایا تو نے
قصے سے نباہ کے چھڑایا تو نے
کرنے لگے پھر وہی سمجھ کی باتیں
بارے ہمیں آدمی بنایا تو نے

(۱۲۴)

ویراں ہوئی سو جائے سے یہ کہنہ سرائے
اس پر بھی مرے سامنے تم ہنستے آئے
بس مجھ کو زیادہ نہ رلاؤ دیکھو
ایسا نہ ہو کچھ اور خرابی آ جائے

(۱۲۵)

بدمست ہوں خم کا خم پیا ہے میں نے
جب شہ سے مقابلہ کیا ہے میں نے
مرتا نہیں جورِ محتسب سے زنہار
کیا آبِ حیات پی لیا ہے میں نے

(۱۲۶)

مومن خلقت لباس پر مرتی ہے
سر پاؤں پہ دامن کی طرح دھرتی ہے
عمامہ ہے، نے عصا، نہ جبّہ حضرت
پیروں کی یہی وضع ہوا کرتی ہے

(۱۲۷)

مومن لازم ہے وضع مرغوب بنے
جو رنگ ہو آدمی خوش اسلوب بنے
کیا خرقہ و عمامہ ہے اللہ اللہ
جب شکل بگڑ گئی تو تم خوب بنے

(۱۲۸)

مومن کوئی کس واسطے معیوب بنے
ہاں سچ ہے بنی رہے جس اسلوب بنے
جب ہو نہ صنم سے بدسلوکی پہ بگاڑ
اللہ سے گر بنے تو کیا خوب بنے

(۱۲۹)

پھر چہرے ہوئے سرخ سیہ کاروں کے
نو روز ہے دن پھرے گنہ گاروں کے
بے وجہ نہیں کہ ابرِ رحمت ہے سیاہ
دھوئے ہیں مگر گناہ مے خواروں کے

(۱۳۰)

وصلت میں کبھی مزا نہ پایا ہم نے
عشق ایک فریب تھا کہ کھایا ہم نے
اے کاش کہ جان دل سے پہلے دیتے
جی کے یہ عبث عذاب اٹھایا ہم نے

(۱۳۱)

ہوتے نہ جدا گرچہ برائی کرتے
اے جان اتنی ہی دل فزائی کرتے
جاں پاس رہی ہے مرتے دم اے کاش
تم بھی ایسی ہی بے وفائی کرتے

مثلث، تخمیس، تضمین
مخمس ، مسدس
مثمن، ترجیع بند
اور
ترکیب بند

مثلث

(بر غزل مولانا عرفی شیرازی)

لذت فزاست در دلِ شب ہا گریستن
خوش در خورست حسرتِ طوبیٰ گریستن
پنہاں ملول بودن و پیدا گریستن

مت بے حجاب رو تو نہ یوں جھانک چار سو
اے دیدہ شرم دار کہ مقبول عشق کو
رسوا نگاہ کردن و رسوا گریستن

منظور ہے کچھ اور کہ اشک آنکھ سے چلے
من خود کیم کہ گریہ بہ حالم کنی ولے
می زیبدت بہ نرگسِ شہلا گریستن

ہیں خوں فشانیاں عبث اے چشمِ اشک بار
گر کام دل بہ گریہ میسر شدے ز یار
صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

حیراں ہوں دیکھ ربطِ گل و شبنم اے ہزار
بے درد را بہ صحبتِ اربابِ دل چہ کار
خندیدن آشنا نہ بود با گریستن

بے صرفہ ہائے روتے ہیں کن مدتوں سے خوں
عمرم بہ گریہ ہائے ہوس صرف شد کنوں
عمرے بہ تازہ بایدم و وا گریستن

اے شیخ سیرِ بندہ و خلدِ بریں پرست
گاہے بہ یاد سرو قدے گریہ ہم خوش است
تا کے زشوقِ سدرہ و طوبیٰ گریستن

لاکھوں تباہ حال ہیں میں اشک بار ایک
ہر کس کہ ہستِ گریہ بہ حالش رواست لیک
نتواں بہ عالمے تنِ تنہا گریستن
مومن یہ کہہ دے جا کے کہ ہے گرچہ دل پہ شاق
عرفی زگریہ دست نہ داری کہ در فراق
دردت زدل نہ می برِ الما گریستن

تخمیس

برغزل قدسی درنعت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

ہوں تو عاشق مگر اطلاق یہ ہے بے ادبی
میں غلام اور وہ صاحب ہے، میں امت، وہ نبی
یا نبی یک نگہ لطف بہ امی و ابی
مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مظہرِ نور خدا ، شکل ہے محسودِ صنم
محو تیرے ملک و حور و پری و آدم
کیا ہی عالم ہے کہ تصویر ہی کا سا عالم
منِ بے دل بہ جمالِ تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بو العجبی

دشتِ عالم میں سراسیمہ گزاری اوقات
آج تک منزلِ مقصود نہ پائی ہیہات
مدد اے خضرِ کرامت کہ نہیں پائے ثبات
ماہمہ تشنہ لبانیم و توئی آبِ حیات
لطف فرما کہ زحد می گزرد تشنہ لبی

خود کہا ابن ذبیحین تو ظاہر میں کہا
جوہرِ پاک کی خوبی ہے فرشتوں سے سوا
سر سے لے پاؤں تلک نورِ خدا ، نامِ خدا
نسبتِ نیست بہ ذاتِ تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

صاحبِ خانہ سے ہوتا ہے مکاں کا اکرام
وہی جنت ہے جہاں میں ہو جہاں تیرا مقام
آب ہر چشمہ کرے کوثر و تسنیم کا کام
نخلِ بستانِ مدینہ ز تو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

ہوئی انجیل کہاں ناسخِ توریت و زبور
تیری خاطر سے خدا نے یہ نکالا دستور
ہے رعایت تری ہر بات کی کتنی منظور
ذات پاک آں تو دریں ملک عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبانِ عربی

کر سکے پایۂ عالی کو ترے کون ادراک
تیرے درجے کو نہ عیّوق ہی پہنچے ، نہ سہاک
گرچہ کافی تھی فضیلت کو حدیثِ لولاک
شبِ معراج عروجِ تو گذشت از افلاک
بہ مقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

جوش میں شوق کے کچھ یاد رہی مدح نہ ذم
یہ نہ سمجھے کہ یہ کیا جاے ہے اور کیا ہیں ہم
خود ستائی ہے زبس رسمِ فصیحانِ عجم
نسبتِ خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زاں کہ نسبت بہ سگِ کوے تو شد بے ادبی

مومنِ زار کی صحت کا نہ تھا کچھ اسلوب

نہ دوا اور نہ پرہیز ، مرض حرصِ ذنوب
پر ترا لطف ہے اعجازِ مسیحا سے بھی خوب
یا طبیب الفقرا انتِ شفاء لقلوب
زاں سبب آمدہ قدسی پئے درماں طلبی

تخمیس

(غزل خواجہ حافظ علیہ الرحمہ)

دور ایامِ دگر شرم و حجابے دارد
فلک از ابر بہ رخسار نقابے دارد
بخت بیراب نگاہاں سرِ خوابے دارد
آں کہ از سنبل او غالیہ تابے دارد
باز با دل شدگاں ناز و عتابے دارد

جی گیا مفت میں حاصل نہ ہوئی ہائے مراد
کیوں نہ ہوں نیش زنِ دل گلہ ہائے جلاد
شوخیاں ہیں قلقِ بسملِ مضطر سے زیاد
از سرِ کشتۂ خود می گزرد ہم چوں باد
چہ تواں کرد کہ عمرست و شتابے دارد

ہر بلا ہے سرِ عشاق برآوردۂ زلف
ظلمتِ شب جسے کہتے ہیں سو پروردۂ زلف
روز کس کس کے نہیں آہ سیہ کردۂ زلف
ماہ و خورشیدِ نمایش ز پسِ پردۂ زلف
آفتابیست کہ در پیش سحابے دارد

گرچہ ہر بوسے پہ ہم کرتے ہیں سو جان نثار
پر ہمیں زندگی تازہ ملے ہے ہر بار
جان لے جائے اجل تو بھی ہے مرناد شوار

آب حیواں اگر ایں است کہ دارد لبِ یار
روشن است ایں کہ خضر نیز سرائے دارد

جستجو میں تری ہر سو ہے رواں سیلِ سرشک
دیکھتے ہی ترے پاؤں کے نشاں سیلِ سرشک
تو جہاں جائے ہے پہنچے ہے وہاں سیلِ سرشک
چشمِ من گرد بہ ہر گوشہ رواں سیلِ سرشک
تا سہی سرو ترا تازہ بہ آبے دارد

زندگانی سے ہوں بیزار جدائی میں اشد
شاد ہوتا ہوں جب احوال نظر آئے ہے بد
ہوں تو بے جرم پہ تعزیر سے خوش ہوں بے حد
غمزۂ شوخ تو خونم بہ خطا می ریزد
فرصتش باد کہ خوش فکر ثوابے دارد

سینہ آتش کدہ ہے، آہ سے جھڑتے ہیں شرر
اس تب و تاب میں آتا ہے دلِ افسردہ نظر
اب تک اس خام کو ہے حاجتِ صد داغ دگر
چشمِ خوں ریز تو دارد زدلم قصدِ جگر
ترک مست است مگر میل کبابے دارد

لب ہلانے کا بھی باقی نہ رہا ضعف سے حال
کیا کہوں سینے میں کیسا ہے بھرا شوقِ وصال
دل کی دل ہی میں رہی عرضِ تمنائے محال
جان بیمار مرا نیست ز تو روئے سوال
اے خوش آں خستہ کہ از دوست جوابے دارد

ایک دشمن ہے یہ مومن کو خدا دفع کرے
سخت بد خواہ عزیزاں ہے کہیں جلد مرے
اس سے کہتا ہے کہ خاموش ہو یا آہ بھرے
کے کند سوے دلِ خستۂ حافظ نظرے
چشم مستت کہ بہ ہر گوشہ خرابے دارد

تخمیس

(غزل حافظ)

عنادلِ گلِ روئے تو گل عذار انند
اسیرِ دامِ بلائے تو دل شکار انند
غبارِ راہِ وفائے تو شہ سوار انند
غلامِ نرگسِ مستِ تو تاجدار انند
خراب بادۂ لعلِ تو ہوشیار انند

ہمارے مدِ نظر تھے بہت نشیب و فراز
نہ کوئی واقفِ اسرار تھا، نہ محرمِ راز
پہ کیا کرے کہ یہ ہے اقتضائے راز و نیاز
ترا حیا و مرا آب دیدہ شد غماز
وگرنہ عاشق و معشوق راز دار انند

خرامِ ناز سے پامال ہے جہاں یکسر
ہے عاشقوں کا ترے ساتھ ساتھ اک لشکر
ولے نہیں تجھے احوال پر کسی کے نظر
ز زیرِ زلفِ دوتا چوں نگہ کنی بنگر
کہ دریمین ویسارت چہ بے قرار انند

ہمارے جلنے سے کیا تجھ کو کیوں لگی ہے لو
سنے نہ ایک تری تو بنائے باتیں سو
یہاں نہیں کوئی دیوانہ جو کرے تگ و دو
نصیب ماست بہشت اے خدا شناس برو
کہ مستحقِ کرامت گناہ گار انند

کہے ہے پیرِ مغاں دیکھنا یہ رنگِ سخن
ہے تازہ توبہ ابھی یاد کر شرابِ کہن

بکے ہے تیرہ دروں واعظ اس کی بات نہ سن
بیا بہ مے کدہ و چہرہ ارغوانی کن
مرو بہ صومعہ کانجا سیاہ کار انند

وہ کون ہے کہ نہیں پائے بندِ دامِ ہوس
ہوئے ہیں زمزمہ سنجِ وفا کس و ناکس
پڑا ہے شور زمانے میں اے نسیم نفس
نہ من بر آں گلِ عارض غزل سرایم و بس
کہ عندلیب تو از ہر طرف ہزار انند

سیاہ پوش ہے اک خلق، اک جہاں غمگیں
وہ کون ہے کہ پریشاں و خستہ حال نہیں
ہمارے کہنے کا تجھ کو اگر نہ آئے یقیں
گزار کن چو صبا بر بنفشہ زار و ببیں
کہ از تطاولِ زلفت چہ سوگوار انند

میں اور چند ہوس ناک عاشقی دشمن
ہوئے ہیں راہ روِ جلوہ گاہِ رشکِ چمن
ہیں خار یاں تہِ پا واں ہیں زیرِ راں تو سن
تو دست گیر شو اے خضرِ بے خجستہ کہ من
پیادہ می روم و ہم رہاں سوار انند

ہمیں امید رہائی نہ آرزوئے خلاص
نہ چھوٹنے کی تگ و دو، نہ جستجوئے خلاص
ہے ناگوار بلا جی کو گفتگوئے خلاص
ز دامِ زلف تو دل را مباد روئے خلاص
کہ بستگانِ کمندِ تو رستگار انند

ہے سر پہ خاک کلہ، گرد ہے لباسِ بدن
کدورتِ دلِ غم گیں، عبیر پیراہن
غبارِ فرق سے آئینۂ جبیں روشن
ز نقشِ چہرۂ حافظ ہمی تواں دیدن
کہ ساکنانِ درِ دوست خاکسار انند

تخمیس

(غزل حافظ)

کسے بہ غم کدہ تا کے بہ صد محن باشد
ز داغِ رشکِ عدو گرم سوختن باشد
بہ گوشۂ جگر افشان و نالہ زن باشد
نہ[1] من بہ سوزم و او شمع انجمن باشد

جنگ آئے ہیں اب تجھ کو چھوڑ دیں گے ہم
ہمیں پسند نہیں بے وفا یہ لطف و کرم
کہ غیر سے بھی ملاقات ہے اگرچہ ہے کم
من آں نگینِ سلیماں بہ ہیچ نستانم
کہ گاہ گاہ برو دست اہرمن باشد

کہاں تلک رہے خاطر میں حزن و رنج و ملال
کہاں تلک ستمِ رشک سے ہو جاں پامال
بس اس کی محفل دل چسپ سے عدو کو نکال
روا مدار خدایا کہ در حریم وصال
رقیب محرم و حرماں نصیب من باشد

عدو کی بات بھلی اور برے مرے اشعار
پسند نالۂ زاغ اور رد نوائے ہزار

1. نسخۂ نول کشور لکھنؤ بار ششم ۱۹۳۰ء ص ۲۱۱ "نہ" نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۷۶ء میں ہے (ص ۱۳۵)

کہاں ہے جلد پہنچ ہدہد صبا رفتار
ہمارے گو مفگن سایۂ شرف زنہار
دراں دیار کہ طوطی کم از زغن باشد

میں کیوں وہ بات کروں جس سے ہو وہ شوخ خجل
وفورِ ولولہ کی التماس سے حاصل
ہر ایک حرف ہے یاں دل شگاف و تاب گسل
بیانِ شوق چہ حاجت کہ شرح آتشِ دل
تواں شناخت ز سوزے کہ در سخن باشد

ہے مومن آگے ترے کیا ہی دم بہ خود حافظ
مجال ہے جو کرے تجھ سے جد و کد حافظ
تو رہ نمائے سخن اور نابلد حافظ
بہ سان سوسن اگر دہ زباں شود حافظ
چو غنچہ پیش تو اش مہر بردہن باشد

تضمین
مصرع خواجہ حافظ بہ طریق تخمیس

خندہ زن چاک گریبان تو بے چیزے نیست
بے شکن زلف پریشان تو بے چیزے نیست
بے نمک خندۂ پنہان تو بے چیزے نیست
اے حریفِ لب و دندان تو بے چیزے نیست
خواب ایں نرگسِ فستان تو بے چیزے نیست

کس کے گھر رات تو اے غیرتِ مہتاب رہا
کون سا بیہدہ سر کامِ ہوس یاب رہا

بسترِ خواب نہ تھا ہائے کہ بے خواب رہا
نیند آئی نہ نزاکت سے جو بے تاب رہا
خواب ایں نرگسِ فتان تو بے چیزے نیست

شب کسی رندِ قدح خوار نے سونے نہ دیا
بادۂ عیش سے سرشار نے سونے نہ دیا
آرزو مند ہوس کار نے سونے نہ دیا
حسرت آلود طلب گار نے سونے نہ دیا
خواب ایں نرگسِ فتان تو بے چیزے نیست

تو یہ سمجھا ہے کہ میں محرمِ اسرار نہیں
کس سے کہتا ہے کہ غیروں سے سروکار نہیں
میں کہیں اور رہا رات کو زنہار نہیں
چپ کہ بیداریِ شب قابلِ اظہار نہیں
خواب ایں نرگسِ فتان تو بے چیزے نیست

شب کسی نے تجھے مہمان بلایا ہوگا
بیٹھ کر پاس عجب لطف اٹھایا ہوگا
ہوس آلودہ نے کیا کیا نہ ستایا ہوگا
بختِ بیدار نے دشمن کے جگایا ہوگا
خواب ایں نرگسِ فتان تو بے چیزے نیست

غیر نے گرمیِ صحبت میں جلایا ہے تجھے
میرا افسانۂ جاں سوز سنایا ہے تجھے
طعنے دے دے کہ یہ بدگو نے رلایا ہے تجھے
شام سے صبح تلک خوب جگایا ہے تجھے
خواب ایں نرگسِ فتان تو بے چیزے نیست

بے مزا پائے بھلا ہوش کو کھوتا ہے کوئی
دامن آلودہ نہ ہووے سے تو دھوتا ہے کوئی
بے ہم آغوش کسل مند بھی ہوتا ہے کوئی
تو ہی کہہ صبح کو بن جاگے بھی سوتا ہے کوئی
خواب ایں نرگسِ فستان تو بے چیزے نیست

یہ تو کیا منہ ہے کہ ہم بسترِ اغیار کہوں
دشمنِ ننگ و حیا پردہ درِ عار کہوں
ہاں کنایت سے مگر دولتِ بیدار کہوں
گر ہو آزردہ تو اس پر بھی تو اے یار کہوں
خواب ایں نرگسِ فستان تو بے چیزے نیست

یا تو پھر شب کو رہا آج تو ہم بزمِ رقیب
گھر میں آیا ہے ابھی صبح نخستیں کے قریب
یا یہاں سے ہے اٹھانے کی ہمارے تقریب
کچھ نہ کچھ تو ہی کہہ اے مایہ آرام و شکیب
خواب ایں نرگسِ فتان تو بے چیزے نیست

کیا شب ہجر عذابِ دلِ مضطر نہ سہا
ایک دریا تھا کہ بس دیدۂ حافظ سے بہا
صبح دیکھا اسے مخمور تو حسرت سے کہا
اے بت افسوس تو مومن سے ہم آغوش رہا
خواب ایں نرگسِ فتان نے بے چیزے نیست

مخمس

(غزل رئیس المتغزلین مولانا نظیری نیشاپوری)

خانہ زادِ عشقم و اندوہ ہم زادِ من است
یاس و محرومی سرشتِ طبع ناشادِ من است
از جفائے طالعِ من داد و بے دادِ من است
آں کہ رحم از دل برو تاثیر فریادِ من است
واں کہ نسیاں آور دخاصیت یادِ من است

ہم کبھی تھے مے پرست اور گاہ تھے شاہد پرست
گہ حزین و مضطرب، گہ بے خود و بے ہوش مست
عاشقِ بت تھے کبھی گہ محو معشوق الست
نیست در عالم تمنائے کہ از قیدم نجست
ہر کجا بینی ہوا ے صید آزادِ من است

آنکھ پھڑکے ہے کہ آتا ہے وہ زیبِ انجمن
شوق کہتا ہے کرو آرائشِ بیت الحزن
جب نہیں آتا تو کیا جلتا ہے جی کوتہ سخن
ساختن ممنون دیدار و بہ حسرت سوختن
از تصرف ہائے حرمانِ خدا دادِ من است

دیکھ لے ہم سا نہ دیکھا ہوئے گا الفت پرست
ہیں خموش اس جور پر اے ترک چشمِ نیم مست
جی کبھی ایسا ہی بھر آیا تو کاٹیں پشتِ دست
حرف عاشق بے زبانِ شکوۂ دل عاجز است
آں چہ ہرگز آشنا بالب نہ شد دادِ من است

ایک مشتِ استخواں ہے بلکہ کچھ اس سے بھی کم
جو کمیں میں اپنی ہو بچ تو یہ ہے اس کا کرم

قتل گہ میں سرنگوں خجلت زدہ بیٹھے ہیں ہم
آں شکارم من کہ لائق ہم بہ کشتن نیستم
شرم می آید مرا زاں کس کہ جلادِ من است

جو ہو خود ہر کام میں وامانده و اصلاح ہو
اس سے مطلب نکلے کیا وہ اے فریب آرزو
جائے رونے کی ہے مومن سادگی تو دیکھ تو
کارِ دشوارِ نظیری گر بہ می آرد کہ او
شاد از تدبیر ہائے سست بنیادِ من است

تضمین

مصرع از واسوخت وحشی یزدی بہ طریق تخمیس

من ز پیش آمد اغیار چو رفتم رفتم
مرد از راہ کہ بیزار چو رفتم رفتم
با چنیں رنجش و آزار چو رفتم رفتم
از جفائے تو منِ زار چو رفتم رفتم
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

جب کہ جی بیٹھ گیا ناز اٹھانا معلوم
اٹھ گیا دل تو سماجت سے بٹھانا معلوم
آ بنی جان، پہ جس دم تو نہ جانا معلوم
پھر گئی تجھ سے طبیعت تو پھر آنا معلوم
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

اور ہیں جو گئے آتے ہیں ، گئے جاتے ہیں
ہم نہیں آنے کے ہر بار کہے جاتے ہیں
جور بے صرفہ کسی سے بھی سہے جاتے ہیں
اب کی پھر خاطر الفت سے رہے جاتے ہیں
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

کس لیے کوئی حریفِ غم و حرماں ہوگا
پائمالِ ستمِ رشکِ رقیباں ہوگا
تختۂ مشق جفا ہائے نمایاں ہوگا
چھوڑ دے جور نہیں دیکھ پشیماں ہوگا
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

کیا ہی دیوانہ سمجھ کا تری اے یار ہوں میں
قابلِ لطفِ عدو ، لائقِ آزار ہوں میں
غیر کو عیش ہو اور زیست سے بیزار ہوں میں
ہاتھ سے مجھ کو نہ کھو دیکھ وفادار ہوں میں
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

صبر آئے جو عدو کو بھی ستائے تو کبھی
نہ لگے آگ جو اس کو بھی جلائے تو کبھی
جی میں ہے جاؤں وہاں اب کہ نہ آئے تو کبھی
گم کروں آپ کو ایسا کہ نہ پائے تو کبھی
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

رحم ہرگز نہیں آتا تجھے ہم پر ظالم
دل ٹھہرتا نہیں ٹھہرے کوئی کیوں کر ظالم
تیری محفل سے چلے سخت مکدر ظالم
اے دل آزار ، جفا کیش ، ستم گر ظالم
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

ایسے دکھ دیکھ کے پھر شکل دکھائے گا کوئی
یاد کیا کر کے یہ غم دل سے بھلائے گا کوئی
کون سی بات ہے جس بات پہ جائے گا کوئی
سر پھرا ہے کہ ترے پاس پھر آئے گا کوئی
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم.

کیوں نہ آزردہ ہوں کچھ جان سے بیزار نہیں
مجھ میں تابِ ستمِ غیرتِ اغیار نہیں
جس سے مل جاتے تھے لڑ بھڑ کے وہ بیزار نہیں
اب کی ہو ترک وفا ہم سے تو دشوار نہیں
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

کیا ترے عشق میں پائی ہے سراسر رنجش
یعنی موجود تھی ملنے کی برابر رنجش
بس کہ ہوتی گئی ہر بار فزوں تر رنجش
اب کی بے حد و نہایت ہے ستم گر رنجش
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

لا علاج ، آہ ، جب آزار کو اپنے پایا
عدم آباد کو ناچار سفر ٹھہرایا
تو سمجھ یا نہ سمجھ میں نے تجھے سمجھایا
یہ نہ ہو گھر کہ گیا اور مجھے لے آیا
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

اے صنم رشک سے کب تک کوئی ناشاد رہے
مثلِ ناقوس سدا ہم دمِ فریاد رہے
دیر ویراں سہی کعبہ مرا آباد رہے
یعنی مومن ہوں چلا جاؤں گا میں یاد رہے
لطف کن لطف کہ ایں بار چو رفتم رفتم

مخمس

(برغزلِ مرزا قلی میلی)

چوں شکوہ ام بہ دشمنم آں دل شکن کند
او در جواب کارِ دلِ خویش تن کند
غیرت چہا بہ جانِ منِ خستہ تن کند
کو بخت آں کہ یار شکایت زمن کند
چنداں کہ مدعی نہ تواند سخن کند

یوں ہے تری وفا سے دلِ زار نا امید
جیسے کہ جینے سے کوئی بیمار نا امید
ایسا یہ ناامید ہے اے یار ناامید
گردو ہزار بارہ گرفتار ناامید
مگر شکوۂ دلم ز تو پیماں شکن کند

یارانۂ بتاں پہ بھلا اعتماد کیا
یا تو کسی کو دخل نہ تھا واں مرے سوا
یا اس قدر وہ شکل سے بیزار ہوگیا
گر بیم سر گرانی او نیست غیر را
ہم چرا زہرۂ تخویشی تن کند

غیرت نے ہائے قتل کیا مجھ کو یا نصیب
دکھلائی پھر خدا نے یہ بزمِ اجل قریب
میں دور بیٹھوں اور عدو یار کے قریب
آں ظالم کجاست کہ از پہلوئے رقیب
قتلِ مرا بہانۂ بر خاستن کند

مدت سے اس کی ہم سخنی کی تھی آرزو
اب عین وصل ہے تو نہیں تابِ گفتگو
اے جوشِ گریہ بس ہے ترے ہاتھ آبرو
او می کند سوال و مرا در جواب او
از اضطراب دل نہ تواند سخن کند

تھے چند جمع مے کشِ خونیں دل ایک جا
جائے کبابِ غیرتِ عاشق کا ذکر تھا
مومن بھی کیا ہی شوخ ہے کس طعن سے کہا
میلی ہزار حیف کہ آں مے پرست را
ذوقِ شراب ساقیِ ہر انجمن کند

مخمس
(بر غزل میلی)

کیست تا پیشش تو پیغام و سلامِ من برد
کیست تا غم نامۂ خونیں کلامِ من برد
گر برد پیکِ خیالِ فتنہ کامِ من برد
بس کہ قاصد را بیازارد چو نامِ من برد
رحم نہ گزارد کہ بگوارم پیامِ من برد

یہ کہاں قسمت کہ کانوں سے سنوں وہ گفتگو
ہاں مگر قاصد ہو پیدا بعد بے حد جستجو
ہائے ناکامی رہی دل ہی کی دل میں آرزو
بر نگردد قاصد از شرمِ جوابِ تلخ او
چوں پیامِ من برِ شیریں کلامِ من برد

میری ہی قسمت میں تھا یا رب عذابِ جاوداں
جیتے جی تو تھے الم ہائے فزوں سب وقفِ جاں

بعد مردن بھی ہوں پامالِ غم و حرماں کہ ہاں
اشک دارم بر قبول آں کہ پیش از دیگراں
مژدۂ مرگم بہ سروِ خوش خرامِ من برد

اس اسیری میں گرفتارِ کمندِ مشک بو
دل سے بہرِ صید صیاد اپنی ہے تدبیر جو
اے تغافل لا پھنسا اس کو کہ ہے دامِ نکو
مرغ دل بستم پئے صیدش بہ دامِ آرزو
آہ اگر آں مرغِ وحشی پے بہ دامِ من برد

ہجرِ شیریں لب میں ہوں میں تلخ عیش و تلخ روز
کیوں مرے ماتم میں جلنا، کیوں یہ شورِ غم فروز
فی الحقیقت گرچہ اے اربابِ شور و اہلِ سوز
تلخ باشد زہر مرگ اما بہ شیرینی ہنوز
می تواند تلخیِ ہجراں بہ کامِ من برد

گو دلا باتوں میں آکھلنا نہ تھا یوں ایک بار
شکوہ اس کا غیر سے کرنا نہ تھا بے اختیار
لیک اب کیوں ہے پشیماں کس لیے ہے بے قرار
خاطرم جمع است از بدگوئی دشمن کہ یار
گوش بر حرفش بنیدازد چو نامِ من برد

کل ملا مومن اگرچہ تھی تو وحشت پہلے بھی
پر ہوا ہے عاشق اب ہے اور ہی دیوانگی
بھاگتا تھا دور دور اور وردِ لب یہ بیت تھی
رام شد وحشی دل میلی بہ او از سرکشی
ہر زماں آرام از آہوئے رامِ من برد

تخمیس
(بر غزلِ میلی)

در بزمِ یار ہم رہِ دشمن گزر کنم
سویم جو بنگرد سوے دیگر نظر کنم
گر گریہ سر دہد گلۂ دردِ سر کنم
ترسم گر از محبتِ خویشش خبر کنم
با خویش سر گرانیِ او بیش تر کنم

کیا کیا امید تھی ترے ہاتھوں سے قتل کی
تھا جی میں کچھ کہوں کہ ملے آرزو مری
پر کیا کروں نزاکتِ دل یاد آگئی
ترسم ز بے وفائی خود منفعل شوی
گر از امیدواریِ خویشت خبر کنم

دیکھا جو میرے حال پہ ہنستے ہیں شیخ و شاب
کھائی قسم پھر آنے کی اے جوشِ اضطراب
پردہ نشیں ہے آئے نہ کس طرح سے حجاب
وقتِ وداع او منِ دیوانہ خراب
با ہرکہ رو برو شوم و گریہ سر کنم

کیسا طلوعِ صبح، کہاں ہے نمودِ روز
ہے گھر میں جلوہ گر ابھی وہ ماہِ دل فروز
کیا کیجیے ہم نشیں گلۂ جوشِ تاب سوز
بے طاقتی شوق ببیں کز برم[1] ہنوز
نہ کشتۂ یار و روئے بہ راہ دگر کنم

۱۔ نسخۂ نول کشور طبع ششم میں بجائے برم "بزم" غلط ہے۔ (ص ۲۱۸)

ناصح ذلیل گننے لگے مجھ کو شیخ و شاب
ملنے سے میرے کرنے لگی خلق اجتناب
اب تو خوشی ہوئی تری اے خانماں خراب
رسوائیم رسید بجائے کہ از حجاب
دیگر بہ پیش او نتوانم گزر کنم

زر اجرتِ پیام براں سے نہ تھا زیاد
روز آیا کام دشمن پُر کینہ و عناد
زاری رہی سو اس پہ نہ کیا کیا تھے اعتماد
اکنوں کہ ہیچ داد دلم گریہ ہم نہ داد
در کوئے او نشینم و خاکے بسر کنم

مومن کی طرح جوش میں پھرتا ہوں کو بہ کو
شوقِ نظارہ سے ہوئی برباد آبرو
افسوس کامیاب نہ میں ہو سکا کبھو
میلی ز شرم عشق بہ جانم کہ سوئے او
با شوق ایں چنیں نتوانم نظر کنم

تخمیس

(غزل ابوطالب ہمدانی کلیم تخلص)

طبع سنبل کدہ گاہسیت پریشاں از من
گہ کدورت بہ دلِ دشت و بیاباں از من
چہ کنم من کہ نہ صحرا نہ گلستاں از من
نہ ہمی می رمد آں نوگلِ خنداں از من
می کشد خار دریں بادیہ داماں از من

لطف ہے پر ستم آلودہ کرم میں آزار
دل کہیں اور ہی بیٹھا ہے بغل میں ناچار

ایک دم تو بھی نہیں شوخیِ بے جا سے قرار
با من آمیزشِ او الفتِ موج است و کنار
روز و شب با من و پیوستہ گریزاں از من

کس کو ڈھونڈوں میں کہاں جاؤں کہ باقی نہیں دم
کیا کروں اٹھ نہیں سکتا ترے کوچے سے قدم
وقت رحم و دمِ الطاف ہے ہنگام کرم
قمریِ ریختہُ بالم بہ پناہ کہ روم
تا بہ کے سرکشی اے سرو خراماں از من

اب تلک صدمہُ الفت سے نہیں ہوں آگاہ
کچھ بھی دشوار نہیں میری گرفتاریِ آہ
کوئی دلدار ہو اور کوئی ادائے دل خواہ
بہ تکلم ، بہ خموشی ، بہ تبسم ، بہ نگاہ
می تواں برد بہ ہر شیوہ دل آساں از من

کرتے ہیں رند قدح کش مری صحبت سے حذر
ایسے ناکام کے جینے سے تو مرنا بہتر
جل رہا ہوں مجھے کیا آتشِ دوزخ سے خطر[1]
نیست پرہیز من از زہد کہ خاکم بہ سر
ترسم آلودہ شود دامنِ عصیاں از من

کف کشادہ ہے پہ افسوس نہیں دستِ کرم
ہیں گدا لیک شہنشاہ اقالیم ہم
گر کوئی لے تو ہیں جاں دینے تلک حاضر ہم
گرچہ موروم ولے آں حوصلہ با خود دارم
کہ بہ بخشم بود از ملکِ سلیماں از من

قابلِ چارہ نہیں ہے مرا احوال سقیم

۱۔ نسخۂ نول کشور کانپور (ص ۱۵۱ طبع ۶ ۱۸۷ء) میں "خطر" صحیح اور طبع ششم نول کشور (ص ۲۱۹) میں "حذر" غلط ہے۔

رو گئے سر پہ مرے سارے اطبائے فہیم
تجھ کو مومنؔ کی سی الفت ہے نہ ویسا تو حکیم
اشکِ بیہودہ مریز ایں ہمہ از دیدہ کلیم
گردِ غم را نہ تواں شست بہ طوفاں از من

تخمیس

(غزل نواب محمد مصطفیٰ خان بہادر شیفتہ تخلص)

کہتے ہیں سب کہ تم نہیں بچنے کے شب تلک
ناداں ہیں یار انہیں کوئی سمجھائے کب تلک
دشوار ہے وصال میں ناکام جب تلک
رہ جائے کیوں نہ ہجر میں جاں آکے لب تلک
ہے آرزوئے بوسہ بہ پیغام اب تلک

ہر چند عمر بھر ستم ناسزا سہا
پر اس جفا شعار سے شرمندہ ہی رہا
بیدادِ تو سے اب ہے یہ دریائے خوں بہا
کہتے ہیں بے وفا مجھے میں نے جو یہ کہا
مرتے رہیں گے تم ہی پہ جیتے ہیں جب تلک

کب بزم میں میں کام ہوس یاب ہوسکا
کب مجھ سے کچھ مخالفِ آداب ہو سکا
میں کیا کہ غیر بھی نہیں ہم خواب ہوسکا
تمکینِ حسن ہے کہ نہ بے تاب ہوسکا
خلوت میں بھی کوئی قلق بے ادب تلک

بس زہر دے کہ مضطرب اے چارہ جو نہ ہو
گزرا میں ایسے جینے سے تکلیف تو نہ ہو
جز نیم جان کچھ نہیں باقی ہے، سو نہ ہو

آجائے کاش موت ہی تسکیں نہ ہو نہ ہو
ہر وقت بے قرار رہے کوئی کب تلک

بس اس کی مت کر اے دلِ بے ہوش حس[1] طرف
کیا جانے تو کہ ہے نگہِ لطف کس طرف
منہ پھیر لے ہے بزم میں بیٹھوں میں جس طرف
وہ چشمِ التفات کہاں اب جو اس طرف
دیکھے کہ ہے دریغ نگاہِ غضب تلک

نقدِ روانِ اشک کا ہے صرف روز و شب
یاقوتِ لختِ دل کا یہاں خرچ ہے غضب
وہ دُرِ بے بہا جسے رکھیں عزیز سب
ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب
پہنچا دو یہ پیام اجل جاں طلب تلک

اچھا نہیں ہے عہدِ وفا دشمنوں سے یار
کھو ہاتھ سے نہ مجھ سے ستم کش کو زینہار
ہونا پڑے گا ناز سرشتوں سے شرم سار
مایوس لطف سے نہ کر اے دشمنی شعار
امید سے اٹھاتے ہیں ہم جور اب تلک

وہ جو یہ کہتے ہیں کہ کسی سے نہ مل فریب
ہم ان کے رشک سے جو ہیں اتنے خجل فریب
دونوں طرف سے ہوتے ہیں اب متصل فریب
یاں عجز بے ریا ہے نہ واں ناز دل فریب
شکرِ بجا رہا گلہ بے سبب تلک

مومن کو دیکھ چشم میں آیا لہو اتر
یہ حال تھا کہ مضطر و حیراں تھے چارہ گر

۱۔ نسخۂ نول کشور طبع اول ۱۸۷۰ء (حاشیہ ص ۱۵۱) اور طبع ششم (ص ۲۳۰) میں "جس طرف" ہے جو غلط ہے اس لیے کہ مصرع ثالث میں بھی "جس" کا قافیہ موجود ہے۔ "حس" صحیح قیاسی ہے۔ (فائق)

کہتا تھا اک رفیق کو ہر بار دیکھ کر
ایسی ہی بے قراری رہی متصل اگر
اے شیفتہ ہم آج نہیں بچتے شب تک

تضمین

شعر خواجہ میر درد قدس اللہ سرہ بہ طریق تسدیس

جائے عبرت ہے مرا حالِ پریشاں یارو
آس توڑے ہے یہ مایوسی و حرماں یارو
دل لگا کر میں ہوا سخت پشیماں یارو
ہائے افسوس نہ نکلا کوئی ارماں یارو
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

دل نہ دیتے اگر اس کو تو نہ ہوتے بدنام
کیا خبر تھی کہ اس آغاز کا یہ ہے انجام
رنج بھی ہوتے ہیں الفت میں پہ بعد از آرام
کہیں دنیا میں نہ ہوگا کوئی ہم سا بدنام
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

جذبۂ شوق اسے کھینچ کے لایا نہ کبھی
اثر اس نالۂ دل کش میں بھی پایا نہ کبھی
ماجرائے الم و درد سنایا نہ کبھی
سخنِ شوق غرض لب تک آیا نہ کبھی
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

ایک دم صحبتِ دلدار میسر نہ ہوئی

نظرِ لطف و عنایت کبھی ہم پر نہ ہوئی
عشرت و عیش سے فرصت اسے دم بھر نہ ہوئی
اپنے ملنے کی کوئی جائے مقرر نہ ہوئی
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

ایک دم صحبتِ اعدا سے کنارا نہ ہوا
یہ مقرب ہوئے پاس ہمارا نہ ہوا
ہم کو عرضِ قلق و رنج کا یارا نہ ہوا
ہائے اس بزم تک اک بار گزارا نہ ہوا
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

کیا یہ روز ہیں یا رب مرے آرام و شکیب
کہ رہے جلوہ گہِ یار سدا بزمِ رقیب
میرے گھر آنے کی ہرگز بھی نہ پائی تقریب
ایک دن بھی نہ ہوئی ہائے شبِ وصل نصیب
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

تیرہ روزی کی وہی جلوہ فزائی ہے ہے
نہ ہوئی صبح کبھی شام جدائی ہے ہے
کیا کہوں اپنے نصیبوں کی برائی ہے ہے
طالعِ بد کی یہ خوبی نظر آئی ہے ہے
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

کھو دیا مفت میں دل میں نے کہ دکھ ہے پایا

قلقِ ہجر نے کیا کیا یہ مجھے گھبرایا
پر وہ پرفن نہ ملا یوں ہی سدا ترسایا
نہ وہاں مجھ کو بلایا ، نہ یہاں آپ آیا
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

یاں نہ آیا وہ عیادت کو بھی اک بار افسوس
مرتے مرتے نہ گئی حسرتِ دیدار افسوس
کر سکا ولولۂ شوق نہ اظہار افسوس
نہ ہوئے نزع تلک وا لبِ گفتار افسوس
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

نہ ہوا عشق میں اس شوخ کے آرام کبھی
نہ دیے دستِ نگاریں سے مجھے جام کبھی
لبِ شیریں سے سنا ایک نہ دشنام کبھی
نہ ملی لذتِ عرضِ ہوس کام کبھی
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

میں بھی حاضر تھا ہوئے جب طرفِ کعبہ رواں
حضرتِ مومنِ تقویٰ روش و شیخ زماں
بے ادب ہنستے تھے کیا لوگ ہیں بیہودہ گماں
پڑھ کے یہ درد کا مطلع جو ہوئے اشک فشاں
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

تضمین
شعر طوطیِ شکرستانِ ہند

کیا کہوں کچھ نہ پوچھ ہائے رات کا حال ہم نفس
بعد زمانہ وصل پر آج ہوا جو دست رس
کچھ تو بر آئی آرزو رہ گئی دل میں کچھ ہوس
یعنی وفورِ عشرت و جوشِ نشاط تھا کہ بس
صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

ہائے نظر میں پھرتی ہیں شب کی سیاہ مستیاں
بادۂ سرخ رنگ کے فرش پہ ہیں کئی نشاں
تاب گسل خمار ہے نشۂ وصل اب کہاں
سیلِ سرشکِ لالہ گوں چشم سے کیوں نہ ہوں رواں
صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

آئے جو شب کو وہ یہاں چارۂ رنج و غم ہوا
دشتِ قضا الم کدہ رشک دہ ارم ہوا
گو کہ حصول مدعا ہو تو گیا پہ کم ہوا
عین سرور و لطف میں قہر ہوا ستم ہوا
صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

ساقیِ ماہ رو نہیں پیجئے کس طرح شراب
سینہ و دل کو کردیا آتشِ ہجر نے کباب
اخترِ بختِ جل گئے ، دیکھ شعاعِ آفتاب
رات کی صحبت اب کہاں پھر وہی ہم وہی عذاب

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

گرچہ کئی برس کے بعد رات ہوا وصالِ یار
ہم دَم و ہم نشیں رہے ، ہم نفس اور ہم کنار
لیک نہ دل کو چین تھا اور نہ جان کو قرار
جس سے کہ ڈر رہے تھے ہم وہ ہی ہوا مآل کار
صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

آنے سے ان کے رات یاں رنج تھے دل میں ہو گئے
وصل سے کام یاب کر کام سے ہائے کھو گئے
شام سے تا دمِ سحر عیش نصیب ہو گئے
جاگتے جاگتے غرض بخت ہمارے سو گئے
صبح دمید و شب گزشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

کیا ہی مزے اٹھائے شب چھپ کے جو آ گئے وہ یاں
لذتِ وصل دوستو تم سے میں کیا کروں بیاں
لیتے تھے لب کے بوسے ہم دیتے تھے منہ میں وہ زباں
ہائے تھے کامیاب عیش دونوں بہم کہ ناگہاں
صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

دورۂ چرخ نے مجھے خاک میں بس ملا دیا
چاندنی رات کو مری روزِ سیہ بنا دیا
یادِ شب وصال نے پھر وہی دن دکھا دیا
جلوۂ آفتاب نے سینہ مرا جلا دیا

صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

جلوۂ بزمِ عشرت و رونقِ خانہ ہائے ہائے
زمزمہ و ترنم و رقص و ترانہ ہائے ہائے
ساقی و مطرب و مئے وصلِ شبانہ ہائے ہائے
گردشِ چرخ حیف حیف، دورِ زمانہ ہائے ہائے
صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

مومنِ یا وہ گو حریف تو نہیں اپنے راز کا
رات کو یاں گزر ہوا اس بتِ دل نواز کا
وقتِ اذاں فلک رہا زمزمہ عیش و ناز کا
کس سے ادا ہو اب صلات ہوش کہاں نماز کا
صبح دمید و شب گذشت ماہ شبینہ خانہ رفت
روئے سحر سیہ کنید یار بہ ایں بہانہ رفت

تضمین
شعر منشی فضل عظیم

یہ رنگ زرد جو ہے اور اشک آئے ہیں لال
یہ سب وبال غرض جی کے لگنے کا ہے وبال
بیان کرتے ہوئے جی کپے ہے یہ احوال
خدا کے واسطے یارو نہ پوچھو دل کا حال
دلِ فریفتۂ روئے قاتلے دارم
زدست دل بہ عزائم عجب دلے دارم

تڑپتے گزرے ہے ہر روز، جاگتے ہر شب

یہ کیسی بن گئی مجھ پر یہ کیا ہوا یا رب
کسی سے کہہ بھی تو سکتا نہیں یہ کیا ہے غضب
کہ سب عذاب یہ دل کے سبب ہیں دل کے سبب
دل فریفتۂ روئے قاتلے دارم
زدست دل بہ عزائم عجب دلے دارم

نہ شکوۂ فلک و بختِ نارسا ہے مجھے
نہ کچھ شکایتِ دلدارِ بے وفا ہے مجھے
غرض کسی سے نہ شکوہ، نہ کچھ گلا ہے مجھے
اگر گلا بھی ہے تو اپنے دل ہی کا ہے مجھے
دل فریفتۂ روئے قاتلے دارم
زدست دل بہ عزائم عجب دلے دارم

خدا کے واسطے اے یارو کیوں جلاتے ہو
یہ پوچھ پوچھ کے احوال جی دکھاتے ہو
ہنگ کرتے ہو بک بک کے جان کھاتے ہو
جو ماجرا ہے سو لو سن لو کیوں ستاتے ہو
دل فریفتۂ روئے قاتلے دارم
زدست دل بہ عزائم عجب دلے دارم

کہاں تلک نفسِ سرد و آہ گرم بھروں
کہاں تلک پے تسکیں جگر پہ دست دھروں
کہاں تلک قلق و اضطراب سے میں مروں
نہیں ہے بس میں ذرا ایسے دل کو صدقے کروں
دل فریفتۂ روئے قاتلے دارم
زدست دل بہ عزائم عجب دلے دارم

کہا جو میں نے کہ مت پوچھو سرگذشت مری

جب آپ جانیں کہ ہوتی ہے کیسی دل کی لگی
کہ دل ہو میرا سا اور چاہ بھی ہو میری سی
تو مجھ سے کہتے ہیں کیا مسکرا کے وہ میں بھی
دلِ فریفتۂ روئے قاتلے دارم
زدستِ دل بہ عزائم عجب دلے دارم

یہ میرا حال جو اے یارو دیکھتے ہو تباہ
کہ رنگ زرد ہے، منہ فق ہے، بکھری بکھری نگاہ
ہیں اشک چشم میں اور لب پہ نالہ جاں کاہ
یہ سب ہے دل کے سبب، دل نے مجھ کو مارا آہ
دلِ فریفتۂ روئے قاتلے دارم
زدستِ دل بہ عزائم عجب دلے دارم

قلق میں رکھے ہے مجھ کو ہمیشہ میرا دل
مرے تو سینے میں اے کاش کہ نہ ہوتا دل
اگر ہوا بھی تھا تو جیسے اور سب کا دل
تجھے بھی دینا تھا یا رب مجھی کو ایسا دل
دلِ فریفتۂ روئے قاتلے دارم
زدستِ دل پہ عزائم عجب دلے دارم

ملا جو مومنِ غمگیں بہ حالِ زارِ سحر
کہا یہ میں نے کہ کیا حال ہے بیان تو کر
تو کچھ بھی منہ سے نہ بولا وہ دل گرفتہ مگر
پڑھا یہ شعر عظیم اس نے ہاتھ دھر دل پر
دلِ فریفتۂ روئے قاتلے دارم
زدستِ دل بہ عزائم عجب دلے دارم

(مسدس بہ مضمون) واسوخت

اے ستم گر کہاں تلک بے داد
سرِ پامال ، عاشقِ ناشاد
قول دینا عدو کو حسبِ مراد
مر گیا تیرے ہاتھ سے فرہاد
فکرِ جور و سرِ جفا کب تک
بے وفا غیر سے وفا کب تک

اب بھی آ، جانے دے دل آزاری
چھوڑ دے خود سری و خوں خواری
دیکھ اچھی نہیں ستم گاری
نہ پڑے صبر نالہ و زاری
کہیں تو بھی نہ دل کو کھو بیٹھے
کہیں آنکھوں کو یوں نہ رو بیٹھے

کچھ زمانے کا اعتبار نہیں
دورِ گردوں پہ اختیار نہیں
عشرتِ دہر پائدار نہیں
چرخ کو ایک دم قرار نہیں
ہو نہ جائے ہماری بات بڑی
کبھی دن ہے ، کبھی ہے رات بڑی

حسن آخر ہے بنے وفا نہ رہے
چہرۂ گل رنگ با صفا نہ رہے
شوخیِ نازش و ادا نہ رہے
لب شیریں میں کچھ مزا نہ رہے
شور اٹھے نہ خوش خرامی سے
بے حلاوت ہو تلخ کامی سے

طرہ مارِ سپید سا ہو جائے
کاکل اک جان کی بلا ہو جائے
زلف کے بدلے قد دوتا ہو جائے
خوش نما چہرہ بدنما ہو جائے
آپ مو کے عوض پریشاں ہو
روئے آئینہ دار حیراں ہو

تیغ ابرو سے دل فگار نہ ہو
تیرِ مژگاں جگر کے پار نہ ہو
خنجرِ غمزہ زخم بار نہ ہو
کوئی دنیا میں جاں نثار نہ ہو
اک قلق طبع نازنیں پہ رہے
بے ارادہ شکن جبیں پہ رہے

کلف آجائے ماہِ کامل میں
داغ رخ لالہ کے مقابل میں
غنچہ ہو گل رخوں کی محفل میں
مثلِ سنبل شکن پڑیں دل میں
جلوۂ بے بدل بدل جائے
زلفِ خوش خم کا بل نکل جائے

پھر مری طرح ناز اٹھائے کون
پاس اپنے تجھے بٹھائے کون

ہے فسوں لیک دم میں آئے کون
لب شیریں کو منہ لگائے کون
طعنہ زن ہو اور انگبیں لب پر
مکھیاں بھنکیں شکریں لب پر
ہو عرق جب کہ آبرو نہ رہے
تندی و نازکی کی خو نہ رہے
دل ربایانہ گفتگو نہ رہے
یہ قیامت کہ اب ہے تو نہ رہے
بوالہوس بات بات پر بگڑے
کچھ نہ بن آئے اس قدر بگڑے
چھوڑنے کی مرے ندامت ہو
آپ کو دم بہ دم ملامت ہو
بیٹھتے اٹھتے اک قیامت ہو
پھر ملے تجھ سے کس کی شامت ہو
یوں غضب میں رہے بلا میری
یہ مصیبت سہے بلا میری
فکرِ انجام سے نہ ہو انجان
مجھ سے مل جا تو میرا کہنا مان
اس زمانے کو ظالم آیا جان
دل میں اپنے ذرا سمجھ نادان
کب تلک کوئی نامراد رہے
بھول جاؤں گا میں بھی یاد رہے
کوئی بھی اس طرح جلاتا ہے
کوئی بھی اس قدر ستاتا ہے
کوئی بھی اتنا بھول جاتا ہے
کبھی رہ رہ کے جی میں آتا ہے

میں بھی پروا تری ذرا نہ کروں
ہوں تو عاشق ولے وفا نہ کروں

وہ جو ہمدم ہے تیری مہ پارہ
شوخ جیسے نجوم سیارہ
وہ بھی ہوتی چلی ہے آوارہ
تازہ تازہ ہے شوقِ نظارہ
مژہ سے شوخیاں ٹپکتی ہیں
آنکھیں زہرہ نمط جھپکتی ہیں

پردے کو دم بہ دم اٹھا دینا
روے تابندہ کو دکھا دینا
گاہ آواز خوش سنا دینا
جوں سحر گاہ مسکرا دینا
جلوے خورشید کے سے ہوتے ہیں
نغمے ناہید کے سے ہوتے ہیں

بس کہ ہے ولولہ جوانی کا
لطف ڈھونڈھے ہے زندگانی کا
قصہ سن میری جاں فشانی کا
شیوہ سیکھا ہے مہربانی کا
گم شدہ دل کی جستجو ہے بہت
مجھ سے عاشق کی آرزو ہے بہت

ڈھب پہ اپنے اسے نکالوں گا
حسرت و آرزو نکالوں گا
تجھ سے بے باک تر بنالوں گا
ناز و انداز سب سکھالوں گا
چاہیے آفت زمانہ بنے
غیر ناآشنا یگانہ بنے

بزم میں جب وہ جلوہ فرما ہو
کو تمکیں سے نالہ پیدا ہو
تیری واماندگی تماشا ہو
رشک پر بھی قیامت اٹھنا ہو
تجھ سے شکلِ زمیں ہلا کب جائے
اس کی شان و شکوہ میں دب جائے

سر پہ مانندِ گل بٹھاؤں اسے
تیرے آگے گلے لگاؤں اسے
ہاتھ۔ وہ گل سے جب ملاؤں اسے
گلے کا ہار بس بناؤں اسے
دستِ رنگیں جو یوں حمائل ہو
تو گلا کاٹنے پہ مائل ہو

اس کی جانب رہے نظر ہر دم
تھام لوں بس دل و جگر ہر دم
کھینچوں میں آہ پر شرر ہر دم
بزم میں اس کو دیکھ کر ہر دم
مسکراؤں ترے رلانے کو
داغ کھاؤں ترے جلانے کو

سب پہ پاس و لحاظ اٹھا دے وہ
رشک سے جی ترا بٹھا دے وہ
جور و بے داد کی سزا دے وہ
کیا تماشا غرض دکھا دے وہ
کیسے کیسے بہم نظارے ہوں
تیرے دکھلانے کو اشارے ہوں

لعل لب سے جو درفشانی ہو
جلوہ جوں مہرِ آسمانی ہو

مثلِ شبنم تو پانی پانی ہو
زرد رو رنگ ارغوانی ہو
تیرے گل برگ خندہ زن پہ ہنسے
مثلِ گل غنچہ دہن پہ ہنسے

کہے وہ ہیں یہ کیا بلا زلفیں
خم سے کتنی ہیں کج ادا زلفیں
دور کر ایسی بدنما زلفیں
رو سیاہی ہے چھوڑنا زلفیں
یوں جو وہ متصل کرے چوٹیں
تیری چھاتی پہ سانپ سے لوٹیں

بس جلایا کرے شرارت سے
پانی پانی ہو تو حرارت سے
دیکھے تو دیدۂ حقارت سے
جی ہلاوے ترا اشارت سے
طعنے ہر دم ہوں تیغ ابرو پر
چشمکیں تیری چشمِ جادو پر

دم ترا شوخیوں سے ناک میں لائے
سونگھ کر بو کو تیری ناک چڑھائے
دستِ گل گوں سے اپنے عطر لگائے
بگڑے جتنا تو اور تجھ کو بنائے
بس ترا اس کے ہاتھ سے نہ چلے
حسرتوں سے تو اپنے ہاتھ ملے

خوئے بد ناز خوش ادا کو کہے
نقشِ پا چشمِ سرمہ سا کو کہے
کہربا روئے دل ربا کو کہے
بندِ غم کاکلِ دوتا کو کہے

طعن و تشنیع ہی سے کام رکھے
جانے جانے کو تیرے نام رکھے
شوخیوں سے سدا ستائے تجھے
گرم جوشی میں بھی جلائے تجھے
حال ابتر مرا دکھائے تجھے
قصۂ درد و غم سنائے تجھے
کہے اب بھی یہ تم کو چاہتے ہیں
ایسی صورت پہ یوں نباہتے ہیں

مت برا مان عرضِ بے جا کا
کیا گلہ حرفِ اہلِ سودا کا
کر علاج آہِ تاب فرسا کا
اب تلک وقت ہے مدارا کا
گر مکافاتِ ہجر دل جو ہو
پھر وہی میں ہوں اور وہی تو ہو

جوش اندوہ کے سبب آیا
جب گلہ دل سے تا بہ لب آیا
ورنہ بن تیرے چین کب آیا
میں گیا یاں سے تو غضب آیا
گور دروازے پہ بناؤں میں
موئے پر بھی نہ یاں سے جاؤں میں

پر کروں کیا کہ اختیار نہیں
دلِ بے تاب کو قرار نہیں
کچھ محبت کا اعتبار نہیں
یعنی اچھا مآلِ کار نہیں
تم کو خو ہو گئی تغافل کی
یاں نہیں حد رہی تحمل کی

کب تلک یہ جفا سہوں گا میں
اس ستم پر نہ کچھ کہوں گا میں
یہ نہیں ہے تو بس نہ ہوں گا میں
جو کہا ہے سو کر رہوں گا میں
جلے کیوں مومن آتشِ غم میں
جائے ایسی وفا جہنم میں

واسوخت

(بہ ہماں قالب مسدس)

دوستو عشقِ نہفتہ نے ستایا ہے مجھے
آتشِ شوق نہانی نے جلایا ہے مجھے
کیا کہوں کیا غمِ پنہاں نے دکھایا ہے مجھے
ضبطِ وحشت نے یہ دیوانہ بنایا ہے مجھے
چہرۂ راز سے پردہ نہ اٹھاؤں کب تک
گو غمِ پردہ نشیں ہے یہ چھپاؤں کب تک

تاب پرفاش ستم ہائے نہاں کی حد بھی
قوت کش مکشِ آہ و فغاں کی حد بھی
کچھ فریب دل بے تاب و تواں کی حد بھی
ضبط سوزاں نفسِ شعلہ فشاں کی حد بھی
کیوں کہ خالی نہ کروں جی کہ بھرا آتا ہے
پیش چلتی جو نہیں غصہ چلا آتا ہے

کب تلک کوئی نہ سرگرمِ حکایت ہووے
کب تلک لب نہ شرر ریز شکایت ہووے
ہو تحمل جو تحمل کی نہایت ہووے
کیجیے صبر اگر صبر کی غایت ہووے

کچھ زباں بھی تو نہیں زور کہ چل ہی نہ سکے
غم کچھ ارمان نہیں ہے کہ نکل ہی نہ سکے

جب سے عاشق ہوئے ہم رنج نہ پائے کیا کیا
لب پہ آئے نہ گلے جی میں گر آئے کیا کیا
کیا کہیں آہ کہ خاطر میں نہ لائے کیا کیا
جب تلک تاب رہی ناز اٹھائے کیا کیا
پر نہیں حوصلۂ نیم ستم بھی اب تو
بے وفا ہائے ہوئے جاتے ہیں ہم بھی اب تو

دل مرے کہنے میں ہووے تو کچھ اب بھی نہ کہوں
پر بگڑ ہی گئی جب بات تو کیوں بات سہوں
اس کو بھی چاہیے طاقت کہ میں چپ بیٹھ رہوں
کچھ بن آتی ہی نہیں ہائے عجب رنج میں ہوں
دل پہ کیا ہاتھ دھروں ، ہاتھ ہی قابو میں نہیں
سر رہے کس پہ کہ حالت مرے زانو میں نہیں

دل ہے یا دشمنِ جانی کہ ستاتا ہے مجھے
داغ ہے یا تپِ غیرت کہ جلاتا ہے مجھے
جوش ہے یا شبِ وعدہ کہ پھراتا ہے مجھے
شکوہ ہے یا خبرِ وصل کہ بھاتا ہے مجھے
غش مگر اس کا تصور ہے کہ آجاتا ہے
جی بھی معشوق ہے گویا کہ چلا جاتا ہے

ہم پہ جو گزرے قلق اس کی بلا سے گزرے
جان سے جائیں ولے وہ نہ جفا سے گزرے
ہے وفا سے یہی حاصل تو وفا سے گزرے
کب تلک کچھ نہ کہیں ایسی حیا سے گزرے
پاسِ ناموس ہمیں کیوں ہو جب ان کو ہی نہیں
جس نظر سے کہ لحاظ آئے تھا اب وو[۱] ہی نہیں

۱۔ نسخۂ اول و ششم نول کشور (طبع ۱۸۷۶ء و ۱۹۳۰ء ص ۱۹۰، ۲۳۳) میں "وہ" غلط ہے صحیح "وو" ہے۔

ملک الموت بھی آتا نہیں ہاں کیا کیجے
کچھ توقع نہیں دل جوئی جاں کیا کیجے
نہیں کہنے میں زباں منع زباں کیا کیجے
دم ہی باقی نہ رہا ضبط فغاں کیا کیجے
نالۂ گرم و دم سرد کی طغیانی ہے
کوئی دن اور جو دنیا کی ہوا کھانی ہے

دل کو اس دشمن جانی سے لگانا ہی نہ تھا
باتوں پر اس لب دم باز کی جانا ہی نہ تھا
دم میں اس چشمِ سخن ساز کے آنا ہی نہ تھا
جور کم سہنے تھے یہ غصہ بڑھانا ہی نہ تھا
اب بھی اے کاش کچھ ایسا ہو کہ جھگڑا جائے
رحم آجائے اسے یا مجھے صبر آ جائے

خوب کرتے ہیں کہ وہ ظلم کیے جاتے ہیں
رنج دینے کو دل اوروں کو دیے جاتے ہیں
داد بے رحمی و بے داد دیے جاتے ہیں
ہم بھی اک اتنی توقع پہ جیے جاتے ہیں
کہ جو ہو اب کے ملاقات تو بدلا لے لیں
جن سے وہ خوب لیے جائیں وہ طعنے دے لیں

چشمِ فتاں ، نگہِ شوخ وہ شرما جائے
عرقِ شرم کے طوفان میں ڈوبا جائے
جی پہ کچھ ایسی بنے رخ پہ تغیر آجائے
بگڑے یہ چہرہ کہ مجھ سے بھی نہ دیکھا جائے
ہووے یہ رنگ کہ پھر منہ وہ دکھا ہی نہ سکے
سر کو راتوں سے مری طرح اٹھا ہی نہ سکے

اب کی ہو گرمیِ صحبت تو جلاؤں واللہ
کیا ستایا ہے مجھے جو میں ستاؤں واللہ

روئے تو اور بھی ہنس ہنس کے رلاؤں واللہ
رنگ اڑ جائے پہ آئینہ دکھاؤں واللہ
بس وہ حیران ہی رہ جائے وہ حیران کروں
اس کی تصویر نکال اپنے پہ قربان کروں

چھیڑنے کو کہوں ہے ہے وہ زمانہ کیا تھا
کہ شب و روز کوئی آپ کے گھر رہتا تھا
دیکھنا میری بھی صورت کا کوئی شیدا تھا
نام مومن بھی کسی چاہنے والے کا تھا
یا کہیں سب کو رقیبوں کے سوا بھول گئے
مجھ کو پہچانتے ہو کون ہوں یا بھول گئے

اب بھی کچھ یاد ہیں وہ روز مری جاں تم کو
جن دنوں میں تھے شبِ وصل کے ارماں تم کو
آئینہ دیکھنے دیتے نہ نگہباں تم کو
اقربا کیسا کیا کرتے تھے حیراں تم کو
گھر میں ہی پھر نہیں سکتے تھے رہا قید میں کیا
آپ یوسف تھے غرض حسن میں کیا، قید میں کیا

ہم نشیں ایک ذرا سر نہ اٹھانے دیتے
سرِ دیوار سے جلوہ نہ دکھانے دیتے
جھانکنے کے لیے در تک بھی نہ آنے دیتے
کہیں شادی ہو ولے تم کو نہ جانے دیتے
اس پہ پیدا کیے یوں چاہنے والے تم نے
گھر میں بیٹھے ہوئے یوں پاؤں نکالے تم نے

اپنے ہی حال میں تھی زلف گرفتار سدا
کھاتی پرہیز سے غم نرگسِ بیمار سدا
غمزے کو نوکِ مژہ سے خلشِ خار سدا
تازہ آزار میں ہر عشوۂ بیکار سدا

آرزو چشم کو وحشی نظری کی کتنی
دستِ مژگاں کو ہوس پردہ دری کی کتنی
قیدی سلسلۂ زلف دوتا ایک نہ تھا
بے سبب کشتۂ شمشیرِ جفا ایک نہ تھا
پائمالِ روشِ فتنہ فزا ایک نہ تھا
نام رسوا کُن اندازِ حیا ایک نہ تھا
حیرتِ حسن کے چرچے سے خجل ہوتے تھے
کیسے افسوس سے دیکھ آئنے کو روتے تھے

شوخی و چستیِ الحال کہاں تھی ایسی
خلق رفتار سے پامال کہاں تھی ایسی
بانگِ شور افگن خلخال کہاں تھی ایسی
یہ چلن کاہے کو تھا، چال کہاں تھی ایسی
آنچلوں سے کہو مقیش کہاں جھڑتا تھا
کب دوپٹہ یہ مری طرح گرا پڑتا تھا

گرم تھا یوں ملک الموت کا بازار کہاں
زندگانی سے تھے کم حوصلہ بیزار کہاں
کو بہ کو تھی یہ فغاں ہائے عزا[1] بار کہاں
ہر اشارے پہ چلا کرتی تھی تلوار کہاں
نہر یوں خون کی کس روز بہا کرتی تھی
یہ وہی کو ہے جہاں خاک اڑا کرتی تھی

تم کو یہ طور یہ انداز کہاں آتے تھے
ستم حادثہ پرواز کہاں آتے تھے
ایسے دم ہائے فسوں ساز کہاں آتے تھے
اس قدر مہر فزا ناز کہاں آتے تھے

۱۔ نسخۂ نول کشور لکھنؤ (طبع ششم ۱۹۳۰ء) ص ۲۳۶ میں "عزایار" ہے۔

یوں الگ رہنے میں عاشق سے لگاوٹ کب تھی
روز بے وجہ بگڑنے میں بناوٹ کب تھی
زلف تھی ہم اثرِ شامِ غریباں کس دن
صبحِ محشر تھا بھلا چاک گریباں کس دن
برقِ خرمن تھا کبھو خندۂ پنہاں کس دن
سرمہ تھا رشکِ بلائے شبِ ہجراں کس دن
خوبیِ طرزِ تغافل کی خبر کاہے کو تھی
شوخیِ جنبشِ مژگاں پہ نظر کاہے کو تھی
حلقۂ دام نہ تھا ، حلقۂ گیسو ہرگز
موجِ شمشیر نہ تھی ، جنبشِ ابرو ہرگز
درپے قتل نہ تھی طبع جفا جو ہرگز
فتنہ پردازیوں کی کچھ بھی نہ تھی خو ہرگز
چشمِ فتاں کو خیالِ نگہِ ناز نہ تھا
غمزہ مانند مرے اشک کے غماز نہ تھا
مجھ سے جب آنکھ لڑی بر سر پیکار نہ تھے
لے گئے جب مرے دل کو تو دل آزار نہ تھے
مجھ کو جب کام پڑا ہے تو جفا کار نہ تھے
ایسے بے درد ستم پیشہ و خوں خوار نہ تھے
طرزِ عشاق کشی آپ کو معلوم نہ تھی
شہر میں الحذر و ولولے کی دھوم نہ تھی
جان سی آگئی تھی طبع کے آجانے سے
کیا ہی خوش ہوتے تھے دل میں مرے غم کھانے سے
شوخیِ روز فزوں تھی مرے گھبرانے سے
ہاتھ سے جاتے تھے دل کے مرے ہاتھ آنے سے

یعنی دم بھرتے تھے جو دم مرا بھرتا ہے کوئی
اس پہ مرتے تھے کہ اب ہم پہ بھی مرتا کوئی

دم بہ دم کیا مری دل جوئی و دل داری تھی
دوستی تازہ ، نیا شوق ، نئی یاری تھی
وصل میں صبح تلک شام سے بیداری تھی
ہم کناری و سیہ مستی و مے خواری تھی

غش مری بے خودی نشہ سے ہونے لگتے
دیکھ کر گریۂ مستی کو بھی رونے لگتے

بے مروت تھی ان آنکھوں میں مروت کتنی
رات دن مدِ نظر تھی مری الفت کتنی
بدگماں تھی نگہِ چشمِ محبت کتنی
دور بیں تھی نظرِ لطف و عنایت کتنی

بے مروت نظر آتے ہو کہا کرتے تھے
دیکھتے ہی مری چتون کو رہا کرتے تھے

اب تو بے رحمی و بے دردی و بے باکی ہے
بے سبب رنجش و بے وجہ غضب ناکی ہے
لطف میں سستی و آزار میں چالاکی ہے
کھو دیا آپ کو کیا وضع یہ پیدا کی ہے

جان سے جاتے ہیں ہم اور تمھیں پروا ہی نہیں
ہوگئے ایسے کہ گویا کبھی کچھ تھا ہی نہیں

اک مصیبت ہے نہ کھاتا ہوں ، نہ میں سوتا ہوں
ہے غذا خونِ جگر ضعف سے غش ہوتا ہوں
یادِ ایامِ ملاقات میں جی کھوتا ہوں
رات دن کلبۂ احزاں میں پڑا روتا ہوں

خندہ زن زخمِ جگر دیکھ کے ہر دم اپنے
یاد آتے ہیں وہ گل خندۂ ہیم اپنے

گو سوا شربتِ دیدار مرا چارہ نہیں
جز نظر تارِ رفوے دلِ صد۔ پارہ نہیں
پھر وہاں آن پھروں ایسا بھی آوارہ نہیں
کیا کروں صبر نہیں طاقتِ نظارہ نہیں
کیوں کہ بدلے ہوے تیور یہ تمھارے دیکھوں
کیوں کہ ان آنکھوں سے غیروں کے اشارے دیکھوں

چھوڑ دینا تھا تمھیں جھوٹ قسم کو نہ مجھے
دل سے کھونا تھا اس اندازِ ستم کو نہ مجھے
بھول جانا تھا جفاے پے ہم کو نہ مجھے
نیست کردینا تھا اندوہ والم کو نہ مجھے
قابلِ ترک تھی خوے ستم آرا کہ نہ میں
لائق سہو تھی یہ رنجش بے جا کہ نہ میں

غیر ہیں بے مزہ تو وصل گوارا کیوں ہو
دو جواب ان کو تو پھر عرض کا یارا کیوں ہو
سب سے گزرے تو کسی کا بھی گزارا کیوں ہو
گر پڑے چشم سے جو ان سے اشارا کیوں ہو
کس لیے شعلہ نظر بازیِ بے باک رہے
پردہ کیوں میرے گریباں کی طرح چاک رہے

ہاے یک بار وہ لطفِ پے ہم چھوڑ دیا
انس و اخلاص و دلاسا و کرم چھوڑ دیا
چارۂ رنجش و درمانِ الم چھوڑ دیا
میں نے بھی آپ کو اس سر کی قسم چھوڑ دیا
اب اگر دو بھی تو دادِ دلِ ناکام نہ لوں
گو کہ بد نام ہوا ہوں پہ کبھی نام نہ لوں

جب نہ ہو چاہ تو کس واسطے چاہوں میں بھی
بے وفا نکلے تو کاہے کو نباہوں میں بھی
تم ہو گر فتنۂ دوراں تو بلا ہوں میں بھی
خوب ہی جان رکھو یہ کہ برا ہوں میں بھی
پھر ادھر منہ نہ کروں شکل دکھانا تو کہاں
اس طرف سے نہ چلوں کوچے میں آنا تو کہاں

دل سے ہے عہد کہ ملنے کی قسم کھاؤں گا
آن بیٹھو گے کہیں پاس تو اٹھ جاؤں گا
گھر میں بھی آئے تو صحرا کو نکل جاؤں گا
کیوں کہ کھو دوں کہ میں پھر جان کہاں پاؤں گا
دم ہے آنکھوں میں یہ صدمہ مرے دل پر گزرا
گزرے دنیا سے بلا تم ہی سے میں در گزرا

دیکھ لوں گا میں بس اب مہر لقا اور کوئی
برق وش، شعلہ روش، گرم ادا اور کوئی
آتشِ خرمنِ آزار و جفا اور کوئی
شمعِ کاشانہ فروزانِ وفا اور کوئی
تو سہی آتشِ غیرت سے جلاؤں تم کو
تم تو کہتے ہو میں سچ آگ لگاؤں تم کو

وہ پری زاد کہ دیوانہ ہو عالم اس کا
طاقِ محرابِ بلا طرۂ خوش خم اس کا
چشمِ جادو و فسوں عشوۂ پیہم اس کا
تیز تیز ایسی نظر دشنہ بھرے دم اس کا
تیغ ابرو کی یہ جنبش ہو کہ بس تو کٹ جائے
دستِ مژگاں کے اشارے سے کلیجا پھٹ جائے

نکلے ہر بار نئی طرز ملاقات میں بات
بذلہ آمیز بیاں حرف و حکایات میں بات
کس ادا سے کرے ایما و اشارات میں بات
ہر سخن میں سخنِ نغز ہو، ہر بات میں بات
چپ ہی لگ جائے تجھے جب وہ فسوں گر بولے
ہر جگہ بند کرے جب وہ زباں کو کھولے

رات دن نغمہ سرا زمزمہ پرداز رہے
اپنے شوریدۂ ناکام سے دمساز رہے
طعن و تشنیع میں بھی چاشنیِ ناز رہے
سخنِ تلخ سے لذت دہِ انداز رہے
گالیاں جب لبِ شیریں سے سنائے تجھ کو
دانت کھٹے ہوں ترے بات نہ آئے تجھ کو

دعوے نیکوئی اس سے تری شامت ہووے
جو ترے سامنے ہو تجھ کو ندامت ہووے
روش اک فتنۂ محشر کی علامت ہووے
جب ترے پاس سے نکلے تو قیامت ہووے
لگ چلے بھی تو اگر اس بتِ مغرور کے ساتھ
پہنچے مرنے کے قریب ایک ہی "چل دور" کے ساتھ

ہائے جی بیٹھ گیا بس کہ اٹھائے ہیں ستم
دل کھنچے کیوں نہ بہت کھینچ چکا رنج و الم
صدمۂ عشق نے بے طور کیا ناک میں دم
ایسا بیزار ہوا ہوں کہ خدا ہی کی قسم
اس نے بھی کام نہ رکھا تو نہ رکھوں گا کام
پھر یہ سمجھوں گا کہ مومن کو بتوں سے کیا کام

مثمن

(روضۂ گلستان دل فروز و گل فشانی مضامین واسوز)

اے چارہ گر آچک کہ دمِ چارہ گری ہے
میں جان سے مرتا ہوں تجھے بے خبری ہے
کیوں پہلے ہی درماں سے یقیں بے اثری ہے
اپنی سی تو کر دیکھ عبث نسخہ دری ہے
ہو جاؤں میں جاں بر تو تری ناموری[1] ہے
یوں دعوےٰ بے صرفہ تو بیہودہ سری ہے
گر ہم سے مریضوں کی دوا ہووے تو جانیں
بیمارِ محبت کو شفا ہووے تو جانیں

ہر چند کہ درماں ہی نہیں عشقِ بتاں کا
زخمِ دلِ مجروح پہ لگتا نہیں ٹانکا
مرنا قلقِ ہجر میں بچنا ہے یہاں کا
پر شکر ہوا سہل علاج اپنی تو جاں کا
وہ حال نہیں ہے دلِ بے تاب و تواں کا
تھمتا نظر آتا ہے لہو زخمِ نہاں کا
تاثیر دوا اب تری کر جائے تو کر جائے
ہر چند کہ ناسور ہے بھر جائے تو بھر جائے

یعنی کہ دل اس دشمنِ جانی سے پھرا اب
گو تھا مرض الموت پہ ممکن ہے شفا اب
بے طاقتیِ جاں نہیں آزار فزا اب

---

[1] نسخۂ نول کشور طبع ششم ۱۹۳۰ء (ص ۲۳۰) میں "نام بری" غلط اور نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۶۷ء (ص ۱۶۴) "ناموری" صحیح

سینے سے مرے ہاتھ جدا ہونے لگا اب
وہ عشق کی خاطر ہے نہ وہ پاسِ وفا اب
وہ فتنے کی الفت ہے نہ وہ شوقِ بلا اب
کچھ کام نہیں پیچ و خم زلفِ دوتا سے
کھایا کرے بل سیکڑوں اب میری بلا سے

اک عمر تلک زیست سے بیزار رہا میں
سرمشقِ غم ، وقفِ صد آزار رہا میں
معشوق کے پرہیز سے بیمار رہا میں
بے جرم جفاؤں کے سزا وار رہا میں
کیا کیا نہ مصیبت میں گرفتار رہا میں
افسردۂ دل گرمیِ اغیار رہا میں
آخر تپش اس آتشِ خاموش میں آئی
جاں گرمیِ غیرت سے غضب جوش میں آئی

کل گھر میں وہ بیٹھے تھے سراسیمہ و حیراں
اس حال کے دیکھے سے ہوا حال پریشاں
غصے کے سبب چھپ نہ سکی رنجشِ پنہاں
سمجھا میں کہ یوں بھی تو ہے مایوس و حرماں
انصاف کرو صبر کرے کب تلک انساں
ناچار کہا طعن سے میں نے کہ مری جاں
کس سوچ میں بیٹھے ہو ذرا سر تو اٹھاؤ
گو دل نہیں ملتا ہے پر آنکھیں تو ملاؤ

دیکھو تو ادھر کو کہ کبھی یار تھے ہم بھی
غیروں کی طرح محرمِ اسرار تھے ہم بھی
سرمست مئے حیرتِ دیدار تھے ہم بھی

منظورِ نظر صورتِ اغیار تھے ہم بھی
اس چشمِ عنایت کے سزا وار تھے ہم بھی

یوں شربتِ دیدار سم آمیز نہیں تھا
کچھ نرگسِ بیمار کو پرہیز نہیں تھا

کہیے تو یہ کیا بات ہے قربان تمھارے
کچھ طور نظر آتے ہیں بدلے ہوے سارے
ہے ناز، نہ ایما، نہ ادائیں، نہ اشارے
اب کس لیے رہتے نہیں تم گھر میں ہمارے
آئے کبھی برسوں میں تو آتے ہی سدھارے
بیٹھے بھی اگر پاس تو چپ شرم کے مارے

پھر کس لیے گھونگھٹ رخِ روشن پہ لیا ہے
پھر کیوں نئے سر سے وہی پہلی سی حیا ہے

وہ ہی تو ہوں میں ہمدم و دمسار تمھارا
مدِ نظرِ چشم، نظر باز تمھارا
وہ جس کے ہوا صرف سب انداز تمھارا
اک عمر تلک جس پہ رہا ناز تمھارا
وہ محرمِ ہر غمزۂ غماز تمھارا
پوشیدہ نہ تھا جس سے کوئی راز تمھارا

حسن آئنۂ دیدۂ دیدار طلب تھا
سر حلقۂ عشاق وفادار لقب تھا

وہ مہر، وہ الفت، وہ محبت ہی نہیں ہے
یا طبع میں الطاف تھے، یا بر سر کیں ہے
بیہودہ سدا ابروے خم دار میں چیں ہے
بے وجہ شب و روز شکن زیبِ جبیں ہے

آتے ہی یہاں بس چلے جانے کی کہیں ہے
اب ہوش کہاں ، آپ کہیں ، دھیان کہیں ہے

فرق آہ پڑا طرزِ ملاقات میں کیسا
غصہ ہی چلا آتا ہے ہر بات میں کیسا

وہ پیچ ، وہ خم ، طرۂ طرار کہاں ہے
وہ کش مکشِ کاکلِ خم دار کہاں ہے
وہ نازکی نرگسِ بیمار کہاں ہے
وہ تازگی و رونقِ رخسار کہاں ہے
وہ بوے تنِ رشکِ سمن زار کہاں کے
وہ رنگِ رخ غیرتِ گلنار[1] کہاں کے

گلگونہ سے چہرے پہ کدورت ہی نہیں اب
بدلے گئے کچھ تم تو وہ صورت ہی نہیں اب

ہے طبع میں ہر روز فزوں رنج فزائی
اپنے میں سماتے نہیں کیا دل میں سمائی
یہ تندیِ خو تو نہیں، کچھ گرم ادائی
اس شعلہ مزاجی نے مری جان جلائی
ہر ایک سے ہر بات پہ ہوتی ہے لڑائی
کیوں خصلتِ مذموم پسند آپ کو آئی

کس واسطے بے وجہ غضب ناک ہوئے ہو
کچھ شرم میں تھا عیب کہ بے باک ہوئے ہو

تم گھر میں جہاں آئے کہ گویا غضب آیا
کوئی ہو جہاں سامنے آیا غضب آیا
کچھ خیر تو ہے ایسا کہاں کا غضب آیا
پھر لڑکے چلے جاتے ہو یہ کیا غضب آیا

[1] گلزار۔

سمجھو تو ذرا بات کہ بے جا غضب آیا
گھر والے کہاں جائیں یہ کیسا غضب آیا

بے وجہ عداوت کا سزاوار تو میں ہوں
اوروں پہ ہے کیوں ظلم گنہ گار تو میں ہوں

ہر اک سے بگڑ کر مرے دم پہ نہ بناؤ
دن رات جہاں رہتے ہو اب بھی وہیں جاؤ
کیوں ہاتھ سے جاتے ہو تم اتنا بھی نہ آؤ
جو تم کو ستایا کریں تم ان کو ستاؤ
دل سرد ہوا تم سے مرا جی نہ جلاؤ
اس گرمیِ الفت کو بس اب آگ لگاؤ

کب تک جلے کوئی یہ تپش خاک میں جل جائے
ٹھنڈا ہو کلیجا جو کہیں سوزشِ دل جائے

افسوس مرے غم نے نہ کی تجھ میں سرایت
بے فائدہ سے آئے نظر حرف و حکایت
آئی وہی درپیش جو تھی عشق کی غایت
بے جا ہیں گلے، سب مری بیہودہ شکایت
بھولے سے جو مل جاتے ہو یہ بھی ہے عنایت
یعنی ہوں سبب پوچھ کے شرمندہ نہایت

ہے رنج بجابات یہ بھائی مرے جی کو
سچ کہتے ہو دل میں نے دیا اور کسی کو

میں ہی تو رہا ہوں کہیں شب کو خوش و خرم
میں نے ہی تو کی بادہ کشی غیر سے باہم
میری ہی نظر سے ہے عیاں نیند کا عالم
آتی ہے جمائی پہ جمائی مجھے ہر دم

انگڑائیاں لیتا ہوں یہ اب میں ہی تو پیہم
میری ہی تو گردن میں پڑا جائے ہے کچھ خم
میری ہی تو آنکھوں میں غضب نیند بھری ہے
میری ہی جبیں ہے یہ جو گھٹنے پہ دھری ہے

میں ہی تو کہیں رات کو بیدار رہا ہوں
میں ہی تو ہم آغوش، طلب گار رہا ہوں
میں ہی تو مئے وصل سے سرشار رہا ہوں
میں ہی تو کفِ غیر سے مے خوار رہا ہوں
ملکِ ہوسِ تازہ خریدار رہا ہوں
لذت دہِ اوباش، ہوس کار رہا ہوں
بدمستیاں میری ہی تو آنکھوں سے عیاں ہیں
میرے ہی تو ہونٹوں پہ یہ دانتوں کے نشاں ہیں

کوئی نہ کہے یہ کہ سکھایا ہے کسی نے
تجھ کو مری جانب سے لگایا ہے کسی نے
بے جرم یہ طوفان اٹھایا ہے کسی نے
ایسا مجھے دیوانہ بنایا ہے کسی نے
یہ جھوٹ نہیں سچ ہے جتایا ہے کسی نے
کیا کیا نہیں آنکھوں سے دکھایا ہے کسی نے
یوں مان لے ایسا کوئی نادان نہیں ہے
تم غیر سے ملتے ہو یہ طوفان نہیں ہے

کیوں لوگ لگے آپ پہ بہتان لگانے
یہ بات تم اس سے کہو جو بات کو مانے
میں نے تمھیں جانا کوئی جانے کہ نہ جانے
سب عذر ہیں بے فائدہ بیہودہ بہانے

کچھ خیر ہے مجھ سے بھی لگے باتیں بنانے
معلوم ہیں سارے مجھے جتنے ہیں ٹھکانے
گر کہیے تو اک ایک کا میں نام بتادوں
یہ پردۂ ناموس کہ ہے چاک اٹھا دوں

یہ بات تو ہے آپ کی گفتار سے ظاہر
یہ چال ہوئی آپ کی رفتار سے ظاہر
اقرار ہے صاف آپ کے انکار سے ظاہر
ہے مستی شب نرگسِ مے خوار سے ظاہر
عالم ہے خزاں کا گلِ رخسار سے ظاہر
بد طوری دوشینہ ہے اطوار سے ظاہر
کیا شکل بگاڑی ہے بس اب منہ نہ بناؤ
آئینہ دکھا دیجیے تو صورت نہ دکھاؤ

کیا قہر ہے کیوں کر نہ اٹھے درد جگر میں
میری تو بغل خالی اور آپ اور کے بر میں
اک آن بھی مجھ سے نہ ملو آٹھ پہر میں
گھر چھوڑ کے اپنا رہو یوں اور کے گھر میں
سنتا ہوں شب و روز تمھیں بزمِ دگر میں
کیوں کر نہ ہو تاریک جہاں میری نظر میں
ہر روز تو اے مہر درخشاں ہے کہیں اور
ہر رات تو اے شمع شبستاں ہے کہیں اور

ہے وقت اگر دل میں سمجھ جاؤ تو بہتر
اندیشۂ انجام سے پچھتاؤ تو بہتر
بے باکی بے صرفہ سے شرماؤ تو بہتر
جو دل میں ٹھہرتی نہیں ٹھہراؤ تو بہتر

اغیار سے ملنے کی قسم کھاؤ تو بہتر
اب بھی جو ان اطوار سے باز آؤ تو بہتر
معشوق مجھے گر تمھیں عشاق بہت ہیں
یہ یاد رہے میرے بھی مشتاق بہت ہیں
کیا ایسی بنی مجھ پہ کہ پامالِ جفا ہوں
تم اتنے بگڑ جاؤ میں اس پر بھی بنا ہوں
تم چھوڑ دو یوں اور میں پابندِ وفا ہوں
تم سے نہ ہوں آزردہ میں گو جی سے خفا ہوں
یہ چاہیے مجھ کو بھی کہ اب اور کو چاہوں
ایسی کسی معشوقۂ دل جو پہ فدا ہوں
ہر دم جو سوے عاشقِ مضطر نگراں ہو
فکرِ ستم اس کے دلِ نازک پہ گراں ہو
یوں دل شکنِ عاشقِ جاں باز نہ ہووے
ان بوالہوسوں سے کبھی دمساز نہ ہووے
ہر ناکس و کس محرم و ہمراز نہ ہووے
جوں دورِ زماں حادثہ پرواز نہ ہووے
یارِ فلکِ تفرقہ انداز نہ ہووے
بے صرفہ ادا اس سے کوئی ناز نہ ہووے
کیا ذکر ہنسے بولے وہ بے طور کسی سے
کچھ بات ہے وہ بات کرے اور کسی سے
لازم ہے کہ ضد سے تری ہر بزم میں جاؤں
دیکھے کہ نہ دیکھے کوئی احوال دکھاؤں
ہر ایک کو افسانۂ دل چسپ سناؤں
یہ تیری جفا اس کی وفا سب کو جتاؤں
شاعر ہی تو ہوں شکر و شکایت پہ جو آؤں

مشہور اسے اور تجھے بدنام کروں میں
ناکام تجھے اور اسے خود کام کروں میں

غیروں کو ملاقات سے تیری حذر آئے
ہر کوئی بہانے سے مرا قصہ سنائے
یوں غیر کی بن آئے تو کیا کیا نہ بنائے
طعنے تجھے دے دے کے جو دم ناک میں لائے
تو بیٹھ رہے شرم سے اور وہ نہ بلائے
پروانہ کرے کچھ بھی تو جائے کہ نہ جائے

ہرگز سببِ ترکِ ملاقات نہ پوچھے
لگ جائے تجھے چپ پہ کوئی بات نہ پوچھے

یہ نالہ ہو لب پر کہ خدا وندِ دو عالم
ہم بھی کبھی رہتے تھے جہاں میں خوش و خرم
کس جرم کی تعزیر میں یوں خوار ہوئے ہم
جتنی کہ ہوئی تھی خوشی اتنا ہی ہوا غم
وہ عیش جو یاد آئیں تو کیا کیا نہ ہوا غم
دل میں کہے سو حسرت و افسوس سے ہر دم

جلتا ہوں میں تو انجمن افروز کہاں ہے
دل داغ ہے تو اے مرے دل سوز کہاں ہے

ہو ان حرکاتوں سے ندامت تجھے کیا کیا
رہ رہ کے خیال آئے کہ یہ میں نے کیا کیا
قسمت ہی بری ہو تو کرے کوئی بھلا کیا
الزام دوں کیوں کر اسے میں اس کی خطا کیا
ہر وقت ہو افسوس کہ ہے ہے یہ ہوا کیا
عاشق نہ رہا کوئی تو معشوق رہا کیا

ہر اک سے کہے کچھ مجھے تدبیر بتا دو
اس وحشیِ رم خوردہ کی تسخیر سکھا دو
ہر ایک بہانے سے مجھے جلوہ دکھا جائے
ہر آن نئی آن سے بس روبرو آ جائے
ہر لحظہ مرے سامنے سے ہنس کے چلا جائے
ہر وقت شرارت سے نئی آگ لگا جائے
ہر شوخ اشارت سے مرے دل کو لٹا جائے
یہ شعر سدا میرے سنانے کو پڑھا جائے
کیا کیجیے ہمیں ناز اٹھانا نہیں آتا
روٹھے کو مناتے پہ منانا نہیں آتا

پھر دل نہ ٹلے بات سے گو بات کو ٹالوں
پھر جان نہ سنبھلے مری ہر چند سنبھالوں
ناچار ہو پھر آپ سے میں تجھ کو منالوں
بے تاب ہو بس دوڑ کے چھاتی سے لگالوں
پھر دل کے نئے سر سے سب ارمان نکالوں
تجھ کو بھی میں اپنا سا وفادار بنالوں
ہے نام جو پھر تابعِ فرمان کروں میں
مومن ہوں تو تجھ کو بھی مسلمان کروں میں

ترجیع بند

ساقی مئے سرخ رائگاں ہے
خم بھر لے کہ چشم خوں فشاں ہے
لبریز ہوا ہے کاسۂ عمر
کیا دور بلائے ناگہاں ہے
جامِ مئے عشق سے چھکا ہوں
یہ زہر کشندہ نوشِ جاں ہے
یک بارگی آگئی خموشی
بد مستیِ شوق سرگراں ہے
اٹھے بھی نہ تھے کہ گر پڑے ہم
کیا لغزشِ پا زماں زماں ہے
کس پردہ نشیں نے تیز دیکھا
اس جوش پہ رازِ دل نہاں ہے
یوں غور سے چند گو کی باتیں
سننے کا مرے سبب عیاں ہے
یعنی وہی جاں کر کروں میں ہے
جس بات میں جان کا زیاں ہے
چپ لگنے کا ماجرا نہ پوچھ آہ
کب حرف یہ لائقِ بیاں ہے
اے ہمدم جاں نواز تجھ سے
کیا دل کی کہوں میں، دل کہاں ہے
آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

لو چھوڑ مجھے چلا گیا دل
ہے اس سے زیادہ بے وفا دل

دلدار کے کھینچتے پڑے ناز
افسوس کہ میرے پاس تھا دل

یہ دشمنِ جاں تمھیں مبارک
یعنی نہیں میرے کام کا دل

کیوں دعوے دل ربائی اتنا
مائل ادھر آپ ہی ہوا دل

دیتا ہوں دم ایسے فتنہ گر پر
انصاف سے دیکھنا مرا دل

اس چشم نے کر دیا خراب آہ
تھا ورنہ بہت ہی پارسا دل

کیسی مری جان پر بن آئی
اللہ بگڑ گیا ہے کیا دل

گھونٹے ہے کوئی گلے کو ہر دم
کیا بات کروں کہ ہے خفا دل

ہے محرمِ راز کیا کہوں میں
کس آفتِ جان سے لگا دل

اے مونس غم گسار ہر دم
کیا پوچھے ہے کیوں کہ لے گیا دل

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

پردے میں ہے رشکِ ماہ میرا
کیوں کر نہ ہو دن سیاہ میرا

کیا مرنے کے بعد پاؤں پھیلائے
ہے مقبرہ خوابگاہ میرا

اس سدِ سکندری کو توڑو
آئینہ ہے سنگِ راہ میرا
بس آپ میں آؤ تم کہ شاید
ہو دل میں گزار گاہ میرا
میں کشتۂ شہید بے دیت ہوں
ہے شوقِ ستم گواہ میرا
دیکھا تو نے کہ رنگ بدلا
اے شوخ فسوں نگاہ میرا
مرنا نہیں اختیار کی بات
خود جرم ہے عذر خواہ میرا
اے دوستو ہاتھ سے چلا میں
قابو میں نہیں دل آہ میرا
اے چارہ گر اب تو پھینک تبرید
ہے حال بہت تباہ میرا
ناصح انصاف تو ہی کر یار
دل دینے میں کیا گناہ میرا
آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

چلون سے ہے حسن کیا نمودار
یوں چھانتے ہیں صفائے رخسار
یاں بخت وہاں ہیں خواب میں پاؤں
یاں چشم وہاں نصیب بیدار
آئینہ حجاب سے نہ دیکھا
کیا جانے وہ کیا ہے صبر دشوار
میں مرگِ وصال سے بھی خوش ہوں
دل جان سے کس قدر ہے بیزار

خود کام ہے وہ مبارک اے دل
ناکامیِ شوق ہائے اغیار

دیوانہ نہیں کہ خاک اڑاؤں
عاشق کو ہے سر سے کیا سروکار

خوں ٹپکے ہے اس کی تیغ سے کیوں
کیا تیری مژہ ہے چشمِ خوں بار

غم کھانے میں کیا مزا اٹھایا
کہتا ہے وہ شوخ مجھ کو غم خوار

اے حسرتِ پائے بوسِ قاتل
یاں کام میں ہے زبان زنہار

دل لے گئی اس کی چیرہ دستی
منہ دیکھ کے رہ گیا میں ناچار

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

دردِ طلب و غمِ جدائی
دل جاتے ہی کیا مصیبت آئی

دیکھا نہ گئی یہ دل کے ہمراہ
ظاہر ہوئی جاں کی بے وفائی

دی چرخ نے کس طرح سے ہم کو
آسودگیِ شکستہ پائی

پروانہ فدائے گل ہے شاید
دیکھا ترا پنجۂ حنائی

اے آہ ذرا بتا دے سیدھا
ہے چرخ میں سخت کج ادائی

اے پردہ نشیں وہی ہے سودا
پھر شکل اگر نظر نہ آئی

تو رشکِ پری تری بلا دے
آسیب زدوں کو بھی دکھائی

ہوں خاک در اس کا جب فلک نے
گردن مرے سامنے جھکائی

اے یاس وصالِ سنگ دل ہے
بے فائدہ زور آزمائی

امید نہیں رہی کہ دل کی
ایسے سے ہو کس طرح رہائی

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

اس در پہ جو میں غبار ہوتا
شکر دم شعلہ بار ہوتا

اس زود گسل سے خود بگڑتی
گر عمر کا اعتبار ہوتا

بیکار نہ ہوں یہ ڈر ہے اے کاش
ناکام مآل کار ہوتا

دن پھرتے کبھی اگر مرے بھی
کیا گردشِ روزگار ہوتا

کہتا ہے کہ چھوڑا اس کو جس پہ
دشمن سا ہے جاں نثار ہوتا

یہ بات زباں سے کب نکلتی
ناصح جو تو دوست دار ہوتا

جنت پہ مرے ہے زاہد اے کاش
اس کو میں بھی گزار ہوتا

اس غیرتِ حور کو بلاؤ
واعظ نہیں شرمسار ہوتا

اے چند شعار ہوش میں آ
کوئی بھی ہے آپ خوار ہوتا

ہم کاہے کو دل کو جانے دیتے
اپنا اگر اختیار ہوتا

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

طالع میں نہیں طرب ذری بھی
منحوس ہے زہرہ ، مشتری بھی

اے مہر لقا ہے جلوہ لازم
آساں نہیں ذرہ پروری بھی

بے وجہ نہیں ہے مجھ سے چھپنا
عاشق تری حور ہے ، پری بھی

بے داد گری و سر نگونی
کیا فتنہ ہے چرخ چنبری بھی

یہ آئنے کی ہے مہربانی
اب محو ہوئی ستم گری بھی

کیا مشک بھرا ہے زخمِ دل میں
غش ہوگئی زلفِ عنبری بھی

تو چھوڑ دے تو بھی میں نہ چھوٹوں
صیاد ہے دام بے پری بھی

یاں کیوں نہ کفن ہو پارہ پارہ
واں ناز سے ہے قبا دری بھی

دن رات اگر یہی ہے رونا
بہہ جائے گا آبِ عنصری بھی

ہم آج تلک نہ جانتے تھے
ہے ایک ستم یہ دلبری بھی

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

کب تک سیوں پارہ پارہ دل کو
رخصت ہے شکیب جاں گسل کو

اس تنگ دہن نے کیا کہا کیوں
چپ لگ گئی ناصحِ خجل کو

تھا ضعف بھی طاقت آزما رات
توڑا کیے جانِ مضمحل کو

مارا ترے تازہ دم بہ دم نے
کیا روکیے جوشِ متصل کو

گو رو سے وہ لالہ رو بنا ہے
تشبیہ ہے داغ سے جو تل کو

کیا یاس مجھے نہ منہ دکھایا
رحمت ہے امیدِ منفعل کو

آئے ہیں سرشک کلفت آلود
تعمیرِ مکاں کی آب و گل کو

ہے خواب عدم گراں کیا ہے
مالش مگر اس کے در کی سل کو

ہے جوشِ ہوس ، بہت نکالوں
گر آپ کہیں تو اس تخل کو

اے ہمدمِ جاں نواز دل جو
اے دل نہ ہوں کس طرح کہ دل کو
آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

اللہ ری دل کی ہرزہ تازی
میں اور محبتِ مجازی

ہندی صنم آفتِ جہاں ہیں
سوگندِ صنمِ حجازی

پھر سینے میں آئے مہرۂ دل
دیکھیں تو فلک کی حقہ بازی

ہے رشتۂ جاں پہ زخم نشتر
اے نغمۂ یاس دل نوازی

جولاں سے ہے اس کو قصدِ پامال
اے خاک نویدِ سرفرازی

اس چشم کا محو ہوں شب و روز
دیکھو تو مری زمانہ سازی

امید وصال بھی نہیں یاں
ہے تم سے زیادہ بے نیازی

طولِ املِ وصال کیا ہو
کم ہے شب ہجر کی درازی

سینے میں اک آگ لگ رہی ہے
بھائے کسے میری جاں گدازی

مجبور وہ ہائے دل کا جانا
اللہ رے اس کی ترک تازی

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

پوچھے ہے خبر مریض غم کی
کیا بات ہے اس مسیح دم کی

بجلی تری شوخیوں کے آگے
اے آہ شرر فشاں نہ چمکی

میں جاں شکنی کا غم نہ کھاتا
یاد آگئی ہے تری قسم کی

جس وقت وہ یاں سے گھر سدھارے
جاں نے وہیں راہ لی عدم کی

اے اہلِ عزا وہ سر پہ ڈالو
جو خاک ہے یار کے قدم کی

نالۂ فلک نہم سے گزرا
کچھ حد نہ رہی مرے الم کی

وہ کوچہ ہے اشکِ خوں سے گلزار
رونق ہے یہ ساری اپنے دم کی

لوں کیوں نہ بلائیں آہِ پیچاں
تصویر ہے زلفِ خم بہ خم کی

دامن پہ تمہارے جم رہی ہے
ہو خاک نہ میری چشمِ نم کی

ہے روزِ جزا کے آنے میں دیر
اب کون دے داد اس ستم کی

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

اک لحظہ نہیں قرار جی کو
موت آئے بس ایسی زندگی کو

اس آفتِ جاں کو دل دیا جائے
جو عیب گنے ہے دل دہی کو

پردے نے ترے تو مار ڈالا
اس مضطرِ تنگِ عاشقی کو

اے رشکِ پری حجاب کب تک
ہے شرم ضرور آدمی کو

میں ناز کہاں تلک اٹھاؤں
انصاف ہے لازم آپ ہی کو

پھرتی ہے نظر میں چشم بے گوں
تسخیر کیا ہے کس پری کو

تڑپا کیے جب تلک جیے ہم
آرام نہیں یہاں کسی کو

وہ بھی چاہے ہے کم ستاؤں
پر کیا کرے ناز فطرتی کو

آتا نہیں صبر دل گئے پر
سمجھاؤں کہاں تک آہ جی کو

کوئی نہ رہا کہ پونچھے آنسو
کیا روؤں میں اپنی بے کسی کو

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

پھل پایا فلک نے کیا ستا کر
خاک آہ نے کر دیا جلا کر

مدت میں ہوئی دعا کی تاثیر
اس بت سے ملے خدا خدا کر

کچھ کام نہیں کسی سے ہم کو
کیا چھوٹ گئے ہیں دل پھنسا کر

غیروں سے ملے گا بعد میرے
اے عمر اسے بھی بے وفا کر

کانوں کیوں کر نہ وہ گئے ہیں
دامن مرے ہاتھ سے چھڑا کر

کونے میں بٹھا دیا صد افسوس
اس بزم سے رشک نے اٹھا کر

کیا سرمہ ہے اس کے پاؤں کی خاک
روتا ہوں میں آنکھ سے لگا کر

ہر دم جو نظر میں ہے وہ صورت
گو چھپ گئے وہ جھلک دکھا کر

کہتا ہوں کمال رشک سے میں
اے پردہ نشیں ذرا چھپا کر

گھر آنکھوں میں کر گیا وہ بے دید
دل چھین لیا نظر ملا کر

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

ہے مجھ پہ نگاہِ لطف منظور
کیا خوب نظر سے چشمِ بد دور

خوش کیوں ہوں بات بات پر آج
ہے اس کی زباں پہ میرا مذکور

کیا آتشِ دل سے دم رکے ہے
اف کرنے کا بھی نہیں ہے مقدور

میرے دمِ گرم کے مقابل
بس شمع کے منہ کا اڑ گیا نور

بھولے سے بھی اور کو نہ دیکھوں
جو تم کو وہی ہے مجھ کو منظور

لیکن نہیں حسرت اختیاری
نظارۂ چرخ سے ہوں مجبور

کیا عشق میں ہو خلاف ناصح
دیوانہ بھی یاں نہیں معذور

اے ہم نفس اب کہاں وہ ایام
ہے دورِ زماں کا یہ ہی دستور

تھے اپنے پہ اعتماد کیا کیا
دعوے مرے ہیں جہاں میں مشہور

کہتا تھا میں دل کبھی نہ دوں گا
ہر چند کوئی پری ہو یا حور

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

بد عہدوں سے بات بن نہ آئی
تھی موت بھی دل شکن نہ آئی

کیا بختِ عدو فسانہ خواں تھے
کیوں نیند شبِ محن نہ آئی

کیا جاتی تھی جان بے شکایت
کیوں موت دمِ سخن نہ آئی

یوں داغ عدو کا شکر اے دل
بے شرم تجھے جلن نہ آئی

قصہ ہے خموشیوں کا لب پر
کیوں آہ زبانہ زن نہ آئی

سمجھے ہے وہ التماسِ بوسہ
جو بات کہ تا دہن نہ آئی

نس کو میں جو خاک میں ہوا پھر
بلبل طرفِ چمن نہ آئی

کب ٹوٹ کے ناز خصلتوں پر
یہ طبع نیاز فن نہ آئی

اس رشتے کی نازکی تو دیکھو
آواز گسیختن نہ آئی

جس وقت بگڑ کے لے گیا دل
مومن مجھے کچھ بھی بن نہ آئی

آں شوخ چناں ربود از من
گوئی کہ دلم نہ بود از من

ترکیب بند

بہ مضمون مرثیہ معشوقۂ حور طلعت ملک شیم
حصلنی وصالہا فی جنت النعیم

خمیازہ عیش کا مرا دل کھینچتا ہے آج
آغوش رشکِ حلقۂ اہلِ عزا ہے آج

برباد شورِ رعد ہوا آپ اشکِ ابر
کیسا وفورِ شیون و جوشِ بکا ہے آج

جیتے رہے تو لال طمانچوں سے منہ کیا
تغییرِ رنگ شرم و خجالت فزا ہے آج

پانی کے بدلے منہ میں بھرا آئے ہے لہو
لب کاٹنے میں ہائے کہاں وہ مزا ہے آج

مجھ کو نہ اپنے ساتھ عدم میں لیے گیا
ہر دم شکایتِ نفسِ نارسا ہے آج

آواز ہائے ہائے کی آتی ہے متصل
گردوں طلسمِ گنبدِ ماتم سرا ہے آج

اتنے کہاں حواس کہ تدبیرِ مرگ ہو
اپنی خبر نہیں مجھے کیا جانے کیا ہے آج

اے دل خبر لے نغمۂ شادی کو کیا ہوا
لب پر ہمارے نالۂ واحسرتا ہے آج

پیٹے مجھے جو روئے وہ کہتے تھے بارہا
کیا رویئے اسی کا ہمیں پیٹنا ہے آج

اتریں گلے سے گھونٹ نہ آبِ حیات کے
دل آہ زندگانی سے کتنا خفا ہے آج

مرنا یہ کس کا جان سے بیزار کر گیا
ماتم میں مر رہا ہوں میں یہ کون مر گیا

دل کی طرح سے یہ بھی چلی جاں کو کیا ہوا
دم میں نہیں ہے دم مرے جاناں کو کیا ہوا

سر پیٹتا ہے شانہ پڑا دونوں ہاتھ سے
کیا جانے اس کی زلفِ پریشاں کو کیا ہوا

پیتی ہے اپنا خونِ دل افسوس سے حنا
اس دست رشکِ پنجۂ مرجاں کو کیا ہوا

شبنم کو پھر ہے جانبِ خورشید التفات
شرمندہ سازِ مہرِ درخشاں کو کیا ہوا

دل میں شکن ہے، زلفِ مسلسل کدھر گئی
برہم ہے حال، کاکلِ پیچاں کو کیا ہوا

لذت فزا نہیں الم، اس لب پہ کیا بنی
کچھ زخم بے مزا ہیں نمکداں کو کیا ہوا

بوے قباے یوسفِ گل ہے نسیم میں
اس کی شمیمِ عطرِ گریباں کو کیا ہوا

گردش پہ اپنی ناز ہے پھر روزگار کو
اس چشمِ رشکِ فتنۂ دوراں کو کیا ہوا

دعوئ ہے شوخیوں کا غزالانِ دشت کو
اس خوش نظر کی جنبشِ مژگاں کو کیا ہوا

کتاں ہے سینہ چاک رخِ ماہ دیکھ کر
اس روے غیرتِ مہِ تاباں کو کیا ہوا

عیب و حجاب شمع رخانِ جہاں گیا
وہ مہرِ آسمانِ نکوئی کہاں گیا

یہ گلستاں سراے تماشا نہیں رہا
وہ نو بہارِ گلشنِ دنیا نہیں رہا

افسوس کوئی پردہ نشیں پردہ در نہیں
وہ حسن جس سے عشق ہو رسوا نہیں رہا

حیف اپنی تلخ کامی و شوریدہ طالعی
جس سے کہ زندگی کا مزا تھا، نہیں رہا

اے چرخ چاہنے سے رہے روزگار کو
کیا چاہیں روزگار تمنا نہیں رہا

اپنی خرابیوں کو کہاں جا کے روئیے
وہ شمع روے انجمن آرا نہیں رہا

دل میں جگہ نہ ہونے کا کس سے گلہ کروں
وہ قدردانِ شکوۂ بے جا نہیں رہا

کس کو گلے لگائیے اے شوق ہم کنار
وہ خوش گلوے سینہ مصفا نہیں رہا

کس سے نباہیے کہ سوائے وفات کے
دنیا میں ہائے نام وفا کا نہیں رہا

اب کس کو دیکھیے کہ کسی کو نہ دیکھیے
وہ پردہ سوزِ چشمِ تماشا نہیں رہا

اس نورِ چشم حسن کو کیوں کر نہ روئیے
آنکھوں میں رہوے اب کوئی ایسا نہیں رہا

ہر دم جبین آئینہ آلود نم سے تھی
یہ آب و تاب حسن اسی مہ کے دم سے تھی

کیا ماجرا لکھوں میں کہ تابِ رقم نہیں
ہیں نالہ ہاے صور صریرِ قلم نہیں

اٹھی ہے نعش خوش قدِ محشر خرام کی
یہ حادثہ نزولِ قیامت سے کم نہیں

ایسا گیا کہ یاں تلک آنا محال ہے
کہتے تھے ہم کہ اس کی طبیعت میں رم نہیں

جا کر رہیں گے عرش پہ اربابِ تعزیہ
اس جوف میں سمائے یہ ایسا الم نہیں

وحشت مری نگاہ سے ہو کیوں نہ جلوہ گر
آتا نظر وہ سلسلۂ خم بہ خم نہیں

پہنچا دیا ہے بے خودیوں نے قریبِ مرگ
اے چارہ گر اب آپ میں آئے تو ہم نہیں

یہ زندگانی اہلِ ہوس کو نصیب ہو
میں ناتواں سزائے جفا و ستم نہیں

بیداد یہ کہ تازیِ ترکِ فلک نہ پوچھ
کوئی نہیں جہاں میں کہ پامالِ غم نہیں

اہلِ زمانہ دیدۂ بادام کی طرح
وہ آنکھ پھوڑ ڈالتے ہیں جس میں نم نہیں

از بس کہ ہے جہان سے اٹھ جانے کا خطر
اب حضرتِ مسیح کے بھی دم میں دم نہیں

افسوس یوں وہ جانِ جہاں جائے ہات سے
دینا تھا غسل خضر کو آبِ حیات سے

اس حور وش سے ہائے کیا ہے جدا ہمیں
اس زندگی کے ہاتھ سے مرنا پڑا ہمیں

دل جو نہ جان کھا تو بھلا خاک کھائیے
غم بھی دیا فلک نے تو کیا بے مزا ہمیں

شیریں نہیں وہ خون کہ پیتے ہیں جائے آب
شکوہ ہے اپنے طالعِ شوریدہ کا ہمیں

چھلنی تو پاؤں ہو گئے اس جستجو میں ہائے
بے جا ہے خاک چھانٹی[۱] وہ کب ملا ہمیں

اس تک پہنچنے کی کوئی تدبیر ہی نہیں
اے کاش خضر آن کے ہو رہنما ہمیں

---

۱ نول کشور طبع ۱۸۷۶ء اور طبع ۱۸۸۰ء میں (ص ۱۷۵) "چھانتے" اور طبع ۱۹۳۰ء (ص ۲۵۵) میں "چھانتی" صحیح قیاسی "چھانٹی" مرتب۔

اس گھر کو دے کے گلشن شداد سے مثال
گرتے ہیں در پہ تاکہ اٹھا لے خدا ہمیں

جنبش نہیں کہ زخم کوئی کارگر لگے
تیغ مژہ کا لاکھ تصور بندھا ہمیں

بجلی نہ ایک بار گری ہم پہ یا نصیب
دن رات کو خیالِ تبسم رہا ہمیں

دامن پکڑ کے روئیں نہ کیوں ایک ایک کا
جب چھوڑ جائے بے کس و تنہا قضا ہمیں

یہ جوشِ اشک خاک میں مل جائے اے خدا
ہے اس سے ایسی مہر و وفا پر گلا ہمیں

کیا کیا کدورتیں ہیں دلِ نا صبور میں
کیوں نیند آگئی اسے آغوشِ گور میں

میں مر رہا ہوں اس کی بلا کو خبر نہیں
ناصح کی بات کون سنے نوحہ گر نہیں

مجھ پر بھی ہے عذاب شب اولین گور
اے موت آ کہ تاب قلق تا سحر نہیں

ایسا کہ اس سے عرض کرے جا کے یہ پیام
ملتا جہان میں کوئی پیغام بر نہیں

یاں جوشِ غم میں موت سے بد تر ہے زندگی
آپ آ کے دیکھ جائیے باور اگر نہیں

میرا لہو پیے جو گلا کاٹنے نہ دے
ہمدم خیالِ تیغ مژہ میں اثر نہیں

اے ہم نشیں تڑپنے نہ دے خاک پر ذرا
ایسا تو آسمان بھی بے داد گر نہیں

پتھر پہ سر پٹکنے دے اے مہرباں کہ آج
بازوے نرم نرم وہ بالینِ سر نہیں

چھوڑ آستیں کہ جامۂ ہستی قبا کروں
غم خوار دھیان آیا کہ میں جامہ در نہیں

بے چارہ بے قرار ہے درماں کی فکر میں
آگاہ میرے درد سے مشفق مگر نہیں

بے فائدہ نہیں ہیں مری خاک بیزیاں
اس کے حصول کی مجھے ہمدم خبر نہیں

اس سیم تن کو ہائے ملایا ہے خاک میں
گردوں نے گنجِ حسن چھپایا ہے خاک میں

ویراں ہے خانہ جلوۂ حیرت طراز کا
آئینہ دیکھتا ہے منہ آئینہ ساز کا

ہاتھوں سے اپنے مہرۂ تریاک کھو دیا
بگڑا ہے کھیل کیا فلکِ حقہ باز کا

پہلے ہی اذنِ عام کہا نعشِ یار پر
غیرت سے انتظار نہ دیکھا نماز کا

سر پیٹتی ہیں حلقۂ ماتم میں قمریاں
نخلِ عزا ہے آہ یہ کس سرو ناز کا

کب پہنچے باغِ خلد میں ہم سے گناہ گار
ہے تنگ قافیہ ہوسِ ہرزہ تاز کا

زندہ ہی دفن کردو مجھے دوستو کہ اب
محتاج کون ہو اجلِ بے نیاز کا

ہے کفرمت کہہ اب اسے کس سے وصال ہے
اے محرم آہ فائدہ افشائے راز کا

گستاخ نالے فتنۂ محشر جگائیں گے
خوابِ عدم میں چین ہے گر خوابِ ناز کا

گر گلشنِ خلیل جلا دے تو کیا عجب
شعلہ ہمارے سوزِ سمندر گداز کا

نادان دل کو مرگ کا اب تک یقیں نہیں
اللہ کیا گمان تھا عمرِ دراز کا

خود کام ہے عجب مجھے مر جانے کا ترے
کام آئے تیرے کیوں نہ لبِ جاں فزا ترے

کھودی خزاں نے رونقِ گل زار ہائے ہائے
پژمردہ ہوگئے گلِ رخسار ہائے ہائے

پھرتی نہ تھی جو پردہ نشیں گھر میں بے حجاب
نعش اس کی جائے ہے سرِ بازار ہائے ہائے

سروِ فتادہ ، قامتِ محشر خرام ہے
کیا ہوگئی وہ شوخیِ رفتار ہائے ہائے

ہم خواب مہ جبیں کی مری آنکھ مند گئی
کیا سوگئے ہیں طالعِ بیدار ہائے ہائے

وہ شمع مہر پر توِ مہ جلوہ بجھ گئی
دن رات ہے فروغِ شبِ تار ہائے ہائے

ہے کچھ خبر بھی گھر مرا ویران ہوگیا
سر پھوڑو اپنا اے در و دیوار ہائے ہائے

اب پوچھے مجھ سے عاشقِ بے کس کی بات کون
اس میں نہیں ہے طاقتِ گفتار ہائے ہائے

روتا ہوں جان کو ملک الموت کی ذرا
کر میرے ساتھ تو بھی غمِ خوار ہائے ہائے

اے چرخِ یار کش تجھے پاسِ وفا نہیں
میں اور رنج و محنت و آزار ہائے ہائے

اس مہروش کی مرگ نے خفاش کردیا
ہے اضطراب مانعِ دیدار ہائے ہائے

نظارہ ہے محرمِ ماتم ہزار حیف
ابرو ہوا ہلالِ محرم ہزار حیف

مدفن بنے زمینِ چمن وا مصیبتا
معدوم ہو وہ غنچہ دہن وا مصیبتا
جس نازنیں صنم پہ گراں تھا حریرِ چیں
اس کا غلافِ کعبہ کفن وا مصیبتا
دے منکر و نکیر کو ناچار وہ جواب
جو حور سے کرے نہ سخن وا مصیبتا
جس کو شکستنِ دلِ عاشق عذاب ہو
وہ اور جاں کنی کے محن وا مصیبتا
جو عرضِ مہرِ تازۂ مہ سے ہو سرنگوں
اس پر جفائے چرخِ کہن وا مصیبتا
تشبیہِ آئنہ سے جو ہوتا تھا آب آب
مل جائے خاک میں وہ بدن وا مصیبتا
دیتے تھے حور وش بھی جس آرامِ دل پہ جان
اس کا غمِ ہلاک شدن وا مصیبتا
جھودھرے سے ٹوٹتے تھے جس کے ہاتھ پاؤں
وہ زیرِ بارِ تاب شکن وا مصیبتا
پھولوں کو جس کی بو نے ملایا تھا خاک میں
ہے اس کی خاک وقفِ سمن وا مصیبتا
وہ خانہ، باغِ عیش محل جس کا نام تھا
کہتے ہیں اس کو بیتِ حزن وا مصیبتا
کیا اعتبارِ دہر کا عبرت کی جا ہے یہ
عشرت سرا کبھی کبھی ماتم سرا ہے یہ
کیا میرا سدِراہ ہے سنگِ مزار حیف
چھاتی کا پتھر ان کی ہوا انتظار حیف
یا رب زمیں پھٹے کہ سما جاؤں ورنہ کیا
لیلیٰ کو منہ دکھائے گا وہ اشک بار حیف

ہوں غرقِ آبِ شرم کہ ڈوبا نہیں ہنوز
بے آبروئیِ مژۂ اشک بار حیف

اے مرگِ چشمِ لطف کہ حسرت سے مرتے دم
دیکھا کیے وہ میری طرف بار بار حیف

کہتے تھے ان کو جان قیامت میں خاک سے
کس منہ سے سر اٹھائیں گے ہم شرمسار حیف

دل کی لگی نہ آتشِ یاقوت کو ہوا
کیا خاک ہوگیا گہرِ آب دار حیف

جو گل رخوں کی قبر پہ جاتا نہ تھا کبھی
چڑھتے ہیں اس کی گور پہ اب گل ہزار حیف

ہر دم زمیں کو زلزلہ میری تپش سے ہے
وہ شوخ خاک میں بھی رہا بے قرار حیف

اللہ مرگ کی بھی بر آئی نہ آرزو
مایوس ہو گیا دلِ امیدوار حیف

زندہ رہوں میں اور وہ مر جائے ہم نفس
کیا اعتبارِ ہستیِ بے اعتبار حیف

یہ نیم جاں بھی کاش اجل کی پسند ہو
شیون کا غلغلہ مرے گھر سے بلند ہو

وہ مہر جلوہ زیر[۱] زمیں اے فلک دریغ
گردوں نشیں ہو خاک نشیں اے فلک دریغ

ایسے مہِ دو ہفتہ کو رنجِ خسوف ہو
دوراں کا اعتبار نہیں اے فلک دریغ

ہرگز سوائے روزِ قیامت نہ ہو صعود
اتنا ہبوطِ زہرہ جبیں اے فلک دریغ

۱۔ نسخہ مطبوعہ مطبع نول کشور طبع ۱۸۷۶ء اور ۱۸۸۰ء (ص ۱۷۷) طبع ۱۹۳۰ء (ص ۲۵۸) "زیر" غلط ہے صحیح "زیر" ہے۔

یوسف لقا و گرگ اجل اے زمانہ آہ
عیسیٰ نفس ہو مرگ گزیں اے فلک دریغ

ظالم تری کدورتِ بے جا کو کیا کہوں
نایاب ہو وہ دُرِ ثمیں اے فلک دریغ

کیوں لے گیا بہشت میں اس رشکِ حور کو
پیدا کہاں ہیں ان سے حسیں اے فلک دریغ

سوچا نہ کچھ اعادۂ معدوم ہے محال
نسیاں[۲] جو دم بدم ہے ہمیں اے فلک دریغ

سوزِ غضب سے ہے کرۂ نار سینے میں
اک مشتِ خاک اور یہ کیں اے فلک دریغ

اس کو کہ جس کا نقشِ قدم رشکِ مہر ہو
کرتے ہیں خاک مال کہیں اے فلک دریغ

یہ نالہ ہائے شعلہ فشان و زبانہ زن
پھونکیں گے تا بہ عرش بریں اے فلک دریغ

ہم پائمال مرگ بھی اب سر اٹھائیں گے
جیتے رہے تو حشر کو مہماں بنائیں گے

اے جوش نالہ کاوشِ ہر دم کہاں تلک
یوں موت سے شکایتِ پیہم کہاں تلک

اس مہروش کو روز کے رونے سے کیا حصول
اے اشک بے قراریٔ شبنم کہاں تلک

گردن جھکی ہوئی بھی وہی بارِ دوش ہے
اے دل خیال ابروئے خوش خم کہاں تلک

جل جل کے میرے دل کی طرح خاک ہو گیا
اے آہ سینہ سوزیٔ ہمدم کہاں تلک

۲۔ نسخہ مطبوعہ مطبع نول کشور طبع ۱۸۷۶ء۔ اور ۱۸۸۰ء (۱۷۷) میں یہی مصرع ہے لیکن طبع ۱۹۳۰ء میں یہ مصرع ہے۔
نسیان جو ہر دم ہمیں اے فلک دریغ

میں صحن اس کے گھر کا سمجھتا ہوں گور کو
اللہ مجھ سے تنگ ہے عالم کہاں تلک

سینے کے سارے آبلے ناسور ہو گئے
اے دستِ عیش وصل کا ماتم کہاں تلک

ہے جستجوئے یار میں سعی رہِ عدم
اے شوق دیکھیے کہ رہے دم کہاں تلک

تاثیر کو بھی آگئی موت اس کے ساتھ ہائے
کھایا کروں امید اثر سم کہاں تلک

اس زندگی سے میرا دم آیا ہے ناک میں
آخر تحملِ قلق و غم کہاں تلک

اللہ سینہ کوبیوں سے ہاتھ تھک گئے
پیٹیں گے اپنی جان کو یوں ہم کہاں تلک

اے مرگ اس عذاب سے آکر چھڑا مجھے
مومن ہوں قید خانہ ہے دارالفنا مجھے

قصائد

(۱)

گہر ریزیِ خامہ بہ ستایش یگانہ ایست
کہ در یک دانہ بہ آب رساندہٗ
اوست و گوہرِ شب چراغ
بہ تاب آوردہٗ او"

الحمد لواہب العطایا ۔ اس شور نے کیا مزہ چکھایا
والشکرِ نصانع البریہ ۔ جس نے ہمیں آدمی بنایا
احسان ہیں اس کے کیا گراں بار ۔ سر سبع شداد کا جھکایا
کیا پایۂ منتِ سلیماں ۔ اک بات میں تخت پہ بٹھایا
کیوں شکر کریں نہ آلِ داوٗد ۔ افسونِ شہنشہی سکھایا
وہ نیرِ آسمانِ تقدیس ۔ جاں سوز مناظر و مرایا
اب بھی نظر اس مجاز میں ہے ۔ کیوں مہر نگاہ میں سمایا
نے عقل بسیط اس کا پر تو ۔ نے نور مجرّد اس کا سایا
سبحانک یا الٰہِ عالم ۔ عالم ترا عجز نے دکھایا
ہر جائے ہے تیرا جلوہ لیکن ۔ دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا
یاں عقل ہے گم کہ بس تجھی کو ۔ پایا ہر شے میں، پہ نہ پایا
اللہ رے تیری بے نیازی ۔ یعقوب کو مدتوں رلایا
یوسف سے عزیز کو کئی سال ۔ زندانِ عزیز میں پھنسایا
یاں شعلے کو سرکشی کی کیا تاب ۔ ابلیس کو خاک میں ملایا
تجھ کو ہی سزا ہے کبریائی ۔ کرسی کا نہ عرش کا یہ پایا
مومن کو بقا ہے بعدِ دیدار ۔ کیا مژدۂ جاں فزا سنایا

گو وصف ہے "یومنون بالغیب" — پر بندہ تو اس سے باز آیا
یاں تاب کسے کہ خاک و خوں میں — بے تابیِ شوق نے لٹایا
اللہ دکھا دے اپنا دیدار — اکشف بجمالک الغطایا
عظمت نے سجود کی ، فلک کو — گرد کرۂ زمیں پھرایا
وہ خاتم مرسلیں محمد — جس نے ہمیں شرک سے بچایا
جب بندہ ہے تیرا تو رہا کون — پھر لائقِ بندگی خدایا
تو واحد بے نظیر و ہمتا — تو حاکم و خالقِ برایا
تجھ کو بھی نہ کہہ سکے تراشل — یاں تک نقشِ دوئی مٹایا
یعنی وہ فنا ازل سے ہے اور — اس ذات کو کب زوال آیا
آوے تری حمد کا توہم — یہ حوصلہ میں کہاں سے لایا
کام آئی نہ شوخیِ خموشی — دل کی تپشوں نے جب ستایا
ہوں بندۂ شور عجز ادراک — ناکام کو کام سے لگایا
کیا جانیے ایسے بے زباں نے — کس طرح یہ شور و غل مچایا
معلوم خرد کی نکتہ یابی — یاں علم نے عقل کو گنوایا
"لاعلم لنا" ہے یاد ہر چند — سب کچھ مجھے عجز نے بھلایا
تھا دھیان میں عذرِ "لا یحیطون" — جب سینے میں دم ذرا سمایا
کیا صعب گزار ہے رہِ حمد — جبریل کا پاؤں لڑکھڑایا
چکر میں ہے عقلِ عرشِ اعظم — اس نے بھی مگر تجھے نہ پایا
مرغانِ دراز اجنحہ کو — اس اوج نے خاک پر گرایا
ہے جزوضعیف ، جوہرِ عقل — عرفاں کے جو غور نے گھٹایا
میں روحِ قدس کا ہم زباں ہوں — یہ مرتبہ عجز نے بڑھایا
مومن ہے زمانِ[1] عرضِ احوال — میں نے تجھے بے خرد جتایا
رو رو کے دعا کر اک ذرا دیکھ — کیا ابرِ کرم ہے سر پہ چھایا

۱۔ "زمان" نسخۂ اول (صفحہ ۹) میں لیکن نسخۂ طبع دوم (صفحہ ۷) طبع ششم (صفحہ ۹) نسخہ مطبع جوہر ہند دہلی (صفحہ ۳) میں "زبان" ہے (مرتب)

اللہ غمِ بتاں میں یک چند بے فائدہ جان کو کھپایا
یہ عشق وہ بد بلا ہے جس نے ہاروت کو چاہ میں پھنسایا
سمجھا نہ کہ ہے رہِ خطرناک دین و دل و عقل کو لٹایا
حاصل نہ ہوا سوا ندامت کس تخم کو خاک میں ملایا
کی گریہ نے کتنی آبیاری دریا مری چشم سے بہایا
گرداب مرے ڈبونے کو تھا جو قطرہ کہ خاک پر گرایا
ہر حلقۂ دامِ آرزو نے طوقِ لعنت مجھے پنھایا
دل گرمیِ شوقِ شعلہ رو نے کیا کیا مجھے خاک پر لٹایا
کہ ساقیِ سرخ لب کے غم نے خوں نابِ دل و جگر[1] پلایا
ہم بزمیِ ماہ وش نے گاہے جوں بدر سحر تلک جگایا
بت خانے کو رشکِ کعبہ سمجھے گر شوق نے گرد کو پھرایا
تھا شور "فداک"، جائے "لبیک" اس دشمنِ دیں نے گر بلایا
کرتے رہے شکرِ بختِ بیدار ساتھ اپنے صنم نے گر سلایا
بوسہ جو دیا ذقن کا گویا سیبِ خلدِ بریں کھلایا
یہ بے خبری کہ یاد جس کی تھی واجب و فرض اسے بھلایا
روٹھا کوئی نازنیں صنم گر سوگندِ دروغ کھا منایا[2]
کتنی ہی قضا ہوئیں نمازیں پر سر کو نہ پاؤں نے اٹھایا
گل پیرہنوں کی آرزو نے اکثر خز و پرنیاں چھپایا
آیا نہ کبھی خیال حج کا تکوا سو بار گر کھجایا
نیت ہی تھی توڑنے کی گویا گر اس نے نماز میں ہنسایا
افسوس شکستِ صوم یک سو یہ شکر کہ اس نے ساتھ کھایا

۱۔ "مجموعۂ قصائد مومن" مرتبہ ضیاء احمد بدایونی مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ ۱۹۲۵ء (صفحہ ۶) میں "خوں نابِ دل و جگر" ہے۔ بقیہ نول کشور پریس کے مطبوعہ نسخوں میں "خونابۂ دل جگر" ہے (مرتب)

۲۔ "منایا" طبع اول نول کشور (صفحہ ۱۰)۔ دوسری نسخوں میں "بٹھایا" ہے (مرتب)

واعظ کی کبھی کوئی نہ مانی | کتنا ہی عذاب سے ڈرایا
ہر چند کہ قول ناصحوں کا | کچھ تلخ نہ تھا، ولے نہ بھایا
توڑا نہ وفا کے سلسلے کو | توبہ ہی پہ زور آزمایا
اللہ مرے گناہ بے حد | وہ ہیں کہ شمار کو تھکایا
ہے عام خطاب "یا عبادی" | اس نے تو کچھ آسرا بندھایا
عالم میں نہ ہوئے گا وگرنہ | مجھ سا کوئی "منکر السجایا"
کیوں کر نہ ہو تیری آس، تونے | افلاک کو بے ستوں تھمایا
اس دام سے مجھ کو تو چھڑا دے | داؤد نے جس میں دل پھنسایا
دل زلف سے ہو رہا تو جانوں | "زندانِ فرنگ" سے چھڑایا
وہ عشق دے جس کا نام اسلام | وہ شیوہ، نبی نے جو بتایا
وہ نعرۂ "علمہ بحالی[1]" | جس نے کہ اس آگ کو بجھایا
کچھ آب زنی کرے نہیں تو | سر نارِ جحیم نے اٹھایا
مجھ کو بھی بچالے جیسے تو نے | یوسف کو گناہ سے بچایا
وہ رفعتِ حال دے کہ جس نے | منصور کو دار پہ چڑھایا
اس کا مرے دل پہ ایک پرتو | جس شعلے نے طور کو جلایا
"مومن" کہے کس سے حال آخر | ہے کون ترے سوا خدایا

۱۔ نسخۂ اول طبع نول کشور ۱۲۸۳ھ (صفحہ ۱۱) "بحالے"۔ "بحالے" نسخۂ نول کشور طبع ۶ ۱۲۷، ۱۸۸۰ء۔ نسخۂ ۱۹۳۰ء "بحالے" قصائد مومن، مرتبہ ضیاء احمد بدایونی (صفحہ ۸) میں "علمہ بحالی" ("علمہ بحالی حسبی عن سوالی" اُسے خود میری حالت کا علم ہے"۔ حضرت ابراہیم نے حضرت جبرئیل سے پرسش حال کے وقت کہا تھا۔)

(2)

زمزمہ سنجیِ طبع بہ مضمونِ باد خوانیِ نسیم گلشنِ نبوت و شمالِ چمنِ رسالت

چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس
کہ جیسے صبحِ شبِ ہجر، نالہاے خروس

ہے اس طرح فرح انگیز کوکوے قمری
کہ جیسے فوجِ مظفر میں شور و غلغلِ کوس

نواے طوطیِ شکر فشاں کی لذت سے
سماع و رقص میں، اہلِ مذاق جوں طاؤس

غبارِ صحنِ چمن کیمیاے عیش و نشاط
بہارِ لالہ و گل سیمیاے عرضِ شموس

صفا سے وہ در و دیوارِ باغ کا عالم
کہ آشیانے میں دشوار طائروں کو جلوس

زہے فریبِ صفا خاک بیز ہے گل چیں
پڑے جو وسعتِ گل زار میں گلوں کے عکوس

ہجومِ سبزہ نے کی بس کہ رنگ آمیزی
زمیں پہ چادرِ مہتاب بن گئی ہے سدوس[1]

ہوئی ہے سقفِ فلک مانعِ قدافرازی
وگرنہ بید کہاں اور ترقیِ معکوس

ہو کیوں کہ ایسی رطوبت پہ سنگِ راہ نسیم
بنا ہے شبنمِ گل، آبِ گینۂ فانوس

خزانہ خاک میں ہر تنگ دل ملاتا ہے
زبس کہ لفظِ خزاں جانتے ہیں سب منحوس

نویدِ مالکِ گلزار کو کہ زر کی جگہ
ہر ایک کاسۂ گل میں ہے گنجِ دقیانوس

یہ آب و رنگ کہاں لعل اور زمرد کا
مگر دیا ہے گل و سبزہ نے انھیں ملبوس

چمن کی خاک سے گل گونہ اب بناتا ہے
شگفتہ تا دمِ رخصت بھی ہو عذارِ عروس

خمیدہ شاخ سے یوں رنگِ گل چمکتا ہے
کہ جس طرح سے بھڑک اٹھے مشعلِ منکوس

پڑھے ہے مرغِ گلستاں وہ مطلعِ رنگیں
کہ سن کے بس جسے رہ جائے "سن" ہی بلبلِ طوس

مطلعِ ثانی

زبانِ لال کہاں اور مدیحِ تاجِ خروس
گرا ہے خاک پہ کیا لعلِ افسرِ کاؤس

ا- سبز مصری چادر

ہزار داغ ہو پروانے آفتاب کے
پرستشِ گلِ خورشید میں ہے گر مجوس

شگفتہ تر ہے چمن، روضہ ہائے جنت سے
ہنسی کی جا نہیں گر صومعہ نشیں ہے عبوس

خلل پذیر رطوبت ہوا دماغِ بہار
عجب کہ سبزۂ خوابیدہ کو نہ ہو کابوس

ہے دشت، بزمِ طرب، کثرتِ نتائج سے
نہ کیوں ہو شکل حماری کو نازِ شکلِ عروس

ہوائے سیر چمن زار کی وہ مستی ہے
کہ خلق کو ہوئی مشکل حفاظتِ ناموس

عجب نہیں مےِ گل رنگ کی ہوس سے اگر
خود آکے شیشۂ خالی میں ہو پری محبوس

مزاجِ دہر میں یہ اعتدال آیا ہے
کہ جس نبات کو دیکھو وہ صالحِ الکیموس

عجب نہیں کہ بسانِ مگس عسل اگلے
گر ان دنوں ہو کوئی مبتلائے ایلاؤس

نمو کا معجزہ صل علیہ[1] پھر گندم
ہوائے جنبشِ غربال سے بنے ہے سبوس

رطوبت ایسی نظر آئی داغِ لالہ میں
کہ چاک چاک حسد سے ہوا دلِ افیوس

قبائے گل کو گر اطلس سے دیجیے تشبیہ
سیاہ پوش "جعل" ہو درونِ ماتمِ "سوس"

قوائے نامیہ کو ناگوار ہے کتنا
کہ ہضمِ رابعہ محتاج ہو سوئے کیلوس

ہوا ہے اب تو یہ سرمایۂ لطافتِ آب
کہ پشتِ ماہی پہ گل ہائے اشرفی فلوس

کہیں جہان میں کائی نظر نہیں آتی
کہ صرفِ رنگرزاں ہو گئی بجائے "ایوس"

سرایتِ نمِ آبِ وضو سے دور نہیں
جو سبزہ زار بنے ریشِ زاہدِ سالوس

بعید کچھ نہیں شادابیِ زمیں سے اگر
زیادہ تر کرے سیلانِ خوں گلِ شاموس[2]

گر اس بہار کی یعقوب کو ہوا لگ جائے
شمیمِ جامۂ یوسف کبھی نہ ہو محسوس

ہوائے بس کہ گلِ شمع بھی ہے عطر آگیں
عدیلِ طبلۂ عطار بن گئی فانوس

یہ گل کھلاتی ہیں آب و ہوا کی ترجیحیں
کہ ہے پیاز کو لافِ منافعِ بلبوس

ہوائے جنبشِ اوراق سے ہیں عطر فروش
لغات ورد کہ ہیں ثبت صفحۂ قاموس

فسوں گری دمِ مشاطۂ نسیم کی دیکھ
کہ مشکِ نافہ ہوئے غنچہ ہائے زلفِ عروس

۱- "صل علیہ" نسخۂ مجموعہ "قصائد مومن" مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ (صفحہ ۱۲) اور نسخۂ طبع اول و دوم مطبع کشور (صفحہ ۱۲، ۹) نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۱۲) میں "صل علی کہ" ہے۔ (مرتب)

۲- "شاموس" نسخۂ مجموعہ "قصائد مومن" مطبوعہ الناظر پریس (صفحہ ۱۳)۔ نول کشور پریس کے نسخوں میں "خاموش" ہے۔ (مرتب)

صفات آئی جو آئینۂ ہوا میں نظر | لگا[1] خواص و عوارض کو اعتبارِ نفوس
صدا نکلتی ہے مل کو ہوا سے کیا ہو فرق | کہ بانگ خندۂ گل ہے کہ نالۂ ناقوس
عجب ہوا ہے کہ فیض[2] ہوا سے ہوتا ہے | شکم میں "ختنہ" کے نشو ونمائے اصل التوس
غریق آبِ خجالت ہوا کے فیض سے ہوں | کہ گل ہوا ہے مرا غنچۂ دلِ مایوس
ہوا ہے کون سے ایسی مگر "مدینے" کی | دمِ مسیح کو ہے جس کی حسرتِ پابوس
شرف مدینے کو جس سے ہے ہو نہ ہو وہ ہو[3] | جسے بتاتے ہیں محبوب حضرتِ قدوس
جو خواب میں بھی کبھی دیکھتی جمال اس کا | تو دیتی دل کوئی[4] یوسف کو دخترِ طیموس
جو شمع بزم کہوں اس کے روے تاباں کو | کتان و ماہ بنے نور شعلہ و فانوس
وہ کون؟ احمد مرسل، شفیع ہر دوسرا | جو خلق کا سبب اور باعثِ معادِ نفوس
جہاں مطاع، شہنشاہ آفتاب نشاں | فلک سریر و قمر طلعت و ملک ناموس
سیاہ چشموں کو مشکل نگاہ دزدیدہ | یہ اس کے حفظ سے ہے ملک معدلت محروس
نگاہ بانیِ عصمت سے وہ رواجِ حیا | کہ چار چشم نہ ہوں نرگس اور ادافیوس[5]
سنے ہے دورِ عدالت میں اس کے شیر غریں[6] | شباں[7] کی ضربتِ بے جا سے نالش جاموس
کرم میں دوں اسے نیساں سے کس طرح تشبیہ | کروں میں جان کے کیوں کر ترقیِ معکوس
کہ جس کی بخششِ یک روزہ کو وفا نہ کریں | ہزار سالہ گہر ہائے قلزم و قاموس[8]

۱- نسخہ طبع اول و دوم نول کشور (صفحہ ۱۳، حاشیہ صفحہ ۹) "لگا" نسخہ مطبوعہ مطبع جوہر ہند دہلی (صفحہ ۵) میں بھی یہی ہے- طبع ششم نول کشور (صفحہ ۱۳) میں "ہوا" ہے اور "قصائد مومن" "مطبوعہ الناظر پریس (صفحہ ۱۴) میں "لگا" ہے- (مرتب)

۲- طبع اول نول کشور (صفحہ ۱۳) "نفس" ہے اور بقیہ نسخوں میں "ہوا" ہے- (مرتب)

۳- "ہے" نسخہ "قصاید مومن" "مطبوعہ الناظر پریس (صفحہ ۱۵) بقیہ نول کشور پریس کے نسخوں میں "ہو" ہے- (مرتب)

۴- نسخہ اول نول کشور (صفحہ ۱۳) میں لفظ "کوئی" تحریر میں کچھ واضح نہیں- طبع ششم (صفحہ ۱۳) میں "کوئی" ہے- نسخہ نول کشور طبع دوم (حاشیہ صفحہ ۹) اور نسخہ مطبوعہ مطبع جوہر ہند (حاشیہ صفحہ ۵) میں "وہی" ہے جو بے معنی ہو گیا ہے (مرتب)

۵- نسخہ اول نول کشور (صفحہ ۱۳) "نرگس وادافیوس" "طبع دوم (صفحہ ۱۰) "نرگس وادقیوس" یہی طبع جوہر ہند دہلی میں ہے- طبع ششم نول کشور (صفحہ ۱۳) "اور ادقیوس" اور نسخہ مجموعہ "قصاید مومن" "مطبوعہ الناظر پریس (صفحہ ۱۵) میں "اواقیوس" (بہ معنی گل) ہے- (مرتب)

۶- نسخہ "قصاید مومن" (صفحہ ۱۶) اور طبع ششم اول کشور (صفحہ ۱۳) میں "شیر غریں" اور طبع اول و دوم (صفحہ ۱۳، ۱۰) میں "شیر غزل" اور نسخہ "دیوان مومن" "مطبوعہ مطبع جوہر ہند (حاشیہ صفحہ ۵) میں "شیر غزل" ہے- "غزل" بہ معنی نیزہ دراز و مردم و نرم اندام و سست خلقت، (دیکھیے "شمس اللغات" جلد ۲ صفحہ ۹۳) (مرتب)-

۷- "سناں کی ضرب بے جا" نسخہ مطبع جوہر ہند (حاشیہ صفحہ ۵) میں ہے جو غلط ہے- (مرتب)

۸- "قاموس" نسخہ "قصاید مومن" "مطبوعہ الناظر پریس (صفحہ ۱۶) میں "قابوس" نول کشوری نسخوں میں (مرتب)

یہ جی میں ہے کہ پڑھوں اور ایک وہ مطلع　　جو ہو ہر اک متنفس کی طبع سے مانوس

مطلعِ ثالث

ترے ہے فیض سے ہر قطرہ آبیارِ مجوس　　ترے ہے نور سے ہر ذرہ جلوہ زارِ شموس
ہمیشہ عفو ترا طالبِ گنہ گاراں　　مدام رحم ترا دردمند کا جاسوس
ترے حسود کی نسبت سے جل رہی ہے نہ کیوں　　ہجومِ شعلہ سے دوزخ ملے کفِ افسوس
تری غلامی کی دولت سے خاکِ پائے بلال[1]　　سفیدۂ رخِ فغفورِ چین و خسروِ روس
خمیدہ کس لیے نہ آسماں بنے تھے بھلا　　نہ تھا ازل سے جو مدِ نظر ترا پابوس
بہا میں دیتی ہے ماہی دفینہ ہائے زمیں　　یہ پڑھ گئی ترے سکے سے قدر تا بہ فلوس
ہے احتساب ترا مانعِ لباسِ حریر　　نہ پھنک دیوے کہیں چرخ اطلس ملبوس
ترا وہ خوف کہ رک جائے تا گلو آ کر　　نہ نکلے معبدِ ترسا میں نالۂ ناقوس
یہ مے کو نہی جہاں سوز نے جلایا ہے　　کہ مغ نہ کر سکے فرقِ صراحی و فانوس
زبس شراب کو بھی آفتاب کہتے ہیں　　نہ آسمان کے واژوں رہے مدام کیوس
فریبِ وعدہ پہ چھوڑی بتوں نے جھوٹ قسم　　سنا زبس کہ زباں سے تری وعیدِ غموس
دمِ مصاف ترے دشمنوں سے لشکر میں　　صدائے نوحہ و شیون ہے شور و غلغلِ کوس
دو نیم ہوں تری شمشیر کے تصور سے　　بہ سانِ ساغر و خورشید، کاسہ ہائے رؤس
ملا دے گاو زمیں گاو چرخ سے نیزہ　　بٹھا دے خاک پہ شیرِ سپہر کو دبّوس

قطعہ

اگر کہے مددے یا محمدِ عربی　　صغیرِ مرگ ہو رستم کو نعرۂ اکلوس[2]
مخالفوں کو ترے دو جہاں جہنم ہے　　کہ تاب مہر سے جلتے رہے ہیں یاں بھی مجوس
براقِ اسپ ترا ابروے فرشتہ رکاب　　کہاں ہو چشمِ بشر ایسے پاؤں سے محسوس

۱- نسخۂ اول و دوم مطبوعہ نول کشور پریس اور مطبوعہ مطبع جوہر ہند دہلی میں "بلال" ہے، مگر طبع ششم اول کشور پریس (صفحہ ۱۳) میں "ہلال" ہے جو غلط ہے۔ (مرتب)

۲- "اکلوس" نسخۂ مجموعہ قصائد مومن مرتبہ ضیاء احمد بدایونی مطبوعہ الناظر پریس (صفحہ ۱۸)۔ "لاکوس" نسخۂ طبع اول و دوم و ششم مطبوعہ نول کشور (صفحہ ۱۳، ۱۰، ۱۳) میں۔ (مرتب)

نہ جس کے دھیان میں مضمون قابَ قوسین آئے ... وہ دیکھ لے ترے زین و کمان کا قربوس
ترے عدو کی خرابی کا کچھ علاج نہیں ... نہ ہو قبول دعا سے بھی رفعتِ بسوس[1]
ترے خیال سے اصحاب کہف کو ہے یہ چین ... وگرنہ خواب کہاں اور زمانِ دقیانوس
ظہور میں ہوئی تقدیم انبیاء کہ نہ تھا ... ترے وسادۂ دولت پہ احتمالِ جلوس
شہا ستم ہے کہ تیرے مدیح خواں پہ کرے ... ہزار گونہ ستم روزگار نامانوس
کچھ انتہا بھی کواکب کے دورِ بے جا کی ... ہمیشہ ہے مرے طالع میں اجتماعِ نحوس
جو اپنی حسرت وارمان میں بیان کروں ... نہ تاب لائے دلِ سخت زاہدِ سالوس
جفا کو آئے مری دل شکستگی پہ رحم ... بلا کرے مرے احوالِ زار پر افسوس
ملے ہیں خاک میں کیا کیا مرے فنون وعلوم[2] ... خدا کسی کو نہ دے ایسے طالعِ منکوس
حکیم وہ ہوں کہ جاتے رہیں حواس اگر ... کرے معارضہ سر دفترِ عقول و نفوس
طبیب وہ ہوں کہ ہو سوزِ سینۂ بلبل ... نظارۂ رخِ گل فام سے مجھے محسوس
جو ہوں معالجِ مبطوں تو قابضِ ارواح ... کرے دعائے رواجِ طریقِ جالینوس
ورم ہو چارہ گرِ قبض تا بہ دست لئیم ... کیا ہو میں نے جو تجویزِ وزنِ مغز فلوس
کروں جو گردشِ انجم کی میں رصد بندی ... فدا ہو وجد میں آ کر روانِ بطلیموس
گواہِ عصمتِ مریم ہو کثرتِ اولاد ... عقیمہ مجھ سے سنے گر بیانِ شکلِ عروس
طلسمِ ماہ لکھوں گر پئے زباں بستن ... بنائے مہر دہنِ چرخ تنگۂ جاسوس
یقیں کہ زہر ہو خورشید میں مقابلہ ہو ... پڑھوں جو میں پئے دوری دعائے بدرِ بطلوس
جو میری نثر کے دیکھے تاالیِ منثور ... اٹھا لے مسندِ حشمت حجاب سے کاؤس
بہ قرض گر کرۂ خاک کو کہوں دائر ... شکستہ[3] اسپ گلی ہووے پیش تاز[4] فروس
فنونِ نظم میں میں نے نکالی ایسی راہ ... طریقۂ شعرائے سلف ہوا مطموس
مرے کلامِ ثریا نظام کا منکر ... وہ تیرہ روز جو برجیس کو کہے منحوس

۱- ''بسوس'' نسخہ ''قصائد مومن'' (صفحہ ۱۹)- ''بسوس'' نسخہ طبعِ اول ودوم و ششم نول کشور پریس میں-(مرتب)
۲- نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۷۶ء (صفحہ ۱۰) و ۱۸۸۰ء میں فنون علوم'' ہے اور طبع اول طبع ۱۹۳۰ء نول کشور میں (صفحہ ۱۵) ''فنون و علوم'' ہے-(مرتب)
۳- نول کشور کے چاروں نسخوں (طبع ۱۸۶۸ء، طبع ۱۸۷۶ء- (صفحہ ۱۱) طبع ۱۸۸۰- طبع ۱۹۳۰ء (صفحہ ۵۱) میں ''شکست'' ہے -البتہ طبع ۱۹۳۰ء (حاشیہ میں نوٹ شکستہ) اور ''قصائد مومن'' میں ''شکستہ'' بھی ہے-(مرتب)
۴- ''پیش تاز'' نسخہ مطبوعہ مطبع نول کشور ۱۲۸۳ھ ۱۹۳۰ء (صفحہ ۱۵) میں- بقیہ نسخوں ''پیشتاز'' ہے-(مرتب)

جو دیکھیں میری طبیعت کی گوہر افشانی — شریکِ درد ہوں محمود و نکتہ پرور طوس
دیے ہیں میرے حسد نے زبس ہزاروں داغ — روا ہے باندھیے گر عندلیب کو طاؤس
قماش دیکھ کے رنگینیِ سخن کا مرے — حبیرِ لالہ و گل شرم سے ہوا مدروس
خدا کے واسطے گرمِ دعا ہو بس ''مومن'' — کہ منتظر ہے ازل سے اجابتِ قدوس
ہے جب تلک گل و بر قسمتِ نہال و شجر — ہے جب تلک دلِ لالہ میں داغ حسرت و بوس[1]
مدام پھولے پھلے دوستوں کا نخلِ مراد — رہینِ داغ عدو کا رہے دلِ مایوس

(3)

بیعت معانی بردست عبارت سراپا اعجاز
بہ فیضِ مدیح اولیں دستورِ صداقت طراز

کوئی اس دور میں جیے کیوں کر — ملک الموت ہے ہر ایک بشر
داد خواہوں کے شور سے دیکھو — چونک پڑتا ہے فتنۂ محشر
آئنے نے بھی اس زمانے میں — تیغ کے سے نکالے ہیں جوہر
آتشِ لعل شعلۂ[2] جاں سوز — آبِ نیساں ہے ایک بد گوہر
جس کو دیکھو سومایۂ بے داد — کیا ہوا گر نہیں ہے سیمیں بر
ذکرِ انساں سے دیو مجنوں ہو — آدمی سے پری کو آئے حذر
ہے پئے اشتیاقِ ویرانی — شاہِ فرہاد و بے ستوں کشور
نہ امیروں کو پائے بندیِ عدل — نہ رعایا مطیع و فرماں بر
اُس کو ہو[3] رستمِ زماں کا خطاب — جو کرے قتل خورد سالہ پسر
کم تریں خانہ زاد طعنہ زن — طرزِ حرفِ ملامتِ مادر
ہیں گدا پہ غرور شیرویہ — بے گنہ جو کیا ہے خونِ پدر
چمن آرا کو رسمِ پیرائش — اک بہانہ ہے بہرِ قطعِ شجر

۱- ''قصائد مومن'' مطبوعہ الناظر پریس (صفحہ ۲۲) ''حسرت و بوس'' ہے- نول کشوری نسخوں میں ''حسرت دوس'' ہے- (مرتب)

۲- ''سینۂ جاں سوز'' نول کشوری نسخوں میں- مجموعۂ قصائد مومن (مطبوعہ الناظر پریس لکھنؤ صفحہ ۲۳) میں ''شعلہ جاں سوز'' ہے- (مرتب)

۳- ''ہو'' مجموعہ قصائد مومن (صفحہ ۲۳) میں- ''سو'' نول کشوری نسخوں میں- (مرتب)

دشمنِ جانِ عاشقاں دیدار[1] — گر[2] نگہ تیغ ، ہے مژہ خنجر
خاص وہ مایۂ دل آشوبی — جس کا بیمارِ غم نہ ہو جاں بر
وہ جو سر کاٹ کر پشیماں ہو — رحم گر آئے نیم بسمل پر
وہ نہ لی جس نے حال کی میرے — عمداً کیا کہ بھول کر بھی خبر
وہ کہ مومن کی ضد سے مومن ہو — یہ گر اس کے لیے بنے کافر
ہائے مجھ سا عزیز ہو یوں خوار — حیف خورشید زیرِ خاکستر
واہ اے چرخ! تیری نافہمی — مہِ اوجِ کمال فالِ اختر
اسے دینا تھا رحمِ "نوشابہ" — مجھے دی تھی جو عقلِ "اسکندر"
اسے "بلقیس" گر بنایا تھا — میں بھی زیبندہ تھا "سلیماں" فر
زہرہ پیرایہ گر کیا تھا اسے — مجھے لازم تھی شاہیِ خاور
یاں بھی ہوتی کلاہِ زریں گو — تھی جو واں سر پہ گوہریں معجر
ملکِ "پرویز" چاہیے تھا مجھے — اُسے "شیریں" حشم کیا تھا اگر
روتے ہے تیری جان کو ظالم — ایک میں کیا کہ سارے اہلِ ہنر
سینہ صافوں کو سلک مروارید — نہ ملے جز سرشکِ دیدۂ تر
لبِ رنگیں بیاں ہے اور خوناب — تیرہ باطن ہے اور مئے احمر
قاضیِ "مشتری" کمال سے ہیں — ہندوانِ "زحل" شیم برتر
منشیانِ "عطارد" آسا کو — نورِ خورشید سوزِ حسرتِ زر
صدر انجم شناس سے تاباں — مہِ کامل کی طرح داغِ جگر
ہوسِ خوشہ سے بسانِ مغاں — عید خورشید روزِ شہریور
"من و سلوا" کباب ے آلود — زاہد اتنے ہیں جوع سے مضطر
پا کے الزام دستِ خالی سے — قلغی پیٹتا ہے اپنا سر
آب و ناں کے لیے گرو رکھیں — رستمانِ زمانہ تیغ و سپر

۱- دل دار-

۲- "نے نگہ تیغ نے" مشمولہ کلیات مومن طبع ششم (صفحہ ۱۶) میں طبع اول و دوم مطبع نول کشور (صفحہ ۷، ۱۲۱) اور طبع مطبع جوہر ہند دھلی ۱۳۰۵ھ (حاشیہ صفحہ ۷) میں "گر نگہ تیغ" ہے- (مرتب)

شعرا کو بہ آرزوے شعیر خوانِ عیسیٰ ہے نیم خوردۂ خر
کام آئے نہ نغمۂ شیریں طوطیوں کو ہے حسرتِ شکر
سروران سپہر مرتبہ ہیں بس کہ جاہل نواز و دوں پرور
کھائے وہ سرمۂ صفاہانی جسے لکھے کمال نورِ بصر
دیکھے نرگس حسد سے جانبِ گل خوردہ بیں ہو گئے ہیں اہلِ نظر
واعظوں کی زباں پہ آتا ہے برملا شکوۂ قضا و قدر
بنِ دنداں سے کھائے نالِ قلم خوش نویسوں میں ہے سرِ دفتر
کہے مفتی سوال کو واجب کسبِ مفقود جو ہوئے یک سر
خاک اڑاتا ہے پشتِ آئینہ دیکھ کر زرنگارِ آئینہ گر
پھلے پھولے ہیں بے خرد کیا دور بیدِ مجنوں بھی گر لے آئے ثمر
تنگی و کاہلی کی دولت سے دامنِ کوہ میں ہیں لعل و گہر
باندھتے ہیں سخن سرا موزوں کس طرح ہو نصیب سرو کو بر
جامِ نمرود کا فسانہ کہیں چارہ فرما پئے علاج سہر[1]
سن کے "لاتحتسب" کا مژدہ ہوا کافروں کو بھی گونہ گونہ خطر
جب نہ تب "والضحیٰ" پڑھے ہے امام مقتدی تا سنیں "فلا تقہر"
قدردانی کا نام ہی نہ رہا چند ناداں ہوے ہیں نام آور
اک امیرِ سخن شناس نہیں لاکھ ہیں شاعرِ ثنا گستر
کہیے گر بادشہ کو عرش سریر کہے میری بلا کو ہو چکر
صد "ارسطو" کہے سے مانے برا حکما کو سنا جو ہے کافر
اے لب یاوہ گوے، ہرزہ دراے بس کہاں تک یہ تا ستودہ سر
کب تلک شکوۂ جفاے فلک تا کجا طعنۂ قمر چاکر
ہجو گوئی نہیں ہمارا کام ایسی باتوں سے خامشی بہتر
پڑھ کوئی وہ غزل کہ اعدا بھی حبذا حبذا کہیں سن کر

مطلع ثانی

لاؤں اس مفلسی میں سوزنِ زر ہونٹ سینے دے گر نصیحت گر

---

[1] "سہر" مفید نول کشور طبع ۱۹۳۰ء (صفحہ ۱۸)- "سحر" مفید نول کشور طبع اول دوم وسوم (صفحہ ۱۳)

جو مری سن لے میں بھی اس کی سنوں — کہ زباں گنگ ہے نہ گوش ہے کر
کیا کہوں جی پہ کیا گذرتی ہے — یہ ستم کس کو آئے گا باور
اپنی حسرت کا کچھ علاج نہیں — یار ہو بخت یا فلک یاور
ہے یقیں یہ کہ خاک ہی میں ملے — آرزوے وصال، سیمیں بر
نکلے ارمان کیا کہ نکلے پیچ — نالہ ہائے شب و فغانِ سحر
دیکھو انصاف سے کہ ظلم ہے ظلم — گر نہ ہو روے التفات ادھر
تابِ رخسار و تیرہ روزی سے — وہ اگر مہر ہے تو میں ہوں قمر
نہ کوئی مایہ دار حسن اتنا — نہ کوئی مجھ سا عاشقِ بے زر
وہ بھی ایسا نہیں کہ یوں محروم — رکھے مستوجبِ کرم کو مگر
مانعینِ زکات ہیں اغیار — یادِ ایامِ نصفت سرور
مسند آرائے محفلِ تقدیس — اولیں جانشینِ پیغمبر
خاکساری پسند، عرش مقام — آدمی صورت[1] و فرشتہ سیر
ملک دل ، سریر جاں خرگاہ — شاہِ دیں تاجِ معدلت کشور
سینہ سرشار مہرِ یزدانی — چشم لبریز جلوۂ محشر
لب وہ آبِ حیات جس کے لیے — تشنہ کامِ صد آرزو کوثر
آز پابوس میں بچے خورشید — ذروۂ اوج ، پایۂ منبر
چرخ و آشوبِ دور میں اس کے — جوش، یاجوج و سدِ اسکندر
کیا گنے خوبیاں کوئی اس کی — اک سخاوت شمار سے باہر
لکھیے اس ہاتھ کو جو پنجۂ مہر — ذرہ پائے رواج خوردۂ زر
ذکر میں اس کے جودِ پیہم کے — مبتدا ایک ہے ہزار خبر
خاک بیز اس گلی کا ڈالے ہے — خاک مذکور گنجِ قاروں پر
ہم بہا اس کی درفشانی سے — تارِ اشکِ یتیم و سلکِ گہر
اس کے دروازے کے گدا کی زکات — ملک "خاقان" و حشمتِ "قیصر"
کچھ نظر میں سمائے تو دیکھے — پنجۂ خور کو اس کا دستِ نگر

١۔ نسخۂ طبع اول نول کشور پریس (صفحہ ١٩) اور طبع دوم اور ششم میں "صورت فرشتہ" لیکن نسخۂ مطبوعہ مطبع جوہر ہند دہلی (صفحہ ٩) "صورت و فرشتہ" ہے (مرتب)

خلق ایسا کہ ذکر میں جس کے
بھولے عاشق حکایتِ دل بر

دم بھرے اس کے کوے دل کش کا
باغِ جنت میں بھی نسیمِ سحر

بس کہ ہے کین و دشمنی اس کی
قدر کاہ و بہا شکن یک سر

ربط سے زخم ہائے اعدا کے
قطرۂ خوں ہو مشک بار و گر

رافت اس کی ہو جب ضعیف نواز
آب ہو جائے شرم سے عنبر

جب "اولی الفضل منکم" اے حاسد
اس کے حق میں کہے جہاں داور

افضلیت میں کیا سخن، یہی بات[1]
سب سے بہتر کہ سب سے ہے بہتر

حکم سے اس کے بے سر وساماں
سرِ جم سے اتار لے افسر

اور پڑھتا ہوں ایک وہ مطلع
جان دے جس پہ ہر سخن گستر

مطلعِ ثالث

اے مسیحِ دمِ رواں پرور
زندگی بخش دینِ پیغبر

گرمیِ التفات سے تیری
خشک ہو عاصیوں کا دامنِ تر

ہے سراپا تو مہرۂ تریاک
تجھ کو کیا نیشِ مار سے ہو ضرر

ہے ترے خارِ جیب کا قصہ
شریانِ حسود کو نشتر

تو وہ سلطاں کہ بارگہ کا تری
پست کا شانہ[2] ہے فلک منظر

قصرِ جاہ و جلال میں تیرے
فخرِ کیواں ہے پاسبانیِ در

ذرۂ خاکِ در کی تابش سے
جل گیا مہرِ آتشیں پیکر

گر تری بے رضا کرے گردش
ٹوٹے دولابِ چرخ کا محور

ماجرا سن کے تیغ کا تیری
الاماں کہیں کافر

ذکر کرتے زبان کٹتی ہے
کیا بیاں کیجیے تیزیِ خنجر

دیکھ کر گرزِ خاردار ترا
ہو زرہ فرقِ خصم پر مغفر

تیری چینِ کمندِ دل کش کا
دم بھرے جذبۂ دمِ اژدر

کچھ تعجب نہیں جو چڑھ جاوے
قلعۂ چرخ پر ترا لشکر

کہ ہے قدسی گہر، ملک فطرت
جیشِ منصور میں ہر ایک بشر

۱- "مجموعۂ قصائد مومن" (صفحہ ۳۲) میں "ہے یہ بات" اور بقیہ نول کشوری نسخوں میں "یہی بات" ہے۔ (مرتب)

۲- "پست کا شانہ" "مجموعۂ" "قصائد مومن" (صفحہ ۳۳) میں اور نول کشوری نسخوں میں "پشت کا شانہ" ہے۔ (مرتب)

تیری تلوار کی وہ آنچ کہ گبر — چھوڑ دیویں پرستشِ آذر
دیکھ کر تیری تیغ کوہ شگاف — ٹوٹ جاتی ہے سرکشوں کی کمر
خطِ نصف النہار ہو محسوس — گر فلک کو عدو بنائے سپر
دور نصفت میں تیرے، فتنے کا — پاس "اصحاب کہف" کے بستر
تو وہ عادل کہ ذکر "کسریٰ" میں — عدل کی تجھ سے داد چاہے "عمر"
نرد بازوں کو عہد میں تیرے — شش جہت جیسے مہرۂ ششدر
"دزد" چوری سے جی چرائے ہیں — گو نہ ہووے ذرا مقامِ خطر
فتنہ سازوں کو وہمِ فتنہ نہیں — دل ترا ہے جو کاشفِ مضمر
بادہ کش ایسے تلخ کام، کہ ہے — کفِ مارِ سیہ، مئے احمر
خمِ واژوں فلک، سبوئے تہی — دور بگوشتہ، گردشِ ساغر
عیب جو، خوردہ بیں کا یہ احوال — دوپہر کو فلک نہ آئے نظر
ذکر میں انتقامِ حق کے ترے — مترادف ترحم و کیفر
خوفِ عصمت سے تیرے آئے جو پاس — شمع پروانے کے جلا دے پر
لکھے، گر ہے ترا مثل بالفرض — صفحے سے محو ہو خطِ مسطر
زر و سیم نثار کردہ ترا — ہے عروسِ زمانہ کا زیور
"مومن" اب کر دعا کہ سنتا ہے — تیری تقریر گوشِ دل سے اثر
جب تلک گردشِ سپہر سے ہے — انتساب حدوث نیکی و شر
تیرے احباب نیک بخت مدام — تیرے اعدا ہمیشہ قال اختر
جب تک اس تیرہ خاک داں میں ہے — کوئی گم کردہ رہ، کوئی رہبر
تیرے حاسد ہوں غولِ صحرائی — تیرے پیرو ہوں پیشوائے خضر
نیک خواہ اور خوبیِ دارین — بد سگال اب سے خوار تا محشر

(4)

خطبہ خوانی دل وزبان بہ امید ثواب بہ اثبات
خلافت امیر المومنین عمر ابن الخطاب

جو اُس کی زلف کو دوں اپنے عقدۂ مشکل — تو بوالہوس کا بھی ہر گز کبھی نہ چھوٹے دل

تم اور حسرتِ ناز، آہ کیا علاج کروں — میں نیم جاں نہ رہا امتحان کے قابل
امیدِ حورِ بہشتی پہ لاؤں کیا ایماں — کہ برہمن ہوں تو ردکردۂ بتانِ چگل
وہ شوخ برق عناں، خاک میں ملا دیوے — اگر ہو حسرتِ دنبالہ گردیِ محمل
چلا ہی جاتا ہوں میں گو چلا نہیں جاتا — غضب ہے شوقِ رسائی و دوریِ منزل
میں کیوں کہ مطربۂ مہروش کو رام کروں — چلے نہ "زہرہ" پہ زنہار "جادوے بابل"
مثال دیتے ہیں روزِ فراق سے کیا دور — بلا میں ہوں شب یلدا میں چرخ سے نازل
مزا ہے وصل کا ہجراں سے پیش تر یعنی — گلِ خزاں زدہ کو کیا بہار سے حاصل
ہوں بے گناہ ولے خوں بہا معاف کیا — کہ وارثوں سے کہیں ملتفت نہ ہو قاتل
خدا سے ڈر بتِ بے درد، ہے یہ کیا انصاف — کہ تو جفا سے نہ ہو، اور وفا سے ہوں میں خجل
جو سیکھے فتنہ گری "رنجِ عشق سے "یاجوج" — نہ ہو سکے کبھی "سدّ سکندری" حائل
یہ کیا غضب ہے کہ تم کو تو ربط غیر سے اور — مجھے یہ حکم کہ زنہار تو کسی سے نہ مل
جلا پذیر ہو میرے غبار دل سے تو زنگ — فنائے آئنہ کے بعد بھی نہ ہو زائل
میں اپنی کشتیِ طوفاں رسیدہ سے خوش ہوں — کہ بحرِ عشق میں کامِ نہنگ ہے ساحل
وصالِ غیر کے طعنوں سے جی جلا اس کا — کہاں وہ گرمیِ صحبت کہ خود ہوا میں خجل
نئی طرح سے میں کرتا ہوں اب غزل خوانی — عدو بھی چاہیے اس زمزمے کے ہوں قائل

مطلع ثانی

دل اب کی بار ہوا ایسی بے جگہ مائل — کہ جان کو بھی ٹھکانے لگا رہے گا دل
فغاں کہ دلبرِ خود کام سے پڑا مجھے کام — حصولِ کار ہے بیکار و سعی بے حاصل
وہ تندخو کہ اگر جور سے پشیماں ہو — تو بہرِ عذر کرے نازہائے تاب گسل
وہ پر فریب کہ ہو دل نشیں تغافل ناز — ہمیشہ حالتِ عاشق سے گر رہے غافل
وہ سخت گیر کہ رہوے نہ طاقتِ جنبش — تو نیم جان غمِ عشق کو کہے کاہل
وہ بے وفا کہ نگر جائے جاں شکستن تک — کرے جو وعدۂ روزِ جزا دمِ بسمل
وہ شمعِ انجمنِ نازہائے حوصلہ سوز — جو سمجھے خواریِ مشتاق، رونقِ محفل
وہ جنگ جو کہ اگر ہیے رشک دشمن بھی — تو بے حیائی کے طعنے ہوں جان کے قاتل
وہ بے نیاز کہ لیلیٰ بھی گر رکاب میں ہو — نہ پھر کے دیکھے کہ کون آئے ہے پسِ محمل

وہ بدشعار و طرح دار، دل ربا جس سے — امیدِ وصل خطا ، ترکِ آرزو مشکل

وہ شوخ بے سبب آزاد و بے گنہ، خوں ریز — کہ جرمِ قاتلِ "عشاں" کا نہ ہو قائل

وہ نکتہ داں کہ "دقیقے" کو اصل دیں کہیے[1] تا — دمِ شکایتِ عاشق نہ ہو جفا سے خجل

وہ دور بیں کہ خدا پر کرے "بدا" ثابت — نہیں ہے غیر زبس اعتماد کے قابل

وہ کج ادا، صنم خود پسند ، کافر کیش — کہ جس کے زعم میں باطل حق اور حق باطل

وہ فتنہ گر ، بتِ حق ناشناس ، ناانصاف — جو فرض عین گنے ، کینِ داورِ عادل

امامِ اہلِ یقیں ، شہر یارِ کشورِ عدل — امیرِ لشکرِ دین و مبارزِ مقبل[2]

بلند پایہ عمر، جس کے قصرِ رفعت کا — گدائے خاک نشیں ،شاہ آسماں منزل

جو شمس، شمسۂ قصر اس کا ہو تو ہندسہ داں — کریں نہ مدخلِ ظل سے تمیز مخرجِ ظل

شہِ سریرِ خلافت ، مہ سپہرِ کمال — محیطِ ابرِ نوال و سحابِ دریا دل

وفورِ بذل و کرم یوں پکارے کہتا ہے — کہاں ہے "معن" کریم اور "حاتم" باذل

یہ احتساب کی اس نے نئی نکالی راہ — ہوا وفورِ سخاوت سے مانعِ سائل

حساب دفترِ احساں کا اس کے مشکل و سہل — کہ بے شمار ہے گو ہے فقط مدِ فاضل

جو دیوے تلخیِ خصمِ لئیم سے تشبیہ — کوئی بلید تو "سقمونیا" نہ ہو مسہل

رہے نہ بیمِ خسوف اور احتمالِ ہبوط — جو اس کی رائے سے ہو مستفضی مہِ کامل

معاندو جو کہا "خاتمِ رسالت" نے — کہ میرے بعد نبوت کے تھا "عمر" قابل

یہی خلافتِ راشد کی اس کو بس ہے دلیل — یہی امامتِ برحق کی اس کو بس ہے سجل

بڑھا یہ پایۂ الہام رائے صائب سے — کہ مشورے پہ ہوئی اس کے وحی بھی نازل

یقیں کہ راہ نمائی ہے پیروی اس کی — نہیں تو سایے سے کیوں بھاگتا ہے دیو مضل

مثالِ عدل میں نوشیرواں کو تجھ سے غلط — کہ بت پرست کہاں فارقِ حق و باطل

رواجِ حسنِ عمل تیرے دور میں یہ ہوا — کہ گفتگو میں بھی مرفوع ہو گیا فاعل

یہ جوشِ خانۂ کفار کی خرابی کا — کہ خود گرائے کلیسا کو راہبِ خاطل[3]

۱- طبع ۱۸۷۶ء نول کشور پریس میں اور نسخۂ مطبع جوہر ہند دہلی میں "کہیے" اور طبع اول و ششم میں "کہیے تا" ہے۔(مرتب)

۲- "مقبل" نسخۂ "قصائد مومن" (صفحہ ۳۹) میں۔ نول کشوری نسخوں میں "مقبل" ہے۔(مرتب)

۳- نسخۂ اول و دوم و ششم طبع نول کشور (۱۸۷۶ء، ۱۸۷۷ء، ۲۲) میں "خاطل" اور نسخۂ مطبوعہ جوہر ہند دہلی (صفحہ ۱۲) میں "جاہل" ہے۔ (مرتب)

دمِ خرابی و تسخیر تیرا گوشۂ چشم نگاہِ لطف و غضب ہے مشیّتِ عاجل
وداد و خشم ترا صوفیوں نے دیکھا ہے جبھی تجددِ امثال کے ہوئے قائل
ترے زمانے میں صد سالہ پیر فانی سے زیادہ تر ہیں جوانانِ فتنہ گر کاہل
نہیں ہے جان میں جاں "رستم" و "نریماں" کی ترے قتیل شجاعت کے جو ہوے ناقل
یہ خوف ہے کہ اگر کیجے ذکرِ خوں ریزی عدوے منقبض الطبع کو ترے ہو سل
مثال دوں جو زرہ پوشیِ مخاصم سے ہزار پارہ ہو بے صدمہ دانۂ فلفل
وہ آنچ تیغ میں تیری کہ کہتے ہیں دشمن ابھی سے ہم تو جہنم میں ہو گئے داخل
گرا دے جب تری تکبیر، قلعۂ اصطخر تو کیا عجب ہے کہ کلمہ پڑھیں بتانِ چگل
شہا کسی نے نہ دی یاں مرے ہنر کی داد کہ نکتہ فہم نہ تھا ایک سرورِ باذل
وہاں صلے میں نعیمِ جناں کی ہے اُمید اگر ہو لطف ترا، میرے حال کے شامل
وحید عصر ہوں میں، عقل اولیں ہے گواہ فرید دہر[۱] میں ہوں، صفحۂ زماں ہے کل
یہی صلہ، یہی ممدوح، مجھ کو زیبا تھا یہی سخن، یہی مداح تھا ترے قابل
یہ وہب ہے کہ مناجاتِ کبریا جو کروں تو "انصتوا" کہے ذاکر سے عابدِ شاغل
سنے جو ذوق شب وصل مجھ سے ماہ لقا کبھی نہ گردش ایام ہو سکے فاصل
مری بیاض پہ وہ انتخاب کے نقطے سپند جس پہ ہوے گردنِ بتاں کے تل
جہاں ہو ذکر مری دانش آفرینی کا سفیہ ہے وہ جو "بہلول" کو کہے عاقل
اگر پڑے مرے پیک خیال کا سایہ گرا دے شاہ سواروں کو رہرو راجل
مرے کلام سے ہیں گونہ گونہ فائدہ مند ادیب و نبض شناس و منجم و فاضل
یہ فیض دیکھ کے اپنی خطا سے ہو آگاہ گر اعتراض کرے کوئی حاسدِ جاہل

۱۔ نسخۂ طبع اول و دوم مطبع نول کشور (صفحہ ۲۵، ۱۷):

"مرید دہر میں ہیں صفحۂ زماں ہے کل"

نسخۂ طبع ششم مطبوعہ مطبع نول کشور (صفحہ ۲۴):

"فرید دہر میں ہوں صفحۂ زماں ہے کل"

نسخۂ مطبوعہ مطبع جوہر ہند دہلی ۱۳۰۵ھ (حاشیہ صفحہ ۱۲):

"مرید دہر میں ہیں صفحۂ زماں ہے کل"

"قصائد مومن" (صفحہ ۴۳)

فرید دہر ہوں میں صفحۂ زماں ہے کل۔ (مرتب)

معجزہ مرے سحرِ حلال کا کہ ہے کفر
ہر ایک مذہب و ملت میں جادوے باطل

زحل پرست جو میری عزیمتِ منظوم
پڑھے تو لخلخۂ مشک ہو دخانِ مقل

اگر میں گریۂ مستانہ کا کروں مذکور
زمین مے کدہ بے ابر، آذری ہو گل

ہے فرق لفظِ جدید اور معنیِ نو میں
نہ کیوں کہ چپ مرے آگے ہوا فصیحِ وائل

کلام حد سے زیادہ سزا نہیں مومن
مباد طعنۂ طولِ مقال دے صیقل

خموش تا بہ کجا لافہاے بے معنی
خموش تا بہ کجا، ترہات لاطائل

دعا پہ ختم سخن کر کہ شورِ آمیں سے
اُٹھا بٹھائیں گے مردوں کو عرش کے حامل

نصیب روزِ جزا جب کرے، نزولِ جلال
زمیں پہ چرخ سے تختِ شہنشہِ عادل

موافقوں کو بہشت و ترقیِ درجات
مخالفوں کو جہنم کا طبقۂ سافل[1]

(5)

نامہ راجہ چوں بہرو ماہ نورانیست ہمانا
بہ فیضِ مدیح ذوالنورین درافشانی است

ہے یہی حسرتِ دیدار تو مرنا دشوار
دم شماری کی مری عمر ہے تا روزِ شمار

بدگمانی نے دعا سے بھی رکھا محروم آہ
رازِ دل غیر سے کس طرح میں کرتا اظہار

دور اتنے رہے محرومیِ قسمت سے کہ ہم
سمجھے ہندی صنموں کو بھی بتانِ فرخار

دیکھ اتنا میں ترے عشق میں رویا کہ ہوئی
جلوہ گر مہر گیا دشت سے لے تا کہسار

بے سبب قتل سے آیا نظر انجام اپنا
سرمۂ دیدۂ دشمن ہے مری خاکِ مزار

دھوم ہے تابشِ خورشیدِ قیامت کی مگر
مجھ سے اللہ نہ پوچھے گا عذابِ شبِ تار

دردِ سر میری شکایت سے نہیں یہ تم کو
بزمِ دشمن میں جو مے پی تھی سو اس کا ہے خمار

تاب بھی دیکھ کر اس بت کی تجلی نہ رہی
میری قسمت میں نہ تھا ہائے خدا کا دیدار

پہنے تو غیر کے بھیجے ہوئے کنٹھے افسوس
دستِ گل خوردہ مرا ہو نہ گلے کا ترے ہار

خاک ڈالی ہے جو سر میں تو اسی کوچے کی
یوں میں دیوانہ ہوں پر کام میں اپنے ہشیار

حیف صد حیف، اگر غیر کے دم میں آئے
میں اسی بات پہ مرتا تھا کہ تم ہو عیار

سیر کو باغ میں وہ شاخِ گل آجائے اگر
سرو و شمشاد سے قمری نہ کرے فرق چنار

[1] "اسفل" نسخہ "قصائد مومن" (صفحہ ۴۵) میں۔ نول کشوری نسخوں میں "سافل" ہے۔ (مرتب)

ہم سے دشمن نے ترے راز کہے مستی میں
ایسے کم ظرف کو دیتے نہیں جامِ سرشار

پرسشِ گور کا اب ڈر ہے غلط فہمی سے
ہائے جو دشمنِ جاں تھا اسے جانا دلدار

بے وفا، بوالہوس اور آپ ستم گر سچ ہے
نہ تمھارا کوئی عاشق، نہ ہمارا کوئی یار

کیا تیرا تیر مرا تشنۂ خوں ہے ظالم
واں سے آتا ہے کیے باز[1] دہانِ سوفار

حور کا ذکر ہوس ناک سے کر اے واعظ
مجھ کو اس بت کے سوا اور سے کیا ہے سروکار

میرے سینے پہ قدم زور سے مت رکھ ظالم
ہاں نہ چبھ جائیں کفِ پا میں کہیں دل کے خار

کس کی دل گرمیِ بے جا نے جلایا جی کو
کہ ہے خاکسترِ "گلخن" مری خاطر کا غبار

پہلوے خم میں نہ جائے یہ خمار اے ساقی
ہوں میں خمیازہ کشِ حسرتِ آغوش و کنار

بات میری جو کسی طرح سمجھتا ہی نہیں
وہم آتا ہے کہ ناصح بھی نہ ہو عاشقِ زار

غیر کو بام پہ آ، جلوہ دکھایا تم نے
یہ نہ سوچا کہ پڑا ہے کوئی زیرِ دیوار

نورِ خورشید سے ہے جرمِ قمر کی تابش
مے سے ہو کیوں نہ فزوں، حسنِ رخِ ماہ عذار

بیمِ رسوائی و اندیشۂ بدنامی سے
کیا کروں کر نہ سکا وحشتِ دل کا اظہار

تجھ کو دکھلاؤں تماشا میں جنوں کا اپنے
آرہے کوئی پری وش جو ترے قرب و جوار

دیکھتا ہے تری ابرو کی طرف یوں مہِ عید
جس طرح سوے ہلالِ رمضاں بادہ گسار

تنگِ ہم صحبتی آخر مرے کام آئے گا
واں نکالیں گے جہنم سے مجھے اہلِ دیار

شاد شاد آئے عیادت کو دمِ آخر تم
ایسے بے درد پہ کرتا ہے کوئی جان نثار

اور اک کھنچتے ہیں شعلہ فشاں نالۂ گرم
کیا کریں یوں ہی نکالیں گے ذرا دل کے بخار[2]

مطلعِ ثانی

نیک نامی نہ سہی، مجھ کو ہے تم سے سروکار
چھوڑ دوں آج وفا، گر ہو وفا سے بیزار

آگیا لب پہ دم اور بات نہ پوچھی تم نے
بوسے دینے کا اسی منہ سے[3] کیا تھا اقرار

کس ادا سے مجھے کہتا ہے کہ حیران ہو تم
چھیڑنے کو جو کہا میں نے اسے گل رخسار

۱- "کیے باز" "قصائدِ مومن" (صفحہ ۴۶) میں۔ "کئی بار" نول کشوری نسخوں میں۔ (مرتب)

۲- "کا غبار" "قصائدِ مومن" (صفحہ ۴۸) میں۔ نول کشوری نسخوں میں "کے بخار" ہے (مرتب)

۳- نسخہ مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۹۳۱ء (صفحہ ۲۶) اور "قصائدِ مومن" (صفحہ ۴۸) میں "سے" اور طبع ۱۲۸۴ھ ۱۸۷۶ء و ۱۸۸۰ء (صفحہ ۱۹) میں "پہ" ہے (مرتب)

گر تمھیں صحبتِ اغیار سے پرہیز نہیں
ہم بھی کچھ چارۂ آزار کریں گے ناچار

سچ ہے مفلس کو نہیں عشق کی لذت کہ مجھے
زخمِ دل کے لیے پیدا نہ ہوا مشک تتار

وہ چلے محفلِ دشمن میں جو ہو شمع لقا
مجھ کو چھیڑا نہ کرو، تم سے کہا ہے سو بار

پائے خم ہی تھی سزاوار یہ[1] زیبا نہ ہوئی
محتسب کے سرِ ناپاک پہ اپنی دستار

رنج کے بعد ملوں کیا کہ رہائی معلوم
ہاتھ آجائے جو صیاد کے رم کردہ شکار

فائدہ وصلِ ہوس ناک سے، وہ بات کرو
جس سے ہر دم مجھے رنجش ہو نہ تم کو آزار

کیا کہوں قصۂ طغیانیِ دریائے سرشک
دیکھ لو آئنۂ چرخ ہے زیرِ زنگار

رشک وہ شے ہے کہ ہر اک ملک الموت مجھے
نظر آتا ہے فرشتہ ہی اگر ہوں اغیار[2]

نقدِ جاں اپنی تجلی کی نہ کہنا قیمت
صبحِ محشر کہیں بن جائے نہ روزِ بازار

کیا ہو گر اس کے ستم روزِ جزا بھی نہ کھلیں
میں نے واعظ سے سنا ہے کہ خدا ہے ستار

دائم اس جان کے دشمن سے جدا ہی رکھا
تھا سپہرِ ستم ایجاد، کہاں کا مرا یار

بے مروت مری نظروں میں ہیں انداز ترے
آج کل کچھ نگہِ لطف ہے سوے اغیار

آپ دیکھا نہ سنا اور سے پر جھوٹ نہیں
تیری آنکھیں کہے دیتی ہیں نہ کرنا انکار

اے صنم چاہیے مومن کی فراست سے حذر
کیا نہیں تو نے سنا قصۂ شاہِ ابرار

سوئیں زیب دہِ صدرِ خلافت عثمان
جس کی مسند کے حسد سے فلک اطلس خوار

لطف سے اس کے زمیں غیرتِ باغِ فردوس
خلق سے اس کے زماں رشکِ دکانِ عطار

اس کے احسانِ فراواں کا جو مد کور چلے
کم ہو مستعملِ تقریر بجاے بسیار

قلزمِ جود کا وہ جوش کہ پانی پانی
آگے خط ہاے کفِ دست کے موجِ انہار

آتشِ مہر و حمل کو نہ بجھا دیوے کہیں
شعلۂ رشک سے جلتا ہے سحابِ آزار

"بیر رومہ[3]" کی حکایت میں کہار ضواں نے
سلسبیل اس کے ہے دریاے سخاوت کا کنار

کرۂ آب ہو گر قطرۂ عمان ہم
صدفِ چرخ کرے شکوۂ طغیانِ بحار

دستِ یاقوت فشاں دھووے لب جو وہ اگر
کوہ سیلاں پہ بنے خاک فضاے گل زار

۱- نسخہ مطبع نول کشور لکھنؤ (صفحہ ۲۶-۱۹۳۱ء) اور قصائد مومن" (صفحہ ۳۸) "پہ" "نور طبع ۱۳۸۴ھ ۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء (صفحہ ۱۹) میں "یہ" ہے (مرتب)

۲- "اغیار" "قصائد مومن" (صفحہ ۳۹) میں- نول کشوری نسخوں میں "استار" ہے- (مرتب)

۳- "بیر رومہ" "قصائد مومن" (صفحہ ۵۰) میں- "بیر رو" نول کشوری نسخوں میں- (مرتب)

کرم اس کا ہو اگر پایہ فزائے اعداد / ذرۂ عرش کو بھی صفر گنے ، حدِ شمار
ذکرِ بخشش میں پڑے جھڑتے ہیں منہ سے موتی / مدح خواں کے لیے ہے یاں صلہ پیش از ایثار
اس کے تمکیں سے اگر کوہ کو دیجے تشبیہ / ہے یقیں شعلۂ جوالہ کو آجائے قرار
نظرِ لطف سے گر چارہ گرِ عاشق ہو / کرے حیرت سے بدل شرم کو چشمِ بیمار
اس کے دروازے کے سکان کا آرام تو دیکھ / ہو گیا دشمنِ بسمل کو تڑپنا دشوار
شرطِ ایمان ہے پیمانِ خلافت اس کا / وہ مسلمان ہے کیا، جس کو ہو اس میں انکار
قصۂ "بیعتِ رضواں" میں اشارہ ہے یہی / ورنہ کوئی نہیں ہم دستِ رسولِ مختار
احتساب اس کے سے گو محفلِ کفار بھی ہو / ذکرِ تحریمِ مزامیر کرے موسیقار
آپ ہی سایۂ مژگاں سے لگائے درے / چشمِ خوباں کو جو باندھے کوئی شاعرِ خوار
گل ہوا بیم سے پھر غنچہ کہ تھا صورتِ جام / دیکھ کر باغ میں مستانہ صبا کی رفتار
جب تلک فتوئِ برجیس نہ ہو کیا مقدور / کہ کوئی کام کرے یہ فلکِ ناہموار
توڑ دیں سبحۂ زاہد کے لیے یوں ہندو / ہیں اسی واسطے گویا کہ پہنتے زنار
کاٹ لے ہاتھ ہی پہلے وہ اگر روزِ وغا / اپنے مرنے سے ذرا جان چرائیں کفار
اس کی تلوار کے آہن کا گر آئینہ بنے / زرد تر چہرۂ عاشق سے ہو رنگِ رخِ یار
معنیِ روشن و مضمون بلند اور سنیں / سامعیں کو ہے اگر مطلعِ نو پر اصرار

مطلعِ ثالث

اے شہِ عرش سریر و مہِ خورشید عذار / درِ دولت پہ ترے انجم و افلاک نثار
توسنِ چرخ سے تشبیہ فرس کا ترے ننگ / کلبِ جبار سے نسبت سگِ در کو ترے عار
سالکوں کا ترے کوچے میں دمِ فیض ہجوم / جیسے گلزار میں ہنگامِ سحر جوشِ ہزار
چل رہے ہیں پسِ مردن بھی نہیں کیوں گریاں / تیرے حسّاد کے احوال پہ ہے شمعِ مزار
صرصرِ عاد سے غالب ہے کہ جنبش نہ کرے / وہ ورق جس میں رقم ہوں ترے اوصاف وقار
جا کے جنت میں بھی رہتی ہے ترے در کی ہوس / ورنہ مرغانِ اولی اجنحہ کیوں ہوں طیار
بحرِ ارشاد و ہدایت سے تری ہو جاوے / فیض یابِ نمِ تاثیر اگر ابرِ بہار
موسمِ گل میں سیہ مست جواں تائب ہو[1] / روز باراں میں کرے پیرِ مغاں استغفار

۱- طبع ششم مطبع نول کشور (صفحہ ۲۸) "ہے" لیکن طبع اول و دوم میں "ہو" ہے۔ (مرتب)

دلِ روشن نے ترے بس کہ کیا تھا حیراں — صرف آئینہ ہوا ، خاطرِ حاسد کا غبار
شکوۂ غمزۂ سفاک نہیں عاشق کو — اٹھ گئی تیرے زمانے میں یہ رسمِ آزار
آزِ بے صرفہ میں افلاک ہیں کیوں سرگرداں — کب ہوا ایسے شریروں کو تری بزم میں بار
مقتبس ہیں مہ و خور رائے درخشاں سے تری — ہے منجم کو اسی واسطے، کشفِ اسرار
راکبِ حزم ترا ناقۂ صالح تہِ ران — رائضِ عزم ترا، دوشِ ملائک پہ سوار
گیند کیا چرخ ترے حکم کے چوگاں کے لیے — لامکاں کیوں نہ ہو پر تنگ بہت ہے مضمار
سن کر افسانۂ یوسف ترے ایام میں گرگ — غمِ تہمت میں ہوے جنس سے اپنی بے زار
سیل خود دوڑے ہے گل کے لیے لے کر پانی — کرے تعمیر مکاں کا جو ارادہ معمار
پایۂ عرش پہ ہو کیوں نہ غلافِ اطلسِ چرخ — پوشش ساقِ نبی، تیری حیا سے ہے ازار
صوفیوں نے ترے چہرے کا جو دیکھا عالم — ہوے پائل کے تجلی کو نہیں ہے تکرار
خوف سے تیری عدالت کے لگا کر مِسّی — سرخیِ لب کو چھپاتے ہیں بتانِ خوں خوار
اوجِ لاہوت کا ہے طائرِ اندیشہ کو شوق — واں سے آتا ہے نظر جو تری رفعت کا حصار
اے شہ پایہ فزا، مدح سرا گر تیرا — پستیِ بخت نگوں سار سے ہو شکوہ گزار
ہووے فریاد رسا، سمع خراشِ قاروں — پر ترحم کہ ہے بے صرفہ نہ آئے زنہار
طالعِ پست کی نسبت سے مرے، واژوں چرخ — بختِ تیرہ سے مرے، روز مہ انور تار
روز "باحور دن" اور رات "شبِ یلدا" ہے — دونوں نقطوں پہ ہے یوں ہم سری لیل و نہار
میرے اقبال کا آجائے اگر دور قریب — تو ثوابت سے گراں رو ہوں نجومِ سیار
ذروۂ اوج سے برجیس کو رجعت ہو جائے — ثور میں زہرہ کرے، مہ کے قراں سے انکار
تاکہ ہو جائے ہر آزار کا مصدر اک ایک — سختِ تحسین[1] کو ہے دفعِ طبیعت پہ قرار
بند ہے امید گر اک خوشۂ گندم کی مجھے — "تیر[2]" تحویل سے ہو برجِ شرف کی بیزار
گر حصولِ زرِ مسکوک کی سمجھوں میں دلیل — ناخنِ شیر سے ہو سینۂ خورشید فگار
خون کے میرے ارادے سے ہوا ذابح سعد — قتل پر میرے کمر باندھے ہے شکلِ جبار
زیست اپنی ہے تو تربیع و تقابل کے سوا — بھول جاویں گے منجم جو ہیں باقی انظار

۱۔ ''تحسین'' قصائد مومن (صفحہ ۵۶)۔ نول کشوری نسخوں میں ''تحسین'' ہے (مرتب)

۲۔ ''عطارد''

۳۔ نسخہ طبع اول نول کشور پریس (صفحہ ۳۱) ''جیار''۔ طبع دوم (صفحہ ۳۱) ''جبار''۔ طبع ششم (صفحہ ۲۹) ''جیار''۔ طبع دوم (صفحہ ۵۶) میں ''شکل جبار'' (ستاروں کی ایک شکل) ہے۔ (مرتب)

حور و جنت کی بھی امید خدا سے نہ رہی — شورِ محشر سے نہ ہوں گے مرے طالع بیدار
نہ ہنر کی مرے پرسش نہ سخن کی مرے قدر — نہ گہر کی مرے ارزش، نہ طلا کی معیار
کس قدر "حکمت اشراق" سے جی جلتا ہے — ہوگئے شعلۂ دوزخ مرے دل کے انوار
غمِ بے قدری "ہیئت" سے جگر چاک ہوا — خرقِ افلاک سمجھتا تھا میں کتنا دشوار
کیا حساب اس لیے سیکھا تھا کہ گھر میں بیٹھے — کیجیے درہم و دینار کو داغوں کے شمار
نہ ہوا بس کہ مریضوں سے حصول الارنج — کر دیا مجھ کو مری چارہ گری نے بیمار
درِ منثور مرے زینتِ صد صدر ہوئے — لیک بزمِ امرا میں نہ ملا مجھ کو بار
موشگافی کی بہت شعر میں پر فائدہ کیا — ہے وہی دستِ تہی، شانۂ دستِ ادبار
نہ صلہ مدح کا پایا، نہ غزل کا انعام — ہائے ناکامی یاقوت[۱] و لبِ لعلِ نگار
کفِ رنگیں نے کیا خونِ خیالِ رنگیں — دستِ دربار کی شاکی ہے زبانِ دربار
اب تلک ہاتھ بھی خالی ہے، بغل بھی خالی — کیا امیدِ برِ سیمین و زرِ دست افشار
واہ قسمت کہ نہ دے خردۂ گل بھی گل چیں — زمزمے مرغِ گلستاں کے سے کھینچوں میں ہزار
کیا قیامت ہے اک دم نہ ٹھہرنے پاؤں — دوں اگر خلد سے تشبیہ دکانِ خمار
درِ نایاب تو کیا خاک سے بھی منہ نہ بھرے — جس کے در پر میں کروں لولوے شاداب نثار
مدح خوانی کا مری جائزہ شاہی بھی نہیں — وائے حرماں کہ ہیں بے جائزہ ایسے اشعار
ہیں ہنر سب سببِ رنج جہاں میں کہ گیاہ — خاصیت سے ہو سزاوار شکنجِ عصار
مومن اے ہرزہ درا، نالہ وافغاں سے حصول — ذکر کیا، راہ پہ آئے فلکِ ناہنجار
بس بس آہنگ دعا سنجیِ ممدوح کہ ہے — متصل عرشِ معلّٰی سے نزولِ آثار
جب تلک گردشِ افلاک سے اس عالم میں — ایک کے دل کو قلق، ایک کے دل کو ہے قرار
تیرے احباب رہیں تکیہ زنِ مسندِ عیش — تیرے حساد ہوں آوارۂ دشتِ ادبار

(6)

تیزی زبان کلک گوہر نثار، برہان ساطع
حقیقت امامت خداوند ذوالفقار

قوت ولب نگار "" "قصائد" (صفحہ فہرست غلاط) میں۔ متن میں "یاقوت لب ولعل نگار" ہے۔ نول کشوری نسخوں میں بھی یہی ہے۔ (مرتب)

کٹتی ہے میری تیغ زباں سے زبانِ تیغ
کیوں کر سخن فروش ہوں سوداگرانِ تیغ

میرے نفس کی دیکھ کے معجز نمائیاں
کیا دور ہے کہ دم نہ رہے درمیانِ تیغ

"فردوسی" ایک خارِ جنانِ بیان تھا
گل ریز میرے دم سے ہوئی داستانِ تیغ

حساد سر سے پاؤں تلک خوں میں ڈوب جائیں
جوہر اگر دکھاؤں میں اپنے بسانِ تیغ

میدانِ کشت و خوں میں مرادست نے[1] سوار
جاوے عناں کشیدہ تو ہو ہم عنانِ تیغ

یہ دل خراشیاں مرے اشعارِ شوخ کی
سینے پہ منکروں کے ہیں لاکھوں نشانِ تیغ

ہرگز نہ کر سکے مرے خامے سے سرکشی
پیدا سرِ نگوں سے ہے عجزِ عیانِ[2] تیغ

جس جا کہ خطبہ خواں ہو مری تیزیِ زباں
واں جانے فرض سجدۂ منبر فسانِ تیغ

پابوس گر کرے مرے خامے کا بند ہوں
شیرینیِ سخن سے لبِ خوش بیانِ تیغ

خجلت سے آب و تاب سخن کی ہے آب آب
کیوں کر چھپے چھپائے سے شرمِ نہانِ تیغ

مت پوچھ مجھ سے خونِ عنادل کا ماجرا
ہر گل زمینِ شعر پہ ہے آسمانِ تیغ

ہووے نہ میری حجتِ قاطع کے سامنے
سرگرم لاف و دعویِ برشِ، زبانِ تیغ

کیسی شکست رونقِ بازار ہو گئی
ہے تختہ بند، دستِ قلم سے دکانِ تیغ

میری بدیہہ سنجی کی جاہل کشی کو دیکھ
نظروں سے گر پڑا ستمِ ناگہانِ تیغ

اک بات میں تمام ہے یاں کارِ مدعی
کس کی بلا ہو بارکشِ امتحانِ تیغ

آہن گداز[3] نالہ مرا دیکھ کر نہ ہو
پیکاں ضمانِ خنجر و خنجر ضمانِ تیغ

کیا تاب میرے حرف پہ انگشت رکھ سکے
ہر خط پہ نکتہ چیں کو ہے وہم و گمانِ تیغ

گر شوقِ زخمِ عشق کی لذت بیاں کروں
ہرگز ہما نہ کھائے بجز استخوانِ تیغ

دل ہی میں حسرتِ نفسِ خوں چکاں رہی
میرے معاندوں پہ ستم ہے امانِ تیغ

پڑھتا ہوں اور مطلعِ رنگیں کہ سن جسے
سرگرمِ آفریں ہو لبِ خوں چکانِ تیغ

مطلع ثانی

نہلا دیا عدو کو لہو میں بسانِ تیغ
میری زباں کے آگے چلے کیا زبانِ تیغ

۱- "بے سوار" نسخہ طبع ششم صفحہ ۳۰۔ (مرتب)

۲- "عیاں" نسخہ طبع اول اور دوم (صفحہ ۲۲،۳۳) میں۔ "بیان" نسخہ طبع ششم (صفحہ ۳۱)۔ (مرتب)

۳- نسخہ طبع اول و دوم مطبع نول کشور (صفحہ ۲۲،۳۳) اور نسخہ مطبع جوہر ہند (صفحہ ۱۷) میں "گداز" ہے اور نسخہ طبع ششم مطبع نول کشور (صفحہ ۳۱) میں "گزار"۔ (مرتب)

پھر جوش آ گیا دمِ خوں تا بہ ریز کو — پھر تیزیِ زباں پہ ہے قرباں زبانِ[1] تیغ
صد مژدۂ جراحتِ منکر حسود کو — کرتا ہوں رزم گاہ میں، میں امتحانِ تیغ
"مومن" کو آرزوے ثوابِ جہاد ہے — کفار کاش آ کے سنیں داستانِ تیغ
آتی ہے لب پہ مدح خداوند ذوالفقار — لے جاؤ منکروں کے لیے ارمغانِ تیغ
شیرِ خدا علی کہ شجاعت سے جس کی ہے — سرپنجۂ اسد پہ نخ زن بنانِ تیغ
غالب کے سرچڑھائے سے اس کے ہو فرض عین — تعظیم تیغ و مکرمتِ تیغ و شانِ تیغ
کیا دور اس کے دستِ کرم کے اثر سے گر — یاقوت ریز ہو مژۂ خوں فشانِ تیغ
اے ابرِ تند بار ظفر، خرمنِ عدو — ہے محو گرم پائی برقِ تپانِ تیغ
وہ آنچ تیری تیغ میں جل جائے مثلِ طور — گر تو صنم کدے پہ کرے امتحانِ تیغ
کہتے ہیں دیکھ کر ترے دشمن ہلالِ عید — کھاوے سوائے زخم کے کیا میہمانِ تیغ
جوہر ترے مخالفِ مجروح میں نہیں — کوئی مگر یہی کہ وہ ہے قدر دانِ تیغ
حسرت ہے تیرے بوسۂ دستِ بلند کی — کس طرح چرخ پر نہ چڑھے کہکشانِ تیغ
دشمن کا ایک نیم اشارے میں کام ہو — ابرو کا تیرے عکس پڑے گر میانِ تیغ
کوشش نے تیری حرفِ تعصب مٹا دیا — کیوں بید خوانِ دہر نہ ہوں باد خوانِ تیغ
تمکیں کو تیری[2] دیجیے گر کوہ سے مثال — روئیں تنوں سے اٹھے نہ بارِ گرانِ تیغ
بے حیات چارہ کرے، یا دمِ مسیح — ممکن نہیں جئیں ترے خوں کردگانِ تیغ
منکر تری امامتِ حق کے ہیں گرمِ جنگ — درکار ہے وضو کو جو آبِ روانِ تیغ
کیا سرکشی کی تاب کسی سخت کوش کو — جھکتا ہے تیرے آگے سرِ قہرمانِ تیغ
تیرے عدو گر اپنا گلا آپ کاٹ لیں — کام آئے کوشش و کششِ رائگانِ تیغ
نسبت سے تیرے[3] ہاتھ کی چشمک زنی کرے — ابروے دل ربا پہ خمِ جاں ستانِ تیغ
کیا بات تیرے پنجۂ آہن فشار کی — وردِ زباں ہے غلغلۂ الامانِ تیغ
سرخی ترے عدو کے لہو سے ہے جا بہ جا — رنگین کس طرح سے نہ ہو داستانِ تیغ

۱- "قربان جان تیغ" قصائد مومن (صفحہ ۶۱) میں -- نول کشوری نسخوں میں "زبان تیغ" (مرتب)
۲- "تمکیں سے تیری دیجیے گر کوہ کو مثال" قصائد مومن (صفحہ ۲۶) -- نول کشوری نسخوں میں مطابق متن ہے (مرتب)
۳- نسخۂ کلیات مومن مطبوعہ ۱۹۱۳ء (صفحہ ۳۲) میں "تیری ہاتھ سے" اور نسخۂ طبع اول و دوم و سوم میں "تیرے ہاتھ کی" ہے (مرتب)

ظالم ہیں تیرے دور میں نالاں کہ وقتِ جنگ — بانگِ شکستِ تیغ ہے شور و فغانِ تیغ
کوئی کرے نہ گرمیِ روزِ نشور میں — بسمل پہ تیرے مہر مگر سائبانِ تیغ
وہ دستِ زور[1]، مظہرِ سرپنجۂ خدا — وہ تیغ باعثِ شرفِ دودمانِ تیغ
لرزاں تھے مثلِ بید ترے رعب سے جو ہاتھ — پھل باغیوں کو کچھ نہ ملا جز زیانِ[2] تیغ
پتھر کو بھی نہیں ترے حملے کی تاب ہے — یاقوت زرد، شاہدِ بیمِ نہانِ تیغ
جرّاح کیا کہے ترے زخمی کا ماجرا — سوزن کی بھی زبان[3] ہوئی ترجمانِ تیغ
یہ کہکشاں نہیں کہ رہا خوف سے جو دھیان — سو پڑ گیا ہے دل پہ فلک کو نشانِ تیغ
پایہ ترے مدیحِ شجاعت سے بڑھ گیا — کیوں کر رہے نہ تارکِ سر پر زبانِ تیغ
ہر بار کیوں نہ ہو تری تلوار تیز تر — دشمن کی ہے قساوتِ قلبی فسانِ تیغ
سیف و قلم ہیں دونوں ستون کاخِ دین کے — حیراں ہوں بابِ علم کہوں یا جہانِ تیغ
رنگیں بیاں ہو گر ترے غزوے کے ذکر میں — پڑھنے لگے درود لبِ خوں چکانِ تیغ
غازی بھی تو، شہید بھی تو، تیرے دم سے ہے — سرگرم جلوہ فصلِ بہار و خزانِ تیغ
زہراب دیں اگر تری دولت کے دور میں — عمرِ خضر ہو زندگیِ جاودانِ تیغ
گرمِ دعائے شاہ ہو "مومن" کہ کب سے ہے — آمیں سرا زبانِ اجابت فشانِ تیغ
روزِ نبرد حادثہ ریزِ شکست و فتح — جب تک کہ ہے نشیب و فرازِ جہانِ تیغ
تاجِ ظفر ہو زیب دہِ فرقِ دوستاں — اعدا کا سر رہے تہِ بارِ گرانِ تیغ

(7)

قصیدہ در مدح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

چاہنا خلق کو صہبا و صنم سے محروم — ایسی نیت پہ بہشت آپ کو واعظ معلوم
محتسب نے خمِ مے چھین لیا یا قسمت — ایسے کم بخت[4] کے ہاتھ آئے ہمارا مقسوم

۱- "زور" طبع دوم و ششم مطبع نول کشور (صفحہ ۳۲،۲۳) اور دیوان مطبع جوہر ہند دہلی (صفحہ ۱۸) میں ہے لیکن طبع اول مطبع نول کشور (صفحہ ۳۵) میں "روز" ہے جو غلط ہے۔(مرتب)

۲- "زیاں" "قصائد مومن (صفحہ ۹۳) میں۔ نول کشوری نسخوں میں "زبان" ہے (فائق)

۳- "زبان نہ ہوئی" طبع ششم نول کشور (صفحہ ۳۲) میں اور بقیہ نسخوں میں "زبان ہوئی" ہے (فائق)

۴- نسخۂ اول و دوم مطبوعہ نول کشور (صفحہ ۳۵ حاشیہ صفحہ ۲۳) میں "کے" اور طبع ششم (صفحہ ۳۳) میں "کو" ہے۔(مرتب)

پاک دامن ہو تو بد گو کے نہ دم میں آتا
سنتے ہیں لوط کے مہماں کوئی اقتاے لزوم[1]

ہم ہیں اور عشقِ حقیقی کہ بجز ذاتِ خدا
نہیں پایا کہیں دنیا میں وفا کا مفہوم

ہائے لینے نہ دیا نامِ عدو غیرت نے
ورنہ کیا کیا مرے ویرانے[2] میں تھی کثرتِ بوم

کہیں ایسا نہ ہو وہ غیرتِ حور آجائے
ہے بہت میرے جنازے پہ فرشتوں کا ہجوم

گاہ کہتا ہے جنوں عشق کو، کہ کفر و حرام
جہل کرنے کو پڑھے تھے مرے ناصح نے علوم

گرمیِ شوقِ شہادت ہوئی فولاد گداز
رہ گیا تشنۂ آبِ دمِ خنجر حلقوم

گر نہ ہووے کشی و وصلِ صنم کی تعزیر
تو یقین آئے مجھے یہ کہ جہاں ہے موہوم

مصرعِ زلف کبھی ہاتھ نہ آیا اپنے
نہ ہوا پر نہ ہوا، حالِ پریشاں منظوم

جوشِ وحشت ہے پہ ناصح نہ پنھاتا زنجیر
دیکھ دیوانہ نہ ہو، میں نہیں پابندِ رسوم

نوجواں جب کوئی جاتا ہے جہاں سے ناشاد
تازہ ہوتا ہے مجھے داغِ امیدِ مرحوم

کر دیا خواہشِ بے داد نے احوال تباہ
تو تو ظالم نہیں زنہار، پہ میں ہوں مظلوم

زلزلے آتے ہیں جب سے میں تہِ خاک آیا
چین دیتے نہیں اب تک بھی مجھے طالعِ شوم

چاہیے صبر مقدر پہ دریغ اے واعظ
تو خدا کا نہیں، جیسا ہوں میں دل کا محکوم

طعنۂ وصلِ ہوس ناک پہ ہنس دیتے ہیں
مگر الزام و ندامت نہیں لازم ملزوم

تیری رفتار قیامت، مری زاری طوفاں
حسن وہ، عشق یہ، کیوں کر نہ پڑے خلق میں دھوم

پاک رازی کی طمع ہم سے گنہ گاروں سے
کیا ہوئے عشق میں اے زہرہ جبیں وہ معصوم[3]

زلۂ گرم نے دلبر کو بنایا دل دار
معجزِ عشق سے جاں بخش ہوئی بادِ سموم

یاں کی لاکھوں خلشیں واں کی ہزاروں فکریں
ایک جان اس پہ یہ ہنگامۂ آلام و غموم

کیا کہیں آج ترے کوچے سے گزری تھی نسیم
ویسے ہی تازہ ہیں گل ہائے مکرر مشموم

محتسب آپ کے آنے سے ہوئے دیر خراب
قصد کعبے کا نہ کیجے گا بہ ایں یمنِ قدوم

چک اے صبحِ طرب کٹ نہیں سکتی شبِ غم
جلد جائیں مع اغیار جہنم میں نجوم

مجھ کو پامال کیا کیوں نہ فزوں ہو عزت
دودِ افغاں سے ملی پیر فلک کو خرطوم

گالیاں دے کے زمانے کو کروں گا تسخیر
ہیں پسند فلک سفلہ، صفاتِ مذموم

"سدوم" "قصائد مومن" (صفحہ ۶۵) "لزوم" "نول کشوری نسخوں میں۔ (مرتب)

۲۔ " پہ" "نسخہ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۹۳۱ء، صفحہ ۳۲۳ اور طبع اول و طبع دوم ۱۸۷۶ء و سوم ۱۸۸۰ء "میں" ہے (مرتب)

۳۔ نسخہ طبع اول (صفحہ ۳۶) میں۔ "مقصوم" اور طبع دوم و ششم (صفحہ ۳۲، ۳۳) میں "معصوم" ہے۔ (مرتب)

جب منایا[1] مجھے اس نے وہی الفت، وہی دل
یہ غلط ہے کہ اعادہ نہیں، بہرِ معدوم

سبب شادیِ دشمن تو بتا دو پہلے
پوچھنا پھر یہ تجاہل سے تو کیوں ہی مغموم

سبزہ رنگی نے تری قتل کیا ہے ظالم
یاد آتا ہے مجھے حالِ امامِ مسموم

افضل الناس حسن ابنِ علی، سبطِ نبی
سید و سردار و مولا و مطاع و مخدوم

ابرِ بارندۂ دانش، گہرِ فیضِ کمال
قلزمِ حسنِ عمل، منبعِ دریائے علوم

مظہرِ شانِ الٰہی ہے یہاں تک کہ حکیم
متزلزل ہے دمِ بحثِ وجوب اور لزوم

علمِ اعجاز اسے، معجزۂ علم اسے
جس میں اندیشہ ہو عاجز وہ سب[2] اس کو معلوم

فکرِ الزامِ حکیم و متکلم ہو اسے
تو مجسم نظر آ جائیں نکاتِ موہوم

اثرِ ذکر سے ہو صاف دلی کے اس کے
نقشِ مرآت ہوا، عکسِ ضمیرِ مکتوم

سائلوں کو جو وہ دیتا ہے طلب سے پہلے
فرط بخشش سے نہ مجمع رہے کوچے میں، نہ دھوم

جو دہر بار[3] فزوں سے، کفِ بے فاصلہ بخش
دشمنِ مایۂ معمول و کفافِ مرسوم

ہیں مشابہ بہت اس دستِ کرم کے تل سے
کیوں کر اصفار نہ ہوں مرتبہ افزائے رقوم

شبہ کیا عصمتِ لختِ جگرِ احمد میں
جب مسلّم ہو کہ معصوم ہے جزوِ معصوم

عہد میں اس کے جو گل زاریِ بلبل پہ ہنسے
ہو نسیمِ سحری ہم اثرِ بادِ سموم

کہیں منکر کو نہ انکارِ قیامت ہو زیاد
عدل سے اس کے ہے آبادیِ ہر کشور و بوم

نہ وہ خالق ہے مگر ہے اثرِ باعثِ خلق
نہ وہ رازق ہے ولے قاسمِ رزقِ مقسوم

السلام اے روش آموز طریقِ اسلام
السلام اے خضرِ جادۂ جنت ملزوم

وہ ترا پایہ ہے اے شاہِ جوانانِ بہشت
کہ ہوئی حرمتِ پیری کی تمنا محروم

گر کہے کوئی کہ بالفرض مماثل ہے ترا
ذکر کیا پھر کوئی تقدیر کا سمجھے مفہوم

کیا ترے مرکبِ چالاک کی لکھی تھی ثنا
لیک کاغذ یہ نہ ٹھہرے کلماتِ مرقوم

یہ سبک رو کہ بیان تگ و دو میں اس کے
منہ سے مفتوح نکلتے ہیں حروفِ مضموم

ہے بجا دیجے اگر تجھ کو سلیماں سے مثال
کہ مسخر ہے پری اور ہوا ہے محکوم

۱- "ستایا" قصائد مومن (صفحہ ۶۸) میں۔ "منایا" نول کشوری نسخوں میں۔ (مرتب)

۲- "نقاط" قصائد مومن (صفحہ ۶۹) "نکات" نول کشوری نسخوں میں۔ (مرتب)

۳- "جو ہر بار" طبع اول اور دوم مطبوعہ نول کشور (صفحہ ۳ حاشیہ صفحہ ۲۳) میں اور طبع ششم (صفحہ ۳۴) میں "جو ہر بار" ہے۔ (مرتب)

تیری افواج کا میداں میں دمِ جنگ خروش — بلبلوں کا "مہ آذار" گلستاں میں ہجوم

مدعی کو تری تلوار سے بچنے کی تھی فکر — کر دیا تیغ گریباں نے دوبارہ حلقوم

تیرے اعدا کو سمجھ ہو تو کریں جان پہ رحم — آدمی تو نہیں یہ، پر ہیں جہول اور ظلوم

بوسہ دے تیرے دمِ تیغ کو تو آجاوے — جس کو آتے نہ ہو تقطیعِ کلامِ منظوم

تیر باراں سے ترے کیوں کہ نہ بھاگیں اعدا — جانتے ہیں کہ شہب بہر شیاطیں[1] ہے رجوم

آج کہہ دے ترے قاتل کی سزا اور حشر — تو عجب کیا ہے کہ جاتی رہے تاثیر سموم

مدِ غیب پہ کی لشکرِ مغلوب سے صلح — کہ مسلمان نہ ہوں معتقدِ طالعِ شوم

نہ مقابل ہو ترے قصد کے عزم افلاک — نہ برابر ہوں ترے حکم کے احکامِ نجوم

ہو دل آزردہ کوئی گر ترے دشمن کے سوا — طبع[2] تحسین سے جاتی رہے تاثیرِ غموم

جہد شاہانہ یہی ہے تری کوشش سے ہوئی — خانقاہِ فقرا بارگہِ قیصر روم

امنیت ایسی ہوئی دور حراست میں ترے — ڈھونڈھتی پھرتی ہے تاثیر فغانِ مظلوم

ہیں مخاصم ترے بدبخت پہ کم بخت نہیں — یعنی کثرت سے ہے قسمت میں حمیم اور زقوم

"مرحبا یا[3] بن علی" کی چلی آتی ہے صدا — اب تلک روضۂ رضواں سے زہے فیضِ قدوم

دعوت عام تری سب کو بنا دیوے خاص — گر قضا کو نہ ہو پاسِ صفتِ فیضِ عموم

"ختم اللہ" کا مورد ہے زبس قلبِ سیاہ — تیرے دشمن کو ہے خوں نابہ رحیقِ مختوم

دوستوں کے نہیں ڈر وسوسۂ شیطاں کا — ہیں جو دشمن متصدیِ شعارِ مذموم

جام مے گر کوئی پی جائے تری نہی کے بعد — زہر کھاوے پئے درمانِ خراشِ بلعوم

تیرے ایام میں باقی نہ رہا بس کہ فساد — چشمۂ خضر ہیں انہار عروقِ مجذوم

بدیِ خلق سے افزوں تھی نکوئی تیری — کر دی انصاف الٰہی نے یہ امت مرحوم

گر کہے "یرحمک اللہ" ترا خصمِ لئیم — عطسہ زن پھر نہ ہو زنہار دماغِ مزکوم

تا سحر شام عبادت تری شب بیداری — شارحِ "آیت کرسی" پئے "حی القیوم"

۱- طبع اول اور دوم مطبع نول کشور (صفحہ ۳۸، ۲۵) میں "ہے" اور طبع ششم (صفحہ ۳۵) میں "ہیں"۔ غالباً اسے صحیح قیاسی سے طبع ششم میں کام لیا گیا ہے، نیز قصائد مومن (صفحہ ۷۱) میں بھی یہی ہے۔ مرتب

۲- "تحسین" قصائد مومن (صفحہ ۷۲) میں۔ "تحسین" نول کشوری نسخوں میں۔ (مرتب)

۳- "ابن علی" قصائد مومن (صفحہ ۷۳) میں۔ "یا بن علی" نول کشوری نسخوں میں۔ (مرتب)

مومن[1] آہنگِ دعا ختمِ سخن کا ہے یہ وقت — آپ تو آپ ہیں دانائے قوانین و رسوم
جب تلک ذلت و عزت طرب و غم[2] ہوں خلق — گوشہ گیر انجمن افروز سمین و معدوم
تیرے احباب مطاع اور توابع رہیں شاد — ترے حساد خراب اور ترے اعدا مغموم

(8)

قصیدہ[3] در مدح وزیر الدولہ امیر الملک
نواب محمد وزیر خاں نصرت جنگ والیِ ریاست ٹونک

یادِ ایامِ عشرتِ فانی — نہ وہ ہم ہیں، نہ وہ تن آسانی
جائیں وحشت میں سوئے صحرا کیوں — کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی
خاک میں رشکِ آسماں سے ملی — ہائے کیسی بلند ایوانی
کر دیا گردشِ سپہر نے حیف — برج خاکی، مسیر کیوانی
ایسی وحشت سرا میں آئے کون — بے دری کر رہی ہے دربانی
نکتہ سنجوں سے جی میں ہے پوچھوں — کہ میں شہری ہوں یا بیابانی
کیا ہوئی وہ بلندیِ دیوار — کیا ہوئے وہ عمادِ طولانی
جائے گل ہیں چمن میں ریزۂ سنگ — کاہ کرتی ہے ناز ریحانی
اٹ گئے حوض و نہر غیر از چشم — ایک قطرہ کہیں نہیں پانی
نہ ملا کچھ نشانِ آبِ رواں — خاک سارے جہان میں چھانی
سقفِ رنگین و زر نگار کہاں — جز سپہر و نجومِ نورانی
شورِ زاغ و زغن ہے سمع خراش — اب کہاں بلبل و غزل خوانی

۱- نسخۂ طبع اول مطبع اول مطبع نول کشور (صفحہ ۳۹) میں یہ شعر اسی مقام پر ہے اور طبع دوم اور ششم (حاشیہ صفحہ ۳۶،۲۵) میں شعر "جب تلک الخ" پہلے ہے اور بعد میں شعر "مومن الخ" ہے۔ اس لیے ترتیب طبع بحال رکھی۔ (مرتب)

۲- "کا ہو" نسخۂ مطبوعہ نول کشور ۱۸۸۰ء (صفحہ ۲۵) و ۱۹۳۱ء (صفحہ ۳۶)۔ لیکن نسخۂ مطبوعہ ۱۲۸۴ھ و ۱۸۶۷ء میں "ہوں" ہے اور قصائدِ مومن (صفحہ ۴۷) "جب تلک ذلت و عزت، طرب و غم سے ہو خلق" (مرتب)

۳- غالباً یہ قصیدہ مدحِ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میں لکھا ہے "کلیات مومن" مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۹۳۶ء میں یہ نوٹ مطبع کی جانب سے غلط لکھا گیا ہے۔ اس قصیدے کے چھیالیسویں شعر میں ممدوح وزیر کے لقب سے موسوم ہے۔ مراد نواب وزیر الدولہ والیِ ٹونک ہیں (فائق)

نظر آتی نہیں وہ تصویریں نقشِ دیوار کیوں نہ ہو مانی[1]
صرف دلقِ گدا ہوے پردے زینت افزاے کاخِ سلطانی
آپ کاشانہ فرشِ خاک ہوا کیسے قالیچہاے[2] کاشانی
یا ظروف و بساط سے مجھے تھا دعویِ قیصری و خاقانی
یا نہیں ہے مرقع و کشکول تا کروں تازہ رسمِ ساسانی
مسندِ گوہریں کا دھیان آیا پوچھتے کیا ہو وجہِ گریانی
بالشِ سنگ و خواب واویلا بارِ خاطر ہوئی گراں جانی
ہم ہیں اور حسرتِ مئے گل گوں خوں پلاتا ہے قہرِ یزدانی
زہر ملتا نہیں کہ پی جاؤں اب کہاں وہ شرابِ ریحانی
شورِ مستی دعاے نوح نہ تھا کشتیِ مے ہوئی جو طوفانی
وہ گزک کیسی، وہ کباب کہاں نقلِ مجلس ہے دل کی بریانی
یا یہاں پرنیان واطلس سے جلوہ گر تھی سپہر سامانی
یا یہ احوال ہے کہ چاک ہوا تنگیوں سے لباسِ عریانی
کیا کہوں اپنی گردشِ ایام صبحِ نوروز ہے شبستانی
اس چمن زار کو خزاں تھی ضرور میں نے کیا تہ کی بات پہچانی
کر دیا خالقِ دو عالم نے امتیازِ ریاضِ رضوانی
ہائے وہ رقص خوش قداں جس کے صدقے[3] انداز سرو بستانی
ہائے وہ زمزمہ سرا جن کی سحر ہاروت، زہرہ الحانی
ہائے وہ ساز و برگ عیش و نشاط قوت افزاے روحِ انسانی
تیرِ بارانِ فاقہ نے مارا بک چکی تھی کلاہِ بارانی
پنبۂ داغِ دل کو حیراں ہوں نہ رہا خرقۂ زمستانی
ایک دن یوں ہجومِ یاراں تھا جیسے اب مجمعِ پریشانی

۱- نسخۂ اول و دوم مطبع نول کشور (صفحہ ۳۹، ۲۶) میں "بانی" اور طبع ششم (صفحہ ۳۷) اور قصائد مومن (صفحہ ۷۶) میں "مانی" ہے- نسخہ مطبع جوہر ہند دہلی (حاشیہ صفحہ ۱۸) میں بھی یہی ہے- (مرتب)

۲- قالیچہ ہائے- قصائد مومن، صفحہ ۷۶ (مرتب)

۳- "مثل" قصائد مومن (صفحہ ۷۷) میں- نول کشوری نسخوں میں "صدقے" ہے- (مرتب)

کس سرِ پر غرور کو دی ہے تنگیِ غم نے چینِ پیشانی
مجھے دونوں جہان سے کھویا کیا کہوں ظلمِ چرخِ دورانی
یعنی اس حال پر فزوں تر ہیں آرزو ہائے نفسِ شیطانی
حسرتِ لعل سیم تن میں ہوے گوہرِ اشک چشم مرجانی
اے فلک دل کو داغ کرتی ہے زرِ خورشید کی درخشانی
بے زری سے مری تجھے حاصل کچھ نہ ہوگا بجز پشیمانی
طالعِ ہر بدیع[1] سنج میں ہے کیا ضرورت ہبوطِ میزانی
جانِ مومن پہ گونہ گونہ ستم کافر اتنی بھی نامسلمانی
تا کجا اے یزیدِ شر خصال فتنہ ہاے فریب مروانی
اس سے کاوش نہ کر نہ ہو ظالم آپ اپنا تو دشمنِ جانی
تجھے معلوم ہے کہ ہے وہ کون کھول دوں میں یہ رازِ پنہانی
مدح خوانِ شہِ وزیر لقب ختم جس پر ہوئی سخن دانی
پایہ سنجِ کمالِ اہلِ کمال فارقِ قلزمی و عمانی
کیا کہوں اس کے دستِ ہمت کی میں گہر بادی و زر[2] افشانی
ہر گدا کی ہے زینتِ کشکول رشکِ ترصیع، تاجِ سلطانی
اس کے احساں سے غرۂ شوال اہلِ تقویٰ کو سلخِ شعبانی
کہیں نیرنگیِ زماں سے فزوں خوانِ نعمت کی اس کے الوانی
مور کو وہ جواد دے ڈالے شوکت و حشمتِ سلیمانی
کر دے سارے جہان کو سیراب بحرِ ہمت کی اس کے طغیانی
بخششِ بے شمار سے مشکل ہے دبیرِ فلک کو دیوانی
اس کے خوانِ نوال سے بہ مثل[3] آز اشعث کی کند دندانی
اس کے عہدِ کرم کی نسبت سے بڑھ گئی عمرِ عالمِ فانی

۱- "بدیہہ" قصائد مومن (صفحہ ۷۸)- (مرتب)
۲- "درافشانی" قصائد مومن (صفحہ ۷۹)- نول کشوری نسخوں میں "زرافشانی" ہے (مرتب)
۳- "ہو مثل" نسخہ مطبوعہ نول کشور طبع اول و دوم (صفحہ ۴۱ حاشیہ صفحہ ۲۷) نسخہ مطبع جوہر ہند دہلی (صفحہ ۲۰) میں۔ "مثل" نسخہ مطبع نول کشور ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۸) میں۔ قصائد موم (صفحہ ۸۰) میں "بہ مثل" ہے (مرتب)

بے سخاوت اسے قرار کہاں کہ ہے عادت طبیعتِ ثانی
اس کے ہے روزگار میں یکساں ابر کو بہمنی و نیسانی
دوری اپنی نہیں ہے مانعِ فیض مہر کو کیا حجابِ ظلمانی
گرگ نے دور عدل میں اس کے سیکھ لی راہ و رسم چوپانی
آشیانِ عقاب و شاہیں میں روز کنجشک کی ہے مہمانی
حملۂ شیر گیر سے اس کے نعرہ زن ضیغمِ نیستانی
اس کے اک ایک لشکری کا ننگ دعویِ سامی و نریمانی
خنجرِ جاں شگاف میں اس کے ابروے یار کی سی برانی
افعی رمح دیکھ لے اس کا تو عصا بھول جائے ثعبانی
گرزنے اس کے بار گردن ہے مغفر مدعی کی سندانی
اس نے شمشیر جب علم کی ہے گاو گردوں ہوئی ہے قربانی
موج دریاے خوں سے روز مصاف ہووے کشتی زمیں کی طوفانی
ہیں مخاصم بھی سخت شکر گزار عمر جو کٹ گئی بہ آسانی
تیرِ خارا شگاف سے اس کے لعل جو ہے سو لعلِ پیکانی
زیرِ راں اس کے توسنِ چالاک رشکِ اسپ سپہر گردانی
شوخیِ یار کی سی چالاکی نگہِ شوق کی سی جولانی
دمِ گل گشت وہ سبک رفتن اہتزازِ نسیمِ بستانی
روز جنگ اس کے نیم جولاں میں صرصرِ عاد کی سی طغیانی
کثرتِ باد عنصری اس کی مثبتِ انقلابِ ارکانی
اس سے دیتے سپہر کو تشبیہ گر نہ ہوتا ستارہ پیشانی
مانعِ سعیِ دل پسند اس کو ملکِ عالم کی تنگ میدانی
تیرے اوصاف کے صحیفے میں صنعتِ کارنامۂ مانی
گل جبینی پہ تیری قرباں ہو[1] نو بہارِ ریاضِ رضوانی
برومندیِ آرزوے حصول کشت مطلب کی تیرے دہقانی

۱- "ہوں" نسخۂ نول کشور طبع ۱۲۸۳ھ اور ۱۸۷۶ء اور ۱۸۸۰ء (صفحہ ۲۸،۳۲) میں نسخۂ مطبع جوہر ہند دہلی ۱۳۰۵ ہجری (حاشیہ صفحہ ۲۰) نسخۂ نول کشور ۱۹۳۱ء (صفحہ ۳۸) میں "ہو"۔ (مرتب)

آستانے پہ تیرے چرخِ نہم — ہو نہ جائے بلند بنیانی
سمجھے ہے درجۂ شرف کیواں — قصرِ رفعت کی تیرے دربانی
شعلۂ شمع بزم کو تیرے — دعوے حسنِ ماہِ کنعانی
داغ مے تیرے جامِ عشرت سے — گلِ داماں[1] کی پاک دامانی
تیرے دشمن کے واسطے عاشق — زلفِ جاناں سے لے پریشانی
اے سخن سنج نکتہ داں تیری — کس زباں سے کروں ثنا خوانی
مجھ سے ناکس کی ہم نشینی کا — تجھ سے داور کو شوق پنہانی
نہ یہ سمجھا ہوں سیر اختر سے — علم ظنی نہ ہووے ایقانی
حاملِ دفترِ مدیح سے یوں — مجھے پہنچا تھا علم اذعانی
کہ نہیں کیوں خیالِ طوفِ حرم — مومن اور اتنی نامسلمانی
تجھے معلوم کیا نہیں ناداں — فرض ہے حج یہ نص قرآنی
کیوں کہ ہو عذرِ بے زری مقبول — ہے خلافِ قیاسِ برہانی
اول اس در پہ سجدہ ریزی کر — تا ملے مفت جاہ کیوانی
پھر طوافِ حرم میں ہو مشغول — تیرے صدقے شروطِ ایمانی
کب تلک اعتکافِ بت خانہ — کب تلک کنجِ قیر و رہبانی
یوسفِ مصر نکتہ سنجی حیف — یوں گرفتارِ چاہِ کنعانی
کیا پیام اور کیا پیام گزار — جس کی ہر بات وعظِ عرفانی
آب و تابِ کلام سے اس کے — آب ہو لولوی و مرجانی
عالمِ محملِ[2] حدیثِ رسول — واقفِ نکتہ ہائے فرقانی
اس کے آگے علوم پیرِ فلک — سبقِ کودکِ دبستانی
دیکھے اشراق اس کا افلاطون — کہے ہٰذا حکیم ربانی

۱۔ "گلِ داماں کی پاک دامانی" قصائد مومن (صفحہ ۳۸) "گلِ دامان پاک دامانی" نسخہ طبع اول و دوم و ششم (صفحہ ۳۲، ۲۸، ۳۰) میں۔(مرتب)

۲۔ "محمل" نسخہ کلیات مومن طبع اول اور دوم (صفحہ ۳۳ حاشیہ صفحہ ۲۸) میں اور طبع ششم (صفحہ ۳۰) اور نسخہ دیوان مومن مطبوعہ جوہر ہند دہلی ۱۳۰۵ھ میں "مجمل" ہے (مرتب)

جبہ ، خورشید سے فروزاں ترا¹ — جبہ سے دل زیادہ نورانی
شام پیری میں اس کا وہ عالم — زردرو جس سے صبح ریحانی
"کرم اللہ" نام و ذات اس کی — مظہرِ لطف ہائے یزدانی
ہے مجھے بھی خیالِ طوفِ حرم — خضرِ رہ گر ہو فضلِ رحمانی
تا کہ صحنِ "منا" میں کر ڈالوں — نفسِ امارہ کو بھی قربانی
اس سے افزوں ہے شوق اس در کا — جس سے حاصل ہو یہ بہ آسانی
کہ محرک ہے التفاتِ نہاں — تاب فرسا ہے جذبِ روحانی
پر کروں کیا کہ بن نہیں آتی — ورنہ میں اور تیہ پیمانی
دشت گردی کے شوق نے مارا — ہوں تو دیوانہ لیک زندانی
سوچ سوچ اپنے دل میں ڈرتا ہوں — گو ہوں وسواس ہائے شیطانی
ہے ابھی آرزوے وصلِ صنم — ہے ابھی حسرتِ ہوس رانی
فکرِ انجام سدراہ ہوئی — سن چکا ہوں "حدیثِ صنعانی"
بعد یک چند گر خدا چاہے — میں ہوں اور تیرے در کی دربانی
آکے اس بزم میں دکھاؤں گا — شعلہ ہائے خرد کی نیرانی
میرے سینے کے صفحے میں ہے رقم — علمِ دانا دلانِ یونانی
مجھ تلک پہنچے ہیں اب و جد سے — ورثۂ نکتہ ہائے لقمانی
مہرِ افلاکِ عقل و دانش ہوں — فطرتی ہے مری درخشانی
"نسرِ طائر" کو سمجھے ہے بے پر — مرغِ فکرت کی بال جنبانی
وہ خرد مند ہوں کہے ہے مجھے — "عقلِ اول" حکیمِ لاثانی
میں روش دان حکم برجیسی — میں ادا فہم سیرِ کیوانی
ہوں وہ نباض جس کے ناخن میں — حرکاتِ عروقِ شریانی
آئنہ ہے صفا سے دل میرا — کیا ہوا گر نہیں ہے حیرانی
میرے خامے کے جوشِ گریہ سے — روئے دیتا ہے ابرِ نیسانی
سامنے میری تر زبانی کے — نطق الکن "حدیثِ سحبانی".

۱- طبع اول و دوم نول کشور (صفحہ ۳۳، ۲۹) اور نسخہ مطبع جوہر ہند دہلی (صفحہ ۲۱) میں "فروزاں تر" لیکن طبع ششم نول کشور (صفحہ ۳۰) میں "فزوں تر ہے" ہے (مرتب)

میرے ربطِ کلام کو پہنچے غزلِ "سعدی" نہ نظمِ "سلمانی"
جاں فزائی مرے سخن کی دیکھ سم گئے خضر ، آبِ حیوانی
میرے زاغِ قلم کی نیم صریر صد صفیرِ ہزار دستانی
میرے گوہر تمام ناسفتہ میرے یاقوت سب بدخشانی
میری نیرنگیِ تخیل سے سیمیا گر ہے روحِ نفسانی
میں وہ سرمایۂ بلاغت ہوں جس کے در کا گدا ہے خاقانی
"انوری" کے بیان میں ہے کہاں میری تقریر کی سی تابانی
ملکِ معنی کا شہر یار کہے دیکھ "خسرو" مری قلم رانی
میری نسبت سے خاکِ ہند کو ہے رونقِ سرمۂ صفاہانی
آج ہوتا "کمال" تو کہتا اب تخلص سزا ہے نقصانی
"مومن" اب ختم کر دعا پہ سخن تا کجا لاف ہائے طولانی
جب تلک باعثِ نشاط و ملال ہے وصال و فراقِ جانانی
تیرے حساد و رنج گونا گوں تیرے احباب اور تن آسانی
تیرا اقبال روز افزوں ہو جیسے مومن پہ لطفِ رحمانی

(9)

قصیدہ در مدحِ راجا اجیت سنگھ

صبح ہوئی تو کیا ہوا، ہے وہی تیرہ اختری کثرتِ دود[1] سے سیاہ، شعلۂ شمعِ خاوری
چشمِ ستارۂ سحر، لونِ[2] زحل سے سرمہ سا دشنۂ ترکِ چرخ سے، تیز[3] نگاہِ مشتری
خطِ بیاضِ صبح وہ، شعلہ دمِ اژدرِ سپید عکس سے جس کے آب ہو، آئینۂ سکندری
یاد ہوا ہے کوئی یار، خانہ خراب و جاں گداز خفیہ شمال میں سموم، بادِ صبا میں صرصری
سامعہ سوز و دل خراش، گریہ فزا و زخم ریز نغمۂ نوکِ عندلیب، قہقہۂ گلِ طری[4]
مجھ کو فغاں سے کام اور ذکر میں اہلِ خانقاہ دیر میں شور بید خواں، میکدے میں نواگری

۱- دودِ گناہ - نسخۂ نول کشور ۱۹۳۱ء، صفحہ ۳۲-
۲- "لونِ زحل" قصائدِ مومن (صفحہ ۸۸)- "یوں ہے زحل سے" نول کشوری نسخوں میں (مرتب)
۳- "تیز" قصائدِ مومن (صفحہ ۸۸) میں- "تر" نول کشوری نسخوں میں- (مرتب)
۴- "طری" قصائدِ مومن (صفحہ ۸۸) میں- "تری" نول کشوری نسخوں میں- (مرتب)

چار طرف ہے غلغلہ "حی علی الفلاح" کا
بد ظنیوں سے عذر لنگ، شدتِ ضعف ولاغری

شعلۂ شمع سے فزوں چہرہ مرا زرد یہ گوں
رنگ شفق سے بیش تر، گریہ مرا معصفری

رشک فزا نظارۂ صحبتِ ساکنانِ قرب
پستیِ بخت کو دکھائے گھر کی بلند منظری

صبح مری شب مریض، شب، شب اولین گور
زور[1] گزار ہیم شام، تختیِ روز محشری

غم نہ سما سکا مرا، بس کہ جہان تنگ میں
چرخ میں یہ محدبی آ گئی اور مقعری

صبح کی جب بہار ہے ساقی غنچہ لب ہو پاس
مے سے عذار لالہ رنگ، لب سے مذاق شکری

ہر حرکت محرک شوق و مہیج ہوس
قل قل[2] شیشہ قاہ قاہ، مطرب طرفہ زیوری

بستر گل پہ خواب خوش، سرخوشی نشاط خواب
عطرِ لباس سے گلاب جرمِ دماغ کی تری

رطل گراں دمِ صبوح، مست مئے شبینہ روح
سر بسر امتیاز[3] طبع، رنج خمار سرسری

عطرِ مشام حور میں نہ فلک نو[4] آفریں
ادخنہ و بخور سے عنبر و بان مجمری

ایک سے ایک کامیاب، طرف حاسداں کباب
ایک طرف شراب ناب، ایک طرف گزک دھری

جب نہ رہی طمع تو کیا خلد میں گر ملے یہ فرض
قصرِ زبرجد و مے لعلی و جامِ گوہری

میرے یہ بخت ہائے بخت، ایسے نصیب یا نصیب
چارۂ یاس، امیدِ حشر، مرگِ علاج مضطری

طول امل کی حد نہیں، سازِ طرب کہاں سے آئے
بادشہی جہاں ہو کم، حیف وہاں قلندری

یاں کے ہوئے نہ واں کے ہم جیسے فقیر بت پرست
بندگی خدا تو ہو گر نہ ہو صاحب افسری

چرخ نے جیسے جیتے جی، کیں پدری عنایتیں
خاک کرے گی بعد مرگ، ویسی ہی مہر مادری

عشق عیاں کا کیا بیاں، حسنِ ہنر رہا نہاں
قمریِ نالہ کش زباں میری ہے دل صنوبری

وہم بروں شدن خیال، قید سے چھوٹنا محال
یاں سے گریز کیا مجال بند گراں پہ بے دری

چھٹ بھی گئے تو راہ بند، جائے بہ جائے لامکاں
کوئی عجب طلسم ہے گنبدِ چرخ چنبری

رغبتِ وصل پر حذر یار کو ہائے ہائے ہے
تا کسی[5] آفتِ قرار، نے ہوسِ ستم گری

کل سے زیادہ آج ہے غم کی فراہمی مباد
آج سے کل زیادہ ہو، حال کی اپنے ابتری

چرخ سے جنگ اور ایک جزو ضعیف چرخ یہ
طالع دوں خراب ہو، آپ کرے جو یاوری

۱- "زور" نسخہ قصائد مومن (صفحہ ۸۹) میں۔ "روز" نول کشوری نسخوں میں۔ (مرتب)
۲- "قل قل" نسخہ قصائد مومن (صفحہ ۹۰)۔ نول کشوری نسخوں میں "قم قم" ہے (مرتب)
۳- "اہتزاز" قصائد مومن (صفحہ ۹۰) نول کشوری نسخوں میں "امتیاز" (مرتب)
۴- "نو آفریں" طبع اول (صفحہ ۳۶) میں۔ طبع دوم (حاشیہ صفحہ ۳۰) و طبع ششم (صفحہ ۴۳) میں "نور آفریں" ہے (مرتب)
۵- "نہ اُسے طاقت قرار" قصائد مومن (صفحہ ۹۱) میں "تا کسی آفت قرار" نول کشوری نسخوں میں۔ (مرتب)

نالے سے میرے گرم و خشک، زہرہ و ماہ کا مزاج
گریے سے میرے سرد و تر طبع بروج آذری

جانِ جہاں کو دل دیا، دشمنِ جاں ہوا جہاں
سر میں ہوا، نظر میں یاس، سینے میں آرزو بھری

یک دل و گونہ گونہ زخم، یک تن و فوج فوج غم
یک جگر و ہزار نیش، یک سر و صد گراں سری

جور سہوں، وفا کروں، حق وفا ادا کروں
یہ نہ کروں تو کیا کروں، قہر ہے عشق و بے زری

قدرِ ہنر کو چاہیے عقل و تمیز و درک و فہم
دست کشادہ، دل فراخ، منعمی و تونگری

سو امرائے عصر تو بے خرد اور جہل دوست
بخل کے ساتھ ہر جگہ، جمع بھی و خری

ایک جہاں میں قدرداں سو وہ بہ رغمِ آسماں
آج یہاں ہے کل وہاں، واہ کمال داوری

"راجا جیت سنگھ" نام، کام روائے خاص و عام
جود سے جس کے بے نظام، کارِ جہاں کی ابتری

نعل نشیں بنا دیا، خاک نشیں کو اس نے اب
خاک تہیں فلک کو زیب، لاف و گزاف برتری

چین سے زر، عدن سے در، کان سے لعل و گوہر آئے
بس کہ جہاں میں شہرہ ہے، اس کی غریب پروری

دست گہر فشاں سے وہ، نامہ اگر کرے رقم
دامِ ہما ہو حسرتِ مرتبۂ کبوتری

لیتے ہوئے گرائے[1] جو بار عطا سے لعل و در
کلبۂ خاک روب کو جیسے دکانِ جوہری

"حاتم و معن" پائمال، اس کے صفِ نعال میں
صدر نشین بزم کام بخشی و فیض گستری

لعل لب اُس کے در فشاں جیسے گہر نثار دست
جائزہ کم نہ آفریں، دونوں میں ہے برابری

یک شبہ[2] خرج بزم کا، نیمہ خراج "نیمروز"
بخشش ہفتہ حاصل و فائدۂ ہفت کشوری

ایک جہاں گدائے در اور وہ سب جو معتقد
بے طمعی سے شیخِ وقت، جس کا سوال قیصری

دورِ کرم میں اس کے لعل خشکی لب کا ہے بہا
درِ یتیم کو بکے، چشمِ یتیم کی تری

اس سے زیادہ اور کیا، ہووے گی بخشش و عطا
کم رہے اکثروں سے ملک، بیش نہ ہو مقرری

رونق لولیانِ بزم، دیکھ کر اس کی جود سے
خیرہ نگاہ بس کے ہے لولی چرخ چنبری

گرمِ دعا[3] گئے باز گشت، شکل نشر میں سوے خاک
بہرِ حصول زیور و چارۂ رشکِ زیوری

اس کے اویم حشمت و مائدۂ جلال پر
خستہ ذباب کی طنیں، طنطنۂ سکندری

جوشِ طراوتِ مشام، وجہِ عطائے عز و جاہ
لطفِ نسیم مشک بیز، خلقِ شمیم عنبری

۱- "گرائے" "قصائد مومن" (صفحہ ۹۳) میں اور نول کشوری نسخوں میں "گرآئے" ہے۔ (مرتب)
۲- طبع اول، دوم، ششم (صفحے ۲، ۱۳، ۳۳) میں "یک شہ چرخ" اور قصائد مومن (صفحہ ۹۳) میں "یک شبہ خرج" (مرتب)
۳- "دوعائے" "نسخۂ مطبوعہ نول کشور پریس ۱۲۸۳ھ ۱۸۷۶ء (صفحہ ۳۸، حاشیہ صفحہ ۳۱) میں۔ طبع ششم (صفحہ ۳۳) دی ہے

بوسہ روا ہے ہر طریق سجدہ و فرق ہر فریق — سنگِ درِ اُس کا اک صنم، رشکِ بتانِ آذری
تو وہ بہارِ حسنِ باغ جس پہ کرے نثار جاں — لالہ رخی، سہی قدی، گل بدنی، سمن بری
لب کو مثال کس سے دوں، لعل و عقیق بے مزا — گل میں کہاں یہ تازگی، مل میں کہاں یہ احمری
چشم کا تیری امتزاج، روح افزا، نظر فزا — گریۂ مستی و نگاہ، روح و گلاب[1] عبہری
فصلِ بہار بعد یاس، کس لیے غنچہ پھر ہوا — بزم میں تیری گر نہ تھی، گل کو امید ساغری
جمع جو تجھ میں عدل و حسن جن سے خرابیاں خراب — مست شراب، لبِ شراب، محو پری رخی پری
اطلسِ چرخ زیر[2] گرد جوشِ ہوائے رشک سے — آتشِ سینۂ نجوم، خجلتِ آب پیکری
تو وہ سوار یکہ تاز، عرصۂ رزم گاہ میں — جامہ دریدہ جس کے ساتھ قطرہ زنی سے صفدری
توسنِ باد پا ترا، روزِ وغا بگاڑ دے — صرصرِ عاد کی ہوا، دم میں دکھا کے صرصری
سیرِ ریاض میں نسیم، سطح ہوا پہ بوئے گل — عرصۂ بحر طے کرے، آن میں بے شناوری
روزِ نبرد گرچہ ہو خصم جباں[3] کے زیرِ راں — توسنِ برترینِ فلک، تو بھی محال[4] جاں بری
اس تگ و دو کو کیا کہیں چرخ فرس ایک جست میں — نیم قدم پہ رہ گئی، طائری و تگاوری
ہائے سبک عنانیاں، واہ گراں رکابیاں — گاہ غزال چین ہے وہ، گاہ پلنگ بربری
مجھ سے مدیح سنج کا، پیک خیال گر نہ ہو — شاہ سوار کیا کرے، کس سے ہو[5] اس کی چاکری
کردیے دشمن اس لیے تو نے زبون و سرنگوں — سجدہ گہِ صفات بد تا کہ ہو نیک محضری
تختہ حریف کا تباہ حال و تغیر کعبتین — نیل مرام و شش جہت مہرہ و قید ششدری
جس نے مقابلہ کیا، بے جگری سے چل دیا — کیا کھلے ایک حملے میں گرچہ کھلے دلاوری
چرخ سے کم تو کیا ہو یہ خود جو ضرب گرز اٹھائے — حربے سے پہلے سر شکن، بہرِ عدو یہ مغفری
ساکنِ بحر و بر تمام، رام نہ ہوں تو کیا کریں — تیغ میں یہ نہنگی اور طبع میں[6] ہے غضنفری
افعی رمح سینے کو چیر کے دل نکال لے — مارِ سیاہ زلف سے ہو نہ سکے یہ دلبری

---

1. "روحِ گلابِ عبہری" "قصائد مومن" (ص۹۵)۔ نول کشوری نسخوں میں "روح و گلاب عبہری"۔ (مرتب)
2. "زیر" "طبع اول اور دوم مطبع نول کشور (صفحہ ۳۸، حاشیہ صفحہ ۳۱) طبع ششم (صفحہ ۳۵) اور قصائد مومن (صفحہ ۹۶) میں "زیر" ہے۔ (مرتب)
3. "جباں" (بہ معنی بزدل) نسخہ قصائد مومن (صفحہ ۹۷) اور نول کشوری نسخوں میں "جہاں" ہے۔ (مرتب)
4. "محال" "نسخہ قصائد مومن (صفحہ ۹۷) "مجال" نول کشوری نسخوں میں ہے (مرتب)
5. "ہو" "طبع اول اور دوم (صفحہ ۳۲،۴۷) میں۔ طبع ششم (صفحہ ۳۵) میں "ہے"۔ (مرتب)
6. ہے "نسخہ اول و دوم (صفحہ ۳۲،۳۹)۔ طبع ششم (صفحہ ۳۵) میں "یہ" ہے۔ (مرتب)

بال و پرِ فرفرۂ موت میں یا پہ خدنگ　　دشنۂ[1] وشنۂ قضا، یا ترے تیر کی سری

خندۂ برقِ تیغ میں، گرمیِ مہر "تیر[2]" ماہ　　گریۂ زخمِ تیر میں جوشِ سحابِ آذری

شہرتِ ظلم و جور سے، دور میں تیرے کیا عجب　　ہفت پدر اگر بہم ترک کریں برادری

رونقِ بزم و عزمِ رزم، فرِّ جلال و قدرِ جاہ　　تو نے یہ غایتِ کمال جمع کیے نہ سرسری

سینے پہ روے دلبراں، بر میں قباے رستمی　　پاؤں پہ فرقِ سروراں، سر پہ کلاہ سروری

اس قدر اعتبار پر، اس قدر انقلابِ حال　　یعنی ترے خدم کے ہیں طالع و بخت سنجری

ہے ترے در پہ منحصر اب جو شرف تو جاے تنگ[3]　　ماہ کو بیت زہرہ اور زہرہ کو برج مشتری

بس کہ خلف محال تھا ہو گئی نسل منقطع　　ذات پہ تیری اس قدر ختم ہے پاک گوہری

ہے خرد مجسم و نکتہ نواز قدرداں　　دیکھ نگاہ غور سے تو مری نکتہ پروری

شاعرِ بے نظیر ہوں، سحر بیاں دبیر ہوں　　دم ہے مرا نمونۂ معجزۂ پیمبری

سحرِ حلال سے مرے جادوے سامری خجل　　طورِ کلیم اوجِ فکر، نورِ خدا فسوں گری

لاف زنی پس مدیح، رسمِ قدیم کیا کروں　　اس غمِ تازہ سے نہیں مجھ کو اُمیدِ جاں بری

کفر حکایتِ غرور، اس کے بغیر یہ محال　　تا "عتبی" و "جریر" عار ہے مجھ کو ہم سری

میری زبان میں وہ بات جس سے ملک سخن پرست　　میرے بیان میں وہ سحر جس سے جنوں زدہ پری

خیرگیِ فقوبتِ تازہ موکلان قہر　　نس کہ کیرے حسد ہے تیرہ روانِ انوری

مجھ کو یہ گل زمیں پسند آ گئی اتفاق سے　　مزرعِ غیر میں کیے ورنہ سر کدیوری

نانِ گدا پہ رغبتِ شاہ جہاں غلط، غلط　　با ہمہ برتری دروغ، آرزوے فروتری

اب نہیں کی ہے اختیار نظم کو میں نے یہ زباں　　آپ ہیں لب پہ بوسہ زن ہندی و تازی و دری

باغ میں اپنے ہر شجر تا بہ چنار و سرو، بید　　اول و آخرِ بہار باد فروش نو بری

لذتِ مدح جاں فزا، تلخیِ ہجو تاب کاہ[4]　　شہد ہے یاں تو شہد ناب، صبر ہے تو سقوطری

میری طلاقتِ لسان، میری فصاحتِ کلام　　چارۂ صدرہ آزما[5] از پے خستگی و کری

۱- "وشنۂ دشنۂ" نسخۂ نسخۂ مومن طبع ۱۲۸۴ھ (صفحہ ۳۴) ۱۸۷۶ء و ۱۸۸۰ء (مطبع نول کشور)- اور "وشنہ ہے دشنہ" طبع ۱۹۳۱ء (صفحہ ۳۵) (دستہ دشنۂ؟) (تاثیر)

۲- "ماہِ تیر" نسخۂ قصائد مومن (صفحہ ۹۸)- نول کشوری نسخوں میں "تیر ماہ" ہے- (مرتب)

۳- "تنگ" قصائد مومن (صفحہ ۹۹) میں اور نول کشوری نسخوں میں "تنگ" ہے- (مرتب)

۴- "کاہ" نسخۂ اول و دوم (طبع ۱۲۸۴ھ، ۱۸۷۶ء) (صفحہ ۵۰ و حاشیہ صفحہ ۳۴) میں ہے اور طبع ششم (صفحہ ۳۶) "کاہ" - (مرتب)

۵- "صدرہ آزما" نسخۂ مطبوعہ ۱۲۸۴ھ و ۱۸۷۶ء و ۱۸۸۰ء (صفحہ ۵۰، ۳۴) مطبع نول کشور "صدمہ ریش" ہے نسخۂ ۱۹۳۱ء (صفحہ ۳۶) "صدرہ آزما" نسخۂ قصائد مومن (صفحہ ۱۰۱) میں- (مرتب)

میرے معاند و حسود، ہرزہ ستائے رفتگاں — ہاجی خویش و بے صبر مست بہ لب کف آوری
ہیں یہ سگانِ جیفہ خوار، مغزِ سخن سے بے نصیب — کافر استخواں پرست، طرفہ سگی و کافری
میں وہ شہ سریرِ فضل، جس کے خطیب کے لیے — اوج و حضیض آسماں پست و بلند منبری
فرطِ جمال سے نہیں گرچہ لباس کا خیال — تو بھی تو بکرِ فکر کو، ننگ ہے زیورہ معجری
قیمتِ حسنِ یوسفی، میرے سخن کا رونما — ہے یہ وہ حسن جس کی بیع، مایہ فزائے مشتری
حضرتِ مومن اس قدر لاف اگرچہ ہے درست — طولِ مقال عیب و شعر جملہ عیوب سے بری
ختم سخن دعا پہ ہو، تا نہ اثر میں ہو کلام — آپ[1] پہ قصہ مختصر ختم ہوئی سخن وری
تا کہ ہے بیت ہفت میں، قوتِ لولیِ فلک — تا کہ نجم میں ہے فرح، بہرِ عروسِ خاوری
تجھ کو نصیب دولتِ صحبتِ نوجواں نگار — تجھ کو ہمیشہ عشرتِ تازہ عروسِ دربری
تا رہے الفت آزما، نازو غرور دل ربا — تا رہے آرزو فزا، طرز ادائے دلبری
جور پہ تیرے جاں نثار، غارتیانِ دین و دل — وصل سے تیرے کامیاب لب شکرانِ عسکری
تا کہ ہو نوبہار میں قسمتِ رند مشرباں — مستی و بے حجابی و نغمہ زنی و مے خوری
بہرِ حسود جام زہر، ساغرِ مے ترے لیے — تا نہ ہو ناگوار طبع تلخ بادہ شکری
قص و سرود سے تری انجمنِ نشاط گرم — شعلۂ دود و عارضِ روشن و زلف عنبری
سوئے ہزار گوشِ جاں، روئے زمیں پہ زرفشاں — باغ میں جب تک اس طرح، جلوہ کرے گلِ طری[2]
تجھ کو نصیب بزم میں داد دہی، صلہ دہی — مجھ کو مبارک ایک سو مدح گری، گدا گری

معمابہ اسم مومن

کیفیتِ وصال بس اب کچھ نہیں رہے — کیوں کہ نہ ہوں "ملول میں" "شب کچھ نہیں رہی

ایضاً

ازل سے جی ہی لگا سینہ سپر حاصل ہے — یم[3] سرشک سے شاداب گلشنِ دل ہے

معمابہ اسم غلام علی خاں

بے حد ہے، خانہ بے در ہے — تو بھی صاحب غلام سے ملیے

---

[1] پہ یہ "طبع اول (صفحہ ۵۰)" اب ہو یہ "طبع دوم (صفحہ ۳۳)" آپ پہ "طبع ششم (صفحہ ۳۲)۔ (مرتب)

[2] "جلوہ گری گل طری" نسخۂ اول اور دوم (صفحہ ۵۰، ۳۳)۔ "جلوہ کرے گل تری" طبع ششم (صفحہ ۲۷)۔ (مرتب)

[3] نم۔ نسخہ "کلیات مومن" مطبوعہ مطبع نول کشور ۱۲۸۳ھ، ۱۸۷۶ء و ۱۸۸۰ء (صفحہ ۱۹۰ و ۱۲۲) اور ۱۹۳۱ء (صفحہ ۱۷۸) لیکن نسخۂ مرتبہ ضیا طبع ۱۹۳۷ء (صفحہ ۲۶۶) میں "یم" ہے۔ (مرتب)

معمابہ اسم میر محبوب علی

مرجا رقیب رشک سے گو ہے وصالِ یار
ہے اس کی چشمِ شوخ ادا میرے واسطے

معمابہ اسم مہتاب رائے

بنے کیوں کر کہ ہے سب کار اُلٹا
ہم اُلٹے ، بات اُلٹی، یار اُلٹا

معمابہ اسم نواب مصطفیٰ خاں بہادر

نوا بلبل کی بے بس کر رہی ہے
بہار اک جام بے جا بھر رہی ہے
صدا بے درد قمری کی بلا ہے
سرِ طاقت بھی جس کا نقشِ پا ہے
فلک کو کل نہیں بے جور و بے داد
سرِ مے کیا ہو، گو ہے فصلِ خرداد
کہ وہ سروِ خراماں یاں نہیں ہے
سرور اپنا تواب امکاں نہیں ہے
بہارِ سبز پا کے پاؤں ٹوٹیں
کہ دردِ بے حدِ حسرت سے چھوٹیں

مقطعات

جب کہا میں نے کہ تم بے داد گر ناآشنا
بے مروت ، بے وفا، بیگانۂ احباب ہو
ہنس کے فرمایا کہ میں تو خیر جو کچھ ہوں سو ہوں
تم بھی تو بے چین ہو، بے صبر ہو، بے تاب ہو

ایضاً

صاحبو میرا حال مت پوچھو
بندۂ سخت، بے وفا ہوں میں
چھوڑ دلّی کوسہوان آیا
ہرزہ گردی میں مبتلا ہوں میں
عذر بے جا ہے سرکشی کے لیے
شاکیِ بے سبب جفا ہوں میں
اک خداوند شوق کے غم میں
قابلِ رحم ہو گیا ہوں میں
مجھے پہنچا دو میرے صاحب تک
کہ غلامِ گریز پا ہوں میں

ایضاً

وہ نوجوان عابد و ازہد کہ سب جسے
کہتے تھے "مومن" اور بہت دین دار تھا

کل ایسے حال سے نظر آیا کہ کیا کہوں　　جو تھا سو اس کو دیکھ کے زار و نزار تھا
عبرت کی جا ہے ان صنموں نے کیا خراب　　ملنے سے جن کے معتقدِ ننگ و عار تھا
بیمار کر دیا شبِ ہجرِ بتاں نے آہ　　کیا ہو گئے وہ روز کہ پرہیز گار تھا
یا تو ہمیں ڈراتے تھے خورشیدِ حشر سے　　یا اپنے سر پہ داغِ جنوں شعلہ بار تھا
اختر شماریِ شبِ غم بھلا دیا　　جتنا خیال پرسشِ روز شمار تھا
ہر ایک کی طرف نگہِ بے کسانہ تھی　　کس کی نگاہِ لطف کا امیدوار تھا
ہمت سے اور ناز اُٹھانے کی آرزو　　باقی تھی گو کہ ضعف سے جینا بھی بار تھا
ہر دم ہوائے آہ سے اُڑتی تھی منہ پہ خاک　　جتنی کہ سر میں گرد تھی، دل میں غبار تھا
زخموں میں بس کہ مشک بھرا تھا میں کیا کہوں　　عالم بدن کا اُس کے عجب لالہ زار تھا
آنکھوں سے چند جدولِ خوں تا بہ تھیں رواں　　چہرہ جو ناخنوں سے سراپا فگار تھا
نے راحت و فراغ، نہ آسائش و شکیب　　نے طاقت و تواں، نہ سکون و قرار تھا
بے ہوش و بے حواس و بے آرام[1] و بے قرار　　بے صبر و بے تحمل و بے اختیار تھا
کیا کش مکش نے دونوں کو بے حال کر دیا　　نے زور ہاتھ میں، نہ گریباں میں تار تھا
جنبش بھی تھی محال، تڑپنا تو اک[2] طرف　　کاہیدہ جسم ضعف سے کوہِ وقار تھا
ہو خود ہی بے حواس تو احوالِ دردِ دل　　کس سے کہے خبر ہی نہیں کون یار تھا
گو ہاتھ سے اشارہ نہ تھا، نے زباں سے بات　　تو بھی تو حالِ دست و زباں آشکار تھا
اس واسطے کہ خاک پر انگشتِ دست سے　　رہتے یہ حال بندہ خدایا نگار تھا
اور اک یہ شعر شعلہ فشان و زبانہ زن　　تب خالہ ریز کام و زباں[3] بار بار تھا
آغاز کارِ عشق میں انجام کار تھا　　میں کیوں فنائے ہستیِ بے اعتبار تھا

ایضاً

عمِّ بزرگ وار کہ ہیں عیسیٰ زماں　　نسخے کا جن کے معجزے سے مشکل امتیاز

۱- "و" نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۱۷۹) میں نہیں ہے۔ (مرتب)

۲- "یک" طبع اول (صفحہ ۱۹۲) میں اور بقیہ نسخوں میں "اک" ہے۔ (مرتب)

۳- "زباں" طبع اول (صفحہ ۱۹۲) میں، "دہاں" نسخۂ طبع دوم و ششم (حاشیہ صفحہ ۱۲۳، ۱۷۹) اور طبع دہلی (صفحہ ۱۰۷) میں ہے (مرتب)

سقراط زہر خوردہ کا گر چارہ وہ کریں
عمرِ خضر سے ہو نفسِ واپسیں دراز

وہ سب ہی جس کی فطرتِ عالی کے ہیں مقر
وہ جس کی رائے خیلِ طبیباں میں سرفراز

ہو آب آب قولِ قدیم و جدید سے
تمریخ قابضات کا ان سے سنے جو راز

ہو ناف پیچ رشک سے بے تاب "بو علی"
قولنج ماڈی کے اگر ہوں وہ چارہ ساز

حضرت کے خوانِ فضل سے وہ فضلہ چیں نہیں
تے میں نہ کیوں محققِ طوسی کے ہو براز

خاکستر ان کے نسخۂ اکسیر اثر کی ہے
کحل الجواہر رمدِ چشمِ حرص و آز

بالفرض گر شراب میں ترکیب ان کی ہو
ہرگز رہے نہ گردنِ مینا میں پھر کزاز

از بس کہ زندگی کی توقع نہیں رہی
وہ بھی مرے علاج سے کرتے ہیں احتراز

کیا نارِ عنصری کے اُڑا ڈالے گی[1] دھویں
دل گرمیِ حرارتِ عشق جگر گداز

سوے دماغ ابخرۂ دل کا یوں صعود
سجدے سے جیسے رکعتِ اول، صفِ نماز

یہ حال ہے کہ ضعف سے کھلتی نہیں ہے آنکھ
ہے یاد کس کی نرگسِ بیمار نیم باز

میں کیا کہ دم میں چلنے کی طاقت نہیں رہی
بیٹھا ہے پاؤں توڑ کے جب ایسا ہرزہ تاز

دوران سر کو دیکھ کے چکر میں آ گئی
وہ عقل جو کہ ہرزہ دوی سے ہے بے نیاز

گر نفسِ ناطقہ کو نہیں لگ گئی ہے چپ
وردِ زباں ہے کیوں ہذیاں سے حدیثِ راز

کس کے خیال میں یہ پراگندگی ہوئی
احساس کو ذرا نہیں وسواسِ احتیاز[2]

اعصاب محوِ زلفِ شکن در شکن ہوے
گردن میں ہے تشنجِ اقدام سے کزاز

میں کیا کہوں حقیقتِ رنگِ عذارِ زرد
سمجھو تو صفرتِ یرقاں اس سے ہے مجاز

گر یہ ہی زورِ ضعفِ قوئی ہے عجب نہیں
دشوار ہووے عمرِ رواں کو بھی اجلواز

منہ کا مزا یہ تلخ کہ شیریں ہے اس سے تو
بے وجہ سرکہ روئی زہاد حیلہ ساز

صندل سے دردِ سر کو ہو کیا جب تلک جبیں
میں اس کے آستاں پہ نہ رگڑوں بہ صد نیاز

یاں شوق سرکہ روئی ہندی صنم ہے خاک
صفرا شکن ہو سرکۂ انگوری حجاز

یاں بوسے چاہییں گرہِ زلفِ یار کے
ممکن نہیں کہ دانۂ آلو ہو چارہ ساز

۱- "ڈالے گی" طبع اول (صفحہ ۱۹۳)- "ڈالیں گے" طبع دوم و ششم (صفحہ ۱۲۳، ۱۸۰)- (مرتب)
۲- "احتیاز" طبع (صفحہ ۱۸۰) (بہ معنی جمع شدن- منتخب اللغات صفحہ ۳۲) "اختیاز" طبع اول و دوم (صفحہ ۱۹۳، ۱۲۳)- (مرتب)

لازم ہے میرے سینے پہ رخسار ماہ وش / کافور کی ہو قرص سے کیا چارۂ خراز
جھوٹی شراب یار کی درکار ہے کہاں / تسکیں پذیر ہو عرق بید سے جواز
اس جائے بوسۂ شکریں لب کا کام ہے / گل قند سے ہو کیوں کہ طبیعت کو احتراز
باقی رہی ہے بچنے کی تدبیر کون سی / اے ناصحِ شفیق، جگر سوز، چارہ ساز
لا بھی کہ پہنچوں وہاں جس کی خاک در / کرتی ہے آج خاک شفا پہ ہزار ناز
وہ مایۂ حیات ، وہ سرچشمۂ بقا / جس کا کہ ہے لعاب دہن، آبِ جاں نواز
صد سالہ مردہ زندہ ہو گر اپنی بات پر / آ جائے اس صنم کا لب معجزہ طراز
رحم آئے تو عجب نہیں ، آخر غلام ہوں / اور وہ غلامِ خاص کہ یوسف تھا یا ایاز
پہنچاوے کاش کوچے میں اُس سبزہ رنگ کے / مرتا ہوں اپنی جان سے عمرِ خضر دراز

ایضاً

سوا جاتا ہوں، اب جی میں ہے اس بے درد کو لکھوں / کہ مجھ کو تختۂ مشق اطبا کیوں بنایا ہے
نہ یہ سمجھیں سبب نے کچھ علامت سے مرض پاویں / سڑی ہیں آپ "مالیخولیا" مجھ کو بتایا ہے
کوئی کہتا ہے "آلو" دو کہ صفراے کو اُٹھی ہے / "یہ رو" نے ہرا جو رنگ کو چہرے کے پایا ہے
کوئی کہتا ہے "ایلیرغس"[1] ہوا جب بے خودی چھائی / مجھے رسوا اس "سرسام دروغیں" سچ ہی آیا ہے
کوئی کہتا ہے میں سمجھا یہ سر جو اٹھ نہیں سکتا / "ہزالِ روحِ نفسانی" نے یارو سر اٹھایا ہے
کوئی کہتا ہے حاشا ہے یہ گرمی "غبِ خالص" کی / اسی جاں سوز شعلے نے دھواں دل کا اُڑایا ہے
کوئی کہتا ہے ترکیب اور غالب "خلط بلغم" ہے / رطوبت گر نہیں تو کیوں پسینے میں نہایا ہے
کسی کو "قشعریرہ" سے عفونت کا جو دھیان آیا / تو آخر سونگھنے کو "بول" کا شیشہ منگایا ہے
کوئی کہتا ہے یہ "سکتہ" ہے نظروں میں ہماری تو / کئی بار احمقوں نے لا کے آئینہ دکھایا ہے
کوئی سمجھا جو تلخی ذائقے کی سر کہ روئی سے / تو کہتا ہے کہ گاہے شہد خالص بھی چٹایا ہے
کوئی اطراف کی سردی سے گرم شور و غوغا یوں / کہ سینکو چارۂ بالضد مکرر آزمایا ہے
کوئی کہتا ہے دیکھو ممتلی ہے نبض، مسہل دو / ولیکن پیش تر سے گر کوئی منضج پلایا ہے
کسی کو کم غذائی سے، گماں ہے ناتوانی کا / تو کہتا ہے کہ جلدی لاؤ گر کچھ بھی پکایا ہے
کسی نے شربتِ ورد مکرر کی جو ٹھہرائی / تو کوئی سن کے مثلِ غنچۂ گل مسکرایا ہے

[1] "ایلیرغس" طبع اول اور دوم (صفحہ ۱۹۳، حاشیہ صفحہ ۱۳۳) طبع دہلی (صفحہ ۱۰۷) "ایلوغس" طبع ششم (صفحہ ۱۸۰) (مرتب)

کوئی کہتا ہے اب تو ہو گیا "کیلوس" بھی ناقص
کہ سالم ویسے ہی ہیں گرچہ ہونٹوں کو چبایا ہے

کوئی کہتا ہے پاؤں جو "تشنج" سے سکڑتے ہیں
کہ "تقطرب" ہے یہی "قانون" میں میں نے پڑھ لیا ہے

کوئی کہتا ہے یہ "سوزش غریزی" ہے کہ نسخے میں
بھی اجزا ہی بارد بندہ "تحفہ" ساتھ لایا ہے

کوئی کہتا ہے اس آتش کا اطفا سخت مشکل ہے
مگر دے دو کوئی گر برف کا کوزہ جمایا ہے

کوئی کہتا ہے، ہے بالخاصیت ہی برف میں گرمی
تمھیں ہندی مداوا کس ستم گر نے سکھایا ہے

کوئی کہتا ہے روغن دیجیے بادامِ مقشر کا
یہ نکتہ مرتے دم، استاد نے مجھ کو بتایا ہے

مگر عمِ فلاطوں منزلت میرے یہ کہتے ہیں
مرض وہ ہی ہے لیکن شرم کے مارے چھپایا ہے

یہ سودا عشق ہے تیرا، یہ تپ سوز غریبی وہ
کہ برجا گرمیِ صحبت نے تیری جی جلایا ہے

یہ تلخیِ ذوق کی وہ تلخ کامی ہے کہ حسرت نے
لبِ شیریں کے بوسے کا مزا مجھ کو چکھایا ہے

یہ خضرت لون کی پرتو ہے تیری سبزہ رنگی کا
زہے نیرنگِ شوقِ محویت کیا رنگ لایا ہے

عرق وہ اشک ہے جو پاسِ رسوائی سے روکا تھا
اسی کے جوش نے دریا کا دریا یوں بہایا ہے

صداع وصدر کا باعث بھی تیری بد دماغی ہے
اگرچہ محبتِ ناصح نے بھی سر تو پھرایا ہے

سبب ظاہر ہے اضمحلال و ضعف و ناتوانی کا
قلق نے کاوشیں کی ہیں، الم نے جب کھپایا ہے

نہ کیوں کر کانپ کانپ اٹھوں زمانے کی ہوا بگڑی
فلک نے سرد مہری سے تری کیسا ڈرایا ہے

مندی جاتی ہیں آنکھیں بس کہ شب ہائے جدائی میں
سحر تک جام سے خابیدہ طالع نے جگایا ہے

افاقہ غش سے کیا آتا کہ تیری کاکلِ مشکیں
نہ سونگھی گر سنگھایا ہے تو عطرِ خس سنگھایا ہے

نہ کیوں کر امتلائے معدہ ہو محسوس اک مدت
غمِ فرقت تری دوری میں کس کثرت سے کھایا ہے

غرض آ چک کہ میں بچ جاؤں اور مرجائے بن آئے
مسیحا دو رو حسرت سے کہ کیا مردہ جلایا ہے

تاریخِ وفات جدۂ مومن سراپا غم وخلہا[1] اللہ
فی جنت النعیم

جب کہ اس غم سرا سے کی رحلت جدۂ مومنِ پریشاں نے
سالِ تاریخ حسب حال کہا وخلتِ بالنعیم رضواں نے
۱۲۳۷ھ

۱- وخلہا- نسخہ نول کشور طبع ۱۹۳۱ء (صفحہ ۱۸۳) میں، نسخہ ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۷ء و ۱۸۸۰ء (صفحہ ۱۹۵، ۱۲۵) طبع دہلی (صفحہ ۱۰۸) میں "وخلت"-(مرتب)

تاریخ رحلت وحید زماں، یکتائے دوراں، ازیں

ایمان[1] سرائے ویرانی بنیان

انتخابِ نسخۂ دیں، مولوی عبدالعزیز
بے عدیل و بے نظیر و بے مثال و بے مثل

جانبِ ملکِ عدم، تشریف فرما کیوں ہوے
آ گیا تھا کیا کہیں، مردوں کے ایماں میں خلل

بے ستم اے چرخ تو کس کو یہاں سے لے گیا
کیا کیا یہ ظلم تو نے بے کسوں پر اے اجل

جب اٹھائی نعش[2] اک عالم تہ و بالا ہوا
وقتا تھا خاک پر ہر قدسی گردوں محل

کیا کس دنا کس پہ تھا صدمہ کیا جس وقت دفن
ڈالتا تھا خاک سر پہ ہر عزیز و مبتذل

مجلس دردآفرینِ تعزیت میں میں بھی تھا
جب پڑھی تاریخ ''مومن'' نے یہ آ کر بے بدل

دستِ بے دادِ اجل سے بے سروپا ہو گئے
فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

۱۲۳۹ھ

ایمان تازہ کردن شہور وسنین بہ دست امیر المومنین

ابن امیر المومنین

جو[3] سید احمد امام زمان و اہلِ زماں
کرے ملاحدِ بے دین سے ارادۂ جنگ

تو کیوں نہ صفحۂ عالم پہ لکھے سالِ وغا
خروجِ مہدیِ کفار سوز، کلکِ تفنگ

۱۲۴۲ھ

ایضاً

گلابِ ناب سے دھوتا ہوں مغزِ اندیشہ
کہ فکرِ مدحتِ سبطِ قسیمِ کوثر ہے

وہ کون امامِ جہان و جہانیاں احمد
کہ محض مقتدیِ سنتِ پیمبر ہے

زمیں کو مہرِ فلک سے نہ کیوں ہو دعویِ نور
کہ اُس کا رایتِ اقبال سایہ گستر ہے

عروجِ سنگِ درِ قصرِ جاہ یہ کہ جسے
ہزار طعنِ حضیض اوجِ لامکاں پر ہے

۱- حرمان- نسخۂ نول کشور طبع ۱۹۳۱ء (صفحہ ۱۸۳) میں- نسخۂ طبع ۱۲۸۳ھ و ۱۸۷۶ء و ۱۸۸۰ء اور (صفحہ ۱۹۵، ۱۲۵) و طبع دہلی (صفحہ ۱۰۸) میں ''ایماں''- (مرتب)

۲- ''نعش'' طبع ششم (صفحہ ۱۸۳)- ''لاش'' نسخۂ مطبع جوہر ہند دہلی (صفحہ ۱۰۸)- ''نوش'' طبع اول و دوم غلط- (مرتب)

۳- ''جو'' طبع ششم (صفحہ- ۱۸۳) ''چو'' نسخۂ طبع اول اور دوم (صفحہ ۱۹۶، ۱۲۶)- (مرتب)

زبس کہ کام نہیں ہے اُسے سوائے جہاد جو کوئی اُس سے مقابل ہے سو وہ کافر ہے
شرف ہے مہر کو اُس کے زمانے سے دائم زبس کہ روز و شب انصاف سے برابر ہے
وہ بادشاہ ، ملائک سپاہ، کوکب دیں کہ نورِ شمس و قمر جس کی گردِ لشکر ہے
وہ شعلہ خصلت، الحاد سوز[۱] و کفر گداز کہ جس کا نقشِ قدم ،مہرِ روزِ محشر ہے
وہ برقِ خرمنِ ارباب، شرک و اہلِ ضلال کہ شعلہ خوشۂ حاصل تو دانہ اخگر ہے
وہ قہرمانِ فلک، توسن و نجومِ حشم کہ ترک چرخ غلام اُس کا، مہر چاکر ہے
وہ شاہ مملکت ایماں کہ جس کا سالِ خروج امام برحق مہدی نشاں، علی فر ہے

۱۲۴۲ھ

تاریخ وفات مولوی محمد عمر خلف الصدق
مولوی محمد اسماعیل صاحب مرحوم

محمد عمر کا ہوا انتقال بزرگ ایسے ہوتے ہیں پیدا کہاں
مجھے سالِ تاریخ کا تھا خیال کہ سب نے کہا ''مرگِ شیخ زماں''

۱۲۶۸ھ

تاریخ کدخدائی میرن

مرے یار میرن کو اس سال میں ہوا کدخدائی سے بارے فراغ
اگر غنچۂ نارسیدہ دلھن تو دولھا نہایت ہے نازک دماغ
''شگفتہ گلِ تازہ'' سالِ زفاف ہم کہہ رہے ہیں خوش الحان باغ

تاریخ کدخدائی

ہوا کہ خدا آج یعقوب بیگ عروس اور داماد دونوں پری
بغل میں ہے ہم خوابۂ ماہ وش زہے اخترِ بخت کی یاوری
کہا میں نے ''مومن'' سے تاریخ کو کہ ہے ختم اُس پر سخن گستری

۱- ''و'' نسخہ طبع ششم میں نہیں ہے، طبع اول اور دوم میں ہے۔(مرتب)

کہا میں نے دیکھا مگر تو بھی دیکھ　　سما[1] پر "بہم زہرہ و مشتری"

۱۲۶۸ھ

شور انگیزیِ قلم سینہ چاک، اشک فشاں

در ماتمِ حکیم غلام نبی خاں

جہانِ نکوئی، نکوے جہاں　　وحیدِ زماں، والدِ مہرباں
یہاں تک انھیں شوقِ خلدِ بریں　　کہ ہر دم کو گنتے دمِ واپسیں
نہ دل میں، نہ اُن کی زباں پر کبھو　　رضاے الٰہی سوا آرزو
غرض آ گیا وقتِ موعود جب　　گئی تن سے وہ جانِ عشرت طلب
تاسف نے کیا کیا ستایا مجھے　　قلق نے زمیں پر لٹایا مجھے
غضب جان کو بے قراری ہوئی　　بری حالت ایسی ہماری ہوئی
کہ دکھا دلِ عشرت آلود مرگ　　ہوئی زندگی اپنی محسود مرگ
کہوں کیا کسی سے کہ کیا غم ہوا　　سزا وارِ اشفاق ماتم ہوا
ولے شعر کی جو ہوس ہے کمال　　اسی غم میں تاریخ کا تھا خیال
جنازہ اُٹھایا فرشتوں نے آ[2]　　تو "قد فاز فوزاً عظیما" کہا

۱۲۴۱ھ

عقدِ عبارت و معانی بہ اظہارِ سالِ نکاحِ یارِ جانی

کہاں تک تغافل بس اب لے خبر　　خبر بھی ہے ہاے کچھ ساقیِ بے خبر
شرابِ تمنا پلا آج تو　　ہوس ہاے مردہ جلا آج تو
مئے رشک آواز قم دے مجھے　　سبو کے سبو، خم کے خم دے مجھے
علاجِ دلِ سر بہ سر جوش کر　　مئے وصل سے مجھ کو مدہوش کر

[1] نسخہ کلیات مومن، طبع ۱۹۳۱ء، مطبع نول کشور لکھنؤ (صفحہ ۱۸۳) میں ۱۲۲۰ اعداد تاریخ لکھے ہیں جو غلط ہیں۔ مومن کی تاریخ ولادت ۱۲۱۵ھ ہے اس لیے ۱۲۲۰ھ تاریخ کدخدائی نہیں ہو سکتی۔ "زہرہ" "مشتری" (۹۵۰) کے اعداد مل کر "۱۱۶۷" ہوتے ہیں "سما" (۱۰۱) کے اعداد جمع کرنے سے "۱۲۶۸" برآمد ہوتے ہیں۔ فائق

[2] نسخہ طبع ششم (صفحہ ۱۸۵) میں "آہ" ہے بقیہ نسخوں میں "آ"۔ (مرتب)

کہاں تک یہ مستیِ اشکِ خوں کبھی تو پیوں بادۂ لالہ گوں
کہاں تک رہوں تلخ کام و خراب مئے عیش سے میں بھی ہوں کامیاب
جہاں ہے سراپا سرور و نشاط زمانے کو ہے دورۂ انبساط
عجب وقت آسائش و کام ہے کہ گردوں کو جنبش سے آرام ہے
نکلنے لگے خواہش و[1] مدعا یہ جوف اب ہوا سے ہے بچ بچ بھرا
جہاں میں کسی کو ذرا غم نہیں کہیں مرگِ حسرت کا ماتم نہیں
نہیں ہے زمانے میں رونے کا نام صراحی بھی ہنسنے لگی مثلِ جام
جو شبنم کے تھے اشک دنداں ہوئے بہ رنگِ لبِ غنچہ خنداں ہوئے
عجب گر کوئی یار سے ہو جدا وہ اقبال مند اب ہوا کہ خدا
ہے اقبال جس کا جہاں پر محیط سعادت زمین و زماں پر محیط
وہ خانِ فلک رتبہ "عباس" نام تجمل جس کے جلوے سے ماہ و تمام
نہ کیوں کر ہو مہ اس کے جلوے سے داغ ہے کس مہر تاباں کا چشم و چراغ
وہ "عبدالعلی خاں" گردوں مکاں جھکے جس کے آگے سرِ آسماں
خلیق و شفیق و سراپا وقار زمانے کو ہے جس سے سو افتخار
طبیعت میں اس کی کرم سا کرم سراپا مروت، سراپا کرم
محبت فزائے دلِ ریش ریش کرم گسترِ "مومنِ" مہر کیش
عجب بزمِ عشرت کا ساماں کیا سلیقے سے عالم کو حیراں کیا
کیا کیا سرانجام اسبابِ سور کہ صرف چراغاں ہوئی چشمِ حور
سر انجام وہ ہو سکے کیا بیاں زبانِ سخن گو کو طاقت کہاں
ہوا جشن کیا کیا نہ سامان سے گئے لے کے کس شوکت و شان سے
بندھا عقد کیا محکم و استوار کھلا عقدۂ خاطرِ روزگار
کیا میں نے تاریخ کا جو خیال یہ شعر آسماں نے پڑھا حسب حال

وصالِ دو مہ طالع و مہر اثر
قرانِ دو نجم سعادت ثمر
۱۲۴۴ ہجری

ا۔ "و" نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۱۸۵) میں نہیں ہے، بقیہ نسخوں میں ہے۔ (مرتب)

ترانہ ریزیِ ہزار در شمار سنہ اتمام

”گلشنِ بے خار“

کیا تذکرہ شیفتہ نے لکھا ہے شیفتہ جس کے جانِ معنی
یوں نکتہ شناس ہیں پر ایسا کوئی نہیں قدردانِ معنی
افکار بلند سے بنایا نہ چرخ پر آسمانِ معنی
ہر فقرۂ نثر جانِ مضمون ہر شعر رواں، روانِ معنی
کیا بات ہے منتخب کی تیرے اے منتخب جہانِ معنی
ہر نقطۂ انتخاب تیرا خالِ رخِ دل برانِ معنی
تیرے جو سخن سے ہے سرافراز الفاظ کا پایہ شانِ معنی
معنی ہیں ثنا طرازِ الفاظ الفاظ ہیں مدح خوانِ معنی
ہے تذکرہ یا ریاضِ فردوس فردوس ہے یا جنانِ معنی
اے تازہ بہارِ باغِ مضموں اے گلشنِ بے خزانِ معنی
مومن نے جب اس میں دیر تک کی سیرِ گل و ضیمرانِ[1] معنی
آیا ہے خیالِ سالِ اتمام تھا وہ بھی تو باغ بانِ معنی
غنچے کی طرح سے سرخرو تھا یک چند وہ ہم زبانِ معنی
جب نغمہ سرا نہ ہو سکا وہ دستاں زنِ داستانِ معنی
ہاتف نے کہا، ہے اس کی تاریخ گل دستۂ گلستانِ معنی

۱۲۵۰ ہجری

”ضیمران“ بالفتح وضم میم نوعے است از ریحان دشتی و ریحان فارسی۔ از منتخب اللغات مطبع نول کشور ۱۲۸۸ ہجری۔
”ضیمران“ ع (بہ فتح ضاد و میم ۸) ریحان، ضومران ہم می گویند۔ فرہنگ عمید (صفحہ ۸۰۲،۶۷۸)
”ضیمران“ بالفتح و یائے تحتانی معصوم بہ معنی سپر غم کہ آں را ریحان و نازبو نیز گویند از مؤید و کشف و لطائف و مدار و بہ ضم و فتح میم و بہ فتح اول و ثالث بہ معنی سپر غم کہ آں را نازبو نیز گویند و در صراح ضومران نوشتہ بہ فتح اول و ضم میم غیاث اللغات مطبع نول کشور (صفحہ ۲۳۰)۔
گلشن بے خار (صفحہ ۲۲۵ طبع اول، مطبع نول کشور) میں ”ضیمران“ ہے۔ فائق

تاریخ جلوس محمد سعید خاں بر مسند ریاست رام پور

رام پور اک زمانِ ممتد سے تیرے مقدم کا تھا تمنائی
جب پذیرا ہوئی دعاے دیار اے سراپا قبول والائی
یعنی اس ملک کے نصیب کھلے تیرے قدموں پہ کی جبیں سائی
تیرے خدام کے نصیب ہوئی حکم رانی و کارفرمائی
تجھ کو شائستہ کرسیِ عزت تجھ کو زیبا سریر آرائی
میں ہوا گرم فکر سالِ جلوس ناگہاں غیب سے صدا آئی
کہ محمد سعید خاں کو ملی ورثۂ صدر کام آبائی
اس "وسادہ" پہ تجھ کو بٹھلا کر میں نے تاریخ کی روش پائی

تاریخ

جہاں میں پئے چارۂ تشنگی نہیں کوئی بھی اس سے بہتر سبیل
یہی سال ہیں اے تفضل حسین جو کہتے ہیں سب تشنہ پرور سبیل

۱۲۶۵ہجری

تاریخ

خلیفہ نور محمد وہ شمع بزم حضور کہ جس سے زیر زمیں تابہ آسماں روشن
مکاشفات کا احوال کیا کہوں ان کے تمام حال جہان و جہانیاں روشن
خیالِ سالِ وفات از کا جب کیا میں نے ہوا دورشہ مثالِ ستارگاں روشن
نکالے "سال" ہیں اس مصرع دل آرا سے روان نور محمد سے ہے جناں[1] روشن

۱۲۵۹ہجری

تاریخ عطاے خلعت بہ نواب حامد علی خان وزیر بہادر شاہ ظفر

اے وزیر بلند پایہ تجھے التفاتِ شہی مبارک ہو

۱- "جناں" طبع اول (صفحہ ۲۰۱) صحیح ہے۔ نسخہ طبع دوم اور ششم صفحہ ۱۶۹ و ۱۸۹) میں "جہاں" غلط ہے۔

قدر عالی و خصلت محمود خان حامد علی مبارک ہو
رفعتِ پایہ روز افزوں ہے[1] آسماں پایگی مبارک ہو
امرائے زمانہ سے ہی تجھے ہر طرح برتری مبارک ہو
کار گاہِ سپہر سے ہر روز تجھ کو خلعت نئی مبارک ہو
ذات، کرسی، ترا مقام بلند کیا کہوں پالکی مبارک ہو
فیلِ گردوں مطیع ہے تیرا فیلِ تشریف بھی مبارک ہو
تیری دولت سے سب کو ہے بخشش ونج صدے[2] زر دہ دہی مبارک ہو
تیری تیغ زباں کی تیزی سے تجھ کو اعدا کشی مبارک ہو
"مومن" آیا ہے بزم میں تیری صحبتِ آدمی مبارک ہو
تہنیت خوان کامیابی ہے صلۂ دوستی مبارک ہو

بہرِ تاریخ یوں کہا ہے فکر
"خلعتِ آصفی مبارک ہو"
۱۲۵۵ہجری

ایضاً

نواب کو بادشہ نے بخشا خلعت میں جو فیلِ چرخ تمثیل
میں نے بھی زیادہ بہرِ تاریخ "تشریف وزیر" پر گیا "چیل"

۱۲۵۵=۴۲+۱۲۱۳

ایضاً

گیا رنج نواب اصغر علی خاں مبارک سلامت، سلامت مبارک
ہوئی محو اب سستی و ناتوانی رجوعِ قوا، عودِ طاقت مبارک
معالج ہوا فکرِ درماں سے فارغ مجھے فکرِ تاریخ صحت مبارک
حساب اس سخن کا تو کر لیں جو لب نے کہا "اعتدالِ طبیعت مبارک"
۱۲۶۰ہجری

۱۔ "ہے" "طبع اول و دوم (صفحہ ۲۰۱، حاشیہ ۱۶۹) میں "ہو" "نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۱۸۹) میں (مرتب)۔
۲۔ "صد" نسخۂ اول و دوم میں "صدر" نسخۂ طبع ششم میں (مرتب)۔

ایضاً

دخترِ روشن رواں ہوئی پیدا کیا ہی چمکا ہے اخترِ مومن
سال کہنے کے ساتھ ہاتف نے کہی تاریخ دخترِ مومن

۱۲۵۹ہجری

ایضاً

شحنۂ دہلی علی آزار بیگ افغاں رشوت خوار
خوار ہوا بارے اس سال لوگوں کا تھا یار اقبال
نام بتاؤں کیا اے یار ناموزوں ہوں گے اشعار
ہاں تو پوچھے گر تاریخ اس سے کیا بہتر تاریخ
سب نے کہا جب چھوٹا کام "اُترا شحنہ مردک نام"

۱۳۶۰=۱۲۵۹ہجری

تاریخ

اس تذکرے کا جو ترجمہ ہے بھایا[1] مومن کو خیالِ سالِ تاریخ آیا
مضموں کا ہجوم دیکھ کر فرمایا کیا "گلشنِ بے خار" پہ بادل چھایا

۱۲۵۰=۳۷+۱۲۱۳ہجری

تاریخ

وہ تفضّل حسین یارِ قدیم نیک خو، نیک ذات، نیک سیر
گرم سامانِ بزمِ سور ہوا بہرِ چشم و چراغ اہلِ نظر
میر نواب بے نظیرِ جہاں کیا خجستہ پدر، سعید پسر
کد خدائی کا کیا کہوں ساماں زیب کے دل میں کر لیا ہے گھر
مہر داماد و ماہ پارہ عروس ایک سے ایک عالم آرا تر
فکرِ تاریخ میں سنا میں نے کہہ رہا تھا سروشِ نیک اختر
لکھ دے اے مومنِ ستارہ شناس سالِ عقد "اجتماعِ شمس و قمر"

۱- "گلشن بے خار" طبع اول مطبع نول کشور (صفحہ ۲۲۵) میں "جو ترجمہ ہے" (بھی؟) اور اول مطبع نول کشور "کلیات مومن" (صفحہ ۲۰۳) "جو ہے ترجمہ" اور طبع دوم (صفحہ ۱۳۰) میں "جو یہی ہے" اور طبع ششم (صفحہ ۱۸۹) میں "جو نبی" ہے- فائق

۱۲۶۱ہجری

تاریخ وفات میاں کالے صاحب

ہوئی جس دم وفات حضرت کی مجھ کو تاریخ کا خیال آیا
ہاتفِ غیب نے کہا ناگاہ "کالے صاحب کو سرخ رو پایا"

۱۲۶۸ہجری

مثنویات

(۱)

مثنوی شکایت ستم

۱۲۳۱ھ

ایں نالہ "شکایت ستم" نام
با من خود گفت سال اتمام

ساقیا دے چک آبِ آتش رنگ گرم و سردِ زمانہ سے ہوں تنگ
نالۂ آتشیں ہے تف پرورد کرۂ زمہریر ہے دمِ سرد
جوش صیف و شتا سے حال نہیں اس ہوا میں کہ اعتدال نہیں
بے طبیب روانِ محزوں ہے خمِ بادہ، خمِ فلاطوں ہے
یہ اگر التفات فرما ہو بادِ صر صر دمِ مسیحا ہو
گرم تدبیر گر ذری ہو جائے تپ غمِ ناز عنصری ہو جائے
چارہ سازی کرے جو بعدِ ہلاک بنے خاکِ شفا، مزار کی خاک
گر عرق ریزِ فکرِ درماں ہو گریۂ ماتم آبِ حیواں ہو
اس سے ممکن علاجِ عاشق ہے گرم و تر ہم مزاجِ عاشق ہے
کھودے یہ رشک شربتِ اعجاز نزلۂ اشک، چشمِ اہلِ نیاز
کیا کہوں اس کی چارہ فرمائی ہے یہ تریاکِ زہرِ تنہائی
میں بھی محتاجِ چارہ سازی ہوں خستۂ نازِ بے نیازی ہوں
ہے حواسوں میں انتشار بہت خم کے خم لا کہ ہے خمار بہت

جوشِ الفت ہو اس قدر دے دے — نہ صراحی ، سبو ، پیالے دے
پاسِ ناموس و ننگ اڑ جائے — ہوش مانندِ رنگ اڑ جائے
مثلِ قلقل ، خروش میں آؤں — صورتِ بادہ جوش میں آؤں
دامنِ تر طلسمِ باراں ہو — رعد شورِ سیاہ کاراں ہو
خم کے خم متصل کروں خالی — جی بھرے یہ کہ دل کروں خالی
مطلب آہا ہو شورِ مستانہ — کہہ دوں بے ہوشیوں میں افسانہ
جوش دل کو جو یک بہ یک آوے — رازِ پنہاں، زباں تلک آوے
گلۂ یار و شکوۂ گردوں — چپ لگے جس سے وہ بیاں کر دوں
یعنی طفلی سے ہوں میں پیرِ مغاں — بلدِ راہ گم رہانِ جہاں
تھے برس ہم شمارۂ افلاک — کہ ہوا پائے مال صورتِ خاک
کھو دیا چین ایک مہ رو نے — شب یہ کی ہلال ابرو نے
خنجرِ غمزہ نے ہلاک کیا — نرگسِ سرمہ سا نے خاک کیا
اور اُس کا بھی مجھ پہ دل آیا — کھو کے دل میں نے جان کو پایا
دشنہ تھے زخم یار دونوں کے — ہوئے سینے فگار دونوں کے
صبر و آرامش و ثبات چلے — آپ سے دونوں[1] سات سات چلے
ہوئے آرام و صبر ہر دو رواں — بے اجازت گئے سکون و تواں
اپنا ہوش اُس کے رنگ کا پیرو — اُس کا صبر اپنے رنگ کا پیرو
دونوں اک تازہ کار افتادہ — دونوں دل دار، دونوں دل دادہ
ہوئی نظروں میں گفتگو باہم — عرض کی دل کی گفتگو باہم
ہم کو چشمِ لحاظ و[2] پاسِ وفا — اُن کو منظورِ التماسِ وفا
ترسِ جور فراق، زیبِ بیاں — سخنِ اشتیاق وردِ زباں
نکلے ارماں خیال کے کیا کیا — ہوئے وعدے وصال کے کیا کیا
ہائے بچپن میں دل کا آ جانا — کچھ سمجھتے نہ تھے یہ کیا جانا
شوق آیا تو دل نیازی کا — کھیل کھیلے تو عشق بازی کا

۱۔ نسخۂ طبع اول منشی نول کشور (صفحہ ۲۸۵) میں "دو تو" طبع دوم و ششم میں "دونوں" (مرتب)
۲۔ "و" طبع اول میں ہے، دوم اور ششم میں نہیں (مرتب)

شغلِ طفلانہ دل کے پاس گئے — ہوش کے آتے ہی حواس گئے
عمر تکلیف کی نہ آئی تھی — میں نے تکلیف جب اٹھائی تھی
پہنچے سنِ وقوف کو بھی نہ ہم — کہ ہوئے واقفِ رموزِ الم
آہ وردِ زبانِ ولولہ تھی — نیم بسمل ہوے یہ بسملہ تھی
کچھ نہ سیکھو، سکھا دیا دل نے — سبق اُلٹا پڑھا دیا دل نے
لذت آئی جو لفظِ الفت سے — پڑھتے دائم الف کے آگے تے
بس کہ تھا دل میں شکوۂ بے داد — سبق "الحمد" کا نہ رہتا یاد
زلف و لب سر خطِ دلِ غمگیں — نام لکھتے تو لیلی و شیریں
جورِ استاد کی خوشی ہوتی — عذرِ فریاد کی خوشی ہوتی
رونے کو اک بہانہ ہو جاتا — حیلۂ آہ و نالہ ہاتھ آتا
بس کہ یادِ نگار میں رونے — تختۂ مشق اشک سے دھوتے
واو پڑھتے تو ہونٹ کاٹتے ہم — لام آتا تو لب کو چاٹتے ہم
بے کہے سے جو ہونٹ[1] مل جاتے — بوسۂ لب کے لطف یاد آتے
حفظِ قرآن و یادِ مصحفِ رو — فرصت اک دم نہ روز و شب میں کبھو
دن کو وردِ زباں سبق ناچار — رات بھر درسِ شوق کی تکرار
ہوسِ راحت آہ کیا کیا تھی — لے گئی بخت خواب میرا بھی
گھر سے عیش و طرب کے جوش گئے — میری نیند، اقربا کے ہوش گئے
ہوئے سرگرم چارہ و تدبیر — کیے کیا کیا علاج بے تاثیر
دستہ ہائے گل و ہجومِ سمن — بسترِ خواب، رشکِ صحنِ چمن
چشمِ بد کے لیے فسوں سازی — تازہ ہر شب فسانہ پردازی
اُڑ گیا اور بھی مرا آرام — حالِ تغییر مقتضائے مقام
ذکرِ ہجراں سے رقتیں آئیں — وصل کی جائے حسرتیں آئیں
شہرۂ عاشقانہ ہونے لگا — حال میرا فسانہ ہونے لگا
کہ کبھی جو وصال ہوتا تھا — وہ بھی جی کا وبال ہوتا تھا
دیکھ وہ غمزۂ ہراس آلود — نگہِ آرزو تھی یاس آلود

۱- نسخۂ اول اور دوم میں "مل" اور طبع ششم میں "مل" ہے- مرتب

شبنم و نرگس اُس کی تر آنکھیں جی بھرا آئے دیکھ کر آنکھیں
کان رکھو جو آو پیہم پر صدمۂ نو بہ نو رہے دم پر
آفتِ جان و دل، فراق [1] وصال الغرض یوں ہی کٹ گئے دو سال
جب پڑی دونوں کے قلق کی دھوم اتنے ملنے سے بھی ہوے محروم
اُس نے ناچار پھر چھپایا منہ اس وفا پر نہ پھر دکھایا منہ
لاکھ عاشق کی چشم بھر آتی زندگی تھی وہ کیا نظر آتی
جوشِ خمیازہ، ریزشِ انظار چشمِ آغوش حسرتِ دیدار
بحر اشک آب یار گلشن ابر تنگہ یاس برقِ خرمنِ صبر
شوق پامال حسرت و حرماں کفِ افسوس پنجۂ مژگاں
سرمہ سا چشم آب ناک ہوئی آرزوے نظارہ خاک ہوئی
خاک میں جی ملا دیا غم نے خاک اُڑائی کدورتِ دم نے
دل پہ جب یہ غبار بٹھلایا چرخ سے فتنہ گر کو رحم آیا
راہ پر آسماں کو لایا کچھ طالعِ خفتہ کو جگایا کچھ
ہوئی شادی ہمارے ہاں [2] ایک بار آئی مہماں وہ دولتِ بیدار
شرکتِ محفلِ سراپا زیب اس کے آنے کی ہو گئی تقریب
ایک خالی مکان میں آ کر مل گئی چپکے چپکے ڈھب پا کر
کیا ملاقات رشکِ تنہائی دم بہ دم تازہ حسرت افزائی
دونوں جانب سے نالہ و فریاد شکوۂ جور و طعنۂ بے داد
گردِ دل سے اُڑیں زمیں کے ہوش نالۂ آسماں فگن کا جوش
صور کا نفخِ اولیں، افغاں فتنۂ محشرِ آخریں، افغاں
اشک آنکھوں سے متصل جاری خونِ دل تا بہ لختِ دل جاری
آرزو پائمالِ یاسِ وصال لحظہ لحظہ خراب تر احوال
اس پہ آیا زمانہ رخصت دورِ ایام نے نہ دی فرصت

۱۔ "و" مطبع ششم (صفحہ ۲۶۳) میں ہے۔ نسخۂ اول اور دوم میں نہیں۔ (مرتب)
۲۔ "یاں" نسخۂ کلیاتِ مومن مطبوعہ ۱۹۳۱ء (ص ۲۶۳ مطبع نول کشور)۔ نسخہ ۱۲۸۴ھ، ۱۸۸۰ء (صفحہ ۲۸۷، ۱۸۳ مطبع نول کشور) میں "ہاں"۔ (مرتب)

آ گیا وہ ہی دن میں روزِ نشور / منتشر ہو گئی وہ بزمِ سرور
آئے رنج و غم و تعب مہماں / گھر گئے اپنے اپنے سب مہماں
شعلہ زن آہ سینہ سوز وداع / مہرِ حشر آفتاب روز وداع
لاشۂ صور دوشِ افغاں پر / اک قیامت بنی دل و جاں پر
وہ ملاقات آخری ہے ہے / کیسی دل داریاں مری ہے ہے
وہ نگاہِ ہراس آلودہ / حرفِ امید، یاس آلودہ
آرزو کے وصال کی باتیں / ممکن و احتمال کی باتیں
سخنِ اتفاق سے تسکیں / اثرِ اشتیاق سے تسکیں
ہائے اس کے دمِ فسوں پرداز / چلتے چلتے سنا گئی آواز
لیکن تسکینِ دل کہاں مجھ کو / بے قراری زماں زماں مجھ کو
نکلے منہ سے کروں کوئی بات آہ / آہ نومیدیٔ ملاقات آہ
مل کے بیٹھے تھے دونوں ہم وہ جہاں / روتے روتے بٹھا دیا وہ مکاں
ہائے نے کعبہ، نے کنشت پرست / بن گئے لیک سنگ وخشت پرست
سجدہ ہائے نشانِ پا ہوں وہاں / در و دیوار پر فدا ہوں وہاں
جاے جاے کی واں کی لیویں بلائیں / گہے سر پٹکیں گہہ گلے سے لگائیں
خواہشیں، حسرتیں سدا خوں ہوں / کاہشیں لحظہ لحظہ افزوں ہوں
اس کا احوال کچھ پریشاں تر / چشمِ خوں تاب حسرت افشاں تر
طبعِ نازک کو اُن کی تاب کہاں / طاقتِ ضبطِ اضطراب کہاں
دلِ تپاں شوق ہم کناری سے / خفقاں ضبطِ بے قراری سے
اک قیامت دلِ حزیں پہ رہے / تہلکہ جانِ نازنیں پہ رہے
ایک دن جی زیادہ گھبرایا / جانِ بے تاب کو نہ صبر آیا
ایک جان اور غم کا وہ انبوہ / ایسے نازک پہ شدتِ اندوہ
جوشِ یاس آسماں تلک ہے ہے / تاب لائے کہاں تلک ہے ہے
تنگیٔ دہر وحشت افزا تھی / تپشِ دل قیامت آرا تھی
بہرِ تسکین شدتِ خفقاں / ٹھہری گل گشتِ روضۂ رضواں

گئی جنت میں بس کہ ایسی حور　　ہوئی بیتاب کیسی کیسی حور
رشک سے خضر پائمال ہوا　　ملک الموت سے وصال ہوا
کیوں نہ ہو گرم منتِ یزداں　　دہنِ گور کو ملی یہ زباں
اثرِ حسن سے بنے یک بار　　رشکِ خورشید ذرہ ہائے غبار
مجھ کو جس وقت یہ خبر آئی　　بیہشی مرگ کی خبر لائی
پاسِ بدنامی اک ذرا نہ رہا　　ہوش ناموس و ننگ کا نہ رہا
خارِ خارِ غم آشکارا ہوا　　مثلِ دل جامہ پارہ پارہ ہوا
ہو گئی بس کہ لوٹے خاک میں ہم　　جلد ہم رنگِ کسوتِ ماتم
کیا نظر زخمِ اندروں آیا　　چشم سے روتے روتے خوں آیا
نہ لیا پھر قرار نے آرام　　کھو دیا اضطراب نے آرام
سینہ کوبی سے دل فگار ہوا　　تیرِ حسرت جگر کے پار ہوا
دم اٹکتے اٹکتے ٹوٹ گیا　　سر پٹکتے پٹکتے پھوٹ گیا
آہ نے دل سے کیا اُٹھائے دھوئیں　　چاہِ بابل کے بس اُڑائے دھوئیں
سر اٹھایا خروشِ پنہاں نے　　اک قیامت کی آہ و افغاں نے
شورِ محشر ، خروش ، واویلا　　نفخۂ صور، جوش، واویلا
جی کو رشکِ زمیں نے خاک کیا　　خواہشِ مرگ نے ہلاک کیا
موت پر نکلے آرزو کا دم　　یہ بنی دم پہ پر نہ بگڑا دم
نالہ آخر فسوں ہوا دل کو　　رکتے رکتے جنوں ہوا دل کو
چارہ سازوں سے نفرتیں کیا کیا　　حرفِ تسکیں سے وحشتیں کیا کیا
پاسِ ربطِ وفا سے بھاگیں ہم　　دور دور اقربا سے بھاگیں ہم
ذکرِ درماں سے اور درد بڑھے　　نامِ تبرید سے بخار چڑھے
خصمی و کینہ غم گساروں سے　　دشمنی سخت دوست داروں سے
جاں اسیرِ عداوتِ احباب　　بندِ غم ،دامِ الفتِ احباب
سختیِ چشم بد نگہ بانی　　خانہ زنداں کدے میں زندانی
خفقاں الفتوں سے ہمدم کی　　طوق گردن کنار اب و عم کی

شعلہ داغ جنون و فرقِ تنور　　دست[1] شفقت کہ آفتاب نشور
ابرِ رحمت، تپِ عذابِ الیم　　سایۂ مادر احتراقِ جحیم
قطرہ قطرہ سرشکِ خالِ غمیں　　دانہ ہائے سلاسلِ تجیں[2]
ان بلاؤں سے چھوٹنا معلوم　　اس سلاسل کا ٹوٹنا معلوم
غم کو وحشت فزائیاں مشکل　　رم کو زور آزمائیاں مشکل
بے قراری کو جوش کا افسوس　　خود نمائی سے وحشتیں مانوس
ایک مدت تلک یہ حال رہا　　ملک الموت کا خیال رہا
حسرتِ مرگ داد رس کیا کیا　　خاک میں ملنے کی ہوس کیا کیا
خلشِ خار خار صد آزار　　آرزوے ہلاک میں بیمار
درد مندی و بے دوائی حیف　　زہر و خنجر کی نارسائی حیف
دور بینی ستم قریبوں کی　　چارہ سازی سم ان طبیبوں کی
جب یہ دیکھا نہیں بن آتی کچھ　　نہیں پیش ان کے آگے جاتی کچھ
دل سے کی مشورت کہ کیا کیجے　　کیوں کر اس درد کی دوا کیجے
اس بلا سے نجات ہو کیوں کر　　رفع قیدِ حیات ہو کیوں کر
کس طرح سے یہ سلسلے ٹوٹیں　　حلقۂ اقربا سے ہم چھوٹیں
یوں کہا دل نے اے زبوں تقریر[3]　　نہیں اس کے سوائے کچھ تدبیر
کہ ذرا جان کو سنبھالو تم　　بات جب ہے کہ بات ٹالو تم
چارہ سازوں کو ہو نہ حیرانی　　نہ کریں اس قدر نگہ بانی
جان کا ہو علاج فرصت میں　　کھا سکو زہر کنجِ خلوت میں
بات دل کی مجھے پسند آئی　　ضبط بے طاقتی کی ٹھہرائی
نفس تیز کو روکا　　نالۂ شعلہ ریز کو روکا

1- نسخہ کلیات مومن مطبوعہ مطبع نول کشور ۱۸۷۶ء و ۱۸۸۰ء (ص ۱۸۳) میں "دست" ہے اور طبع ۱۹۱۳ء میں "دشت" (ص ۶۲۶)

2- نسخہ طبع دوم اور سوم (صفحہ ۱۸۵) میں "تجیں" ہے اور طبع ششم (صفحہ ۲۶۷) میں "بجیں" اور طبع اول (صفحہ ۲۹۰) میں "تجیں" ہے۔(مرتب)

3- نسخہ کلیات مومن مطبع نول کشور ۱۲۸۳ھ (صفحہ ۲۹۱) و ۱۸۷۶ء و ۱۸۸۰ء (صفحہ ۱۸۵ و ۲۶۷) میں "تقریر" ہے لیکن مصرعِ ثانی میں "تدبیر" قافیہ ہے اس لیے مصرعِ اول میں "تقدیر" قافیہ ہونا چاہیے (مرتب)

ظاہر آزار کچھ غرض نہ رہا لاغری کے سوا مرض نہ رہا
فرق جوش و خروش میں آیا میں بہ صد زور ہوش میں آیا
صبر یاں بہرِ حیلہ و تزویر اور اطبا کو دعوے تدبیر
کیا کہوں اس فسوں کا افسانہ عاقلوں کو بنایا دیوانہ
مل نہ سکنے پہ شکر تاب کریں غش بھی ہو تو خیالِ خواب کریں

بارِ دوم گرفتاریِ دامِ بلا و نغمہ سنجی
بعد فریاد و واویلا

ایک دن مجھ کو جوشِ بے ہوشی خوابِ نازِ جہاں فراموشی
ضعف سے طاقت آزما غفلت ہوش روپوش و خودنما غفلت
اس میں اک بوے جاں فزا آئی جان پر غش کی کیا بلا آئی
کر دیا رشکِ صحنِ باغ مشام واہ بوے تنِ سمن اندام
بے خودی کو حواس یک بار آے ہوش تو آئے لیک نا چار آے
غش سے مجھ کو افاقہ ندرت ہے نہ چلے بس خدا کی قدرت ہے
کھل گئے کیا درِ فرابستہ ہو گئی باز چشمِ وابستہ
دیکھتا کیا ہوں ایک زہرہ جبین جلوہ افروز ہے سرِ بالیں
سالِ عمر اب تھے ہم شمارِ بروج کہ ہوا اخترِ بلا کا عروج
چرخ نے داغ تو دیا مجھ کو والہ اُس ماہ کا کیا مجھ کو
صدمۂ جان گسل دوبارہ ہوا جوں کتاں سینہ پارہ پارہ ہوا
دیکھ زانو اس کے سر اپنا تھا دماغ آسمان پہ اپنا
جان سی آگئی کہ تھا سرشار آبِ حیواں سے جامِ زانوے یار
کیا کہوں پرسشِ نگاہِ کرم چشم سے غمزہ دادخواہِ ستم
ذکرِ اُمیدِ خاطرِ محروم سخنِ دل دہی کا جوش و ہجوم
حرف منہ سے جو اس کے نکلے پڑیں ایک غنچے سے لاکھ پھول جھڑیں
دیکھ اس لب کی گوہر افشانی ہوگیا آب، ابرِ نیسانی

حال پوچھا جو ناتوانی کا	بڑھ گیا زور سخت جانی کا
لبِ جاں بخش چارہ جو کیا کیا	الفت آلودہ گفتگو کیا کیا
واہ اس لب کی چارہ فرمائی	بات میں آ گئی توانائی
شادیاں دل کو ہم کناری کی	ہائے باتیں وہ دوست داری کی
پوچھنا اب مزاج کیسا ہے	غش یہ پھر تم کو آج کیسا ہے
دیکھو کس کس کا ہے برا احوال	یہ بنایا ہے تم نے کیا احوال
جان سے یوں گزر نہیں جاتے	"موے" کے پیچھے مر نہیں جاتے
حظ اٹھاؤ ذرا جوانی کے	کچھ مزے دیکھو زندگانی کے
عمرِ رفتہ کی جستجو کب تک	اپنے مرنے کی آرزو کب تک
آخر اک روز جان جانی ہے	یہی دو دن کی زندگانی ہے
جا کے خلدِ بریں میں مل لینا	داوِ امید ہائے دل لینا
پھر نہ ہو گا کبھی فراق تمھیں	ہے گر ایسا ہی اشتیاق تمھیں
واں کسی سے نہ بات کیجو تم	حور کا بھی نہ نام لیجو تم
یاں تو ممکن نہیں وصال اس کا	خواب آشفتہ ہے خیال اس کا
گریۂ چشمِ تر سے کیا حاصل	نالۂ بے اثر سے کیا حاصل
اک ذرا آپ کو سنبھالو بس	مثلِ غم حسرتیں نکالو بس
آ گئے جان کو قرار و ثبات	واہ اس کے کلام کی کیا بات
نفسِ جاں فزا تکلم تھا	کیا کلام اس میں کیا تکلم تھا
چارۂ دردِ غم کیا میں نے	بس گلے سے لگا لیا میں نے
ابر اشکِ طرب کا باعث واہ	بن گئے ہاتھ میرے ہالۂ ماہ
صبر آنے لگا مجھے کم کم	شوق جتنا بڑھا ہوا غم کم
متصل کی جو اس نے دل داری	نہ رہی زندگی سے بے زاری
ہوسِ مرگ و وصل کی خواہش	جلائے فرائش و کاہش
ہم دم و ہم مزاجِ لیل و نہار	حسرت خفتہ ، دولت بے دار
آخر آرام آ گیا جی کو	چھوڑ کر غم چلا گیا جی کو
روز گل ہائے انبساط کا جوش	ہر سحر خندۂ نشاط کا جوش

کیسی دونوں طرف سے یک روئی دونوں جاں باز، محوِ دل جوئی
چشمِ الطاف چارہ جو باہم کیا نگہ ہائے آرزو باہم
دم بہ دم تازہ محفل آرائی دل دہی، دل بری، دل آرائی
کس قدر تشنہ کامِ آبِ وصال کاسۂ چرخ، جامِ آبِ وصال
دائما ساغر و سبو بے کار مستیِ اشتیاقِ بوس و کنار
ربطِ جذبِ دل و اثر کیا کیا دونوں مشتاق یک دگر کیا کیا
کوئی آیا تو ہٹ گئے ناچار ورنہ ہر لحظہ شغل بوس و کنار
اک برس تک یہی رہا عالم زندگی کے مزے اٹھائے بہم
بعد یک سال خصمِ دیرینہ چرخِ بیدادگر زمیں کینہ
آ گیا اپنی کج خرامی پر غش ہوا واژگونہ کامی پر
کیسی جلدی سے آ گئی شبِ تار دن پھرے تھے، سو پھر گئے یک بار
ہو گئے نجمِ سعد سرگشتہ ہائے بے داد بخت برگشتہ
کیا پامال سیرِ اختر نے پاؤں پھیلائے نحسِ اکبر نے
راہ پر اپنی آسماں نہ رہا زہرہ، برجیس کا قراں نہ رہا
پھر وہی شوقِ دشت و جوشِ جنوں اپنی وادی پر آ گیا گردوں
اس مصیبت کی ابتدا یہ ہے ظلمِ دوراں کا ماجرا یہ ہے
ایک دن ہم موافقِ معمول تھے نشاط و سرور میں مشغول
بادۂ شوقِ وصل سے مدہوش محوِ لذاتِ بوسہ و آغوش
بے خود اشتیاق کیا کیا ہم گلے لپٹے پڑے ہوئے باہم
نیند دونوں کو آ گئی ناگاہ بخت بھی اپنے ساتھ سو گئے آہ
حائل اک پردۂ حجاب نہ تھا ہوش جاتے رہے تھے، خواب نہ تھا
ایک حیالہ واں چلی آئی اپنے سر پر بلا نئی لائی
دونوں کو حسبِ مدعا دیکھا چشمِ بد دور اس نے کیا دیکھا
آن کر سب میں کر دیا بد نام اس تبہ کار نے کیا کیا کام!
خوش بیانوں کو بات آئی ہات بد زبانوں کے منہ پڑی یہ بات
بذلہ سنجوں کو اک بہانہ ہوا بڑھتے بڑھتے سخن فسانہ ہوا

بات عصمت میں بے سخن آئی ۔۔۔ حرف گیروں کی بات بن آئی
بے خبر کیسے چونک اٹھے یک بار ۔۔۔ فتنۂ خفتہ ہو گیا بے دار
ہم بھی سوتے اٹھے جو بعد زوال ۔۔۔ ہو گئی خواب آرزوئے وصال
دیکھتے کیا ہیں اک قیامت ہے ۔۔۔ شورِ محشر، دمِ ملامت ہے
گھر میں ہے سب کو اضطرابِ نشور ۔۔۔ دہنِ یاوہ گو ہے روزنِ صور
نفسِ ہم[1] ہے صرفِ طنازی ۔۔۔ عیب جوئی و جوشِ غمازی
آنکھ کچھ سب کے سب چرانے لگے ۔۔۔ بے مروت نگاہ آنے لگے
لب پہ ہر اک کے حرفِ ناگفتہ ۔۔۔ گل نوا[2] غنچہ ہائے نشگفتہ
کیا جگر سوز حرفِ بے ادبی ۔۔۔ برقِ گل خندہ ہائے زیرِ لبی
یاس و محرومیِ امانِ شفیع ۔۔۔ تیر بارانِ طعنہ و تشنیع
کوئی کہتا تھا کیا کہے کوئی ۔۔۔ کس سے یہ ماجرا کہے کوئی
کوئی کہتا تھا آپ کی کیا بات ۔۔۔ اتنی سی عمر اور یہ حرکات
دیکھنا عشق کی فسوں سازی ۔۔۔ کھیل بچوں کا ہوئے جاں بازی
اور ہم دونوں رہنِ حیرانی ۔۔۔ کہ کھلا کیوں کہ رازِ پنہانی
دو گھڑی کی ہے بات کچھ بھی نہ تھا ۔۔۔ کوئی واقف نہ تھا کہ بات ہے کیا
اتنے میں ہو گئی خبر کیوں کر ۔۔۔ ہوے بدنام اِس قدر کیوں کر
کیوں ہوا بگڑی اپنی عالم میں ۔۔۔ گل کھلایا یہ کس نے اک دم میں
فکر و تدبیر و چارہ تھے باہم ۔۔۔ مشورے کر رہے تھے کیا کیا ہم
اتنے میں ایک نے کہا آ کر ۔۔۔ گھر میں ہو آیئے ذرا جا کر
آپ کی سب کو یادگاری ہے ۔۔۔ ہو گئی دیر بے قراری ہے
کہہ دیا ہے جو حرج کار نہ ہو ۔۔۔ دیکھنا ہم کو ناگوار نہ ہو
تو ذرا ایک دم کو آجاؤ ۔۔۔ اپنی صورت ہمیں دکھا جاؤ

۱۔نسخۂ کلیاتِ مومن مطبع نول کشور طبع ۱۲۸۳ھ (صفحہ ۲۹۵) و ۱۸۷۶ء (صفحہ ۱۸۸) اور طبع ۱۹۱۳ء (صفحہ ۱۷۱) ''ہم'' مگر نسخۂ کلیاتِ مومن مطبع نول کشور طبع ۱۸۸۰ء (صفحہ ۱۸۸) میں ''ہم دم'' ہے۔مرتب

۲۔طبع اول (صفحہ ۲۹۵) طبع دوم (صفحہ ۱۸۸) ''نوا'' اور طبع ششم (صفحہ ۲۷۱) ''نوا'' ہے۔(مرتب)

وہ صدا[1] تھی سمومِ جاں آزار — میرے اوسان اڑ گئے یک بار
واں سے ناچار آئے ہم گھر میں — پاؤں رکھے دہانِ اژدر میں
ڈر سے ہر گام لغزشِ پا تھی — ایسی مستی خمار میں کیا تھی
آستانے پہ جو قدم رکھا — سر تہِ بارِ سنگِ غم رکھا
دیکھتا کیا ہوں سارا گھر ہے تمھیں — جو نظر آئے ہے سو چیں بہ جبیں
دیدۂ مار چشمِ مردم ہے — مژہ ہر ایک نیشِ کژدم ہے
اقربا کی نگاہ[2] قہر آلود — دستِ دشمن میں تیغ زہر آلود
نغمہ دیپک[3] کا تھی صدائے قدم — ہوئے آگ آتے ہی صدائے قدم
دیکھتے ہی دل اور بھر آیا — چشمِ نم میں لہو اتر آیا
منہ میں آیا سو ناصحوں نے کہا — پاس کیا ہو کہ ننگ ہی نہ رہا
نہ کی اس جوشِ جاں گدازی میں — کوتھی کچھ زباں درازی میں
گھر سے اٹھی صدا ملامت کی — ایک اک نے جدا قیامت کی
بد زبانوں نے آکے منہ پہ کہا — جا کہ تو اپنے کام کا نہ رہا
دور بس یاں نہیں ہے تیرا کام — گھر سے خانہ خراب کو کیا کام
ہم کو بدنام کر دیا تو نے — اے زبوں کار کیا کیا تو نے
کہیں کس منہ سے جائیں گے اب ہم — ہائے کیا منہ دکھائیں گے اب ہم
تجھ سے بے نام و ننگ کو کیا عیب — دل لگا کر ہمیں لگایا عیب
کیوں نہ آنکھیں لڑاتے آئی حیا — تیری آنکھوں سے یہ لحاظ گیا
ہم سمجھتے تھے اب تلک معصوم — یہ سیہ کاریاں نہ تھیں معلوم
جانتے تھے کہ ہے ابھی بے ہوش — کیا خبر تھی کہ یاں ہیں ایسے ہوش
لاغری کی جو یوں حکایت تھی — جورِ استاد کی شکایت تھی
ہوئے واقف نہ حرفِ مطلب سے — بیٹھنا واں تھا اٹھ کے مکتب سے

۱۔ کلیات مومن نسخہ مطبوعہ ۱۸۷۶ء، ۱۸۸۰ء، ۱۹۳۱ء (مطبع نول کشور صفحہ ۱۸۸، ۲۷۲) میں "سدا" ہے لیکن "صدا" طبع اول (صفحہ ۲۹۲) میں صحیح ہے۔مرتب

۲۔ "نگاہ" طبع اول اور دوم۔ طبع ششم میں "نگاہیں"۔مرتب

۳۔ طبع اول (صفحہ ۲۹۲) میں "نغمہ دیپک" ہے جو بے معنی اور غلط ہے۔(فائق)

بہرہ مفہوم کا دماغ کہاں جب مزا دے زباں کو میم دہاں
نام کو خاک میں ملایا حیف تو نے جوں کاف سر اٹھایا حیف
تو سہے ہم بھی ناک میں دم لائیں بھیجیں مکتب میں پھر بہ زور پڑھائیں
کب تلک در گزر بھلا ہووے کیا کیا یہ ترا برا ہووے
ہم سمجھتے تھے گھر کی آبادی تو نے کی ہائے خانہ بربادی
نہ ڈرا یہ کہ کھل نہ جائے کہیں کوئی آخر مرے بھی ہے کہ نہیں
آرزو تھی کہ نکلیں گے ارماں کدخدائی کے کرتے تھے ساماں
نسبتوں کے کلام تھے کیا کیا جا بہ جا سے پیام تھے کیا کیا
اس توقع سے اب ہوے مایوس آ گیا حرف بات میں افسوس
سن کے ایسے صفاتِ نامعقول نہ کرے گا کوئی جہاں میں قبول
نہ ہوا تجھ کو پاس اپنا کچھ دور سمجھا تو آپ کو کیا کچھ
دل شکن حرف نا درست درست طرزِ عبرت فزا درست درست
رائے سالم بلا بلا انگیز سخنِ لطف بھی جفا آمیز
طعنۂ حرفِ نصیحت آلودہ طرزِ تفہیم وحشت آلودہ
کہہ سنا اب بھی چھوڑ دے یہ خیال خواب ہو جائے تا پریشاں حال
عزت و شانِ خاندان کو دیکھ جاہ ہم اوج آسمان کو دیکھ
جوں زمیں بس ذلیل و خوار نہ ہو دلِ احباب کا غبار نہ ہو
جوں فلک کج روی سے باز آ تو پھر نہ ہم راہ ماہ سیما تو
کیوں روش تیری بے محابا ہے یہ چلن سب خلافِ آبا ہے
کس نے یوں سعی عشق بازی کی کس نے اس طرح ہرزہ[1] تازی کی
کون تھا محو آئنہ رو کا تشنہ لب آبِ تیغ ابرو کا
کس کی آنکھیں تھیں فرش رہ ہر گام کون تھا پائمالِ طرزِ خرام
کس کو تھا اشتیاقِ چشمِ سیہ کون تھا تختۂ مشقِ کلکِ مژہ
کس کو تھا شوقِ مصرعِ گیسو منتخب کس کے تھی بیاضِ گلو

۱۔ "ہرزہ تازی" نسخۂ کلیات مومن مطبع نول کشور طبع ۱۹۳۱ء (صفحہ ۲۷۳) اور طبع اول (صفحہ ۲۹۸) میں "ہرزہ بازی" نسخۂ طبع دوم (حاشیہ صفحہ ۱۸۹) مرتب

غش ہوا کون عنبریں مو پہ ۔۔۔ دم دیا کس نے تیغ ابرو پہ
کس کو تھا ان خرابیوں سے کام ۔۔۔ کون تیرے سوا ہوا بدنام
باعثِ عبرتِ جہاں تو ہوا ۔۔۔ ہائے کیا ننگِ خانماں تو ہوا
تیرے جینے سے جیسا دل تھا شاد ۔۔۔ اب خوشی موت کی ہے اے ناشاد
سن کے میں نے کہا عتاب کے ساتھ ۔۔۔ گریہ آیا مجھے جواب کے ساتھ
بات کہنے میں رو دیا میں نے ۔۔۔ جو جواب آیا سو دیا میں نے
عرض کی وجہ افترا کیا ہے ۔۔۔ روئے دیتے ہو ماجرا کیا ہے
خیر ہے کچھ خیالِ مفسدہ ہے ۔۔۔ کس شرانگیز کا یہ شعبدہ ہے
کس طرح جھوٹی باور آئی بات ۔۔۔ کیوں بگڑتے ہو، ہے بنائی بات
مجھ سا نادان عشق کیا جانے ۔۔۔ شوقِ زلفِ سیہ بلا جانے
آپ کو میں ہلاک کرتا ہوں ۔۔۔ لیے مرتے ہو کس پہ، مرتا ہوں
بے گنہ انتقام لیتے ہو ۔۔۔ دل نہ دینے کے طعنے دیتے ہو
جھوٹی اک آدھ جب قسم کھائی ۔۔۔ سمجھے سچ ہے یہ سن و شیدائی
صاف طوفان اس کو جان گئے ۔۔۔ دشمنِ جان اس کو جان گئے
کی وہاں جانے کی مگر بندی ۔۔۔ مجھ سا دل بند اور نظر بندی
دامِ تارِ نگاہ میں ہیں اسیر ۔۔۔ حلقۂ چشم ، حلقۂ زنجیر
ہائے کس نورِ چشم پہ تاکید ۔۔۔ لگے آنکھوں میں رکھنے بس بے دید
اب کہاں وہ وصالِ تنہائی ۔۔۔ غمِ عزلت، ملالِ تنہائی
سعیِ آرام و ناصبوری ہائے ۔۔۔ خوگرِ وصل و رنجِ دوری ہائے
تپشِ دل کی حدتیں کیسی ۔۔۔ مجھ سے نازک پہ شدتیں کیسی
صیدِ محرومیِ آرزوے وصال ۔۔۔ سعیِ پروازِ شوقِ بے پروبال
حسرت آمادۂ طلب گاری ۔۔۔ عزت افتادۂ رہِ خواری
محشر آبادِ یاس و حرماں دل ۔۔۔ خانہ زادِ جنونِ پنہاں دل
خارِ غم تیز سینہ کاوی میں ۔۔۔ مژہ سرگرمِ خوں تراوی میں
نالۂ قیس ، جوشِ واویلا ۔۔۔ روزِ غم ہم تجلیِ لیلیٰ
جاے اختر گنوں ستیزہ شعار ۔۔۔ شبِ ہجراں جواب روز شمار

چین بیمِ بلا نہ ہونے دے
چشمِ چپ کی پھڑک نہ سونے دے

شوقِ نظارہ سے نگہ بے تاب
نجمِ سیارہ دیدۂ بے خواب

جاں معصیت کشِ خمارِ مدام
خواب و خور صورتِ شراب حرام

گرم بازار گریۂ ہمہ جوش
دیدۂ نم دکانِ شیشہ فروش

دل تنگ و ہجومِ درد و محن
زخم تو ہم نشینِ داغِ کہن

نفسِ گرم و شعلہ افشانی
سوزِ تقریرِ دوزخِ ثانی

جھڑے پھولوں کے بدلے منہ سے شرار
رشکِ گل ریز، آہ آتش بار

شعلۂ آہ سے فلک بے تاب
"حوت" ہم داغِ ماہیِ بے آب

بے خودی میں نہ بات کا سر پاؤں
اڑ گئے ہوش رکھ کے سر پہ پاؤں

چاکِ دل کشتِ زعفراں دیدہ
رُخِ گل گوں، گلِ خزاں دیدہ

مرتے مرتے نہ دیکھا میرا منہ
رنگِ رفتہ نے ایسا پھیرا منہ

جوں ہوا چاک ووں ہی سلوایا
کیا گریباں جنوں کے ہاتھ آیا

متصل خیر باد لب پہ آئے
پہ نہ یہ بے مصیبت جائے

زخمِ پنہاں سے دل ہوا گل زار
گل کھلا تھا سو اس کی دیکھی بہار

دھیان سے جلد ہوش جانے لگا
یاد سے پیش تر غم آنے لگا

مہر و مہ دونوں دشمن کیں توز
داغ دیں کیا نئے نئے شب و روز

دم شماری میں گزرے ساری رات
نفسِ واپسیں میں سب اوقات

خواب کیسا کروں تصور بھی
چشم وا، بند ہو سکے نہ کبھی

غم نگہبانِ دیدۂ بے دار
آنکھیں دکھلائے حسرتِ دیدار

وہم دربانِ دل کرے ہر شب
شکلِ بستر سے مشورے ہر شب

شعلہ رو کا خیال جان جلائے
شمعِ بالیں کو دیکھ رونا آئے

دھیان مہتاب پہ کبھی جو جائے
لوٹتے لوٹتے سحر ہو جائے

چہرہ دستی کرے جنوں بے باک
صبح کے ساتھ ہو گریباں چاک

سامنے جو وہ مہروش آئے
مجھ کو جوں تابِ مہر غش آئے

گر پڑوں صحنِ خانہ میں ناچار
صورتِ سایۂ در و دیوار

شوقِ دیدن کو بس کہ جوش آئے
بے قراری سے مجھ کو ہوش آئے

دیکھ کر اس کی جلوہ فرمائی
مضطرب دیدۂ تماشائی

خواہشیں دل کو ہوویں شدت سے
بیٹھا دیکھوں نگاہِ حسرت سے

آرزو لذتیں اٹھانے کی
پہلوے شوق میں بٹھانے کی

گلے لگنے کو بس کہ جی ترسے
مستعد دل کہ گر پڑے بر سے

جان کو ٹھہرنے کی تاب کہاں
چین لینے دے اضطراب کہاں

مضطرب سامنے پھروں ناچار
وردِ لب اپنے حسبِ حال اشعار

برق بے تاب، شرم ساری ہے
بے قراری سی بے قراری ہے

وصل کی آرزو نے قتل کیا
غمِ فرقت نے انتقام لیا

دست بردِ الم سے ہوں پامال
تیرے سر کی قسم نہیں ہے حال

تیرے بن زیست کس کو بھاتی ہے
نام مردن سے لذت آتی ہے

بے ملے چین کیوں کہ دم بھر آئے
جان جاتی ہے صبر کیوں کر آئے

کیسی قسمت ہماری پھوٹ گئی
تیرے ملنے کی آس ٹوٹ گئی

بے خبر تھے کہ چین آیا تھا
طالعِ خفتہ نے سلایا تھا

سجدۂ شکر نے نہ کی تاثیر
کیسی اپنی الٹ گئی تقدیر

سیرِ اختر سے ہوں میں سرگشتہ
نہ پھرے ہائے بخت برگشتہ

ہو گئی رجعت آہ گردوں کو
عکس تھا مجھ سے بخت واژوں کو

ماہ نے خاک پر لٹایا ہے
گردشِ مہر نے جلایا ہے

کیا فروغ آتشِ فراق میں ہیں
مشتری زہرہ احتراق میں ہیں

جانِ پامال راس ہے جوں خاک
سیرِ مریخ نے کیا ہے ہلاک

ہے عطارد کو اِن دنوں میں وبال
خطِ تقدیر مٹ سکے یہ محال

ہندوے چرخ نے تباہ کیا
روزِ روشن مرا سیاہ کیا

دورِ لیل و نہار نے مارا
ستمِ روزگار نے مارا

بگڑے ایام کس قدر افسوس
بن گئی کیسی جان پر افسوس

دردِ دل ہر طرح سناتے ہم
بے حواسی سدا جتاتے ہم

کچھ نہ کچھ کر گئے اثر طعنے
کہ ہوا مہرباں فلک یعنے

کئی دن بعد ایک شب تنہا
اتفاقاً ملی وہ مہ سیما

بس مجھے دیکھتے ہی رونے لگی　　　سلکِ گوہر نثار ہونے لگی
گریہ رہ رہ کے بار بار آیا　　　جھوم جھوم ابرِ نوبہار آیا
لب پہ ہردم وہ نالۂ غم کش　　　رعد جس کا نہ ہو سکے دم کش
نفسِ گرم کا قلق دم ساز　　　غیرتِ برق شعلۂ آواز
چاہے وہ چپ رہے پہ رہ نہ سکی　　　جی میں دل کی کہوں پہ کہہ نہ سکی
جوش میں دردِ دل کہا کب جائے　　　یوں ہی برباد حرفِ مطلب جائے
آخر اس ولولے سے صبر کیا　　　جی پہ بے اختیار جبر کیا
دل کو لب کی طرف رجوع کیا　　　قصۂ درد و غم شروع کیا
کہ ترے واسطے میں خوار ہوئی　　　بے حجابی سے شرم سار ہوئی
کیسی رسوائیاں ہوئیں ہے ہے　　　محشر آرائیاں ہوئیں ہے ہے
مضطرب سازِ جاں ندامت ہے　　　صبر اب بھی نہیں یہ شامت ہے
تیری الفت تھی دشمنی اپنی　　　کیا کہوں تجھ سے میں بنی اپنی
تیرے پیچھے غضب ہوا کیا کچھ　　　پیش آئیں بلائیں کیا کیا کچھ
کاوشِ اقربا کی دل شکنی　　　طعنۂ دشمناں کی نیش زنی
خلشِ خار ، خارِ رنج و ملال　　　اضطرابِ فراق و شوقِ وصال
یہ خزاں اور بلا جنوں کا جوش　　　دم بہ دم اشکِ لالہ گوں کا جوش
جس جگہ کرتے تھے بہم آرام　　　وحشت آتی ہے دیکھ کر وہ مقام
سگ گزیدہ کی طرح ہوں مضطر　　　کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے گھر
چین نے مضطرب کیا مجھ کو　　　تیرے ملنے نے کھو دیا مجھ کو
یاد آتے ہیں وصل کے آرام　　　ہوں میں بے تاب گردشِ ایام
اگلی باتیں تمام بھول گئی　　　شوخی آلا کلام بھول گئی
میں کہاں اور کہاں فسانۂ عیش　　　ہو گیا خواب سا زمانۂ عیش
میں کہاں اور فکرِ آرائش　　　سادگی بھی ہے رنگِ آسائش
میں کہاں اور کہاں وہ ناز و غرور　　　بات کرنے کا بھی نہیں مقدور
میں کہاں اور کہاں خود آرائی　　　بے خودی ہو گئی تماشائی
نہ رہا رنگِ شوقِ آئنہ کیا　　　روے حیران کا معائنہ کیا

ہے نظر میں مری یہ عالم — سرمہ آلودہ کیا ہو دیدۂ نم
چشم خود بینی آنکھ دکھلائے — بن ترے دیکھے کیا نظر آئے
چشم مے گوں ہے خونِ ناب فشاں — رگِ حلق بریدہ ہے مژگاں
ہر شبِ غم یہ جوشِ ماتم ہے — کہ شبِ عشرۂ محرم ہے
نیند آتی نہیں کسی ڈھب سے — آنکھیں ملتی ہیں لیک کوکب سے
شام سے چشم باز صبح تلک — ہجر میں کیا لگے پلک سے پلک
سبزۂ خفتہ، سنبلِ شاداب — خار بستر ہے خواب، بستر خواب
لذتیں شورشوں میں آتی ہیں — حسرتیں جان کھائے جاتی ہیں
منہ میں پڑتی نہیں ہے کھیل آڑ کر — زندگانی ہے غصہ کھانے پر
بھوک بھی گر لگے تو غم کھاؤں — تشنگی ہو تو اشک پی جاؤں
زندگی ناگوار ہے تجھ بن — پانی اترے گلے سے کیا ممکن
تلخ کامی ہے شہد ناب کے گھونٹ — زہر کے گھونٹ ہیں شراب کے گھونٹ
کوفت پر کچھ یہ تاب لاتی ہے — کوئی سنداں کہ میری چھاتی ہے
ایسے صدمے اٹھانے ہیں مشکل — مجھ کو کہنا بجا ہے سنگیں دل
جھڑتے ہیں جذبۂ قلق سے شرار — ہے جگر سنگ و سنگِ آتش بار
تپِ غم شعلہ زن ہے سینے میں — بوے خوں آئے ہے پسینے میں
نالے کے ساتھ دل میں اٹھے ہے درد — آہ کی طرح دست و پا ہوں سرد
خوں فشاں دیدۂ پر آب رہے — حال گھر کی طرح خراب رہے
اگر امید بر نہیں آتی — جان رہتی نظر نہیں آتی
ابتدا میں تھے کیسے کیسے سرور — سچ ہے پر کہیے کیوں کر اب سے دور
آخرِ کار دیکھیے کیا ہو — وہ ہی کچھ ہو تو کیا تماشا ہو
آپ کی چاہیے کوئی تدبیر — آگے جو ہووے خواہشِ تقدیر
ڈھب انہیں کے خیال میں آیا — سوچتے یہ فرمایا
نیند آخر تو ساری رات نہیں — سحر شوق سے نجات نہیں
جب کہ اک ایک گھر میں سو جاوے — بے خود اپنی طرح سے ہو جاوے
آہ تم یاں پہ ہوشیاری سے — پختگی سے نہ خام کاری سے

رہیں بے دست و پائیاں ہر گام ہیں گراں دل کو پر سبک ہو خرام
خاک بھی جوں نشانِ پا نہ اُٹھے پاؤں اٹھے ولے صدا نہ اٹھے
با تگ و پا چشم بستہ کی ہو نظر خاک زیرِ قدوم سرمہ اثر
حال سے بے خبر رہیں غماز نکلے حسرت نہ پاؤں کی آواز
اب کی یہ بات گر ہوئی مشہور پھر ملوں تم سے اس کا کیا مذکور
آکے یاں بھی نہ پاؤں پھیلانا اب نہ ہووے کا شب کا رہ جانا
بھی بس ایک دو گھڑی ٹھہرے نہ کہ دل بھرنے بلکہ جی ٹھہرے
یوں بھی چندے اگر رہی اوقات راہ پر آئے چرخِ بد حرکات
دورِ ایام کچھ ستم نہ کرے شبِ عشرت کو روزِ غم نہ کرے
دولتِ بے زوال جانیں ہم شب و روزِ وصال جانیں ہم
کیا کہوں میں کہ سنتے ہی یہ نوید ہو گئی کیسی اپنے گھر میں عید
سر کو پاؤں پہ دھر دیا میں نے سجدۂ شکر یوں کیا میں نے
صدقے کیا کیا نہ میں ہوا اس کے گلے کس کس طرح لگا اس کے
ہو گیا پھر فسانہ شکوۂ غم قسمتِ بختِ خفتہ، خوابِ عدم
کم کم. امید بارے بر آئی بات اس میں زیادہ تر آئی
اس نے رخصت کیا بہ مجبوری پھر وہی غم، وہی غمِ دوری
ئے گھر میں تپِ الم کے ساتھ شعلے دل سے اٹھے قدم کے ساتھ
گھر میں آتے ہی واں کا دھیان آیا چل دیا صبر، جوں مکان آیا
تاسحر جان پر عذاب رہا ماہ کی طرح اضطراب رہا
صبح دم پھر وہی نظر بازی چشمِ ناز اور ناوک اندازی
وردِ ایما، حکایتِ مطلب نظروں میں وثوقِ وعدۂ شب
انتظارِ سوادِ روز گزار سرمۂ چشم آرزو شب تار
نگہِ دیدۂ فروغ سواد طرفِ مہر، مہروش سے زیاد
دودۂ شام، نقشِ صفحۂ میل شوقِ تفسیر سورۂ واللیل
دن ملاقات کا خوشی سے کٹا دل بڑھا جس قدر کہ روز گھٹا
تھی یہی حالت آدھی رات تلک دم بہ دم چشمِ شوق، سوئے فلک

غور تثلیث چشم کوکب میں — آرزو وصل کی دلِ شب میں
نیم شب جب ہوئی عناں کشِ دل — جانبِ منزلِ مہِ کامل
تھا ستم فکرِ خوابِ ناز کا وہم — نگہِ چشم نیم باز کا وہم
ہوئے آنکھوں سے ڈرتے ڈرتے رواں — لغزشِ پا تھی جنبشِ مژگاں
تیرہ بختی نے کیا ڈرایا تھا — سایہ اپنا پری کا سایا تھا
فکرِ رفت و نشست و گشتِ ستم — بارے پہنچے، ملے، پھر آئے ہم
اور کسی کو ذرا خبر نہ ہوئی — انجم نحس کی نظر نہ ہوئی
لطفِ چرخِ بلند پیشانی — دیدۂ مہ نے کی نگہ بانی
نہ ہوئی چشمِ عیب بینا باز — نہ ذرا سر اٹھا سکے غماز
خوابِ سرخوش نے سر دبائے رکھا — بختِ بیدار نے سلائے رکھا
رہی پوشیدہ گرم جوشیِ شب — کھل گئی ہم پہ پردہ پوشیِ شب
دوسری رات بھی وصال ہوا — روزِ فرقت کا انتقال ہوا
نہ ہوا بارے پھر کوئی آگاہ — بے حواسوں کی ہوشیاری واہ
جب ہوئی خاطرِ پریشاں جمع — پھر تو ہر شب بسانِ شعلہ و شمع
کیں عجب گرم جوشیاں دل نے — لگے اس برق جلوہ سے ملنے
قصہ کوتاہ اک زمانِ دراز — نہ ہوا گھر میں کوئی محرمِ راز
ایک شب جوشِ انبساط و سرور — ساغرِ مہ لبالب مے نور
ظلمتِ شب بیاضِ روز سپید — قمر و کاسہ لیسیِ خورشید
ہر ہر اختر جوابِ ماہ وشاں — خرمنِ برق، خط کاہ کشاں
شرم اس شب سے شمع طور کرے — لیلۃ القدر اخذ نور کرے
جلوۂ ماہتاب نور فشاں — پردۂ سایہ، ہم قماش کتاں
ذرہ ذرہ غبارِ نورانی — صبح محشر کی سی درخشانی
جوں دلِ صاف کاشفِ اسرار — ہم فروغ ضمیر شب بیدار
روشنی سے نظر کو پائے نظر — نگہِ چشم مور آئے نظر
عالم آئینۂ تجلیِ ذات — جنبشِ عرش، گردشِ اوقات
زیرِ خاک آسماں دکھائی دے — بے نشاں کا نشاں دکھائی دے

مجھ کو یہ رنگ دیکھ کر وسواس — کثرتِ اشتیاق پر یہ ہراس
کہ کوئی محوِ ماہ تاب نہ ہو — چشم وا، پائے بند خواب نہ ہو
دیکھ لیوے وہ آتے جاتے مباد — اٹھ کھڑے ہوں کچھ اور فتنے فساد
آج جانا وہاں کا خوب نہیں — بات بن کر بگڑ نہ جائے کہیں
پر دلِ بے قرار رہ نہ سکا — صدمۂ اشتیاق سہہ نہ سکا
دیکھتے ہی مجھے وہ گھبرائے — پاس گم کردہ ہوش و صبر آئے
لگے کہنے غضب کیا تو نے — مجھ کو رسوا پھر اب کیا تو نے
چھوڑ دے ہاتھ کیا پکڑتا ہے — جا ابھی کوئی آ پکڑتا ہے
دور، تجھ کو نہیں ہے پاسِ حیا — شرم آتی نہیں یہ جگ گیا
میں نے منت سے التماس کیا — کہ محبت نے بے حواس کیا
کیا کروں دل پہ اختیار نہیں — جان کو تیرے بن قرار نہیں
تھم گئے بارے اضطراب کو دیکھ — ٹھہرے یک لحظہ پیچ و تاب کو دیکھ
دل مرے وصل سے خراب ہوا — پھر یہ ناکام کامیاب ہوا
اٹھ گئے لیک جلد وہ خود کام — میں ہوس کار رہ گیا دل تھام
گھر میں آیا ولے میں خود رفتہ — شعلۂ بے تابیِ دلِ تفتہ
تپش دل سے درد پہلو میں — جان بے طاقتی کے قابو میں
نہ تھما جی تو اٹھ کے پھرنے لگا — ہر طرف سایہ وار گرنے لگا
جب کسی طرح سے نہ صبر آیا — سادگی نے یہ نقش بٹھلایا
کہ جو پھر واں چلو تو ڈر کس کا — ہوش رکھتے ہیں بے خبر کس کا
لے چلا کھینچ اضطراب مجھے — کہ نہ تھی کش مکش کی تاب مجھے
لیک ہر گام مجھ کو وہم آ جائے — اپنے کھٹکوں سے آپ سہما جائے
صحن میں تھا کہ بولی اک زن پیر — ہیں یہ دونوں جوان کیسے شریر
ہم تو بے خوابیوں سے مرتے ہیں — آپ ہر رات چین کرتے ہیں
کسی صبح دھوم اٹھاؤں میں — فتنۂ خفتہ کو جگاؤں میں
اٹھتے ہی یہ صدا کھڑے ہوئے کان — اڑ گیا واں سے بس میں جوں اوسان
گھر میں آیا پہ خوف نے جی جائے — فتنہ اٹھنے سے جان بیٹھی جائے

کیا خیال و گماں کے نیرِ نجات
تھے بہت سا تنگ اور تھوڑی رات

صبح کا دم بھی ڈر سے کیا نکلا
مہر نکلا تو کانپتا نکلا

اڑ گیا رنگِ رو بہ رنگ شفق
ہو گیا جوں سحر مرا منہ فق

منتظر اب قیامت آتی ہے
تیرہ روزوں کی شامت آتی ہے

رازِ شب آشکارا ہوتا ہے
شورِ محشر دوبارا ہوتا ہے

سارے دن دم بہ دم یہی وسواس
رشکِ روزِ نشور، ہوش و حواس

لیک رازِ نہاں، نہاں ہی رہا
بارے اس کے کہے سے کچھ نہ کہا

بس کہ یہ بھی خیال تھا کہ مباد
متردد ہو اس کی خاطر شاد

زنگِ اندیشہ آئنے پہ ہو
مجھ سے وہ صاف دل مکدر ہو

تھا میں اس گھات میں کہ گر اک آن
ملے تنہا وہ راحتِ دل و جان

عذرِ تحریکِ اضطراب کروں
شکوۂ جوشِ پیچ و تاب کروں

سو سرِ شام اُدھر ہوا جو گزار
ملی تنہا وہ شمع شعلہ عذار

چشمِ تر سے پڑی نظر مجھ کو
ہو گئی آگ دیکھ کر مجھ کو

لگی کہنے کہ چل ہوا کھا بس
جی بھرا آئے ہے، چلا جا بس

پاس اپنے بٹھانے سے تیرے
کھڑے ہوتے ہیں رونگٹے میرے

چاہیے دل کے بدلے لاگ لگے
جل گئے جان تجھ کو آگ لگے

واہ کیا خوب آشنائی کی
سخت بیگانگی، برائی سر کی

موردِ طعنِ شیخ و شاب کیا
ساتھ اپنے مجھے خراب کیا

تجھ سے اب دل لگاتے وہ ناکام
جس کو ہونا ہو خلق میں بدنام

کیوں نہ دل میں مرے کدورت آئے
کیا کیا یہ تو خاک میں مل جائے

ڈھونڈھ لے اور کوئی مہ رو اب
ہاتھ اٹھا میرے ملنے سے تو اب

کیوں زیادہ ہے مجلس آرائی
ابھی کچھ کم ہوئی ہے رسوائی

میں نے کی جتنی معذرت نہ سنی
شوقِ دل کی مبادرت نہ سنی

رحم آیا نہ خستہ حالی پہ
ضد رہی اپنی لا ابالی پہ

خواہشِ گردشِ زمانہ ہوئی
مہرباں وہ قمر لقا نہ ہوئی

بات بگڑی زیادہ افغاں سے
منہ بنا کر وہ اٹھ گئی واں سے

میں بھی ناچار ہو چلا آیا
قرعہ برعکسِ مدعا آیا

نجمِ طالع کو پھر زوال ہوا
اپنا گھر خانۂ وبال ہوا

قلق و جوشِ منفعل کیا کیا
مجھ سے بے تابیاں تجمل کیا کیا

اس عداوت پہ ربط زاری سے
بارے اس کیں پہ بے قراری سے

گہ غمِ ہجر، گاہ یاس، وصال
جون زماں دم بہ دم تغیر احوال

کبھی جوں سایہ خاک پر گرتا
کبھی بے تاب دوڑتے پھرتا

کبھی جوشِ سرشک طوفاں بار
کبھی آہوں کا باندھ دینا تار

تار دم چلہ عرش پر باندھے
کیا ہوا آہ بے اثر باندھے

دمِ افسونِ نالہ، بے تاثیر
جادو اُلٹے، ہمیشہ جوں تقدیر

اشک برباد دیدۂ نم میں
خاک اثر آتشِ تپ غم میں

دور گردوں سے مدعا پامال
دستِ حسرت کفِ دعاے وصال

التجا داد خواہ دور قضا
عاجزی شاکیِ جفاے رضا

روز افزوں تباہیِ احوال
الغرض یوں ہی کٹ گئے دو سال

اپنے کوٹھے پہ ایک دن تنہا
پھر رہی تھی وہ آفتاب لقا

اسی دم میں بھی ناگہاں پہنچا
داد کو میری آسماں پہنچا

دوڑ کر لگ گیا گلے سے بس
زور کرتے ہیں جس طرح بے بس

وہ بہت آپ کو چھڑایا کی
تھی مری جان تلملایا کی

صید آخر ہوئی وہ نازک دوش
حلقۂ دام تھا نہ تھی آغوش

کر گئی بارے دل میں تاثیر آہ
تھے مجرب فسونِ تسخیر آہ

کیا کہوں اشکِ چشمِ نم کا جوش
ہو گئی آتشِ غضب خاموش

ہو گئے دل سے دور کین و عناد
مل گئی بارے تھی جو اپنی مراد

پھر مئے وصل سے ہوے بے ہوش
بن گیا گھر دکانِ بادہ فروش

اس کی دل بستگی کے ہائے مزے
خوب دل کھول کر اٹھائے مزے

تلخ کامی کو تلخ کام کیا
دردِ ہجراں سے انتقام لیا

کاہشِ یاس کا جگر خوں تھا
دونوں کا شوق روز افزوں تھا

دونوں جانب سے دل دہی ہر دم
محو دن رات اسی خیال میں ہم

نخی اس طبع نازنیں پہ نہ ہو | منہ تکے وہ کہ چیں جبیں پہ نہ ہو
ہر طرح جان و دل کو صبر و شکیب | بیم گردوں رہا نہ ترس رقیب
اب پریشانیوں میں خاطر جمع | رات دن تابِ مہر و شعلۂ شمع
یوں ہی یک چند ارتباط رہا | دورۂ عشرت و نشاط رہا
ہائے نیرنگ چرخ بوقلموں | پھر نئے رنگ سے کیا دل خوں
یعنی اک پیر زال شعبدہ باز | چرخ کی طرح تفرقہ انداز
بے سبب میری دشمن جانی | ہوئی سر گرم خانہ ویرانی
اس سراپا وفا کی یار بنی | کیا حریفانہ دوست دار بنی
خیر خواہی جتائی رنگا رنگ | لائی اس سادہ رو سے کیا کیا رنگ
جب یقیں ہو گیا کہ یار ہے یہ | محرم راز و راز دار ہے یہ
لگے ہونے ہر اک طرح کے کلام | ہوئی آخر ذریعۂ پیغام
جب بلائے وہ، آ کے لے جائے | میں جہاں ہوں بلا کے لے جائے
ایک دن جو بلانے آئی وہ | دن نہ تھا، تھی شب جدائی وہ
ڈھونڈ کر ہر ٹھکانے میں ظالم | پہنچی دیوان خانے میں ظالم
بند دروازہ واں کا تھا ناگاہ | در کشائے سخن، دلِ آگاہ
شوق کو مشق نالۂ موزوں | باندھتا تھا میں دل کشا مضموں
آکے بولی کہ کوئی ہے تو بول | آج کیا بندوبست ہے در کھول
میں نے بے تاب ہو کر کہا ”کیا ہے“ | لگی کہنے ”تمھیں بلایا ہے“
کہا میں نے کہ رہ کے آؤں گا | ایک دو شعر کہہ کے آؤں گا
گئی بگڑی ہوئی وہ مایۂ کیں | منہ بنائے ہوئے جبیں پہ چیں
جا کے اس سے کہا کہ اے نادان | بے خبر کس طرف ہے تیرا دھیان
تو ہے ان کے لیے حزین و ملول | وہ ہیں عیش و نشاط میں مشغول
اب وہ کھل کھیلے کب ہیں تجھ پہ بند | دیکھ کر مجھ کو کرلیا در بند
رخنۂ در سے میں نے جب جھانکا | اور عالم نظر پڑا واں کا
اک پری وش نہ تجھ سی غیرت حور | پاس بیٹھی تھی ان کے اب سے دور
میری آواز سن نہ آئے نکل | وہیں سے ”بولے آؤں گا تو چل“

جوں ہی یہ حرف تا بہ لب آیا گئی وہ ہاتھ سے غضب آیا
بات کہنے میں اس نے کام کیا قصۂ دوستی تمام کیا
میں جو آیا تو التفات نہیں وہ نظر، وہ سخن، وہ بات نہیں
اشک جاری ہیں دیدۂ نم سے بات ظاہر ہے حالِ برہم سے
پوچھتا ہوں ہزار باعث کیں جز خموشی وہاں جواب نہیں
چیں بہ ابرو ہوئی سماجت سے سرگرانی بڑھی لجاجت سے
پھر کوئی ملنے کی طرح نہ ہوئی صلح اب کے کسی طرح نہ ہوئی
آج تک ہے وہ بات ذہن نشیں وہم طوفان اٹھانے کا ہے نہیں
ہے وہی خشم بے سبب اب تک وہی غصہ وہی، غضب اب تک
رشک جب باعثِ کدورت ہو پھر صفائی کی خاک صورت ہو
اس کو پروا نہیں میں مرتا ہوں چندے اور انتظار کرتا ہوں
بن ملے انتقام لوں گا میں بچ کسی اور سے ملوں گا میں
لطف پیر فلک نے کیوں نہ کیے عمر کیا تھی کہ ایسے داغ دیے
کیسی کیسی سیہ شبیں آئیں ایسی ایسی بلائیں دکھلائیں
دیکھیں آگے دکھائے کیا کیا دن ہے ابھی سترہ برس کا سن
"مومن" آ تو بھی اپنے نام پہ جا نام کو ان بتوں کے آگ لگا
چھوڑ بس الفتِ مجازی کو کر سلام ایسی عشق بازی کو
کب تلک حسرت وصالِ اناث کیا نہیں جانتا تو حالِ اناث
رنج و اندوہ بے نہایت کیوں حیلہ اندیش کی شکایت کیوں
کسی نے کی ہے یا نہیں تعلیم آیتِ "ان کیدکن عظیم"

(۲)

مثنوی دوم

"قصۂ غم" (۱۲۳۵ھ)

نام ایں چند نالۂ پیہم چو تاریخ گشت "قصۂ غم"

۱۲۳۵ھ

کج دار و مریز کب تلک یوں | بس جام میں بھر شرابِ گل گوں
پھر لب سے مرے اسے لگا دے | ساغر کئی متصل پلا دے
ساقی ہیں یہ روز ہائے گل گشت | ہے غیرتِ باغ ہر بر و دشت
اب دور فلک سے دل ہوا شاد | ہے نام "حمل" کا مہر آباد
ہیں جلوۂ نوبہار کے دن | بد مستی بادہ خوار کے دن
تزئین سمن کے ہیں یہ ایام | گل گشتِ چمن کے ہیں یہ ایام
کیا رنگِ چمن بہار پر ہے | عالم گل و لالہ زار پر ہے
آیا ہے نظر جو سرو بستاں | شمشاد کھڑا ہے سخت حیراں
اور دیکھ کے جلوہ ہائے شمشاد | پابندِ طرب ہے سرو آزاد
ہے وجد فزا نوائے بلبل | قربان ترانہ ہائے بلبل
دلکش ہے غضب صدائے قمری | کیا چیز ہے ہائے ہائے قمری
باندھے ہے ہوا نسیم کتنی | ہے روح فزا نسیم کتنی
کیا کیا ہی مچا رہا ہے دھوم ابر | آتا ہے مدام جھوم جھوم ابر
چل سوے چمن بہار دیکھیں | سیر گل و لالہ زار دیکھیں
بیٹھے لبِ آب جو پہ یک دم | پی جائیں سبو سبو پہ یک دم
شاید اسی طرح چین آئے | جی ٹھہرے کچھ اضطراب جائے
پائے دلِ بے قرار تسکیں | مسرور ذرا ہو جانِ غم گیں
ہو چارہ پذیرِ دردِ الفت | اڑ جائے جہاں سے گردِ کلفت
پامال کرے نہ یوں غمِ عشق | جینے دے عذاب ہر دمِ عشق
اس رنج و عذاب سے چھٹیں ہم | اس حالِ خراب سے چھٹیں ہم
خوناب کہاں تلک پیے دل | تڑپے ہے شراب کے لیے دل
گھر آتے ہیں جب سیاہ بادل | اور پڑتے ہیں بس نگاہ بادل
اُمڈے ہے وہیں سحابِ گریہ | پہنچے ہے فلک تک آبِ گریہ
چلتی ہے جو بادِ نوبہاری | دم بھرتی ہے جی کا بے قراری
جب دیکھے ہے سبزہ لہلہاتا | کیا کیا ہی یہ جی ہے تلملاتا
لالے کا خیال آئے ہے گر | پڑ جاتے ہیں تازہ داغ دل پر

گل برگ کہیں جو دیکھ پایا — خوناب دل آنکھ نے بہایا
یاد آگئی اک عذارِ گل رنگ — دل غنچے سے بیش تر ہوا تنگ
رنگینیِ بزم کا بندھا دھیان — جوں بوئے گل اڑ گئے بس اوسان
وہ کوچہ طلسم رشکِ گل زار — پھر جائے ہے پیشِ چشم یک بار
دیکھیں تو یہ فصل کیا دکھائے — کیا کیا یہ بہار گل کھلائے
آگاہ مآلِ کار سے ہو — واقف مرے حالِ زار سے ہو
ہے یہ ہی تو وقتِ دوست داری — ہے یہ ہی زمانِ غم گساری
اگلی سی ہے یعنی پھر ملامت — پھر ہوتی چلی ہے وہ ہی حالت
اب عشق ہوا ہے مہرباں پھر — بے تاب ہے جانِ ناتواں پھر
پھر دل کو طپش سی ہو رہی ہے — سینے میں خلش سی ہو رہی ہے
پھر پہنچے ہے اب پیام الم کا — پھر آنے لگا سلام غم کا
پھر داغِ کہن ہے تازہ و تر — پھر زخمِ جگر ہنسے ہے گل پر
پھر چشم ہے خوں فشان و خوں بار — پھر چہرہ بنا ہے زعفراں زار
پھر دیدۂ تر ہے وقفِ داماں — پھر ہاتھ ہے مائلِ گریباں
پھر آتے ہیں وہ ہی غش[1] سے ہیم — پھر ہے وہی بے خودی کا عالم
پھر ناوکِ درد دل شکن ہے — پھر سینے کا زخم خندہ زن ہے
پھر داغِ جنوں سے سر پہ ہے گل — پھر نالہ ہے ہم نوائے بلبل
پھر ہے وہی پیچ و تاب دل کو — پھر ہے وہی اضطراب دل کو
پھر ہے وہی سنگ اور وہی سر — پھر ہے وہی سروہی ہے پتھر
پھر ہم دم و ہم نفس ہوئی آہ — دم ساز ہے نالۂ سحر گاہ
گستاخ ہے آہ خوں چکاں پھر — منہ لگنے لگا ہے کچھ فغاں پھر
غم کرنے لگا ہے غم گساری — دیتی ہے قرار، بے قراری
پھر ہے سرِ سیرِ دشت سر میں — پھر خار سے چبھتے ہیں جگر میں
پھر کوچۂ یار کی ہوس ہے — پھر گھر مرے واسطے قفس ہے

۱- "غش سے ہیم" نسخہ مطبوعہ مطبع نول کشور ۱۹۳۱ء (ص ۲۸۹) میں اور نسخہ طبع اول اور طبع دوم (ص ۳۱۵، حاشیہ ط ۳۰۰) میں "غش ہیم" ہے۔ اس طرح غش کو تشدید شین سے موزوں کرنا ہوگا۔ مرتب

پھر آنکھوں سے خونِ دل بہے ہے ۔۔۔ پھر سینہ بھی گرم سا رہے ہے
پھر دل میں مرے لگی ہے آتش ۔۔۔ نالے سے برس رہی ہے آتش
پھر جھڑتے شرار ہیں سخن سے ۔۔۔ پھر اڑتے ہیں شعلے سے دہن سے
ڈرتا ہوں کہ دل کہیں نہ لگ جائے ۔۔۔ پھر اور نہ سر پہ کچھ بلا آئے
ایسے نہ پڑیں کسی کے پالے ۔۔۔ جو درد حسد سے مار ڈالے
ایسا نہ ہو ایسا بے وفا ہو ۔۔۔ جو رحم کو عیب جانتا ہو
میں چاہوں اسے، پہ وہ نہ چاہے ۔۔۔ میں اس سے، وہ اور سے نبا ہے
میں اس پہ مروں، مرے نہ پر وہ ۔۔۔ میں جان دوں اس پہ، اور پر وہ
اس سے مجھے عشق بے نہایت ۔۔۔ مجھ سے اسے ناز کی شکایت
ہجراں کا مجھے ملال ہر دم ۔۔۔ غیروں سے اسے وصال ہر دم
یاں چشم میں سرمہ خاکِ در سے ۔۔۔ جھانکے وہ عدو کو چاکِ در سے
یاں دل میں بھری امید دیدار ۔۔۔ واں دل پہ رقیب کے وہ رخسار
یاں چشم کو خواہشِ نظارہ ۔۔۔ واں غیر سے دم بہ دم اشارہ
اوروں سے وصال کی حکایات ۔۔۔ اور میری نہ پوچھے بھول کر بات
واں بزم میں راگ ہو رہا ہو ۔۔۔ یاں نالوں کا تار بندھ گیا ہو
وہ غیر کے ساتھ شب گزارے ۔۔۔ یاں نیند نہ آئے غم کے مارے
واں وسعتِ خواب گاہ گلزار ۔۔۔ یاں اپنے نصیب بسترِ خار
واں زانوے غیر تکیۂ سر ۔۔۔ یاں نیچے دھرا ہو سر کے پتھر
واں سوے رقیب عشوہ باری ۔۔۔ یاں جان کے ساتھ دل فگاری
واں بوالہوسوں سے وہ ہم آغوش ۔۔۔ یاں ہمدمِ نیشتر برو دوش
بوسوں کے عدو مزے اٹھائیں ۔۔۔ ہم جان سے تلخ کام جائیں
واں منہ میں زبانِ دشمن افسوس ۔۔۔ یاں حسرتِ لب گزیدن افسوس
واں وہ تو بہم طعام کھائیں ۔۔۔ ہم مفت کا غم مدام کھائیں
وہ مے کے سبو پیا کریں واں ۔۔۔ ہم دل کا لہو پیا کریں یاں
ان کو ہو سرور، ہم کو ہو غم ۔۔۔ ہو عید انہیں، ہمیں محرم
وہ چین سے کاٹے اپنی اوقات ۔۔۔ یاں دل کو ہو اضطراب دن رات

لگتا ہے ڈر ان ستم گروں سے — اولیٰ حذر ان ستم گروں سے
معشوق ہیں جتنے بے وفا ہیں — یہ ایک ہیں کس کے آشنا ہیں
ہیں اپنے یہ عاشقوں سے بد ظن — ہیں اپنے ہی دوستوں کے دشمن
عاشق کو جو پیچ و تاب پائیں — آرام سے زلف کو بنائیں
بے درد نہ دیکھیں حال اس کا — تو بھی نہ پڑے وبال اس کا
عشاق تو کھینچیں آہ پر دود — یہ کرتے ہیں چشم سرمہ آلود
دو چار قلق کے مارے نالے — عاشق کبھی لب سے گر نکالے
ہرگز نہ ادھر کو کان رکھیں — یہ گانے میں اپنا دھیان رکھیں
ہنس دیں جو ہو آشکار کوئی — راحت کہ ہے بے قرار کوئی
دشمن کو یہ دوست دار سمجھیں — بیگانہ وشوں کو یار سمجھیں
جو ان کو نہ چاہے اس کے چاہیں — ایسوں سے یہ بے وفا نباہیں
جو کوئی کرے علاج ان کا — اس سے رہے خوش مزاج ان کا
غم خوار کی اپنے جان کھالیں — جو جان دے اس کو مار ڈالیں
جو کھولے نہ دل، دل اس سے کھولیں — جو ان سے نہ بولے اس سے بولیں
جو بات کرے تو اس سے خاموش — جو یاد رکھے وہ ہو فراموش
جو ان کو بھلائے یاد رکھیں — ناشاد رکھے تو بھی شاد رکھیں
جو ان کے وصال سے ہو مسرور — اس سے کہیں دم کہ چل دور
جس کو نہ ہو حسرتِ ملاقات — آنکھوں ہی میں رکھیں اس کو دن رات
جو کوئی کہ مائلِ وفا ہو — بے چارہ رہینِ صد جفا ہو
اور جس کو نہ ہو غمِ جدائی — اس سے نہ کریں یہ بے وفائی
ہوں کشتۂ خوں گرفتہ سے شاد — معشوق نہیں ہیں، ہیں یہ جلاد
جو کوئی کہ ان کے پیچھے مر جائے — ان پر سے نثار جان کر جائے
وہ عشق میں ان کے جان دے ہائے — دوزخ کا عذاب سر پہ لے ہائے
ہنگام پسیں نہ آ پھریں پاس — کیا عذر بجا ہے جائے وسواس
یہ مرنے سے اس کے دل خوش و شاد — فریاد یہ، کیا ستم ہے، فریاد
حسرت سے نہ ہاتھ کو ملیں یہ — تابوت کے ساتھ نے چلیں یہ

تا حسرتِ دل نہ کچھ کہے وہ
محروم اسی طرح رہے وہ

دو اشک نہ آنکھ سے بہائیں
چہلم میں سوم میں یہ نہ آئیں

پیٹیں نہ اسے یہ کھول کر بال
روئیں نہ یہ منہ پہ دھر کے رومال

ہوویں نہ شریکِ محفلِ غم
دیکھیں نہ بہارِ نخلِ ماتم

کچھ غم نہ کریں یہ لوگ اس کا
دو دن بھی رکھیں نہ سوگ اس کا

لب وقفِ مسی ہو، پان کھائیں
آج آپ کو اور بھی بنائیں

آلودہ حنا سے دست و پا ہوں
اغیار نہ دل میں تا خفا ہوں

خاطر ہو عدو کی ہائے منظور
ہر روز سے ہوں زیادہ مسرور

اور اس کا نہ ہو خیال ہر گز
محزوں نہ کرے ملال ہر گز

افسوس وہ نامراد، ناشاد
اک روز نہ آئے بھول کر یاد

سچ ہے کہ یہ ایک بے وفا ہیں
ہیں جتنے حسیں بری بلا ہیں

میں حال کو ان کے جانتا ہوں
افعال کو ان کے جانتا ہوں

اللہ مجھے بچائے ان سے
ہر گز نہ خدا ملائے ان سے

لے شوق سے جان گر ہو درکار
پر مجھ کو نہ دے یہ رنج و آزار

ہر آن ہے مرگِ ناگہانی
قربان اجل یہ زندگانی

دوزخ کے عذاب سب قبول آہ
لیکن نہیں تابِ سوزِ جاں کاہ

یہ شعلہ وہ ہے جو سر اٹھائے
اجزائے جحیم بھی جلائے

یہ داغ وہ آتشِ جہاں سوز
اک جس کا شرار آسماں سوز

یہ عشق ہے رنجِ جاودانی
ممکن ہی نہیں نجات پانی

گو آپ کہیں نہیں دیا دل
پر دیکھے ہیں عاشقانِ کامل

گر سنیے تو کچھ بیاں کروں میں
اک رازِ نہاں عیاں کروں میں

ہیں چند فغانِ عاشقانہ
آلودۂ درد ہے فسانہ

ہے قصۂ دوستانِ صادق
نازِ صنم و نیازِ عاشق

کیا حال عجیب و دل نشیں ہے
افسانۂ درد آفریں ہے

آغازِ داستان

اس شہر میں ایک نوجواں تھا — عشاق میں شہرۂ جہاں تھا
تھا نام تو "مومن" اور دیں کفر — جاں محوِ بتان و دل نشیں کفر
رسوائے زمان و تیرہ ایام — آوارہ و ہرزہ گرد و بدنام
دل بستۂ دام، تار زنار — جاروب کشِ دکانِ خمار
ہر لحظہ سیاہ مست کافر — تھا ایک ہی بت پرست کافر
ربط اس کو بتانِ نازنیں سے — دنیا سے نہ کام کچھ، نہ دیں سے
آشفتۂ کاکلِ پریشاں — انداز پرست کفر کیشاں
خونابہ فشاں کبھو نہ دیکھا — ہر سو نگراں کبھو نہ دیکھا
وقفِ غم و درد گہ نہ پایا — گرمِ دمِ سرد گہ نہ پایا
مدہوشِ شرابِ نوجوانی — سرشارِ نشاط و شادمانی
آرام و طرب میں صرف اوقات — مشغولِ سرور و عیش دن رات
ہر دم اسے شاد شاد دیکھا — سرمستِ مئے مراد دیکھا
وہ طبع کبھی غمیں نہ دیکھی — بھولے سے جبیں پہ چیں نہ دیکھی
جوں غنچہ سدا کھلے ہی جاتا — ہر وقت، ہر آن مسکراتا
جوں شیشۂ سیر، قلقلِ مے — صد خندہ و قہقہہ پیاپے
دیوانوں سے شوق بے نہایت — اشعار کا ذوق بے نہایت
نسخِ سخن پہ طبع مائل — علمِ شعرا میں فردِ کامل
بے بذلہ بنی نہ بات کوئی — ختم اس پہ ہوئی لطیفہ گوئی
مل چلنے کی ہر کسو سے تھی خو — تھا یار غرض جہاں میں تھا جو
ہر پیر و جواں سے آشنائی — سارے ہی جہاں سے آشنائی
اور مجھ سے تو اختلاط بے حد — یارانہ و ارتباط بے حد
ہم دم وہ مرا میں اس کا دم ساز — وہ میرا، میں اس کا محرمِ راز
دو یک دل و یک زبان گویا — دو قالب و ایک جان گویا
پیمان نباہ کے بہم تھے — سو عہد وفا کے دم بہ دم تھے
تھی "لحمکِ لحمی" حد سے افزوں — اللہ رے جوشِ گرمیِ خوں

دور آنکھ سے اک ذرا نہ ہوتا — بھولے سے کبھی جدا نہ ہوتا
جوں ناز و نیاز دونوں باہم — جوں معنی و لفظ دونوں توام
ناگاہ کسی سے دل لگایا — اک رشکِ پری سے دل لگایا
آنکھ آفتِ جان سے لڑائی — اک ترچھی نگہ کی برچھی کھائی
اک بت کا ہوا وہ آستاں بوس — مومن سے بنا برہمن افسوس
کی دوستی ایسے بے وفا سے — بیگانہ رہے جو آشنا سے
یار اپنے ہی گوں کے ایک عیار — حیالہ و دل فریب ومکار
باتوں سے تو جتے کیا محبت — اور دل میں نہ ہو ذرا محبت
دیکھی جو ادھر سے یوں لگاوٹ — سمجھا نہ کہ سب یہ ہے بناوٹ
الفت ہے کہاں، کہاں ہے یاری — باتیں یہ فریب کی ہیں ساری
ہیں سب یہ فریب دینے کے رنگ — ہیں دام میں اپنے لینے کے ڈھنگ
ہے اتنی جو گرمیِ ملاقات — ہے اول عشق کی مدارت
آخر ہے وہی غمِ جدائی — وہ ہی گلہ ہائے بے وفائی
آغاز میں پائے جو یہ آرام — سوچا نہ کہ کیا ہے اس کا انجام
سمجھا کہ سدا نبھے گی یوں ہی — یہ مہر و وفا نبھے گی یوں ہی
اب رنج محال مرتے مرتے — ہے عیش و وصال مرتے مرتے
سننے کے نہیں کبھی یہ دل سوز — افسانہ طرازیِ بدآموز
یاں غیر نہ آسکے گا زنہار — ہر ایک سے اس کو کیا سروکار
کٹ جائے گی یوں ہے زندگانی — اب مجھ کو ہے عیش جاودانی
یہ مشغلہ ہر زماں رہے گا — ایسا ہے بس آسماں رہے گا
چند ایسے خیال خام میں وہ — آتے ہی بس آیا دام میں وہ
رہنے لگا بے حواس اکثر — جانے لگا اس کے پاس اکثر
دیکھے جو ادھر سر طور الفت — سمجھا ہے اسے مری محبت
جب ہو گیا مرتبہ یقیں کا — پس پھر تو یہ ہو رہا وہیں کا
پایا جو ذرا وہاں ٹھکانا — سب جائے گا چھوڑا آنا جانا
ہم سے بھی رہی نہ پھر تو وہ بات — یک مرتبہ ترک کی ملاقات

کی ہم نے بہت تلاش اس کی پر پائی نہ بود و باش اس کی
دیکھا نہ کہیں نشان اس کا ہر گز نہ ملا مکان اس کا
ہر چند تلاش کو بہ کو کی ہر عیش کدے میں جستجو کی
لیکن کہیں کچھ اثر نہ پایا بے دید کہیں نظر نہ آیا
اس سے نہ ملے کئی برس ہم ملنے کو گئے ترس ترس ہم
اک روز ہوائے روح افزا دم جس کا بھرے، دمِ مسیحا
جنبش دہِ دست و پائے تصویر تن پرور و جاں فزائے تصویر
تکلیف کنِ سیاہ مستی مفتیِ طریق مے پرستی
برباد دہ نشانِ توبہ رخنہ گرِ خانمانِ توبہ
زاہد کی جو وہ ہوا ہو قسمت کاہے کو رہے ہوائے جنت
اور اس پہ وفورِ ابر و باراں ہنگامۂ عید بادہ خواراں
ابر و گل و سبزہ سب طرب ریز افلاک و زمیں، سرور انگیز
بس دیکھ کے اس گھڑی کا عالم اپنے نہ تھے اختیار میں ہم
کھینچا ہی ہوا نے دامنِ دل بھڑکی جب شوق گلخنِ دل
جی چاہا کہ سیر دشت کیجے ہے ابر شرابِ ناب پیجے
دل میں ہوئے اپنے جائے صحرا زنجیر بنی ہوائے صحرا
آخر ہوئے مضطرب شتاباں لے ہی گئی الفتِ بیاباں
دیکھیں تو کچھ اور ہی ہے عالم صحرا بھی نہیں بہشت سے کم
رخسارِ زمیں پہ سبزہ ہر سو ریحان خطِ عذارِ گل رو
از بس کے ہے سبزہ جلوہ آرا ہے خاک طلسم چرخ خضرا
یوں سبز گیاہ جاں فزا ہے گویا خطِ یار دل ربا ہے
کیا یوں جو ہے جوشِ سبزہ بے حد ہر جائے ہے معدنِ زمرد
خود رو گلِ دشت کیسے کیسے شاید کہ بہشت میں ہوں ایسے
ہر رنگ کے گل جو ہیں نمودار صحرا کی زمیں ہے صحنِ گل زار
ہے سرخ تو رشکِ لالہ و گل ہم رنگ سرشکِ خونِ بلبل
جامِ مئے لالہ گوں سے فائق داغ آتش جلوۂ شقائق

ہے کوئی اگر سیاہی مائل — سو دیدۂ اہلِ حسن کا تل
ہے زرد تو نورِ چشمِ گلزار — یا جلوۂ حسنِ عاشقِ زار
اور ہے جو سپید تو وہ دل خواہ — جیسی شبِ ہجر کی سحر گاہ
ہم جلوۂ دلبرِ سمن فام — جاں سوز نجوم آب اندام
ان پھولوں سے ہے زمیں جو رنگیں — صحرا ہے نگار خانۂ چیں
شرما کے ہے بید سے نگوں سر — فوارۂ آب "حوضِ کوثر"
گر دشت نہیں ہے غیرتِ باغ — ہے لالے کے دل میں کس لیے داغ
سنبل کو یہ پیچ و تاب کیوں ہے — احوالِ چمن خراب کیوں ہے
ہنگامۂ سیر کس قدر گرم — گل گشت میں شیخ شہر سرگرم
اس وقت کہ لطفِ آسماں تھا — ہم پر یہ سپہر مہرباں تھا
میں محو تجلیِ تماشا — ہر سمت روانہ بے تحاشا
تھے مائلِ عیش و شادمانی — دم دیتی تھی ہم پہ زندگانی
قسمت نے وہاں بھی غم دیا ہائے — یہ بختِ زبوں نے کیا کیا ہائے
اک اور ہی تازہ گل کھلایا — یعنی وہ جوان یاد آیا
تھا آب جو زیرِ کاہ پنہاں — غم عین سرور میں ہوا واں
تھی سیر کہاں کی کیا تماشا — کچھ اور ہی پھر تو تھا تماشا
وہ سبزہ کہ باعثِ طرب تھا — وہ گل کہ نشاط کا سبب تھا
وہ ہی مرے حق میں سم ہوا پھر — وہ ہی سبب الم ہوا پھر
تھی برق جو موجبِ تبسم — اور موجۂ ابر کا تلاطم
ہے ہے پھر اسی نے جی جلایا — ہے ہے پھر اسی نے خوں رلایا
طغیانِ سرشکِ چشمِ گریاں — غارت گرِ خانمانِ[1] طوفاں
تالیدنِ رعد آہ و زاری — آتش وہ برق بے قراری
تھے ہم جو گئے بنے تماشا — سو آپ ہی بن گئے تماشا
القصہ بہ تنگ آ گیا دل — ہر گز نہ کسی طرح لگا دل
روتے ہوئے ہم چلے وہاں سے — دو چار قدم چلے وہاں سے

۱۔ نسخۂ اول اور دوم (صفحہ ۳۲۳، ۲۰۶) میں "خانماں طوفان" اور نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۲۹۷) میں "خانماں تھا طوفان" ہے (مرتب)

بے طرح قلق نصیب جاں تھا — گھر آنے کا ہوش پھر کہاں تھا
بے تاب ہو بے خبر چلے آہ — لی جوشِ جنوں میں اور ہی راہ
گم راہی ہر ایک گام پر تھی — گم راہی تھی کاہے کو خضر تھی
دیکھو تو یہ بخت کی رسائی — گم راہی نے کی یہ رہ نمائی[1]
یعنی اسی حالتِ قلق میں — وارد ہوئے دشتِ لق و دق میں
کیا دشت کہ رشکِ دشتِ مجنوں — جس سے کہ ہو کربلا کا دل خوں
لب ریزِ بہارِ صد جنوں تھا — ہر سنگ وہاں کا بے ستوں تھا
ہر نخل بہ حال صاحبِ دق — ہر موجۂ باد آہِ عاشق
ہر نغمۂ طائرانِ صحرا — جوں نالہ[2] قیس وحشت افزا
ہر برگِ درخت چہرۂ زرد — ہر چشمہ[3] طلسم چشم پر درد
اک شخص بہت خراب و خستہ — چہرے پہ غبارِ غم نشستہ
بیٹھا تھا وہ جانشینِ مجنوں — حیران و ملول و خوار و محزوں
کیا تن تہِ خاک، اللہ اللہ — کیا صورتِ پاک، اللہ اللہ
یہ جلوۂ حسنِ ناتوانی — زیبا اسے لافِ لن ترانی
تشریح کا صفحہ وہ تنِ زار — ہر ہر رگ و پے غرض نمودار
کیا جسم سے نورِ عشق تاباں — مسجودِ[4] سرآمدِ خراباں
لٹکے ہوئے سر سے بال اُس کے — تھے ضعف سے کیا وبال اس کے
کرتے تھے بیاں وہ خم بہ خم بال — سب جان کے پیچ و تاب کا حال
وہ موے سیہ شبِ جدائی — ہاں! ہجر کی رات سر پہ آئی
وہ بال کہ زیب بخشِ سر تھے — آلودۂ خاک اس قدر تھے
بس یک سرِ مو کو جھاڑیے گر — پیدا ہو وہیں زمینِ دیگر
سر پر گلِ داغ یوں نمودار — جوں لالہ ہو زیب بخشِ دستار

۱- "یہ" نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۲۹۸) میں اور "بے" نسخۂ طبع اول اور دوم (۲۰۶،۳۲۳) میں۔ (مرتب)
۲- "نالہ" نسخۂ طبع اول اور دوم میں۔ "نامہ" طبع ششم (صفحہ ۲۹۸) میں (مرتب)
۳- "چشمہ" نسخۂ طبع اول اور دوم میں۔ "چشم" طبع ششم (صفحہ ۲۹۸)۔ میں (مرتب)
۴- "مسجود و سرامد خرابایاں" طبع ششم (صفحہ ۲۹۸) میں اور نسخۂ طبع اول و دوم (صفحہ ۳۲۳، حاشیہ صفحہ ۲۰۶) میں "مسجود سرامد خراماں" ہے۔ (مرتب)

سب حال جبیں کی چیں سے ظاہر
قسمت کا لکھا جبیں سے ظاہر

حیران سا چہرہ آئنہ وار
منہ زرد بہ رنگِ زعفراں زار

دورِ دل و متہم بہ گیسو
ناخن کی خراش و نام ابرو

آنکھیں سبب سر شکِ گل گوں
جوں جامِ سرِ شہید پر خوں

مژگان، موے سرِ شہیداں
یا خار کہ دل میں تھے وہ پنہاں

اب آنکھوں میں اشکِ جو بھر آئے
وہ گریے کے ساتھ باہر آئے

ظاہر رخِ مردمک سے ہے غم
ہے ان کو مگر کسی کا ماتم

ہیں ورنہ سیاہ پیرہن کیوں
ہیں دست مژہ سے سینہ زن کیوں

پر غم ہے تو ان کو کس کا ہے غم
ماتم ہے تو کس کا ہے یہ ماتم

جاری ہے جو متصل سدا خوں
شاید دلِ زار کا ہوا خوں

بے وجہ کہاں یہ ماجرا ہے
یوں بھی یہ قلق کہیں ہوا ہے

ہے کچھ تو کہ ہے کچھ اور ہی طور
کچھ تو ہے کہ ہے نظر ہی کچھ اور

اللہ ری نگاہِ حسرت آلود
دل خوں کن آہ حسرت آلود

اندازِ نگاہِ چشم حیراں
جوں طرۂ خم بہ خم پریشاں

وہ کان کہ دو جلاجلِ غم
وہ کان کہ برگِ نخلِ ماتم

لختِ دلِ چاک گوشوارہ
"صد برگ" عذار پارہ پارہ

بینی تھی کہ شمعِ بزمِ ماتم
لب یا مہِ غرۂ[1] محرم

سبزہ سرِ پشتِ لب نمایاں
جوں سبزۂ تربتِ شہیداں

اک داغ سیاہ خال سا تھا
یہ لطفِ فغان شعلہ زا تھا

آہوں سے جو ٹپکے متصل خوں
لب ہو رہے لالہ و گل گوں

سرگرم فغاں وہاں کہاں تھا
سوراخ نے گلو وہاں تھا

دنداں تھے وہ وقف لب بہ صدیاس
یا زخم میں ریزہ ہاے الماس

خنجر تھا الٰہی یا زباں تھی
خنجر سے زیادہ تر رواں تھی

تھی یا کوئی تیغ آتشیں دم
یا شعلۂ آتشِ جہنم

۱- "غرہ" طبع اول (صفحہ ۳۲۷) "غرۂ" طبع دوم و ششم (صفحہ ۲۰۷، ۲۹) میں- (مرتب)

تھا سیب ذقن تو سیب تھا وو　　　جو سوکھ کے زرد ہو گیا ہو
گردن کہ مئے الم کا مینا　　　تھی جس میں لہو کی گھونٹ صہبا
کیا دستِ خفا گلوے چسپاں　　　عریانی کے جامے کا گریباں
امیدِ بغل[۱] وصالِ جاناں　　　آغوش کشادہ ، چشم حیراں
داغ اس کے زبس مثالِ گل تھے　　　تھے ہاتھ کہاں، نہالِ گل تھے
پونچھے تھے جو اشکِ چشمِ پُر خوں　　　جوں دستِ نگار، پنجۂ گل گوں
اس سوختہ دل کا تھا وہ پنجہ　　　یا نخلِ چنار کا وہ پنجہ
کیا دولتِ سوزشِ دروں گرم　　　ہاں پنجۂ مہر سے فزوں گرم
زخموں سے جو خونِ دل ہے جاری　　　تھمتا نہیں متصل ہے جاری
ہر زخم سے کیا بہارِ خوں ہے　　　سینہ نہیں آب شارِ خوں ہے
سینے میں زبس نہاں ہے آتش　　　یہ بال نہیں دھواں ہے سرکش
کاہش سے یہ حالتِ تنِ زار　　　پہلو کے سب استخواں نمودار
ہے فرق جو استخواں میں باہم　　　تشبیہ بتائیں اس کی کیا ہم
ہے قید میں مرغِ جانِ غم ناک　　　پہلو ہے قفس ، یہ اس کے ہیں چاک
تھی پشت خمیدہ یا کماں تھی　　　تھا تیر کہ آہِ خوں چکاں تھی
دل سینے میں تھا زبس کہ مضطر　　　رعشے کا سا تھا خلل بدن پر
اس دل کو کہوں میں کیوں کہ سیماب　　　سیماب کہاں ہے ایسا بے تاب
ہاں کہیے تو مرغِ نیم بسمل　　　پر اس کا کہاں یہ مضطرب دل
وہ جوشِ قلق پہ اپنے گر آئے　　　دو چار گز آپ شاید اڑ جائے
اس کی تپش اک جہاں ہلا دے　　　ہر زلزلہ آسماں ہلا دے
غرض تھا یہ جسم کس ادا سے　　　پڑتے تھے کمر میں بل ہوا سے
پیشانی چیں نما کمر تھی　　　تھی زلف کسی کی یا کمر تھی
ناف کہ بحرِ غم کا گرداب　　　وہ ناف کہ چشمِ جانِ بے تاب

۱؎ "بغل" نسخۂ اول و دوم (صفحہ ۳۲۶، حاشیہ صفحہ ۲۰۷) میں "اجل" نسخۂ ششم (صفحہ ۳۰۰)۔ مرتب

یوں دیدۂ جاں سدا جو وا ہے ۔۔۔ کیا راہ اجل کی دیکھتا ہے
کہتا ہے حجاب چپ ہی رہنا ۔۔۔ یہ حرف نہ[1] گفتنی نہ کہنا
پھرتی نہیں کام میں زباں کچھ ۔۔۔ ہے مہر دہن حجاب یاں کچھ
چپ خامشی کی یہ جا ہے مومن ۔۔۔ انگشت بہ لب حیا ہے مومن
سربازیوں کا جو دل میں ہے دھیان ۔۔۔ ہے زانو و فرق، گوے و چوگاں
یہ ساق کا حال ضعف سے ہے ۔۔۔ ہے سلسلۂ گراں رگ و پے
صحرا کے چبھے جو پاؤں میں خار ۔۔۔ اور پشت سے پھر[2] ہوے نمودار
یہ حال یہ رنگ پشت و پا کا ۔۔۔ جیسے کہ ہو خارِ پشتِ صحرا
پاؤں کے جو پھوٹے خام چھالے ۔۔۔ اور اس سے بہے لہو کے نالے
اور اس سے جو پاؤں تر ہوا ہے ۔۔۔ عالم عجب اک بہار کا ہے
جیسے کہ حنائی یار کا پاؤں ۔۔۔ خوش رنگ کسی نگار کا پاؤں
یہ حالتِ قامتِ خمیدہ ۔۔۔ جیسے شجرِ خزاں رسیدہ
وہ قامتِ خم، الم فزا یوں ۔۔۔ جوں بید سرِ مزارِ مجنوں
دیکھا جو نگاہ غور سے خوب ۔۔۔ واللہ وہی جوان مطلوب
پر اور ہی طور ہو گیا کچھ ۔۔۔ تھا اور کچھ ہو گیا کچھ
نے ہوش نہ آشنا شناسی ۔۔۔ نسیان جنوں سے بے حواسی
جوں ابر نہایت اشک باری ۔۔۔ جوں[3] رعد بہ شدت آہ و زاری
ہر آہ کہ لب پہ ہے شرر ریز ۔۔۔ دیپک کا ہے نغمۂ جنوں خیز
جو نالہ کہ زحمتِ زباں ہے ۔۔۔ جوں نوحۂ مرگ نوجواں ہے
القصہ سنا جو کانِ دہر کے ۔۔۔ سمجھے جو بہت خیال کر کے
نالہ نہیں، حرف درد و غم ہے ۔۔۔ افسانۂ الفتِ صنم ہے
ایامِ گزشتہ کا بیاں ہے ۔۔۔ مذکور محبتِ بتاں ہے

۱- نسخۂ نول کشور طبع ۱۸۷۶ء (صفحہ ۲۰۸) میں "نہ" نہیں، طباعت کی غلطی ہے۔ (مرتب)

۲- ہوے پھر؟ (مرتب)

۳- نسخۂ نول کشور طبع ششم ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۰۱) میں "چوں" ہے۔

ہے دردِ زباں غمِ نہانی ہے حالتِ دل کی قصہ خوانی
یعنی ہے زبس تصورِ یار ہے یار سے یوں وہ گرم گفتار
اے طعنہ زنِ فسوں نگاہاں اے موجدِ قتلِ بے گناہاں
اے غارتِ جان و جانِ مومن اے آفتِ خانمانِ مومن
اے دل بر و دل ربائے دل دار اے کافرِ بے وفائے عیار
اے محرم و محرمِ تمنا اے ہم دم و ہم دمِ مسیحا
اے مہرِ عروج کج ادائی اے ماہِ بروجِ بے وفائی
اے نقش و نگارِ مسکنِ حسن اے تازہ بہارِ گلشنِ حسن
اے نورِ بوستانِ خوبی تجھ پر سے نثار جانِ خوبی
اے جادوے پُر فن و فسوں ساز بازی دہ عاشقانِ جاں باز
اے باعثِ قطعِ دستِ موسیٰ اے غیرتِ دل برِ "زلیخا"
اے داروے دردِ بے قراراں اے مرہمِ زخمِ دل فگاراں
اے موجبِ آہ و زاریِ دل اے باعثِ بے قراریِ دل
اے حوصلہ سوز، چارہ سازاں آتش زنِ آرزو گدازاں
کب تک یہ ستم کے طور ظالم کب تک یہ جفا و جور ظالم
کب تک یہ ستم گری کا شیوہ کچھ عیب ہے دل بری کا شیوہ
کیوں بھاتے ہیں اتنے جور تجھ کو آتا نہیں کیا کچھ اور تجھ کو
کیوں رنج پسند غم کشوں کا کیا یہ ہی ہنر ہے مہ وشوں کا
یا ہے ترے زعم میں وفا عیب ہے بھی تو سنیں[1] ہے اس میں کیا عیب
کیا تو ہی جہاں میں مہ جبیں ہے آخر کوئی اور بھی حسیں ہے
ہیں اور بھی لوگ واقفِ ناز اوروں میں بھی ہیں ترے سے انداز
رکھتے ہیں جہاں میں اور بھی آن اوروں پہ بھی لوگ دیتے ہیں جان

---

[1] "سنیں" طبع اول (صفحہ ۳۲۹) اور نسخہ نول کشور ۱۸۷۶ء حاشیہ (صفحہ ۲۰۹) میں۔ طبع ششم ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۰۲) میں "نہیں" (مرتب)

مرتے نہیں تم پہ کچھ کبھی تو	عشاق ہیں آخر ان کے بھی تو
تم سا نہیں کوئی شوخ جلاد	کرتا نہیں کوئی ایسی بے داد
یہ تم نے نئی طرح نکالی	معشوق ہے آپ کی نرالی
ہر ناز و ادا ستم گری ہے	عاشق کشی آہ دل بری ہے
جو جو کہ ستم کیے ہیں تم نے	جو داغ مجھے دیے ہیں تم نے
جو تم نے بنائی میرے جی پر	یہ ظلم کوئی کرے کسی پر
در پیش یہی ہو گر سبھی کو	چاہے کوئی کاہے کو کسی کو
دیکھو تو نگاہ غور سے خوب	لیلیٰ بھی تو تھی کسی کی محبوب
مجنوں سے تھے کیا سلوک اس کے	ایسے ہی تھے یا سلوک اس کے
شیریں کہ وہ موجبِ جفا ہے	مشہور جہاں میں بے وفا ہے
وہ بھی تو نہ تھی ستم گر ایسی	پہنچی سرِ کوہ کن پہ کیسی
شیون کیے بعدِ مرگ کیا کیا	پر کیا کرے، چارۂ قضا کیا
سب کرتے ہیں پاسِ یارِ صادق	ہوتا ہے سبھی کو دردِ عاشق
ہوتی ہے جو گرمِ نالہ بلبل	کر ڈالتے ہے چاک پیرہن گل
ہے سرو کے دل میں جائے قمری	سر رکھے ہے زیرِ پائے قمری
پروانہ جو دے ہے شمع پہ جان	ہوتا ہے نثارِ شمع ہر آن
وہ بھی تو نہیں وفا میں کچھ کم	بن جائے ہے آپ نخلِ ماتم
جل جائے ہے سر سے لے قدم تک	روتی ہی رہے ہے مرتے دم تک
کتاں کا ہے چاک پیرہن گر	ہے داغ کلف، دلِ قمر پر
اک تم ہو کہ ہے یہ حال میرا	اور تم کو نہیں خیال میرا
پر تم بھی تو ہو گئے اب ایسے	تھے پہلے تو لطف کیسے کیسے
یہ ظلم تھے کب، کہاں ستم تھے	کیا کیا مرے حال پر کرم تھے
تھی حد سے زیادہ مہربانی	اظہارِ محبتِ نہانی
مجھ بن نہ کبھو طعام کھانا	ہم راہ ہی بس مدام کھانا
ہر رات کو میرے ساتھ سونا	اک لحظہ کبھی جدا نہ ہونا
سم تھا تمھیں مے کا جام مجھ بن	مے جانتے تھے حرام مجھ بن

تھے لطف و کرم بھی ہمیشہ دل داری و دل دہی ہمیشہ
بس دیکھ کے مسکرا ہی دینا الفت کو جتا کے جی ہی لینا
دزدیدہ کبھی نگاہ کرتے دل میں اسی طرح راہ کرتے
وہ بن مرے بے قرار ہوتا وہ بن مرے زار زار روتا
وہ میرے بغیر اداس رہنا وہ بے خود و بے حواس رہنا
ہم چشمن جبیں سے آشکارا اک دم بھی فراق ناگوارا
گر کوئی گھڑی کی لگ گئی دیر یہ فکر کہ کس لیے ہوئی دیر
بے فائدہ بے قرار رہنا وسواس سے دل ہی دل میں کہنا
کیا دیر کا یا خدا سبب ہے کیوں آئے نہیں وہ کیا سبب ہے
گھر کو نہ مرے تباہ کرنا بے کس کی طرف نگاہ کرنا
جو تیری رضا ہو خیر الہٰی میں جی چکی اس بغیر الہٰی
وہ دیدۂ منتظر سوے در یا حلقۂ در وہ دیدۂ تر
بے تاب وہ گشتِ صحن خانہ ساری حرکاتِ وحشیانہ
بے طاقتیوں کا زور جاں پر "یا قادر" و "یا قوی" زباں پر
میں آیا جو، تن میں جان آئی دیکھا تو نظر میں آن آئی
کس لطف سے منہ کو دیکھ رہنا کس ناز سے غصے ہو کے کہنا
کیوں دیر لگی تمھیں، کہاں تھے جاؤ وہیں، اب تلک جہاں تھے
تشریف جلد لائے یاں کاہے کو اب بھی آپ آئے
اب اور طرف ہے دل تمھارا آتا ہے یہاں کا ناگوارا
لگتا نہیں اب یہاں ذرا جی بے زار یہاں سے ہو گیا جی
اب میری نہیں ہے راہ دل میں ہے اور کسی کی چاہ دل میں
اب کاہے کو ہے وہ اگلی سی بات یا رہتے تھے میرے پاس دن رات
یاد[1] آنے لگے مجھے تم ویسے نہیں مجھ سے اب رہے تم
ہے یاد وہ رات دن کی صحبت آپس کی وہ الفت و محبت
پہروں ہی گلے سے لپٹے رہنا یہ رنج نزاکتوں پہ سہنا

ا- نسخہ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۹۳۱ء (صفحہ ۳۰۵) میں "یاد" غلط ہے۔ (مرتب)

لب سے مرے لب ملائے رکھنا | بازو سے وہ سر اٹھائے رکھنا
وہ سینے پہ لیٹ کے ستانا | مطلب کے سخن پہ روٹھ جانا
وہ صلح اِدھر، اُدھر لڑائی | وہ ں ہے خفگی، وہیں صفائی
وہ منہ میں زباں کی لذتیں ہائے | ظاہر حرکت سے رغبتیں ہائے
اپنا جو ہوا کچھ اور ارادہ | جی چاہا کچھ اس سے بھی زیادہ
پھر کیا ہے ادا سے کج ادائی | کس ناز سے کرنی[۲] ہاتھا پائی
وہ ہاتھ کو رکھ کے جوشِ انکار | (۳)-------------------
وہ ہاتھ کو دم بہ دم جھٹکنا | وہ تکیے پہ سر کو دے پٹکنا
آہستہ لگانی آہ لاتیں | حیلے کی وہ کیسی کیسی باتیں
وہ ہاتھ کو زور سے چھڑانا | وہ ہو کے پتنگ کاٹ کھانا
ہر جائے کی چٹکیاں وہ لینی | آزردہ ہو، گالیاں وہ دینی
وہ نیچے پڑے ہی تلملانا | قابو سے تڑپ کے نکلے جانا
وہ جی سے پتنگ ہونے لگنا | کچھ بس نہ چلا تو رونے لگنا
وہ چیں بہ جبین ہو کے کہنا | کن بے کسیوں سے رو کے کہنا
ہے تم کو تو یہ ہی شغل دن رات | اچھی نہیں لگتی مجھ کو یہ بات
بھرتا ہی نہیں ہے جی ترا بس | کرتا ہی نہیں ہے تو کبھی بس
اتنا تو نہ چاہیے ستانا | ہر شام سے صبح تک جگانا
اس ظلم کا کچھ ٹھکانا بھی ہے | آخر کسی اور کے بھی جی ہے
یہ ظلم اٹھائے کوئی کب تک | آ پہنچی ہے اب تو جان لب تک
کیا جان ہی لینے کی ہے جی میں | ہے فائدہ کچھ تمھیں اسی میں
منظور یہی ہے گو تو کہہ دہ | گر جان ہی لیتی ہے تو لے لو
ہاں ہاں! تری بات اب میں سمجھی | ہے بات یہی قسم خدا کی

۲- نسخہ طبع اول (ص ۳۳۲) اور نول کشور کانپور ۱۸۷۶ء (صفحہ ۲۱۱ میں "کرتے" اور نسخہ طبع ششم (صفحہ ۳۰۵) میں "کوئی" ہے۔ (مرتب)
۳- مصرع ثانی ذوق سلیم پہ گراں گزرتا تھا۔ اس لیے حذف کردیا گیا۔ (مرتب)

چاہے ہے تو یہ کہ اس کو موت آئے
مر جائے یہ اور مری بلا جائے
پھر اور کسی سے دل لگاؤں
آنکھ اور ہی شوخ سے لڑاؤں
ہیں کیا ہی سلوک عاشقانہ
یہ رہ گئی الفتِ زمانہ
بے رحم تو اب تو مجھ کو دے چھوڑ
بس چھوڑ، خدا کے واسطے چھوڑ
اتنا نہ ستا کہ جی ہی جائے
فرصت دے کہ جان میں جاں آئے
بے زاری میں اس کا لطف کیا ہے
آ سو رہیں وقت خواب کا ہے
ہے یاد وہ دوستی کا عالم
وہ شوخی و دل بری کا عالم
کس لطف سے چھیڑتی ستاتی
گد گدیوں سے خوب سا ہنساتی
ہو جاتا میں ہنستے ہنستے بے دم
آتیں[1] مجھے ہچکیاں پے[2] ہم
کہتی کسی نے تمھیں کیا یاد
آتیں نہیں ہچکیاں سوا یاد
ہاں کس نے کیا ہے یاد بولو
ہے کون تم اس کا نام تو لو
لاتا گل و عطر میں کبھی گر
فرماتی یہ مجھ سے مسکرا کر
یہ گل تو عمل کیا ہوا ہے
یہ عطر فسوں پڑھا ہوا ہے
یہ سونگھوں نہ میں نہ یہ لگاؤں
ممکن نہیں تیرے دم میں آؤں
کہ دیکھتی تھی مجھے غمیں گر
پاتی تھی کبھی جو چیں جبیں پر
کہتی تھی کہ آج خیر تو ہے
کیسا ہے مزاج خیر تو ہے
کس واسطے کچھ اداس سے ہو
کس سوچ میں بے حواس سے ہو
کیا کس سے ہوا خلافِ مرضی
کچھ میں نے کیا خلافِ مرضی
کیا مجھ سے خفا ہو سچ کہو تم
کس واسطے یوں اداس ہو تم
اچھا نہیں بندِ غم میں رہنا
جانے بھی دو فکر، مانو کہنا
ہنس بول کے قیدِ غم سے چھوٹو
کیا بات ہے کچھ تو منہ سے پھوٹو
کہتا میں کہ[1] بات کچھ نہیں ہے
کچھ آپ ہی آپ دل غمیں ہے

۱- "آتی" طبع اول و دوم۔ "آتیں" "نسخۂ ششم (مرتب)
۲- "ہچکیاں پے ہم" طبع اول اور دوم (صفحہ ۲۱۲،۳۳۴) "ہچکیاں بھی پے ہم" طبع ششم (صفحہ ۳۰۶) میں (مرتب)

کہتی تھی کہ مجھ سے بھی چھپاؤ ۔ کچھ بات نہیں قسم تو کھاؤ
کہتا میں قسم تمھاری جاں کی ۔ تم سے کوئی بات کب نہاں کی
گر کچھ ہو تو ماجرا کہوں میں ۔ کچھ بات نہ ہو تو کیا کہوں میں
کہتی کہ قسم دروغ کھائی ۔ تم نے مری جاں کی سہل جانی
ایسی مری جان ہے کہاں کی ۔ کیوں کھاؤ قسم نہ اپنی جاں کی
ہیں یاد وصال کی وہ راتیں ۔ ہیں یاد وہ شوخ باتیں
آئینے کو رکھتی آگے لا کر ۔ اور کہتی یہ منہ سے منہ ملا کر
لو دیکھو ذرا کرو خود انصاف ۔ ہم دونوں میں کس کا رنگ ہے صاف
ہے دونوں میں کون خوب صورت ۔ ہے دونوں میں کون ماہِ طلعت
پھر اپنے غرور میں جو آتی ۔ خاطر میں کسی کو بھی نہ لاتی
خود بینی سے ہوش میں نہ رہتی ۔ آئینے کو پھینک مجھ سے کہتی
دیکھو تو بہ غورِ چشمِ بد دور ۔ یوسف کہ ہے وہ جہاں میں مشہور
کیا اس کی بھی صورت ایسی ہی تھی ۔ کیا اس کی بھی طلعت ایسی ہی تھی
کیا اس کے بھی ایسے ہی تھے گیسو ۔ خم دار و سیاہ وعنبریں مو
کیا ایسا ہی حسن تھا، نہ ہوگا ۔ یہ حسن کبھی ہوا نہ ہوگا
مانا بھی کہ یہ ہی رنگ رو تھا ۔ ایسا ہی وہ چہرۂ نکو تھا
اور ایسے ہی موے مشک بو تھے ۔ ایسے ہی خمیدہ مو بہ مو تھے
پر اس میں یہ بات تو نہ ہوگی ۔ کیوں میری سی گات تو نہ ہوگی
یہ چشم سیاہ تو نہ ہوگی ۔ یہ شوخ نگاہ تو نہ ہوگی
یہ خوش سخنی کبھو نہ ہوگی ۔ یہ گرمیِ گفتگو نہ ہوگی
پامالِ روشِ جہاں نہ ہوگا ۔ ایسا تو خرام ہاں نہ ہوگا
یہ فتنہ فزا چلن نہ ہوگا ۔ ہر بات میں بانکپن نہ ہوگا
ایسی تو نہ ہوگی عشوہ باری ۔ ایسی تو نہ ہوگی طرح داری

۱۔ "کہ نہ" نسخۂ نول کشور طبع ششم ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۰۷) میں لیکن نسخۂ مطبوعہ ۱۸۷۶ء (صفحہ ۲۱۲) میں "تھی کہ" (مرتب)

ایسی تو نہ ہو گی جامہ زیبی ایسی تو نہ ہو گی دل فریبی
ایسی تو شراتیں نہ ہوں گی یہ گرم اشارتیں نہ ہوں گی
یہ غمزۂ فتنہ گر نہ ہوں گے یہ ناز ہوں گے، پر نہ ہوں گے
گر فندقِ پا پہ رنگ آیا ایسا کہ بس اپنے جی کو بھایا
کس رنگ سے اور رنگ لاتا کس ناز سے مجھ کو بھی دکھاتا
ٹھکرا مرے سینے کو کہا یوں رنگین ہے باندھ لو یہ مضموں
ہے یاد وہ عالمِ ملاقات ہے یاد وہ شوخیٔ اشارات
میلاں جو ہوا معاشرت کا دھیان آ ہی گیا---- کا
بس خواہشِ دل سے رہ نہ سکتا اور پاسِ حیا سے کہہ نہ سکتا
پھر کیا ہی شرارتوں سے کہتا پردے میں اشارتوں سے کہتا
انگڑائی کبھی تو ہنس کے لیتی چلمن کبھی اٹھ کے چھوڑ دیتی
ہیں وعدے ہوے تھے جو بہم یاد ہے کچھ بھی وہ قول اور قسم یاد
کہتی تھی مجھے قسم خدا کی سو گند حبیبِ کبریا کی
گر دیتی ہوں اس میں دم میں تجھ کو ہو تیغِ علی کی مار مجھ کو
اب دل نہیں میرا ،میرے بس میں جو تجھ کو یقیں ہوں وہ قسمیں
ہے مصحفِ رو کی اپنے سو گند اس روے نکو کی اپنے سو گند
اپنے مجھے ناز کی قسم ہے تیرے ہی نیاز کی قسم ہے
وہ رخ کہ ہے رشکِ لالۂ باغ وہ سینہ کے میرے غم سے ہے داغ
وہ طرۂ عنبریں کسی کا وہ دودِ دلِ حزیں کسی کا
وہ رحم کسی کا یعنی میرا وہ درد کسی کا یعنی تیرا
وہ دل کہ کسی کا جلا ہے وہ جان کہ مجھ پہ سے فدا ہے
وہ آہ جسے نہیں ہے تاثیر وہ جرم ہے جس کی قتل تعزیر
وہ حال کہ جس پہ رحم آوے وہ درد کہ جس سے جی ہی جاوے
وہ دیدہ کہ خوں فشاں سدا ہے وہ نالہ کہ پایہ عرش کا ہے

وہ دن کہ ہے رشکِ روزِ محشر — وہ شب مری زلفِ سیہ تر
شامِ غربائے سر بہ سر غم — صبحِ دہمِ مہِ محرم
لب تشنگیِ حسین و عباس — امواجِ فرات و شرمِ الیاس
بے دادِ ستم گرانِ بدکیش — فریادِ ستم کشانِ دل ریش
تاب و تپ آتشیں فسانہ — سوزِ دمِ سردِ بے کسانہ
ان سب کی مجھے ہزار سو گند — سو گند، ہزار بار سو گند
ہے تجھ سے مجھے دلی محبت — گو تجھ کو نہ ہو مری محبت
اور جیسا کہ تجھ کو چاہتی ہوں — تو دیکھیو کیا نباہتی ہوں
مجھ کو تری جان کی قسم ہے — جس وقت تلک کہ دم میں دم ہے
ایسی ہی رہے گی آشنائی — آتی نہیں مجھ کو بے وفائی
اس میں نہیں فرق یک سرِ مو — یہ بات یقین جانیو تو
جھوٹی نہیں میں کہ راست گو ہوں — گر اس میں، میں کچھ بھی جھوٹ بولوں
سب قہرِ خدا کسی پہ ٹوٹیں — آنکھیں مری سامنے کی پھوٹیں
سچ جان کہ دل سے ہے تری چاہ — واللہ باللہ ثم باللہ
کہتا میں اگر کہ جھوٹ ہے سب — تم لوگ کسی کے ہوتے ہو کب
معشوقوں نے کس سے کی وفا ہے — ان قسموں کا اعتبار کیا ہے
تم لاکھ کہو پہ میں نہ مانوں — ہرگز تمھیں با وفا نہ جانوں
باتیں یہ بنانے کی ہیں ساری — وہ روز کی چاہ ہے تمھاری
باتیں لگیں[1] مجھ سے بھی بنانے — اس سے کہو، تم کو جو نہ جانے
جس روز کہ بگڑیں میری جاں تم — بس خیر کہاں میں اور کہاں تم
پھر پوچھنے کی نہیں مری بات — سننے کی نہیں، کہیں مری بات
ہو گا یہ کرم نصیبِ دیگر — اور ظلم و جفا و جور مجھ پر
کیا کیا نہ کروگی بہرِ جفا تم — دیتی یہ جواب، ہو خفا تم
اے واہ رے تیری بدگمانی — اللہ رے تیری بدگمانی
تو آپ زبس کہ بے وفا ہے — اپنا ہی سا سب کو جانتا ہے

۱- "لگے" طبع اول اور دوم (صفحہ ۳۳۸، حاشیہ ۲۱۴) میں "لگیں" طبع ششم (صفحہ ۳۱۰) میں (مرتب)

تھے جیسے کہ وہ کرم تمھارے ہیں ویسے ہی اب ستم تمھارے
تھی جیسے کہ پہلے مہربانی ہیں ویسی ہی اب جفائیں جانی
پر اس کا مجھے بہت عجب ہے اس ظلم و ستم کا کیا سبب ہے
آخر وہی تم ہو اور وہی ہم پر کیا ہے کہ اب نہیں وہ عالم
ہو کس لیے بد خلاف کہہ دو کیا بات ہے منہ پہ صاف کہہ دو
بے وجہ غضب اور آہ ایسا کیا مجھ سے ہوا گناہ ایسا
کچھ بات تو کہیے گو ہو بہتاں کیوں ہو گئے میرے دشمنِ جاں
کیا جرم ہوا معاف کیجئے دل میری طرف سے صاف کیجئے
پھر پھر خدا تمھارے قربان ہو جائے ویسے ہی مری جان
پھر خلوتِ خاص میں بلالو دل کی مرے حسرتیں نکالو
پھر مل کے شرابِ ناب پیجئے پھر وصل سے کامیاب کیجئے
اب مجھ میں نہیں ہے تابِ فرقت کب تک میں سہوں عذابِ فرقت
بے تابیِ دل سے لب پہ ہے جان ہوں کوئی گھڑی کا، دم کا مہمان
اب مرنے میں میرے کیا ہے باقی فانی ہیں سبھی ، خدا ہے باقی
اس طرح غرض بہک رہا تھا کچھ جوشِ جنوں میں بک رہا تھا
اس جوش میں اور جوش آیا بے ہوش کو طرفہ ہوش آیا
پھر وردِ زباں "انا الصنم" ہے منصور سے مرتبہ نہ کم[1] ہے
اس مومنِ دل گداز خاموش اب طاق ہوئی ہے طاقتِ جوش[2]
باقی نہیں اب تو ہم میں حالت ہے اور ہی دردِ غم میں حالت
جاری ہے ہر ایک چشم سے خوں تھے شعر کہ نالۂ ہائے موزوں
اس قصۂ غم نے جی کھپایا اس سوزِ نہاں نے دل جلایا
کر ڈالا کباب سامعیں کو آگے نہیں تاب سامعیں کو
ہر حرف ترا شرر فشاں ہے ہے آگ کا شعلہ یا زباں ہے
زیں بیش ز سوز سینہ مخروش چوں شمع خموش باش خاموش

۱- "تھا" ردیف مصرع ثانی طبع اول (صفحہ ۳۳۹) میں غلط ہے۔ (مرتب)

۱- "جوش" طبع اول و دوم (صفحہ ۳۳۹، صفحہ ۲۱۵) میں۔ طبع ششم (صفحہ ۳۱۱) میں "ہوش" ہے (مرتب)

(۳)

مثنوی سوم

قولِ غمیں

تازہ فغانے کہ کشیدم زدل — واں سخنِ غم کہ شنیدم زدل
ہست خوش افسانہ شیریں کلام — "قولِ غمیں" آمدہ سالش چو نام

۱۲۳۶ھ

آغاز

ساقیا زہر پلا دے مجھ کو — شربتِ مرگ چکھا دے مجھ کو
ہاں یہ مستیِ حرماں پہ نگاہ — دے وہ مے یعنی کفِ مارِ سیاہ
تلخیِ یاس عبادت کب تک — حسرتِ ذوقِ شہادت کب تک
کیا ذرا سودۂ الماس نہیں — سمِ ہلاہل ترے کچھ پاس نہیں
گر یہاں ہے تو اٹھا لا جلدی — اور نہیں پاس تو جا لا جلدی
کیا خمارِ خفقاں ہے ظالم — بس چلا جی تو کہاں ہے ظالم
بھر دے اک جام کے مر جاؤں ابھی — بھول کر آپ میں آؤں نہ کبھی
کاسۂ عمر کا بھرنا اچھا — ایسے جینے سے تو مرنا اچھا
کاش مر جاؤں کہ چین آئے کہیں — بد دماغی سے سرِ زیست نہیں
کب تلک نزع کی حالت میں رہوں — کب تلک یوں ستمِ مرگ سہوں
کب تلک ناک میں دم آہ رہے — وردِ لب نعرۂ اللہ رہے
کب تلک چشم سے خوں ہو جاری — کب تلک درد کرے دل داری
عمر برباد نہ جائے اے کاش — دل کی آئی مجھے آئے اے کاش
ہائے یہ ظلم سہا کیوں کر جائے — میں جیوں اور مرا دل مر جائے
ہو وصال اب نہ جدائی مجھ کو — آئے دشمن کی بھی آئی مجھ کو
جو کسی پر نہیں مرتا ہرگز — جینے سے جی نہیں بھرتا ہرگز
بس وہ دنیا میں ٹھہرتا ہی نہیں — میں جو مرتا ہوں سو مرتا ہی نہیں

ملک الموت بھی کیا ہے بے درد / آہ سچ ہے کہ پڑا ہے بے درد
تھاموں ہوں دل کو سدا بھر کر آہ / کیسی یہ آن بنی دل پہ آہ
جاں ہمہ رنج و سراپا غم ہے / رنج سا رنج ہے، غم سا غم ہے
دیکھتا ہوں عجب احوال اپنا / کیا کہوں، کس سے کہوں، حال اپنا
دردِ ہجراں سے سبھی کو ہے فراغ / بات پوچھے کوئی یہ کس کو دماغ
سب[1] ہیں بے درد انھیں کس کا غم ہے / غم زدوں کا کسی کو کیا غم ہے
کون پوچھے ہے کسی کا احوال / جانتے ہم ہیں سبھی کا احوال
کون سنتا ہے فغانِ درویش / قہرِ درویش بہ جانِ درویش
کوئی ناشاد ہو یا ہو ناکام / اپنے سب خوش ہیں کسی کو کیا کام
کوئی ہم دم ہے نہ دم ساز مرا / کوئی محرم ہے نہ ہم راز مرا
کوئی اتنا نہیں جو حال سنے / متوجہ ہو کچھ احوال سنے
کوئی اتنا نہیں جو چارہ کرے / چارۂ مومنِ آوارہ کرے
چارہ گر ہو نہ سکے، فکر تو ہو / وصلِ جاناں نہ سہی ذکر تو ہو
ماجرا سن کے مرا رونے لگے / روتے دیکھے تو ذرا روتے لگے
سینۂ چاک کا گر ہو نہ رفو / ٹانک دے چاک گریباں تو کبھو
چشمِ خوں ریز سے خوں پاک کرے / پیرہن ساتھ مرے چاک کرے
دل ہو مضطر تو نہ آرام لے وہ / میں جو تڑپوں تو ذرا تھام لے وہ
نرم سا کچھ تہہ پہلو رکھ دے / سر کو دے پٹکوں تو زانو رکھ دے
کچھ کرے بات ذرا بہلائے / جی کسی ڈھب سے مرا بہلائے
ہائے میں ڈھونڈھ کے لاؤں کس کو / ماجرا اپنا سناؤں کس کو
کون میرا مگر اپنا میں ہوں / عاشقِ بے کس و تنہا میں ہوں
یہ بھی مشکل ہے کہ خاموش رہوں / ہاں مگر خود ہی سنوں، خود ہی کہوں
سو یہ کیوں کر ہو کہ میں ہوں بے ہوش / نے حواس اور نہ سمجھ ہے، نے ہوش

---

[1] شعر مطابق نسخۂ اول و دوم ہے اور نسخۂ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۱۳) میں اس طرح ہے

سب ہیں بے درد انھیں کس کا غم
غم زدوں کا ہے کسی کو کیا غم

جو کسی کی نہ ذرا بات سنے — مجھ سے دیوانے کی کیا بات سنے
اور کہنا بھی ضروری مجھ کو — کہ نہیں ضبط و صبوری مجھ کو
سو یہ ٹھہری نہ سنے[1] گو کوئی — کیجیے آپ پریشاں گوئی
اس تکلم سے یہ مطلب ہے مرا — جو سنے وہ ہی مخاطب ہے مرا
گو کہیں ہو، وہ کسی جا ہووے — دل میں پر درد ذرا سا ہووے
ہو پہ مجھ سا وہ، نہ ہو دیوانہ — تا سنے سمجھے مرا افسانہ
اس کو پہنچا ہو جدائی کا درد — تا وہ جانے کہ ہے اس میں کیا درد
ماجرائے غمِ حرماں سمجھے — سر گزشتِ شبِ ہجراں سمجھے
بات کچھ میری زبانی سن لے — غور سے ساری کہانی سن لے
سب مضامین و معانی سوچے — مطلبِ رازِ نہانی سوچے
نہ کہانی، نہ یہ ہے افسانہ — داد و بے داد ہے مظلومانہ
نہیں اشعار یہ ہیں نالے کئی — سوزشِ دل کے ہیں تبخالے کئی
مظہرِ حسرت و حرماں ہے یہ — باعثِ عبرتِ یاراں ہے یہ
یعنی اک شوخ پہ ہم مرتے تھے — صدقے دل، جان فدا کرتے تھے
اور وہ سر دفترِ اربابِ جفا — جس میں الفت، نہ مروت، نہ وفا
حرف بد گو کو بھلا جانے وہ — بے ادائی کو ادا جانے وہ
بے گنہ مجھ کو ستایا اُس نے — اُف نہ کی تو بھی جلایا اُس نے
ہر طرح دل کو مرے داغ دیا — خاک کی مجھ سے کہ جی خاک کیا
دیکھی کیا کیا نہ تباہی میں نے — مدتوں تو بھی نباہی میں نے
پھر تو یک بارگی صحبت بگڑی — ہم میں اور ان میں قیامت بگڑی
ایسی بگڑی کہ صفائی نہ ہوئی — نہ ہوئی ترک لڑائی، نہ ہوئی
خفگی پھر کسی صورت نہ گئی — نہ گئی دل سے کدورت نہ گئی
کب منایا کہ کہیں وہ نہ بنے — بن بگاڑی نہ بنے پر نہ بنے
چندے اس غم میں برا حال رہا — کیا کہوں آہ کہ کیا حال رہا

۱- نسخۂ مطبوعہ نول کشور طبع ۱۲۸۴ھ (ص ۳۳۲) اور طبع ۱۸۷۶ء (ص ۲۱۷) میں "سنو" لیکن طبع ششم (ص ۳۱۲) میں "سنے" ہے۔ (مرتب)

کچھ غم و غصہ لڑائی کے سبب اس ستم گر کی جدائی کے سبب
کچھ پشیمان کہ کیوں کی تھی چاہ اس کا انجام نہ کیوں سمجھے آہ
اور جو چاہا تھا چھپایا ہوتا عشق اتنا نہ جتایا ہوتا
جور صدہا نہ اٹھائے ہوتے ناز بے جا نہ اٹھائے ہوتے
یوں نہ سہنی تھی جفاے پے ہم یوں نہ کردیتا تھا خو گر بہ ستم
اور کیا تھا تو یہ لڑنا کیا تھا خو بگاڑی تو بگڑنا کیا تھا
گاہ یہ جی میں کہ اب پھر ملیے بے سبب قصہ ہے سب پھر ملیے
وہم سے دل پہ قیامت ناحق کچھ ندامت سے[1] ندامت ناحق
سخت ناکردہ خطا کی خجلت بد گمانی ہے بجا کی خجلت
الفت و مہر نہ ماندہ پہ نگاہ ان خیالات سے احوال تباہ
پر ذرا جینے کا کچھ طور بھی تھا ان خیالوں میں خیال اور بھی تھا
دھیان میں جور بھی آ جاتے تھے ستمِ کردہ بھی یاد آتے تھے
صبر بھی شکل دکھا جاتا تھا دل نہ ملنے پہ بھی آ جاتا تھا
اشک بھی آنکھوں سے کم بہتے تھے جان و آرام کبھی مل رہتے تھے
خار و پہلو میں بگڑ جاتی تھی دست و زانو میں بگڑ جاتی تھی
دشنہ گردن سے خفا ہوتا تھا سنگ بھی سر سے جدا ہوتا تھا
شاد و خرم بھی ذرا ہوتے تھے ہنسنے لگتے بھی تھے گو روتے تھے
دل پہ گہ ہاتھ بھی دھر دیے تھے کسی سے بات بھی کر لیتے تھے
کئی دن میں ہوا غم اور بھی کم پھر ذرا اور بھی کم، اور بھی کم
پھر تو وہ خبط ، وہ سودا ہی گیا دلِ بیمار بحال آ ہی گیا
رنگِ فتنہ نے جھلک دکھلائی منہ پہ اک سرخی کی تہہ سی آئی
آتشِ شوق کی حدت نہ رہی ناتوانی کی وہ شدت نہ رہی
خم کاری ہوے آخر ناکام آگیا جوشِ تپش کو آرام
سخت جانی کا گلہ دل پہ شاق حسرتِ وصل نہ اندوہِ فراق
سبک سر میں گراں جانی سے گر پشیماں تو پشیمانی سے

---

[1] "طبع اول اور دوم (ص ۳۴۳، حاشیہ ص ۲۱۷) میں۔ "ہی" نسخہ طبع ششم (ص ۳۱۵) میں۔ (مرتب)

نالۂ و آہ و فغاں کچھ نہ رہا رنج کا نام و نشاں کچھ نہ رہا
اب شب و روز مسرت کا خروش انبساط و طرب و عیش کا جوش
یاروں میں ہنسنے کا غل آٹھ پہر وقفِ لب خندۂ گل آٹھ پہر
زمزمہ ساز بہ رنگِ بلبل نغمہ پرداز بہ رنگِ بلبل
نغمہ سنجی و خوش الحانی و بس شعر گوئی و غزل خوانی و بس
رات دن ہنسنے ہنسانے کی بات یاروں سے ملنے میں صرفِ اوقات
آشناؤں میں سدا، گھر میں کہاں گہ وہاں، گاہ وہاں، گاہ وہاں

مشاہدۂ خوش حرکاتے پس چلون و رسیدن به عشرت کدۂ رشکِ چمن

ایک دن جاتے تھے اک یار کے پاس یارِ غم خوار و وفادار کے پاس
راہ میں طرفہ تماشا دیکھا غرفہ و بام دل آرا دیکھا
آگے اس غرفے کے چلون ہے پڑی پسِ چلون کوئی عورت ہے کھڑی
محوِ نظارۂ رنگِ بازار ناگہاں ہو گئی وہ مجھ سے دو چار
کہ وہ چلون کا ذرا تھا پردہ گرچہ تھا پردہ پہ کیا تھا پردہ
ہوے آپس میں نظارے کیا کیا کیے ابرو سے اشارے کیا کیا
ترجماں چشم و نظر مطلب سے کچھ تبسم بھی نمایاں لب سے
اور میں حیران و سراپا حیرت کیا کہوں میں کہ مجھے کیا حیرت
کہ الٰہی یہ تماشا کیا ہے گر سر خود ہے تو ڈر کس کا ہے
کیوں نہیں چلون اٹھا دیتی یہ کیوں نہیں گھر میں بلا لیتی یہ
اور جو تابع ہے تو کیوں باک نہیں کیا سبب ہے کہ خطرناک نہیں
جی میں آیا کہ تجسس کیجے کسی ڈھب بھید یہاں کا لیجے
پھر ڈرا میں کہ کچھ آفت تو نہ آئے دل کے ہمراہ کہیں جان نہ جائے
جی خمِ زلفِ دوتا میں نہ پھنسے پھر ستم دیدہ بلا میں نہ پھنسے
مفت میں اور بلا نازل ہو قلق و رنج نصیب دل ہو
فکرِ اندیشہ و انجام و مآل وہم ناکارہ و بے صرفہ خیال

خوب سوچا کہ برا حال نہ ہو بدتر آگے سے بھی احوال نہ ہو
پھر کہیں اور نہ کچھ کر گزرو ان خیالوں ہی سے بس در گزرو
گر نہ جانا کہ یہ ہے کون تو کیا اس میں فرمایئے کیا بگڑے گا
اور جانا تو ہوا کیا حاصل اس تجسس سے بھلا کیا حاصل
جی میں پھر آئی کہ یہ بات ہے کیا دل کا لگتا نہ ہوا، کھیل ہوا
دل کسی سے کوئی اب لگتا ہے کار افتادہ ہے، کب لگتا ہے
جس طرح سے بنے یاں راہ کرو دل کو اس راز سے آگاہ کرو
آگئی طبع تو پھر مت آنا کر کے معلوم الگ ہو جانا
اور جو یہ رازِ نہانی نہ کھلا جیتے جی، جی میں یہ ارمان رہا
کہ نہ جانب کہ وہاں کیا کچھ تھا کیسے وہ لوگ تھے، کیسا کچھ تھا
محوِ تدبیر صد افکار ہوے کیا حماقت میں گرفتار ہوے
سو فریبوں سے وہاں تک پہنچے پہنچے ہم اور کہاں تک پہنچے
وہ مکاں رشکِ قصورِ افلاک جلوۂ عالمِ بالا تہہِ خاک
ہم نشیں، ہم دم و غم خوار ہوے ہم بھی اک محرمِ اسرار ہوے
گرچہ تھا اور طرح کا نہ مزاج لیک شدت سے ظریفانہ مزاج
نہ لبِ مضحکہ ایجاد کلام رات دن ہنسنے ہنسانے سے کام
رنج و افکار سے بے غم رہنا شاد و خنداں، خوش و خرم رہنا
دیکھی یہ گرمیِ صحبت جو وہاں دل افسردہ لگا بہلنے ہاں[1]
طبع آخر کو ذرا آ ہی گئی صحبتِ زندہ دلاں بھا ہی گئی
ہمی آنے کو غنیمت جانا واں کے جانے کو غنیمت جانا
لطف اس طرح کے جب پانے لگے پھر تو ہر روز وہاں جانے لگے
یک چندے یہی اوقات رہی روز پہروں کی ملاقات رہی
واں ہر اک طرح بہلتا تھا دل کہ ہوئی اس میں بلا اک نازل
کہیں باہر سے کوئی واں آیا میرے بیٹھے ہی وہ مہماں آیا

---

[1] "ہاں" نسخۂ طبع اول و دوم (صفحہ ۳۳۶ حاشیہ صفحہ ۲۱۹) میں "ہاں" (واں) نسخہ طبع ششم (صفحہ ۳۱۷) میں۔ مرتب

سنتے ہی اس کے میں آنے کی خبر / پردے کے واسطے آیا باہر
اک ذرا آن کے باہر ٹھہرا / دم کے دم جان کے باہر ٹھہرا
مدعا یہ کو وہ پھر گھر میں بلائے / کچھ ہنسے بولے، ذرا جی بہلائے
اتنے میں دل جو مرا گھبرایا / جی میں کچھ سوچ کے میں گھر آیا
دوسرے دن جو ہوا گھر سے رواں / جانبِ کوچۂ رشکِ بستاں
ایک دیوانہ حقائق آگاہ / تازہ مضموں سے غزل خواں سرِ راہ

غزل

پھر محبت میں مزا آتا ہے / کیں نہ کھائیں ہمیں غم بھاتا ہے
پھر کھجائے ہے ہتھیلی دیکھوں / سیم تن کون سا ہاتھ آتا ہے
مدد اے کش مکشِ شوق کہ پھر / دل کہیں کھینچے لیے جاتا ہے
دل سے مطبوع مکاں میں ہر دم / جی پھر اب صبر کا گھبراتا ہے
عشق کی زمزمہ سنجی ہے ہے / ولولہ تاک میں دم لاتا ہے
کس کی چشمک سے ہے اختر شمری / فلک آنکھیں مجھے دکھلاتا ہے
ہے غمِ پردہ نشیں جو ناصح / پھر زباں کھولتے شرماتا ہے
کس سے پھر وعدۂ وصلت ہے کہ دل / میرے ملنے کی قسم کھاتا ہے
پھر ہوں دیوانۂ بے خود کس کا / خارِ کوے مرے سہلاتا ہے
پھر دل اک بت کو دیا "مومن" نے / کب وہ ان باتوں سے باز آتا ہے

رجوع بہ قصہ

گر چہ اُس نے مجھے آگاہ کیا / پر دلِ سادہ نے گم راہ کیا
بے خبر تھا مجھے کچھ دھیان نہ تھا / الفتِ تازہ کا ارمان نہ تھا
کہ سمجھتا یہ شگونِ غم ہے / مژدۂ ولولۂ ماتم ہے
ہیں یہ مجذوب کے لب پر جو کلام / وحشتِ تازہ کا دیتے ہیں پیام
دل کا لگ جانا جتاتے ہیں مجھے / خبرِ غیب سناتے ہیں مجھے

جان دینے کی اشارت ہے صاف   مرگ تو کی یہ بشارت ہے صاف
کچھ نہ سمجھا مری نادانی ہائے   عقل و بے صرفہ پشیمانی ہائے
کیا کروں وسوسہ و وہم نہ تھا   ورنہ ایسا بھی تو نافہم نہ تھا
الغرض جب میں وہاں جا پہنچا   تازہ پیغام اجل آ پہنچا
دم لیا بھی نہ کہ دم دینے لگے   تلخ کامی کے مزے لینے لگے
دامِ الفت میں گرفتار ہوے   پالے بندِ ستمِ یار ہوے
نہ کچھ آ شفتہ سری نے مارا   کہ مجھے چارہ گری نے مارا
کی یہ تشخیص نے میری تدبیر   کہ ہوا دم بہ دم احوال تغیر
ہو گیا نبض شناسی سے جنوں   سنو حالِ دلِ دیوانہ کہوں
صاحبِ خانہ نے بعدِ اکرام   بے قرارانہ کیا مجھ سے کلام
کہ یہاں عید و محرم ہے بہم   گل سے کیا کیا طرب و غم ہے بہم
یعنی وارد ہے وہ مہمانِ عزیز   جس کے قربان مری جانِ عزیز
لیک بیمار و پریشاں احوال   نہ وہ جلوہ، نہ وہ رونق، نہ جمال
بے بدل شعشعہ نایاب ہوا   رنگِ رو ماہ سے مہتاب ہوا
ہے رگِ خواب سے غفلت محسوس   ہو گئی طرزِ تجاہل کابوس
یہ نزاکت تو گراں ہے جی پر   لے گیا تاب و تواں رنجِ سفر
آپ کچھ چارہ گری کیجے غرض   نبض دیکھو کہ ہو تشخیصِ مرض
میں نے اس نبض پہ جو ہاتھ دھرا   ہاتھ سے میرے مرا دل ہی چلا
صاف صندل سے زیادہ وہ ہاتھ   نرم مخمل سے زیادہ وہ ہاتھ
پنجۂ مہر کا سا شعشعۂ نور   دستِ گل دستہ رہے جس کے حضور
اُس کو جوں ہاتھ لگایا میں نے   دل سے بس ہاتھ اٹھایا میں نے
دھر دیا تھام جگر، ہاتھ میں دل   لیے بیٹھا تھا مگر ہاتھ میں دل
آفتِ تازہ جو جاں پر آئی   یہ غزل اپنی زباں پر آئی

غزل

کیا لگا دستِ دل آرام سے ہاتھ / دل گیا ہاتھ سے اور کام سے ہاتھ
کس کے ہاتھوں سے لگا تھا کہ جدا / نہیں ہوتا دلِ ناکام سے ہاتھ
پنجۂ مغزانِ جنوں سے ہوں میں / کیوں اُٹھاؤں طمعِ خام سے ہاتھ
ہاتھ دیجے تو ہو اب ہاتھ میں، پر / کان پر رکھیے گا پھر نام سے ہاتھ
دھوئے شبنم سے نہ ہو گا ہم رنگ / مہر کا دستِ گل اندام سے ہاتھ
ہائے پہنچے نہیں اس پاؤں تلک / ایک شب گردشِ ایام سے ہاتھ
کیا کہوں آہ یہ قولِ مومن / دل گیا ہاتھ سے اور کام سے ہاتھ

آگاہ شدن معشوقہ از افغان شرر ریز
و گل فشانی سخن ہائے ناز آمیز

اس غزل نے اُسے آگاہ کیا / ہاتھ کو ہاتھ جھٹک کھینچ لیا
ہنس کے یوں صاحب خانہ سے کہا / کہ یہ درمان مرض جانے کیا
ہے یہ بے چارہ تو آپ ہی بیمار / زردیِ رخ سے عیاں ہے آزار
کوئی ناداں ہی کہے اس کو طبیب / درد میں خود ہے گرفتار غریب
ہاں خلل جوشِ جنوں کا ہے اسے / شرط ہم بدتے ہیں سودا ہے اسے
کیا تماشا ہے کہ ہم جانیں مرض / یہ طبیب اور نہ پہچانیں مرض
یہ ہمارا نہ خلل بتلائیں / ہم مریض ان کا مرض پا جائیں
پہلے وہ آپ ہنسے یہ کہہ کر / پھر تو سب لوٹ گئے قہ قہ کر
سن کے یہ میں نے جگر تھام لیا / خوش بیانی نے غرض کام کیا
طبع نے کچھ بھی سجھایا نہ جواب / بات ایسی تھی کہ آیا نہ جواب
منہ کسی طرح سے کھولا نہ گیا / چاہا ہر چند پہ بولا نہ گیا
جب یہ حالت ہوئی سب کو معلوم / پھر تو ہنسنے کی مچی اور بھی دھوم
کوئی کہنے لگی رنجیدہ ہیں آج / بے مزہ ہیں نہیں کل کا سا مزاج
کوئی بولی کہ لڑ آئے ہی کہیں / کچھ کسی سے بگڑ آئے ہیں کہیں
آپ نے اتنے میں ہنس کر یہ کہا / کہیں سے پی تھی کہ اب نشہ چڑھا

یا کسی کی انھیں یاد آئی ہے
بے خودی، بے خبری چھائی ہے

بے حواسی سے نہیں نام کو ہوش
کچھ نہ کچھ تو ہے کہ بیٹھے ہیں خموش

کوئی پوچھو تو ہوا کیا ان کو
آئی در پیش بلا کیا ان کو

کیا سبب، کس لیے بے ہوشی ہے
کچھ تو ہے بات کہ خاموشی ہے

انھیں کچھ تابِ بیاں ہے کہ نہیں
ان کے بھی منہ میں زباں ہے کہ نہیں

انھیں کچھ بات بھی کر آتی ہے
کہیں کچھ بات اگر آتی ہے

کیا ہوا بیٹھے ہیں، کیوں بے دم سے
کچھ خفا تو یہ نہیں ہیں ہم سے

گر ہیں آزردہ تو کیوں آئے ہیں یہ
آج تشریف عبث لائے ہیں یہ

اور جو آئے ہیں تو کچھ بات کہیں
یہ بھی کچھ بات ہے چپ بیٹھ رہیں

یا سدھاریں کہ ہے ان کے بھی تو گھر
بیٹھیں کا ہے کو جھکائے ہوئے سر

جائیں ناکاموں میں گر ہیں ناکام
مردہ کا زندہ دلوں میں کیا کام

مجھ کو ہر چند نہ تھی طاقت و تاب
پر دیا آپ کو تمام، اتنا جواب

کہ میں اچھا تھا یہاں جب آیا
پر ہوا یاں ہی پری کا سایا

بس یہ کہتے ہی تو سب جان گئے
بات جو دل کی تھی پہچان گئے

پھر تو ناوک فگنی ہونے لگی
بے دھڑک طعنہ زنی ہونے لگی

ایک اک اور پہ رکھ کر بولا
ایک نے صاف زباں کو کھولا

ایک نے اپنے پہ رکھ کر ڈھالی
ایک نے پردے میں جھٹ دی گالی

اک نے تعریف دلیری کی کی
دل میں چٹکی سے کسی نے لے لی

ہم بھی دیتے رہے پر سب کو جواب
گو نہ تھے ہوش، نہ تھی بات کی تاب

طور پر اپنے لگایا سب کو
نہ ہنسے خود، پہ ہنسایا سب کو

سارے دن تو رہے ہم صحبتِ یار
جب ہوئی شام تو اُٹھے ناچار

جی تو اٹھنے کو نہ کرتا تھا ولے
پاسِ رسوائی سے ہم اُٹھ کے چلے

اُس کے کوچے سے نہ اُٹھتا تھا قدم
بیٹھے جاتے تھے ہر اک گام پہ ہم

واں سے آنے کی کہاں طاقت تھی
کیا کہوں ؟ آہ عجب حالت تھی

دل میں جب ہوک اُٹھی بیٹھ گیا
پاؤں اُٹھا بھی تو جی بیٹھ گیا

عجب احوال سے گھر تک پہنچا
خونِ دل دیدۂ تر تک پہنچا

گھر میں آیا تو، ولے ہوش کہاں | دل وہاں، جان وہاں، دھیان وہاں
شوق فرمائے کہ ہاں پھر چلیے | جی میں یہ آئے کہ واں پھر چلیے
دلِ بے تاب کو پھر تھام لیا | بے قراری ہی میں آرام لیا
نہ گئے واں کہ نہ ہو وہ بدنام | بے حواسی سے لیا عقل کا کام
پر بری طرح گزاری وہ رات | جاگتے ہی کٹی ساری وہ رات
صبح تک، شام سے بے تابی تھی | بسترِ خواب پہ بے خوابی تھی
یاد جوں[۱] آئی وہ دن کی تقریر | لگ گئی چپ، بنے رشکِ تصویر
دھیان اس ہاتھ کا جو آن بندھا | آپ ہی ہاتھ سے اپنے میں چلا
قلزمِ اشک نے طغیانی کی | دستِ مژگاں نے دُر افشانی کی
بن گئی جان پہ دستِ دل سے | ہوئی تو صبح پہ کس مشکل سے
صبح دم جوش زیادہ آیا | جلوۂ روزِ جزا دکھلایا
یعنی بے تابیِ دل اور بڑھی | خواہش صبر گسل اور بڑھی
شوق نے سلسلہ جنبانی کی | بے قراری نے یہ طغیانی کی
ایک دم گھر میں ٹھہرنے نہ دیا | نہ لیا چین ذرا، پر نہ لیا
صبح کو دیکھتے ہی لے ہی گئی | نہ سنی کچھ، نہ کہی، لے ہی گئی
ناگہاں تھی وہ کہیں کوٹھے پر | میرے آنے کی نہ تھی اس کو خبر
بے خبر سامنے آئی یک بار | بے دھڑک ہو گئی مجھ سے وہ دوچار
دیکھتے ہی مجھے غش آنے لگا | ہوش بھی صبر نمط جانے لگا
پر ذرا آپ کو تھاما ناچار | پھر[۲] جو دیکھا تو نہ دیکھا زنہار
پوچھو مت کیا کہوں میں کیا دیکھا | جو نہ دیکھا نہ سنا تھا دیکھا
اس سراپا کا میں کرتا تو بیاں | پر سراپا ہے یہاں لال زباں
جاکے ان لوگوں میں جس دم بیٹھے | ملے معمول سے باہم بیٹھے
پھر وہ شکر شکنی ہونے لگی | پھر وہ شیریں سخنی ہونے لگی
ایک نے ہم نفسوں میں سے کہا | آج بے وقت یہ آنا کیا تھا
مفت میں آ کے ستایا سب کو | پڑے سوتے تھے جگایا سب کو

۱۔ "جوں" نسخۂ اول (۳۵۱) میں نسخۂ طبع دوم اور ششم (صفحہ ۲۲۳،۲۲۲) میں "جو" ہے۔ (ترتیب)
۲۔ نسخۂ طبع ۱۸۷۶ء میں "پر" اور طبع اول اور ششم میں "پھر" ہے۔

صبح کے ہوتے ہی دوڑے آئے راہ بھٹکے ہوئے، کچھ گھبرائے
سو گئے طالعِ بیدار کہیں رات کو نیند بھی آئی کہ نہیں
کیا ہوا خیر تو ہے فرماؤ اپنی باتوں سے نہ تم شرماؤ

پھر تو میں نے بھی زباں کو کھولا سوزشِ طعنہ سے جل کر بولا
نیند آتی تو نہ آتا ہرگز یوں نہ سوتوں کو جگاتا ہرگز
عیش و آرام میں ہوتا گھر میں دیر تک چین سے سوتا گھر میں
کب میں اس وقت بھلا آتا تھا کبھی پہلے بھی چلا آتا تھا

یہ سمجھ کر کہ یہ ہووے نہ خفا صاحبِ خانہ نے یوں اس سے کہا
لاتے ہیں پاس یہ میرے تشریف ان کے آنے سے تجھے کیا تکلیف
چاہا جب آئے یہ اپنا گھر ہے بے تکلف یہ انہیں کا گھر ہے
ہاں مگر تیرا ارادہ ہے کچھ اور کہ لگاوٹ کے یہ ہونے لگے طور
کبھی میں ناز کی یہ باتیں ہیں اور انداز کی یہ باتیں ہیں

سن کے وہ بولی کہ ہاں کیا صاحب کیا کہا آپ نے اچھا صاحب
گھر جوان کا ہے یہ تو یہ ہی رہیں ہم چلے جاتے ہیں لو، یہ ہی رہیں

سن کے آوازِ یہ، ہم رہ نہ سکے آہ کی اور تو کچھ کہہ نہ سکے
پھر سخن ایسے ہی کچھ ہونے لگے وہ تو ہنسنے لگے، ہم رونے لگے
واں سے وہ طعنہ سناتے ہی رہے ہم ادھر حال جتاتے ہی رہے
رنج و اندوہ سے جی کھوتے رہے جب تلک بیٹھے رہے، روتے رہے
پھر جو کچھ اور بھی جی بھر آیا ہو کے ناچار اُٹھا، گھر آیا
گھر میں آیا تو زلوں تر احوال زار کل سے بھی فزوں تر احوال
جی کو دم لینے نہ دے جوشِ فغاں تختیِ جان نقاہت سے گراں

بے قراری نہ ٹھہرنے دے کہیں — صبر اب کیا ہو کہ طاقت ہی نہیں
بے سبب گاہ توقع، گہ یاس — ہوش جینے کے نہ مرنے کے حواس
آرزو ہائے نہانی کیا کیا — حسرت و دل نگرانی کیا کیا
بے خودی سے دل و جاں بے آرام — نہ کہ اس میں پے تعطیر مشام
بوئے گل لائی صبا بستاں سے — یعنی اک نامہ بر آیا واں سے
لب کچھ آمادۂ الفاظ نوید — خندہ زن جیسے گلِ باغِ امید
کیا بہ تمکین و بہ انداز خرام — شوکت و دبدبہ افزا ہر گام
طرزِ رفتار سے عالم پامال — بل بے شوکت کہ بہ ایں جاہ و جلال
ہو سواری تو سلیمان کی ہو — آمد آمد کسی ذی شان کی ہو
آکے اک نامۂ دل دار دیا — خطِ مشکیں رقمِ یار دیا
نامہ تھا کاہے کو حرزِ جاں تھا — یا دہاں بند، دمِ افغاں تھا
وا[1] کیا، جوں وہ طلسمِ افسوں — ہاتھ آیا یہی گنجِ مضموں
کہ تمھاری بھی عجب ہیں حرکات — ایسے ناداں کہ سمجھتے نہیں بات
کیا مناسب تھے یہ بے باک سخن — نا مناسب تھے یہ بے باک سخن
حرکت اچھی نہیں بدنامی کی — یہی باتیں تو ہیں ناکامی کی
پاس رسوائی کا گر اپنی نہ ہو — دیکھو تم مجھ کو تو رسوا نہ کرو
بس کہ ہوتا ہے محبت میں اثر — مجھ کو سب درد کی تیرے ہے خبر
دلِ مشتاق تپاں ہے یاں بھی — زینتِ لب یہ فغاں ہے یاں بھی

غزل

کاکلِ آشفتہ و پیچاں کیوں ہے — زلف کا حال پریشاں کیوں ہے
کس کے نالے نے بنا دی دم پر — زمزمہ ہم دمِ افغاں کیوں ہے
رنگ اڑا لے گئیں کس کی آہیں — چہرہ جوں مہر درخشاں کیوں ہے
کس کی وحشت کا خدا صبر پڑا — شوخیِ چشمِ غزالاں کیوں ہے
غمزے نے کس کو رلایا بے باک — خارِ دامن، سرِ مژگاں کیوں ہے
خندہ زن کس کا ہوا زخمِ دروں — شدتِ گریۂ پنہاں کیوں ہے

۱- "وا" نسخۂ طبع اول (صفحہ ۳۵۴) نسخۂ دوم اور ششم (صفحہ ۲۲۴، ۳۲۵) میں "واہ" ہے — مرتب

کس کے یہ متصل آنسو پونچھے ہاتھ ہم پنجۂ مرجاں کیوں ہے
کون تلخی سے ہوا شیریں کام بے مزہ شورِ نمک داں کیوں ہے
کس کا دل لے کے گنہ گار ہوے خوار تر خشکیِ داماں کیوں ہے
دلِ مومن سے ہوئی کیا صحبت ہندوے زلف پریشاں کیوں ہے
میں نے آنکھوں سے لگایا اس کے جی کا تعویذ بنایا اس کو
پڑھ کے وہ نامۂ[1] لب ریزِ عتاب مختصر سا یہ لکھا میں نے جواب
کہ ترے صدقے مری جاں مومن جانِ مومن ترے قرباں "مومن"
اس طرح رو جو دیا زار و نزار دل کے بھر آنے سے میں تھا ناچار
دل مرے قابو میں اے جان نہ تھا ورنہ ایسا بھی تو ناداں نہ تھا
کہ کچھ آتا نہ خیالِ انجام جان کر میں تجھے کرتا بدنام
اس جگہ تو ہے بہت ضبط ضرور پر کروں کیا کہ ہوں دل سے مجبور
کیا کہوں، کس سے کہوں حال دل آہ درد سے میرے کوئی کیا آگاہ
چین ہے دن کو نہ شب کو آرام بے قراری سے شب و روز ہے کام
ہر زماں،آہ ہے ہر دم رونا ہر گھڑی جانِ حزیں کا کھونا
ہے رواں چشم سے جیحوں دن رات لب پہ یہ نالۂ موزوں دن رات

غزل

جلوہ اس بت نے دکھایا مجھ کو کب قیامت میں غش آیا مجھ کو
سرمۂ دیدۂ خورشید ہوں میں خاک میں کس نے ملایا مجھ کو
شعلہ رو اب تو اٹھا دے چلون سوزِ پنہاں نے جلایا مجھ کو
ناصح اس مہ کو کہے ہے لیلیٰ تو نے دیوانہ بنایا مجھ کو
ہاے کس شوخ پہ جی لوٹے ہے تپشِ دل نے ستایا مجھ کو
دیکھوں اس دولتِ بیدار کو میں خواب کیسا نظر آیا مجھ کو

۱- طبع ششم (صفحہ ۳۲۵) "نالہ" غلط - مرتب
۲- طبع ششم (صفحہ ۳۲۵) "رو دیا بازار" غلط ہے - متن مطابق نسخۂ اول و دوم - مرتب

محو دیدار بت کافر ہوں　　کیا ہوا ہائے خدایا مجھ کو
شکل بستر کے سے بخت اپنے کہاں　　اس نے کب ساتھ سلایا مجھ کو
مہر کو رنجِ شب ہجر نصیب　　وصل کا دن نہ دکھایا مجھ کو
منہ کو مومن سے چھپاتا کافر　　یہ تقیہ تو نہ بھایا مجھ کو

اب گیا واں تو تکلم بر لب　　دشنہ در جان و تبسم بر[1] لب
پہ وہی اگلی سی شیریں سخنی　　دل میں سو زخم ولے رندہ زنی
اوروں سے حرفِ دل آویزانہ　　آشنا سے سخنِ بیگانہ
آخر اس طور سے ماہر تھا میں　　کچھ نہ ہو پھر بھی تو شاعر تھا میں
کھو دیا دل سے سبھی کے وہ گماں　　وہم کا کچھ نہ رہا نام نشاں
جان بے تاب کو بھی سمجھایا　　پھر تو معمول یہی ٹھہرایا
روز یک بار مقرر جانا　　دو پہر، تین پہر، بیٹھ آنا
لیک کچھ دن بہ دن احوال تباہ　　آج تک کل سے کہیں حال تباہ
منہ کی پہلی سے بحالی نہ رہی　　رنگ میں نام کو لالی نہ رہی
آنکھوں میں اشک بھی آ ہی[2] جائے　　خونِ دل رنگ دکھا ہی[3] جائے
رہے ہونٹوں پہ فغانِ خوں بار　　دم بہ دم دیدۂ تر جیحوں بار
تھاموں گو آپ کو پہ تھم نہ سکوں　　تھاموں تھمنے دے اگر درد دروں
بر سے کچھ چشم سے حیرانی سی　　ٹپکے نظروں سے پریشانی سی
مجھے اس حال کو جب پہنچایا　　رحم تھوڑا سا انہیں بھی آیا
سامنے چپکے سے آ جانے لگی　　چھپ کے وہ شکل دکھا جانے لگی
حرفِ تسکین و مواسا اکثر　　دل دہی اور دلاسا اکثر

۱- نسخہ "کلیاتِ مومن" طبع اول (صفحہ ۳۵۶) و طبع دوم و ششم نول کشور (صفحہ ۲۲۶، ۲۲۶) میں "در" ہے، "بر" ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے تصحیح قیاسی کی گئی۔ مرتب
۲- طبع ۱۸۷۶ء (صفحہ ۲۲۶) میں "آئی" ہے طبع اول (صفحہ ۳۵۶) میں "آہی" ہے۔ مرتب
۳- طبع ۱۸۷۶ء (صفحہ ۲۲۶) میں "دکھائی" ہے۔ طبع اول (صفحہ ۳۵۶) "دکھاہی" ہے۔ مرتب

عذر ہر لہجے میں مجبوری کا
ذکر ناچاری و مجبوری کا

حالت اپنی کو ہوئی اور تغیر
ہوئی اس کو بھی زیادہ تاثیر

چھا گئی چشم میں اک بے خوابی
دل کو بھی رہنے لگی بے تابی

دیکھ غم گیں مجھے وہ غم کھاتی
سن کے حسرت مری سن ہو جاتی

کسی سے روتے اگر سن لیتی
چپکے سے کونے میں جا رو دیتی

صبح تک شب کو نہ سویا کرتی
یاد کر کر غم مرا رویا کرتی

ایک شب ایک جگہ فرصت پا
مجھ کو واں چپکے سے بلوا بھیجا

میں چلا کیسے تجمل سے ادھر
پاؤں رکھتا فلکِ ہفتم پر

جب کہ دروازے پہ پہنچا تو کہا
یخلع اللہ لنا الباب عیسیٰ

پاؤں رکھا جوں ہی گھر کے اندر
لگی اک آگ جگر کے اندر

یعنی وہ شعلہ رخ و شعلہ عذار
بے حجابانہ ہوئی مجھ سے دو چار

بڑھ گئی تابِ جگر سوز مری
خرمنِ صبر پہ بجلی سی گری

کہا کچھ بات کہوں، کہہ نہ سکا
چاہا خاموش رہوں، رہ نہ سکا

چشم و دل دونوں پریشانی میں
جنگ بے تابی وحیرانی میں

وہ کہے چپ کہ ادب کی جا ہے
وہ کہے کہہ لے جو کچھ کہنا ہے

ہاتھ کب آتی ہے ایسی صحبت
مفت میں جاتی ہے ایسی صحبت

ناگہاں ملتی ہے یہ تنہائی
پھر کہاں ملتی ہے یہ تنہائی

سو دمِ چند تو خاموش رہا
نشہ حیرت کا تھا بے ہوش رہا

محوِ نظارہ تماشائے حسن
تختِ حیران خود آرائے حسن

جوش جب دھوم مچانے آیا
رفتہ ہوش اپنے[1] ٹھکانے آیا

پھر تو ہم غم کے بیاں پہ آئے
دل نشیں نالے زباں پر آئے

اپنا احوال سنایا اس کو
دردِ دل خوب جتایا اس کو

سن کے فرماتی ہیں وہ کیا، سب جھوٹ
عشقِ صادق کا ہے دعویٰ، سب جھوٹ

۱- نسخۂ طبع اول (صفحہ ۳۵۷) میں "اپنے" اور طبع دوم اور ششم (صفحہ ۲۷۲، ۲۳۸) میں "اپنا" ہے۔ (مرتب)

یہ تو مانا ہے نہ مانوں گی میں
تم کو بے تاب نہ جانوں گی میں

سن کے یہ میں نے کہا اے بے درد
سچ تو یہ ہے کہ تو ہی ہے بے درد

ورنہ پہنچا ہوں میں مرنے کے قریب
یہ مرض اور نہ درماں نہ طبیب

غور سے سن تپشِ جاں کو مری
دیکھ چشمِ جگر افشاں کو مری

سختیِ ولولہ عشاق سے پوچھ
شوقِ دل والہ ومشتاق سے پوچھ

تو غم و درد کو کیا جانے ہے
شب غم تیری بلا جانے ہے

کیا کہوں آہ یہ قسمت اپنی
جس کے پیچھے ہو یہ حالت اپنی

اس کو پروا ہی نہ ہو کچھ زنہار
فکرِ درماں، نہ خیالِ آزار

کچھ نہ واقف غمِ جاں سے ہو مرے
بے خبر دردِ نہاں سے ہو مرے

جی سدا جس کے لیے بھر آئے
دردِ دل اس کو نہ باور آئے

کہہ کے یہ بات جو میں رونے لگا
اور ہی حال مرا ہونے لگا

پھر تو اشک آنکھوں میں وہ بھر لائی
یہ سخن رو کے زباں پر لائی

کہہ دوں ، میں بھی اگر اپنا احوال
پھر کہو آپ کا ہو کیا احوال

میری حالت کوئی کیا جانے ہے
کیا کہوں خیر، خدا جانے ہے

کہہ کے یہ، سن کے یہ[1] میں وو روئے
روئے اور خوب ہی دو تو[2] روے

آ گئی پھر وہ جدائی کی گھڑی
بات ۔ کہنے میں گئی رات بڑی

وہ ادھر گھر میں مکدر پہنچے
ہم ادھر روتے ہوئے گھر پہنچے

شب جو باقی تھی سو غم میں گزری
اسی اندوہ و الم میں گزری

شب کا کیا حال کہیں طول سے ہم
صبح دم پھر گئے معمول سے ہم

وہی صحبت رہی، وہ ہی عالم
وہی ہنسنا ، وہی رونا باہم

یوں ہی یا عشرت وعیش و آرام
جب کہ گزرے ہمیں کچھ اور ایا

بعد چندے فلکِ ناہنجار
بد چلن، بد روش اور کج رفتار

جمع احباب ، پریشاں گرداں
گردش افزائے بیاباں گرداں

۱- "یہ" طبع ششم (صفحہ ۳۲۹) - مرتب
۲- "دونوں" طبع دوم نول کشور (صفحہ ۲۲۷) میں غلط ہے - قافیہ مصرع اول "وو" ہے اس لیے مصرع ثانی میں "دو تو" صحیح یہی طبع اول اور ششم (صفحہ ۳۲۹،۳۵۸) میں ہے - (مرتب)

دیکھ واں روز کا جانا میرا | بیٹھنا، ہنسنا، ہنسانا میرا
راہ بے داد کی لی ظالم نے | چھوڑ دی راست روی ظالم نے
سر پہ اک آفتِ تازہ لایا | بدسلوکی سے مرے پیش آیا
اور ہی نقشہ دکھایا "ہے ہے" | اور ہی فتنہ اٹھایا "ہے ہے"
اور ہی کچھ ستم ایجاد کیے | جو کیے ظالم سے بے داد کیے
کیا کیا، ہائے کیا آوارہ | بیٹھے بٹھلائے کیا آوارہ
یعنی واں کوچ کی ان کے ٹھہری | ناگہاں کوچ کی ان کے ٹھہری
جس گھڑی ہم تک آئی یہ خبر | چھا گئی بے خبری سی دل پر
اک غلو ہوش پہ بے ہوشی کا | عالم اک اپنی فراموشی کا
وہ فراموشی و غفلت کوشی | بے خودی، بے خبری، بے ہوشی
اس میں پیغام بر آیا واں سے | ترجماں لعل لب جاناں سے
کہ سنا تم نے سفر ٹھہر گیا | اپنا جانا بس ادھر ٹھہر گیا
ملنے کے دھیان رہے جی ہی میں | جی کے ارمان رہے جی ہی میں
سوچتے رہتے تھے تدبیر وصال | تھے ملاقات کے کیا کیا نہ خیال
یوں جدائی کی خبر کاہے کو تھی | دور گردوں پہ نظر کاہے کو تھی
جو کچھ اس وقت بلا نے چاہا | وہ فلک نے نہ خدا نے چاہا
کہیں کیا آہ جو کچھ سمجھے تھے | نہ ہوا آہ جو کچھ سمجھے تھے
خیر وہ تو نہ ہوا، پر نہ ہوا | چاہا تھا جو نہ ہوا، پر نہ ہوا
لیکن اس وقت ذرا فرصت ہے | ہے مکان اور کا اور خلوت ہے
جی میں آ جائے تو آ جاؤ یہاں | آن کر شکل دکھا جاؤ یہاں
اور اس وقت بھی گر آپ نہ آئے | ہم کہاں اور کہاں تم پھر ہائے
سن کے یہ بات میں باحال تباہ | بے خودانہ ہوا اس کے ہم راہ
پایۂ شوق کہاں تک پہنچا | وہ تھی جس جائے وہاں تک پہنچا
کیا نئے ڈھب سے ملاقات ہوئی | کہ نہ کچھ بولے، نہ کچھ بات ہوئی
مل کے حیرت زدگانِ بے کس | دور بیٹھے ہوئے روتے رہے بس
خوں فشاں لب پہ وہ آہیں باہم | حسرت آلودہ نگاہیں باہم

گرچہ ہرگز بھی نہ تھی تابِ کلام — پر یہ بولی وہ ذرا جی کو تھام
کہ یہ کیا حال ہے! کیوں روتے ہو؟ — مفت کس واسطے جی کھوتے ہو
اب تم اوروں سے لگا لیجو جی — نہ ہوے ہم تو کوئی اور سہی
ہاں مگر فکر ہو تو ہم کو ہو — رنج و اندوہ جو ہو ہم کو ہو
کہ بری آہ ہماری خو ہے — ہم میں اک مہر و وفا کی بو ہے
خیر رہنا ہوا اب تک اپنا — اب وطن تم کو مبارک اپنا
تم رہو خوش کسی جاناں کے ساتھ — ہم چلے حسرت و حرماں کے ساتھ
کامِ دل رنج و بلا کو سونپا — تم کو لو ہم نے خدا کو سونپا
کہہ کے یہ اٹھ گئی جی کھوتی ہوئی — ہچکیاں لیتی ہوئی، روتی ہوئی
ہم بھی روتے ہوئے اپنے گھر آئے — بادلِ مضطرب و مضطر آئے
کیا کہوں کیوں کہ گزاری وہ رات — گزری کس حال میں ساری وہ رات
کس سے یہ صدمہ سہا جاتا ہے — کس سے وہ حال کہا جاتا ہے
جو ہو دل دادہ سمجھ لے آپی[1] — کارِ افتادہ سمجھ لے آپی

سفرِ معشوقۂ دل نواز و قلق و آوارگیِ عاشقِ جاں باز

جب سفر قافلۂ شب نے کیا — کوچ ہر اختر و کوکب نے کیا
بار انداز ہوا روزِ سپید — نکلی وہ گھر سے کہ نکلا خورشید
واں چلی وہ تو یہاں جان چلی — ہاں چلی جان کہ ہاں جان چلی
ہم نے بھی چاہا کہ ہمراہی ہوں — ہم دمِ بادِ سحر گاہی ہوں
پاسِ رسوائی سے پر جا نہ سکے — ہم رہِ اہلِ سفر جا نہ سکے
گو نہ کی مرحلہ گردی ہم نے — لیک کی دشت نوردی ہم نے
پاس کا کوئی نہ چھوڑا صحرا — سیر کرتے رہے صحرا، صحرا
دھوم سودے میں مچائی کیسی — دشت کی خاک اڑائی کیسی
اب تلک بھی تو ہے وہ ہی احوال — اب تلک ہے اسی سودے کا خیال
اب تلک بھی تو ہے غم ویسا ہی — اب تلک تو ہے الم ویسا ہی

۱- آپی "آپ ہی" ہے۔ ضرورتِ شعری سے ہاے ہوز گرا دی ہے۔ (مرتب)

اب تلک بادیہ گردی ہے وہی
اب تلک دشت نوردی ہے وہی

اب تلک تو ہے وہی بے ہوشی
اب تلک تو ہے وہی خاموشی

آہ و زاری ہے وہی اب تک تو
بے قراری ہے وہی اب تک تو

وہی حسرت ہے، وہی درماں[1] ہے
وہی اندوہ، و غم ہجراں ہے

وہی دن رات تصور ہے بندھا
شکل ہوتی نہیں آنکھوں سے جدا

ہر گھڑی دھیان وہی، وہ ہی خیال
وہی اندوہ وہی رنج و ملال

وہی دیوانوں کی باتیں ساری
وحشیوں کی حرکاتیں ساری

دلِ بے تاب کو ہے ولولہ یاں
اور وہ ہوں گے صنم میں وہاں

ذکر بھی جاں کا نہ بھاتا ہوگا
دھیان بھی اپنا نہ آتا ہوگا

دن مسرت میں گزرتے ہوں گے
یاد بھی ہم کو نہ کرتے ہوں گے

رات کو اور ہی عشرت ہوگی
غیر سے گرمیِ صحبت ہوگی

ہے محبت میں اثر کہتے ہیں
سنتے لوگوں سے یہ ہم رہتے ہیں

گر یہ سچ ہے تو وہ ہوں گے بے تاب
چین ہونے کا نہیں جوں سیماب

روز و شب یاد ہماری ہوگی
جب نہ لب یاد ہماری ہوگی

ہر گھڑی ہوگا تصور سے وصال
ہر زماں ہوئے گا اپنا ہی خیال

چند یہ لفظ جو آئے لب پر
صدق ان کا نہیں ظاہر سب پر

جو کہ عاشق ہیں سو جانیں گے اسے
منکرِ عشق نہ مانیں گے اسے

کوئی اس بات کو کیا جانے ہے
اس کو لوگوں کی بلا جانے ہے

عشق سے سب تو خبردار نہیں
ہر کوئی محرمِ اسرار نہیں

عشق کے کیا کوئی جانے ہے رنگ
عشق کے پوچھیے ہم سے نیرنگ

عشق کے دیکھے ہیں ہم نے عالم
عشق جانے ہیں اور عشق کو ہم

مرتے دیکھے ہیں بہت دیوانے
سیکڑوں ایسے سنے افسانے

ایک ان میں سے حکایت یہ ہے
کسی مجنوں سے روایت یہ ہے

حکایت بہ تمثیلِ اثرِ عشق دل آزار وذکر جاں دادنِ معشوق و عاشقِ جان نثار

۱- "درماں" نسخہ طبع اول ودوم (صفحہ ۳۶۱، ۲۲۹) میں "ارماں" نسخہ طبع ششم (صفحہ ۳۳۱) میں (مرتب)

اک جواں تھا بہ الم خو کردہ — شورِ وحشت کا نمک پروردہ
حکم بے ربط دو ملکِ جنوں — افسرِ داغ بہ سر چوں مجنوں
کیا کہا گر یہ کہا کچھ نہ کہا — نہ رہا مرتبہ اس کا نہ رہا
قیس کو اس سے بھلا نسبت — ایک شاہ، ایک گدا، کیا نسبت
ذرّے کو مہر سے کیا رتبہ ہے — کچھ بھی ذرے کا بھلا مرتبہ ہے
قیس اک طفلِ دبستانِ جنوں — اور وہ استاد زباں دانِ جنوں
اس سے جب بزمِ غم آرائی ہو — عشق کو مرتبہ افزائی ہو
غم میں اک جان اسی کے باعث — درد کو شان اسی کے باعث
فخرِ الفت کو اسی کے دم سے — ناز وحشت کو اسی کے دم سے
جگر و سرزنشِ نشترِ غم — سینہ وقفِ خلشِ خارِ الم
سر سے لے پاؤں تلک غم تھا وہ — ہاں مگر عشق مجسم تھا وہ
لہو اس چشم سے پے ہم جاری — سیلِ خوں سخت دمادم جاری
دل لگانے کی تمنا اس کو — جی کے جانے کی تمنا اس کو
چاہ کرنے کا[1] سدا آمادہ — یعنی مرنے کا[2] سدا آمادہ
دل میں بس آنکھ لڑانے کی ہوس — زخمِ تیرِ مژہ کھانے کی ہوس
دیکھا گر کوئی دل آرا نقشہ — پھر تو بس اور ہی کچھ تھا نقشہ
صورت اچھی جو نظر آ جاتی — کیا بری شکل وہیں بن جاتی
زلف کی بو جو صبا لانے لگے — جی بکھرنے[3] لگے، غش آنے لگے
گر کسی نے کہی لیلیٰ کی بات — نیند پھر اس کو کہاں ساری رات
نام شیریں کا جو آ جائے کہیں — منہ میں پانی سا بھرا آئے[4] وہیں
ذکر اندوہ سے جی کھونے لگے — عشق کا نام لیے رونے لگے
ایک دن جمع کیے محرمِ راز — ہر طرح، ہر کوئی افسانہ طراز

۱- طبع اول ودوم میں "کا" طبع ششم (صفحہ ۳۳۳) میں "کو" ہے- (مرتب)
۲- طبع اول ودوم میں "کا" طبع ششم (صفحہ ۳۳۳) میں "کو" ہے (مرتب)
۳- "بکھرنے" نسخہ طبع اول اور دوم (صفحہ ۲۳۱، ۳۶۳) میں "بگڑنے" طبع ششم (صفحہ ۳۳۳) (مرتب)
۴- طبع اول ودوم میں "بھرا آئے وہیں" ہے اور طبع ششم (صفحہ ۳۳۳) میں "پھر آئے وہیں"- (مرتب)

کوئی مشغول حکایات کہن ذکر شیریں سے شرر ریز سخن
حال فرہاد سے سرگرم بیاں خوں چکاں حرف و شرر ریز زباں
وحشت قیس سے آشفتہ کلام لفظ غم ریز و[1] جنوں خیز تمام
حرف زن طرفہ روایت سے کوئی قصہ خواں اپنی حکایت سے کوئی
اک بیاں قصۂ مشہور کرے ایک دیکھا ہوا مذکور کرے
ایک نے بات میں کچھ پا کے محل پڑھ دی یہ حضرت مومن کی غزل

غزل

بو کچھ آتی ہے صبا سے تیری ناک میں دم ہے جفا سے تیری
بس لگا لے مجھے چھاتی سے کہ[2] اب تنگ ترہوں میں قبا سے تیری
غیر کو بھی ہے عذاب شب غم کوئی مر جائے بلا سے تیری
جوشِ وحشت ہے یہی تو اک دن الجھیں گے زلف دوتا سے تیری
کیوں کہ حسرت سے فلک کو دیکھوں شرم آتی ہے حیا سے تیری
نہ سنا رنج شب غم ہے ہے دشمنی اہلِ وفا سے تیری
آج ہم رنگ حنا ہے گریہ مل دوں آنکھیں کف پا سے تیری
ہجر میں ہے قلق جاں فگنی حسرت روح فزا سے تیری
مومن اس بت سے بگڑنا ہی نہ تھا بن چکی بات خدا سے تیری

رجوع بہ قصہ

یہ غزل سنتے ہی بے تاب ہوا خوں فشاں دیدۂ پر آب ہوا
دل دہی ولولۂ درد نے کی گرم جوشی نفسِ سرد نے کی
لے لی چٹکی سی خلش نے دل میں گدگدی سے کی تپش نے دل میں
شدت غم سے بھر آئی چھاتی ناخنِ غم سے کھجائی چھاتی
اک دھواں نالہ و افغاں سے اٹھا شعلہ کیسا دلِ سوزاں سے اٹھا

۱- نسخہ طبع ششم (صفحہ ۳۳۳) میں "واؤ" نہیں ہے۔ طبع اول اور دوم میں ہے۔ (مرتب)
۲- "کہ" طبع ششم (صفحہ ۳۳۳) میں نہیں ہے (مرتب)
۳- "تپش و ولولہ" نسخہ طبع اول و دوم (صفحہ ۲۳۱، ۳۶۳) میں۔ "تپش ولولہ" طبع ششم (صفحہ ۳۳۴) (مرتب)

تپش[3] ولولۂ جاں تک پہنچی
آتشِ سینہ زباں تک پہنچی

آگ جو شعلہ اٹھاتی دوڑی
تو اجل آگ بجھاتی دوڑی

جب یہ سمجھا کہ چلی جانِ حزیں
کوئی دم ہے سو دمِ بازپسیں

جی میں آیا کہ وصیت کرلوں
کچھ بیاں جان کی حسرت کرلوں

کہ کوئی حال سے آگاہ نہیں
محرم رازِ نہاں آہ نہیں

سوزشِ دل سے ہوا گرم بیاں
آتشِ حرف ہوئی شعلہ فشاں

کہ سنو ہم نفسانِ ہم دم
ہیں تپِ دل کے جگر سوختہ ہم

یعنی مرتے ہیں اک آتش خو پر
دیتے ہیں دم شکنِ ابرو پر

یہ وصیت ہے کہ جب لاش اٹھاؤ
نعش صحرا کی طرف لے کر جاؤ

وہ جو کوچہ ہے بہت روح افزا
دل کشا، طبع کشا، سینہ کشا

واں سرِ راہ ہے اک بام بلند
سرفرازی میں فلک سے وہ چند

اس میں اک غرفہ ہے باصد تزئیں
ایک مہ وش ہے وہاں غرفہ نشیں

ہائے اس کو میں نہ جا سکتا تھا
ورنہ میں آپ میں آ سکتا تھا

ہے یہ مرنا اسی کافر کے لیے
اسی بے درد[1] ستم گر کے لیے

اسی کے شوق میں جاں نکلے ہے
ہر بنِ مو سے فغاں نکلے ہے

اسی کے عشق میں محروم موا[2]
وصلِ یک شب بھی میسر نہ ہوا

نعش پہلے مری لے جائیو واں
کہ بھلا کوئی تو نکلے ارماں

گو نہ تھک جاؤ وہاں دم لیجو
دم کے دم، جان کے وقفہ کیجو

وہ بھی شاید[3] کہیں آ کر دیکھے
غرفے کی چلون اٹھا کر دیکھے

کہہ کے یہ کھینچی، اک آہِ جاں سوز
جل گیا جوں دلِ ہنگامہ فروز

جان سینے سے گئی درد کے ساتھ
ہو گیا سرد، دمِ سرد کے ساتھ

دیکھ نیرنگ محبت کا حال
اہلِ محفل ہوے حیران کمال

واہ اے عشق اسے جاں سے کھویا
بات کہنے میں جہاں سے کھویا

۱- نسخہ طبع ششم (صفحہ ۳۳۵) میں "بے درد و ستم گر" ہے۔ (مرتب)

۲- نسخہ طبع ششم (صفحہ ۳۳۵) میں "ہوا" اور طبع ۱۲۸۳ھ و ۱۸۷۶ء میں "موا"۔ (مرتب)

۳- "شاید کہیں آ کر" طبع ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۳۵) میں اور طبع دوم ۱۸۷۶ء (حاشیہ صفحہ ۲۳۲) میں "آ کر کہیں شاید" ہے۔ (مرتب)

دوست داروں نے برا حال کیا سارے یاروں نے برا حال کیا
کوئی سرگرمِ فغان جاں سوز نالہ ہنگامۂ محشر افروز
کسی کے لب پہ میں "مر جاتا کاش" کسی کے چہرے پہ ناخن کی خراش
کسی کی آہ کرے خوں باری کسی کی چشم سے دریا جاری
آخر اس طرح بہ احوالِ خراب لے چلے نعش اٹھا کر احباب
الغرض پہنچے جب اس شکل سے واں جس جگہ تھا بت کافر کا مکاں
وہ گلی جس سے تماشہ گہ تھی جلوہ گر غرفے میں وہ ناگہ تھی
دیکھ اس حال کو افسوس آیا گر پڑی دل جو ذرا گھبرایا
گرتے ہی مر گئی بس وہ دل گیر جذب الفت نے دکھائی تاثیر
کچھ نہ سمجھی کہ یہ کیا کرتی ہوں جان کر دیتی ہوں جاں مرتی ہوں
کیا سمجھتی، اسے تھے ہوش کہاں ہوش ہوتے بھی تو کیا ہوتا واں
کہ یہ لکھا ہوا تقدیر کا تھا مقتضی عشق کی تاثیر کا تھا
عشق کے ڈھنگ بیاں کیا کیجئے اس کے تیرنگ بیاں کیا کیجئے
اس کا ہر جائے جدا ہے عالم جس جگہ دیکھو نیا ہے عالم
اس کی تاثیر فسون و جادو اثر اس کا کوئی چھوڑے ہے کبھو
یہ کسی کو نہیں رکھتا محروم جس پہ گزرے ہے اسے ہے معلوم
زندگی میں ہو اگر وصل محال بعد مرنے کے مقرر ہو وصال
کون مایوس بھلا ہوتا ہے جذبۂ عشق برا ہوتا ہے
کشش دل بھی ہے کیا کوئی بلا یار سو کوس سے آتا ہے چلا
پاس فرہاد کے کیسے شیریں مضطرب ہو کے گئی تھی کہ نہیں
سر مجنوں پہ بھی تو ہے مشہور کہ ہوا ناقۂ لیلیٰ کا عبور
چھوڑتا یہ تو کسی کو بھی نہیں کھینچ لاتا ہے کہیں سے یہ کہیں
جب موے پر بھی بر آتی ہو امید وہ بھی آ جائیں تو کچھ کیا ہے بعید
لوگ جا کر بھی تو پھر آتے ہیں گاہ بچھڑے بھی تو مل جاتے ہیں
مومن زار کہ تھا گرم بیاں سوزشِ سینہ سے تھا شعلہ فشاں

دل کی آتش سے جلا خاک ہوا بجھ گیا شعلہ بھڑک کر دل کا

آتشیں نالہ زد و رفت ز ہوش ہم چو شمعِ سحری گشت خموش

ختمِ المومنِ نوحاً حزنیٰ ختم اللہ لنا بالحسنیٰ

(۴)

مثنوی چہارم

چہ در پردۂ دل فغاں بنجم کہ طرحِ چنیں مثنوی ریختم

دمِ شعلہ افشان جانِ حزیں دمِ نام و سالش "تفِ آتشیں"

۱۲۴۱ھ

کھولیو ساقی منہ کو سبو کے پیتے ہیں کب سے گھونٹ لہو کے

جامِ شرابِ احمر بھر دے چشم بھر آئی، ساغر بھر دے

غفلتِ بے جا، رشکِ پری کیوں حال سے میرے بے خبری کیوں

ہوش میں آ، کیا نشہ ہے تجھ کو ایسا کہاں کا نشہ ہے تجھ کو

محوِ تعطل کب تک رہنا مستِ تغافل کب تک رہنا

ربطِ لب و پیمانہ کہاں تک ہا وہوے مستانہ کہاں تک

چپ ہو، سن اب آواز[1] کسی کی آہ فلک انداز کسی کی

شور قلق ہے بانگِ تظلم صور شکن ہے بانگِ تظلم

غور سے سن فریادِ ستم کش جلد کہیں دے دادِ ستم کش

مست شرابِ غم کی خبر لے سینہ کبابِ غم کی خبر لے

جاں گسل ہے جوش خمار نغمۂ دل ہے پیوند گسل ہے

بادہ سختیِ[2] خارہ ہے ظالم شیشۂ دل صد پارہ ہے ظالم

ہائے وبالِ جان ہے جینا جنبشِ دم ہے ریزۂ مینا

۱- نسخہ مطبوعہ ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۳۷) میں "اب" نہیں، نسخہ مطبوعہ ۱۲۸۴ھ اور ۱۸۷۶ء (صفحہ ۲۳۳، ۳۶۷) میں ہے۔ (مرتب)

۲- "سختی" طبع اول اور دوم میں۔ طبع ششم (صفحہ ۳۳۷) میں "تختی" ہے۔ (مرتب)

بادہ سرشک و چشم پیالہ ہا وہوے مستانہ ہے نالہ
نعرۂ غم میں حال دگر ہے بادۂ الفت زہر اثر ہے
یعنی بری اب آن بنی ہے دل شکنی ہے، جاں شکنی ہے
تڑپے ہے سینہ بات کیے سے دود اٹھے ہے سانس لیے سے
ضعف سے کیوں کر حال بیاں ہو لب کو کھلے تو بند زباں ہو
گردش پہلو کیا کی جاوے جسم ہلے جب زلزلہ آوے
چشم کشائی کوہ کنی ہے جنبشِ مژگاں تیشہ زنی ہے
فرشِ زمیں سے جسم بہم ہے یہ بھی مگر اک نقشِ قدم ہے
بادِ صبا سے حال دگرگوں گردشِ بالیں، گردشِ گردوں
جوش تپیدا حوصلہ فرسا دل کی تپش سے زلزلہ برپا
حیرت و حسرت نالہ و زاری مضطربانہ باتیں ساری
بہہ گئے خوں ہو دل جگر اپنے آتا ہے رونا حال پر اپنے
گریۂ خونی غیرت جیحوں منبع قلزم، دیدۂ پرخوں
بس کہ سرشکِ خوں سے بھرا ہے عرصہ دامن، "صحن منا" ہے
دل کے قلق سے دشت نوردی نقشِ قدم ہے صحرا گردی
پڑ گئے لاکھوں پاؤں میں چھالے جوش جنوں نے پاؤں نکالے
ہائے اذیت کیوں کر جاوے چین نہ آوے، موت نہ آوے
کاوشِ تازہ پے ہم جی کو نزع کی حالت ہر دم جی کو
سخت مشوش ہوں کیا کیجے دل کو تسلی کیوں کر دیجے
کس کنے بیٹھوں، کیوں کر ٹھہروں ٹھہرے یہ دل تو دم بھر ٹھہروں
یار نہیں ہیں اپنے ڈھب کے آئے ہے وحشت ملنے سے سب کے
سیر گلستاں، خار لگے ہے موج رواں، تلوار لگے ہے
شعر رواں سے اشک رواں ہو راگ سنے سے مشق فغاں ہو
دردِ نہاں نے پیر نکالا عمر ابد نے مار ہی ڈالا
راحتِ دل کیا تاب نہیں ہے موت تو کیسی، خواب نہیں ہے
چشم رکھے وا دردِ نہفتہ سونے نہ دیوے طالع خفتہ

ضعفِ دل اپنا زور جتاوے نیند کے بدلے غش پہ غش آوے

ولولہ طاقت، سوزِ قیامت رات کٹے جوں روزِ قیامت

کھانا بالکل چھوٹ گیا ہے غصہ و غم ہر وقت غذا ہے

کام نہیں ہے جز ناکامی آب کے بدلے خوں آشامی

موجۂ دریا اشک دمادم آہ و فغاں دنبالہ رو ہم

سجدۂ ہر دم شعلہ فشانی قبلۂ دوزخ، داغِ نہانی

خلعتِ زیبا، داغ تن اپنے گرد عبیر پیرہن اپنے

جامۂ سالم دیکھ قلق ہو جیب سیے سے سینہ شق ہو

تابہ کجا خاموش رہوں میں حال دل اپنا کچھ نہ کہوں میں

رحم کی اس کے آس کہاں تک رازِ نہاں کا پاس کہاں تک

ضبط کہاں تک جی پہ بنی ہے صبر کہاں تک، اپنے بھی جی ہے

جان کو کوئی کب تک کھووے اب تو کہیں گے ہووے سو ہووے

رخصتِ نام و ننگ ہے اب تو قافیہ اپنا تنگ ہے اب تو

اب تو کدورت دل کی نکالیں خاک کہاں ہر بات پہ ڈالیں

اب تو لحاظ اس کا نہ کریں گے شکوۂ بے باکانہ کریں گے

کھولتے ہیں لب رازِ نہانی شوخ بھی دیکھے شوخ بیانی

نالۂ جاں کاہ آئے ہے لب تک دردفزا آہ آئے ہے لب تک

قصۂ عشق آغاز ہوا ہے بسملہ مدِ آہِ رسا ہے

تازہ حدیثِ عاشقِ غم کش شکوۂ جور و تابِ ستم کش

کون ستم کش یعنی مرا دل کون ستم گر یعنی وہ قاتل

جس نے کہ خاک و خوں میں لٹایا اشک کے بدلے خون رلایا

جس نے ہمیں ناکام کیا ہے سچ تو یہ ہے کیا کام کیا ہے

بس کہ طبیعت مشغلہ جو تھی اپنی سدا سے چاہ کی خو تھی

اہلِ جفا میں دھوم تھی اپنی جور کشی معلوم تھی اپنی

شوق نہاں مشہور ہمارا دیکھو جہاں مذکور ہمارا

سب کو تمنا چاہ کی اپنی کان کو لذت آہ کی اپنی

گرم ادا، دل سوز جلن کے | تنگ دہن مشتاق سخن کے
اور ہمیں بھی چاہ کا لپکا | عشق دل[1] و جان کاہ کا لپکا
مہر وشوں سے لاگ سی دل کو | گرم رکھے اک آگ سے دل کو
ایک نہ اک سے کام ہی رہوے | نام سدا بدنام ہی رہوے
تاب ہمیشہ صرفِ جفا ہو | عجز نیازِ ناز سدا ہو
جب کہ بہت تکلیف اٹھائی | حال پہ اپنے مرحمت آئی
سمجھے کہ بگڑا طور کچھ اپنا | حال بنا اب اور کچھ اپنا
جان بہ غم خوگر کو بھائی[2] | عشق سراپا غم کی بر آئی
جی کو سنبھالہ حیلہ و فن سے | دل بہلایا شعر و سخن سے
عیش کو پھر مہمان بلایا | ربط قدیمی یاد دلایا
تازہ کھلا گل باغ طرب میں | ربط ہوا گل خند و لب میں
ہو گئی یاری دل سے خوشی کی | ٹھہری تبسم سے بھی ہنسی کی
جان و فرح ہم گوہرِ راحت | خواب و مژہ ہم بسترِ راحت
چشم تر و شورابۂ غم میں | سو شکر آبی اک اک دم میں
سیر چمن میں روز گزاری | ہم نفسِ دم بادِ بہاری
رود و شراب و صحبتِ یاراں | رات کہ عیدِ بادہ گساراں
طبع کشیدہ، رنج کشوں سے | گرمیِ صحبت شعلہ وشوں سے
زمزمہ سازی سے دم سازی | چنگ نوازی، گوش نوازی
سینے سے ٹھنڈک کو جو لگایا | سوزشِ دل کا سینہ جلایا
حوصلہ ہائے جان نکالے | دل کے سبھی ارمان نکالے
چندے یوں ہی اوقات بسر کی | عیش و طرب میں شام و سحر کی
چرخ نے دیکھ آرام ہمارا | غم سے زمیں پر سر دے مارا

---

[1] "عشق دل و جاں کاہ" طبع اول (صفحہ ۳۷۰) میں، طبع دوم اور ششم (حاشیہ صفحہ ۲۳۵، ۳۴۰) میں "عشق و دل جاں کاہ" ہے۔(مرتب)

[2] "سمجھائے" نسخہ مطبوعہ ۱۸۷۶ء (حاشیہ صفحہ ۲۳۵) اور نسخہ طبع ششم ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۴۰) اور طبع اول (صفحہ ۳۷۰) میں "بھائی" ہے۔(مرتب)

جان فلک کی ہو گئی مضطر   دم میں بدل گئے آنکھیں اختر
چرخ کو اپنا چین نہ بھایا   دورِ زماں کو چین نہ آیا
ظلم فرامش یاد کیے پھر   جور و ستم ایجاد کیے پھر
عشق کو خوابِ خوش سے جگایا،   بیٹھے بٹھائے فتنہ اٹھایا
تلخیِ غم دی عیش اٹھا کر   شہد پلایا زہر ملا کر
یعنی ہمارے ہمنروں سے   ہم نسبوں سے، ہم گھروں سے
شادی اُٹھی اک گھر میں شتابی   اس میں ہوئی یہ خانہ خرابی
بس کہ تکلف نالہ اثر تھا   ان کا مکاں بھی اپنا ہی گھر تھا
تھی جو وہ بزمِ جاں و دل آرا   میں ہی[1] وہاں تھا محفل آرا
کارکن و مختار وہاں میں   مہتمم ہر کار وہاں میں
اندر باہر سور فزائی   تھی متعدد بزم آرائی
سوے ہر اک بزم اپنا گزر ہو   مجھ کو پکاریں کام جدھر ہو
اپنا گزر جوں صاحبِ خانہ   تا درِ رنگیں بزمِ زنانہ
پردے سے اک آواز خوش آئی   جس نے یہ چپ ہے مجھ کو لگائی
وصف کی اس کے تاب کہاں ہے   رنگِ بیاں کی لال زباں ہے
لفظ جو تھے مربوط صدا سے   سو نہ ادا ہو نطق ادا سے
کیا کہوں اس کی سحر بیانی   لفظ کئی اور لاکھ معانی
لفظ نہ تھے اک تازہ فسوں تھے   جس کے مؤکل عشق و جنوں تھے
چھیڑ کی باتیں جادوے بابل   جس سے مسخر ہو ہی گیا دل
گرچہ سخن کا ہوش کہاں تھا   لیک عجیب ناز[2] فغاں تھا
ہم سخنی ، پر طور دگر سے   بات اِدھر سے، نالہ اُدھر سے
آہ نے کتنی تیز اثری کی   پردہ نشیں نے پردہ دری کی
چلمن[3] اٹھا کے دوں ہی گرا دی   ایک جھلک سی اپنی دکھا دی

۱- "ہی" نسخہ مطبوعہ ۱۲۸۴ھ اور ۱۸۷۶ء (صفحہ ۲۳۶،۱۷۳) لیکن طبع ششم ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۲۱) میں "بھی" ہے۔ (مرتب)

۲- "تازہ فغاں" نسخہ طبع ۱۸۷۶ء (صفحہ ۲۳۷)۔ نسخہ طبع ۱۲۸۴ھ اور ۱۹۳۰ء (صفحہ ۱۷۲، ۳۲۱) میں "تیز فغاں" ہے (مرتب)

۳- "چلون اُٹھا کر" نسخہ مطبوعہ ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۲۱) اور نسخہ طبع ۱۸۷۶ء (صفحہ ۲۳۷) میں "چلمن اٹھا کے" ہے۔ (مرتب)

پردہ اٹھایا شوقِ نہاں نے — منہ کو چھپایا تاب و تواں نے
کیا کہوں عالم اتنی جھلک کا — رنگ اڑے ہے مہرِ فلک کا
جوں نظر آئی ووں ہی نہاں تھی — کیسی تجلی برقِ تپاں تھی
دیکھ وہ عالم جلوہ گری کا — ہوش اڑے یک بار پری کا
قامتِ رعنا، آہ ستم کش — تابِ جبیں یا شعلۂ آتش
زلفِ مسلسل سلسلہ جنباں — حلقۂ کاکل یا درِ زنداں[1]
تیغ شکاری جنبشِ ابرو — چشم کی گردش، شوخیِ آہو
کشتۂ مژگاں ترکِ نگاہاں — سرمہ فسانِ تیغِ صفاہاں
رنگِ صبا، گل ریزِ تکلم — خندۂ گل بن، طورِ تبسم
بس کہ وہ شکلِ پردہ نشیں ہے — دل سے زباں تک آتی نہیں ہے
گرچہ مرا ہر موے زباں ہو — تو بھی سراپا وہ نہ بیاں ہو
ہو متحیر دیکھ رہا میں — دیکھ وہ عالم مر ہی گیا میں
عالمِ حیرت رخ نے دکھایا — آئنے نے آئینہ بنایا
کھنچنے نہ پائے رنج پہ ہم — حیرتِ دل سے کھوئے گئے ہم
دل میں رہے صد حرف نہ گفتہ — کھل نہ سکا کچھ شوقِ نہفتہ
کیا کہوں حالت جانِ حزیں کی — بات تو سمجھو، بات نہیں کی
دیر تلک بے ہوش پڑے تھے — اٹھ کے بھی تو خاموش کھڑے تھے
وقتِ سخن کب طاقت آئی — جب وہ گئے تب طاقت آئی
کس کا سخن اب بات[2] کہاں کی — تاب جو کچھ تھی صرف فغاں کی
جاتے ہی اس کے آئی قیامت — راحتِ رفتہ لائی قیامت
دل نے ادھر کو پھر نہ کیا منہ — پھرتے ہی وہ منہ، پھیر لیا منہ
دم میں بگڑ گئی بازی ساری — تاب و تواں نے طاقت ہاری
لے گئی میرا چین وہ بالکل — ساتھ سدھاری صبر و تحمل
جوش نے اٹھ کر جی ہی بٹھایا — شوق نے کیا ہنگامہ اٹھایا

۱- "دندان" طبعِ اول (صفحہ ۳۷۲) میں غلط ہے۔ طبعِ دوم و ششم میں "زنداں" ہے (مرتب)
۲- "بات" طبعِ اول و دوم (صفحہ ۳۷۳، حاشیہ ۲۳۷) میں، طبعِ ششم (صفحہ ۴۲۲) میں "تاب"۔ (مرتب)

دم میں تمنا کے جو نہ آوے دم بھی نہ لے جی جاوے ہی جاوے
گر شد فریب امید نکالے جان کو اس دم کون سنبھالے
تابِ اجل ، نے جینے کا یارا رنج میں جوں توں روز گزارا
شام کو بارے آنکھ بچا کر دیکھ گئے اس حال کو آ کر
آ کے تسلی دے گئے کچھ کچھ تاب و تواں پھر لے گئے کچھ کچھ
کیا کہوں کیا کیا جلوے دکھائے ووں ہے گئے اور ووں ہی پھر آئے
لطف و نوازش ہائے پے ہم ٹھہرے نہ ٹھہرے آئے پے ہم
روزِ وداعِ بزم جب آیا مژدۂ مرگِ تازہ سنایا
آ کے کہا[1] سو ناز و ادا سے بس نہیں چلتا حکم خدا سے
وصل بھلا تدبیر سے کیا ہو جنگ و جدل تقدیر سے کیا ہو
چاہا تھا تسکین دیجیے تجھ کو کچھ تو تسلی کیجیے[2] تجھ کو
سو تو کسی ڈھب سے نہ بن آئی بگڑی جو ترکیب بنائی
کچھ بھی اگر تدبیر بن آتی جی ہی میں جی کی کیوں رہ جاتی
دل دہی کرتے اور دل لیتے یاں ہی جو ملتے تو مل لیتے
یاں سے گئے پر ملنا مشکل وصل و[3] جدائی کیا کیا مشکل
ملیے تو ملنا کیوں کر ہووے بن ملے حالت ابتر ہووے
قید کہوں کیا اپنے میں گھر کی کانپتی جاوے باد سحر کی
دھیان نہ آنے پائے کسی کا ذکر نہ ہرگز آئے کسی کا
بادِ صبا پیغام نہ لاوے مرغ سلیماں اڑنے نہ پاوے
تا دم مرگ ارمان نہ نکلے نزع بھی ہو تو جان نہ نکلے
ضعف سے غش بھی ہونے نہ پاؤں طاقت کیا جو آپ سے جاؤں
رفتہ زناں[4] کا چرچا ہووے عمر رواں کا چرچا ہووے

۱- "آگے سو سو" نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۳۴۳) میں غلط ہے نسخۂ مطبوعہ ۱۲۸۴ میں "آ کے کہا سو" صحیح ہے۔(مرتب)
۲- "کیجیے" نسخۂ طبع اول طبع دوم اور ششم (صفحہ ۲۳۸، ۳۴۳) میں "دیجیے" بھی غلط ہے، اور نسخۂ طبع دوم اور ششم (صفحہ ۲۳۸، ۳۴۳) میں "دیجیے" بھی غلط ہے۔ کیجیے، قافیہ ہے۔(مرتب)
۳- نسخۂ مطبوعہ ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۴۳) میں "و" نہیں ہے نسخۂ طبع اول و دوم (صفحہ ۳۷۳، ۲۳۸) میں ہے۔(مرتب)
۴- "زناں" نسخۂ طبع اول اور دوم (صفحہ ۳۷۳، حاشیہ صفحہ ۲۳۸) میں، طبع ششم صفحہ ۳۴۳) میں "زماں"۔(مرتب)

سب کی نیند اس فکر میں جاوے — خواب میں بھی تا کوئی نہ آوے
آمد و شد کیا ہووے فسانا — رات کا آنا ، روز کا جانا
جب کی جاہی کہیے کہاں تک — جبر نہ آوے قید یہاں تک
خیر پھر اب اے جان ملیں گے — جیتے رہے تو آن ملیں گے
یاں ہی کبھی گر آئیں گے اب کے — تم سے بھی ہم مل جائیں گے اب کے
وہ تو گئے کہہ کے ادھر کو — یاں قلق آیا دیکھنے گھر کو
چھٹتے ہی، ہجراں سخت[1] کی شامت — آپ سے مہماں آئی قیامت
نالۂ دل و جاں نے شور مچایا — خانۂ گردوں سر پہ اٹھایا
آہ نے آتش دی دل و جاں کو — آپ جلایا اپنے مکاں کو
زلزلۂ بے تابیِ جاں سے — گر گئے ارکاں تن کے مکاں سے
اشک نے کیا کیا کی خوں ریزی — چشمۂ چشم و جیحوں ریزے
جوشِ تپیدن کام نہ آیا — جی نہ گیا، آرام نہ آیا
جی پہ بنائی کیا کیا دل نے — کام بگاڑا اپنا دل نے
زردیِ رخ نے رنگ کیا کیا — وسعتِ غم نے تنگ کیا کیا
سینہ غبارِ غم سے مکدر — آئینۂ دل دم سے مکدر
نقشِ قدم گل دستۂ قالیں — سنگ و زمیں سے بستر و بالیں
صبر خیال و تاب زمانہ — مشغلہ خواب و خواب فسانہ
عیشِ وطن ، اندوہِ غریباں — دستِ جنوں سے چاک گریباں
پاؤں سے وحشت سر نہ اٹھاوے — شوق مغیلاں تلوے کھجاوے
سوزِ نہانی ثانی دوزخ — سینہ کرے مہمانی دوزخ
سیرِ گلستاں سے خفقاں ہو — دیکھ کے جدول اشک رواں ہو
خار چبھیں گل کشتِ چمن سے — ناک میں دم خوش بوے سمن سے
نغمۂ بلبل نالہ سکھاوے — خندۂ گل پر رونا آوے
چہرے سے ظاہر دردِ دروں ہو — حالِ زبوں ہر روز فزوں ہو

۱- بخت

اک دن آخر جی گھبرایا — لوٹنے سے بھی چین نہ آیا
دل نہ تھما ہر چند سنبھالا — دم[1] نہ گیا سو طرح نکالا
صبر گسل بے تابیِ جاں اب — پاس و لحاظِ ننگ کہاں اب
سلسلۂ ناموس جنوں سا — سلسلہ جنباں شوق دروں سا
اٹھ کے غرض ناچار چلے ہم — جانب کوے یار چلے ہم
نشے کا عالم شوق سے ہم پر — لغزشِ پا ہر ایک قدم پر
سوچتے دل میں عذر و بہانہ — خوش حرکاتِ مضطربانہ
دل نے غرض اک بات بنائی — خضر نے بھی یہ راہ نہ پائی
حیلہ بہانہ کیا کہ کرامت — جیتے ہی جی ہو جس سے قیامت
پہنچے جوں ہی ہم جا کے گھر اس کے — ہوش گئے دروازے پہ اس کے
دیکھے نگہ باں چشم سے بہتر — آنکھ سے ٹپکے خونِ کبوتر
چلنے نہ دیویں بادِ بہاری — تا نہ کرے پیغام گزاری
پھر نہ سکے گرد اس کے مکاں کے — ہو نہ سکے قربان وہاں کے
آرزوے لب بوسہ زمیں کا — سجدۂ در ارمان جبیں کا
کیا کہوں کیا کیا رہ گئی دل میں — دل کی تمنا رہ گئی دل میں
اتنے میں نکلی گھر سے باہر — خادمۂ بد مکروہ المنظر
تفرقۂ لب، چاک گریباں — رخ کی سیاہی شامِ غریباں
خاک و محیط گنبدِ مینو — مرکزِ چشم و دورۂ ابرو
بینی و دو رخسار فسردہ — نیچے کے خم پر ابرِ مردہ
خرس کی پشم اشعار خمیدہ — سخت غبار آلا ، ژولیدہ
نقش اجل ، تصویرِ وبا تھی — صورت فتنہ ، شکل بلا تھی
ڈائنوں کا وہ کھائے کلیجا — دیو کا خود پھٹ جائے کلیجا
بات میں وہ آواز مسلسل — صور کا جیسے نفخۂ اول
جیتے نہ دیکھا اس کو کسی نے — دل نہ دیا آسودہ دلی نے
اس کی جبلت میں غم گینی — شیرۂ مادر سرکہ جبینی

۱- "دل" نسخہ مطبوعہ ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۴۵) میں غلط اور نسخہ ۱۲۸۴ء (صفحہ ۲۳۹،۳۷۵) میں "دم" صحیح ہے (مرتب)

اس سے کہا جو دل نے بتایا وہ ہی جو دل میں تھا ٹھہرایا
تازہ پیامِ سودا بھیجا مشورۂ دل کہلا بھیجا
واں سے جواب صاف ہی لائی بات بنائی پہ نہ بن آئی
درد شراب تلخی قاتل تلخ سخن مانند ہلاہل
ساختہ حرف تلخ نمایاں اس لب شیریں پہ سو بہتاں
سایہ نمط ناچار پھرے ہم خاک پہ ہر ہر گام گرے ہم
وردِ لب جانِ سرگشتہ صد گلۂ بخت برگشتہ
آن کے گھر میں پھر وہی حالت بلکہ زیادہ یاس و خجالت
پھر تپشِ دل زلزلہ آرا پھر قلق جاں حوصلہ فرسا
غلغلہ ہم آہنگِ قیامت یاس ہیبتِ رنگِ قیامت
خوف کہ بس کر آئے یہ کیا ہم ڈر کہ ہوئی رسوائی باہم
نام کیا بدنامی دل نے کام کیا ناکامی دل نے
بس کہ ہوئی تشویش مذلت کرنے لگے تفتیش مذلت
ہائے خبر تو خوب نہ پائی ہو گئی عالم میں رسوائی
تھی جو امید جاں بہ لب اپنی مر ہی گئی کیا کہیے اب اپنی
اٹھ گئی کیا مایوس تمنا ہائے امید، افسوس تمنا
اب کی قلق بے طور زیادہ حالت ابتر اور زیادہ
یاس و غم و اندوہ، خجالت جاں شکنی کچھ نزع کی حالت
طور یہ ظاہر مرنے کے سارے چار مہینے یوں ہی گزارے
کیسے مہینے عمرِ دو عالم روزِ قیامت جس کا ہر اک دم
بخت نے کیا کیا کچھ نہ کیا پھر چرخ نے تازہ داغ دیا پھر
یعنی وہ رشکِ مہرِ درخشاں آئی مرے اک دوست کے مہماں
اور یہ مجھ کو بھی خبر آئی جانِ تمنا دوڑ کر آئی
غم سے شگونِ تازہ لیا پھر مشورہ دل سے میں نے کیا پھر

۱۔ "لے پہ ہم" نسخۂ ششم (صفحہ ۳۴۷) میں ہے لیکن نسخۂ اول اور دوم (صفحہ ۷۸، ۳ و ۲۴۰) میں "پہ ہم" ہے (مرتب)

دل نے کہا اے شوقِ مجسم / مضطربانہ کام پہنچے ہم
جان سے تجھ کو کھو کے رہیں گے / جانے ہم[1] تو اب نہ کہیں گے
جانے سے ہو گی پھر رسوائی / جان کے کیوں اندوہ فزائی
ایسا ہی گر ہے حوصلہ فرسا / شوق سراپا زور[2] تقاضا
لاؤ زباں پہ کامِ تمنا / بھیجو اسے پیغامِ تمنا
مجھ کو بھی دل کی بات جو بھائی / محرمِ راز اک جلد بلائی
اس کو اسی دم اس جا بھیجا / حالِ دل اپنا کہلا بھیجا
گرمیِ شوق و سوزِ نہانی / آہ سحر کی شعلہ فشانی
چشمِ سہر[3] آلودہ کا شکوہ / بخت بہ خواب آسودہ کا شکوہ
قوت فزائی غصہ و غم کی / آب دہی خوں نابِ ستم کی
ہجرِ قیامت زا کی شکایت / مرگِ قدم فرسا کی شکایت
عرضِ حجاب رسوا کردن / عذرِ امید بے جا کردن
حرفِ زباں زد ہجر کی کاہش / عرضِ مکرر وصل کی خواہش
اس نے لیا جوں نام ہمارا / دینے لگی پیغام ہمارا
سنتے ہی نام عاشقِ بے کس / کہنے لگی کس ناز سے بس بس
بار دگر یہ نام نہ لینا / رنج پیہم مجھ کو نہ دینا
نام کو اس کے آگ لگاؤں / دل کی طرح سے اس کو جلاؤں
ننگِ دو عالم آپ تو تھا ہی / مجھ کو بھی کیا بدنام کیا ہی
پھر نہ سوالِ وصل کرے وہ / پھر نہ خیالِ وصل کرے وہ
اب نہ توقع دھر، نہ ملوں گی / اب نہ تمنا کر نہ ملوں گی
اب نہ ملوں گی یاد رہے یہ / نام نہ لوں گی یاد رہے یہ
وہ نہیں اپنی چاہ کے لائق / کب ہوں کسی بدنام پہ عاشق

۱- "جانے ہم" نسخہ اول ودوم (صفحہ ۳۷۸، حاشیہ ۲۴۰) میں لیکن نسخہ طبع ششم (صفحہ ۳۴۷) میں "جانے کو ہم" (مرتب)
۲- "زور و تقاضا" طبع اول (صفحہ ۳۷۸) "روز و تقاضا" طبع دوم (حاشیہ صفحہ ۲۴۰) "روز تقاضا" طبع دوم (صفحہ ۳۴۷) میں صحیح ہے۔(مرتب)
۳- "سہر" طبع اول (صفحہ ۳۷۸) میں اور "سحر" طبع دوم و ششم (صفحہ ۲۴۱، ۳۴۷) میں۔(مرتب)

خواب تمنا یاب نہ دیکھیں　　ملنے کا میرے خواب نہ دیکھیں
مرتے ہیں تو مر جائیں بلا سے　　چاہتی ہوں میں یہ تو خدا سے
آہ نہ دیکھا حالِ زبوں کو　　ہائے نہ سمجھی جوشِ جنوں کو
غور نہ کی بے تابیِ جاں پر　　کان نہ رکھا شورِ و فغاں پر
غصے کے بدلے رحم نہ کھایا　　کچھ بھی خدا کا خوف نہ آیا
سمجھی نہ ناحق خوں کا اثر وہ　　سوچی نہ جی میں یہ کہ اگر وہ
سنتے ہی یہ مر جائے تو کیا ہو　　خون ہے مومن کا نہ برا ہو
جی سے گزرنا کیا عجب آخر　　دیر سے ہے وہ جاں بہ لب آخر
پہلے بھی عاشق یوں ہی موئے ہیں　　ایسے ہزاروں قصے ہوئے ہیں
سیکڑوں ہیں مشہور فسانے　　ان کو بھلا گر کوئی نہ مانے
آنکھوں کی دیکھی بات کہوں میں　　جوش ہے کیا خاموش رہوں میں

حکایت

عشق جبلت ایک جواں تھا　　زمزمہ سنج آہ و فغاں تھا
سر تا پا تاثیرِ محبت　　شکلِ وفا، تصویرِ محبت
نالے عظام غیرت نے میں　　خونِ تمنا ہر رگ و پے میں
صبح جدائی، شام غریباں　　کامِ دل، ناکام رقیباں
بے رخ رشک شمع منور　　تاب نہ وہ پروانہ مضطر
برق تپش آرام تپیدن　　شوخی آہو رام رمیدن
چہرے سے ٹپکے حیرت یک سر　　چین و جبیں آئینہ و جوہر
سیر چمن گل ریز جفا ہو　　جلوۂ لالہ داغ فزا ہو
آب رواں سے جی گھبراوے　　عکس سے اپنے وحشت آوے
ہو جو سرشک اس چشم سے جاری　　آنکھ چراوے ابرِ بہاری
ضعف سے مشکل[1] گردشِ بالیں　　ہر حرکت جوں صورت قالیں
کیوں کہ زباں پہ حرفِ غم آوے　　بات سے پہلے لب پہ دم آوے

۱- "مشکل" نسخہ مطبوعہ ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۲۹) میں۔ "مشکل" نسخہ مطبوعہ ۱۸۷۶ء (صفحہ ۳۴۲) میں۔ (مرتب)

غش میں پڑا جوں مردہ ہووے — نیند کہاں، پر پہروں سووے
حال پہ اس کے شفقت آوے — تو بھی نہ اس کو کوئی جگاوے
آپ ہی جاگے، جاگے نہ جاگے — آئے حواس اور سارے بھاگے
جاگتے ہی اک فتنہ جگایا — آنکھ کھلی اور طوفاں آیا
گریۂ شور آمیز تلاطم — آب وہ آئینۂ قلزم
سیل سرشک، آثار خرابی — اہل محاسہ مردم آبی
گریۂ خونیں سے دمِ طغیاں — دستِ مژہ جوں پنجۂ مرجاں
سینہ بہ رنگ آبلہ لپکے — آہ سحر سے دوزخ ٹپکے
نامِ دوا، آزار فزا ہو — دل سے نہ دم بھر ہاتھ جدا ہو
چہرہ گل و گل رنگ شکستہ — رنگ و ہزارہ دامِ گسستہ
شورِ فغاں تمہیدِ قیامت — داغ جنوں، خورشیدِ قیامت
دیکھے جدھر کو چشم بھر آوے — آنکھ میں آنسو جوں نظر آوے
قوت، غذا، غم، غصہ کھانا — خواب فراش نیند کا آنا
جامہ قبائے گل اندامان — جیب سحر ہم دامنِ داماں
شاخ کماں غم کھینچے سے بازو — سینے میں تیر عشق ترازو
ضعف قوئی سے چارہ کم اس کو — کھینچنا مشکل تا بہ دم اس کو
ہر دم لب پہ جانِ حزیں تھی — ہر آن، آنِ باز پسیں تھی
سنگ ہو آب اندازِ نظر سے — یاس در و دیوار سے برسے
دل کی حقیقت کچھ نہ کہے وہ — دیکھے جدھر کو دیکھ رہے وہ
شدت رقت میں ہنس دیوے — تا کوئی عاشق جان نہ لیوے
رازِ نہفتہ سب سے چھپاوے — اپنے کو دیوانہ بناوے
یار و عدو، بیگانہ و ہم دم — حال سے اس کے سب نا محرم
جو کوئی پوچھے حال، نہ بولے — بات تو کیا پھر منہ بھی نہ کھولے
تنگ کرو تو تھوک اڑاوے — ہوش تو خاصے، پہ کف لاوے
یاں کوئی اپنا کیا سر مارے — سخت کہو تو پتھر مارے
کان میں پوچھو دھوم مچاوے — بات کو یوں ہے دم میں اڑاوے

کچھ نہ کھلے احوال کسی پر ۔۔۔ گزرے جو کچھ سو اپنے ہی جی پر
دل ہی سے دل کا حال بیاں ہو ۔۔۔ دردِ نہاں کا چارہ نہاں ہو
ذکرِ الم غماز نہ ہووے ۔۔۔ ہونٹ ہلیں آواز نہ ہووے
جب نہ ہو کوئی تو بن آوے ۔۔۔ باتیں ہزاروں جب تو بناوے
اپنے سے ہووے اپنی حکایت ۔۔۔ طالع و چرخ و دل کی شکایت
جور و جفائے یار کا شکوہ ۔۔۔ فرقتِ دل آزار کا شکوہ
سن ہی لیا اک یار نے ناگہ ۔۔۔ ہو ہی گیا سب حال سے آگہ
آگہی اپنی اس کو جتائی ۔۔۔ بگڑے سے بھی پھر کچھ نہ بن آئی
حرفِ دروغ آثار سے کیا ہو ۔۔۔ ہوکے مقر انکار سے کیا ہو
حال جب اپنا آپ کہا کچھ ۔۔۔ پھر نہ بنی اقرار سوا کچھ
آخر اسے ہم راز بنایا ۔۔۔ درد فزا افسانہ سنایا
یعنی یہ غم جو دل میں نہاں ہے ۔۔۔ نقب زنِ غم خانۂ جاں ہے
اس کا سبب اک پردہ نشیں ہے ۔۔۔ حور کو جس سے پردہ نہیں ہے
چشمِ دل مایوس ملائک ۔۔۔ پردہ درِ ناموس ملائک
روئے نظر پر برقع ادا سے ۔۔۔ غرقِ عرق آئینہ حیا سے
نازِ نہفتہ طرزِ حیا میں ۔۔۔ چرخ کہیں شاگرد جفا میں
شرم زیادہ ناز و ادا سے ۔۔۔ ناز و ادا شرمندہ حیا سے
لا نہ سکوں غم دل[1] کا زباں تک ۔۔۔ جا نہ سکے پیغام وہاں تک
نکلے تو جی اور راہ نہ نکلے ۔۔۔ راہِ ملاقات، آہ نہ نکلے
یاس انیسِ دردِ نہانی ۔۔۔ آرزو اپنی دشمنِ جانی
اُس نے کہا پھر صبر کہاں تک ۔۔۔ اب تو کسی کو بھیجیے واں تک
حال سے اس کو کچھ تو خبر ہو ۔۔۔ حرفِ الم کا کچھ تو اثر ہو
شاید اسی سے چارہ گری ہو ۔۔۔ چارۂ دردِ بے خبری ہو
وہ ہی کوئی تدبیر نکالے ۔۔۔ جانِ تپش آرا کو سنبھالے
ورنہ یوں ہی مرجاؤ گے اک دن ۔۔۔ چین نہ غم سے پاؤ گے اک دن

۱- "لا نہ سکوں" طبع اول اور دوم، "لا نہ سکے" طبع ششم (صفحہ ۳۵۱)- (مرتب)

عمر کے باقی ہیں جو کئی دم　　ہوئیں گے صرفِ نالۂ پے ہم
جان سے وہ بھی تنگ تو تھا ہی　　ووں ہی کسی کو بھیج دیا ہی
مطلب و مضموں خوب سکھا کر　　قصہ سنا کر، حال دکھا کر
اس نے جب اس کو تنہا پایا　　حال سراپا، رنج سنایا
حالتِ عاشق، شرح و بیاں کی　　آہ پے ہم وردِ زباں کی
عرض کیا پیغامِ تمنا　　مطلب یاس، انجامِ تمنا
رو کے حدیثِ شوق ادا کی　　آگ پہ روغن تھی نم نا کی
جل کے کہا یوں سوزِ نہانی　　جس سے کہ دل ہو کوہ کا پانی
سن کے پیام زلزلہ مضموں　　اس نے جواب ناز دیا یوں
صبر نہ تھا تو عشق کیا کیوں　　چاہ کا میری نام لیا کیوں
پہلے ہی کرتا تھا حذر ان کو　　مرنے سے حاصل جان کر ان کو
ملنے کو سمجھے کیوں مرے آساں　　کیوں نہ ہوے اس وقت ہراساں
فائدہ اب پیغام دیے سے　　حاصل کیا بدنام کیے سے
کوئی جفائے عشق سہے کیوں　　تاب نہ ہو تو زندہ رہے کیوں
ایسے سے الفت ہو نہ کسی کو　　آگ لگے اس گرم دلی کو
اور نہ ہوں بد نام کہیں میں　　کاش کے وہ مر جائے نہیں ، میں
پھر کے جوں ہی پیغام بر آیا　　آکے پیامِ مرگ سنایا
جانِ الم کش تاب نہ لائی　　جوشِ قلق کو تاب نہ آئی
بات سے اس کی جان ہوا تھی　　شمع سحر اور باد صبا تھی
ایک ہی دم میں تھا دمِ رخصت　　آہ کی بھی دی غم نے نہ فرصت
عشق کا اوتا کام ہے یہ تو　　نیک بہت انجام ہے یہ تو
عشق سے جو ہو کس کو عجب ہے　　عشق حریفِ مردِ طلب ہے
"مومن" زار اب بند زباں کر　　ختم سخن کر، ترک بیاں کر
تا بہ کجا یہ گرم بیانی　　تا بہ کجا یہ شعلہ فشانی
تابِ سماعت اب نہیں ہم کو　　آگ لگے اس گرمیِ دم کو
پھونک دیا جی تیری زباں نے　　سینہ جلایا سوزِ نہاں نے

چشم سے سیلِ اشک رواں ہے تو نہیں شاعر، مرثیہ خواں ہے
حرف قلق نے سخت ستایا تیری تپش نے سب کولتایا
طال حدیث العشق فاقصر اقلقنا و لولوک اصبر

(۵)

مثنوی پنجم

ایں تازہ فغاں کہ بر کشیدم ایں نالہ کہ از جگر کشیدم
حرفیست بہ خوں دیدہ مرقوم نام و سالش ”حنین مغموم“

۱۲۴۴ھ

ساقیا اب ناز بے جا کس لیے چینِ ابرو بے محابا کس لیے
تند خوئی باعثِ آزار ہے زہرِ قاتل تلخیِ گفتار ہے
بے مزہ ہے شکر افشانی تری بے نمک ہے سر کہ پیشانی تری
اے تنک ظرف اس قدر بدخو نہ ہو دل ہوا کھٹا ترش ابرو نہ ہو
بے نیازی کا سبب اے بدمزاج کیا رہی ہے ہم کو تیری احتیاج
کام کیا اب ساغرِ سرشار سے بادہ کش ہوں جامِ چشمِ یار سے
مجلسِ غم ہے مجھے بزمِ شراب ہو گیا دل گرمیوں سے جی کباب
جلوۂ مے نے پلایا خوں مجھے آ گئی یادِ لبِ مے گوں مجھے
دیکھ دورِ ساغرِ مل کی بہار پھر گئی آنکھوں کے آگے چشمِ یار
وصل کا عالم نظر میں چھا گیا پھر نشہ خود رنگی کا آ گیا
چشمِ تر لب ریزِ خوں پیمانہ ہے جوں صراحی گریۂ مستانہ ہے
جوش مے کی طرح کیا آتا ہے آہ خونِ دل منہ میں بھرا آتا ہے آہ
ضبط پے ہم کی توانائی نہیں طاقتِ صبر و شکیبائی نہیں
ماجرا ہے سخت مشکل کیا کروں کیا کروں، تھمتا نہیں دل کیا کروں
ناز بے جا اور میں کم حوصلہ کیا رکے ہے ولولہ سا ولولہ
بس چلے تاب و تواں کا کب تلک پاس ہو رازِ نہاں کا کب تلک
پھر سرشک لالہ گوں غماز ہے رنگِ رو پھر مائلِ پرواز ہے

پھر ہوا ہے ناخنِ غم جاں خراش — پارہ پارہ دل، جگر ہے پاش پاش
پھر ہیں کیا کیا ولولے تاثیر کے — پھر پھرے دن نالۂ شب گیر کے
پھر ہے وقتِ نالہ و فریادِ دل — دشمنِ جاں ہے پھر اک صیادِ دل
پھر کسی زلفِ سیہ کا دھیان ہے — ظلمتِ کفر اپنا پھر ایمان ہے
پھر غرض کھانا کہاں ، پینا کہاں — خونِ دل،لختِ جگر ہے آب و ناں
ذکرِ خفتن معنیٔ بیگانہ ہے — طالعِ خوابیدہ پھر افسانہ ہے
فکر ہائے بے خودی کا ہوش ہے — عقل کو کتنا جنوں کا جوش ہے
پھر وہی درماندگی بے چارگی — پھر وہی صحرا ہے اور آوارگی
پھر اطبا نے کیا ترکِ علاج — چارہ سازوں کا پھر اب بگڑا مزاج
ہم نفس ہیں دم بہ دم گرمِ فغاں — ناصحوں کی لڑکھڑاتی ہے زباں
روکے،آنسو پونچھتے ہیں باربار — زندگی سے ہاتھ دھوکر بیٹھے ہیں یار
حالِ چاکِ سینہ کیا ہے بات ہے — کانپتا کچھ بخیہ گر کا ہات ہے
تابِ پرسش رازداروں کو نہیں — اٹھ گئے پہلو سے روتے ہم نشیں
سوچتے شاگرد ہیں سالِ وفات — مرثیے کی فکر ہے شیون کے سات
کون سے شاگرد وہ استادِ فن — بے سخن ہے دل ربا جن کا سخن
وحشت و مضطر، کرم ، تسکین و یاس — بے خودی میں بھی رہیں[1] جن کے حواس
اکبر و عظمت ، سرافرازِ سخن — پایہ بالا تر، بہ افرازِ سخن
باعثِ ناز و غرورِ روزگار — میرے مشفق، میرے مونس، میرے یار
شیفتہ سر، دفترِ اہلِ قلم — نکتۂ خاطر نشاں جس کا رقم
بے عدیل و بے سہیم و بے بدل — بے نظیر و بے مثال و بے مثل
رازدانِ نکتہ ہائے کس مداں — معنیٔ کرسی نشیں،خاطر نشاں
ہم نفس،ہم دم، رضاجو، دوست دار — شیفتہ دل دار، والہ ، جاں نثار
یارِ جانی، محرمِ رازِ نہاں — بے ریا مونس کوئی ایسا کہاں
محو امید و تمنائے وصال — بعد میرے زندگی اس کی محال

۱- "رہیں جن کے حواس" نسخۂ طبع اول و دوم (صفحہ ۳۸۶، حاشیہ ۲۳۵) میں اور نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۳۶۶) میں "ہیں جن کے بدحواس" -(مرتب)

جان پر اللہ کیسی آ بنی — حال بگڑا جائے ہے یہ کیا بنی
زندگانی کے ہمیں لالے پڑے — ہائے کس بے درد کے پالے پڑے
دشمنِ جانی ہے یارو کیا کروں — کیا کروں، اے دوست دارو! کیا کروں
رشکِ دشمن نے ستایا ہائے ہائے — سوزِ غیرت نے جلایا ہائے ہائے
کاٹیے عمر آہ بھرتا ہی نہیں — خضر ہوں میں کیا کہ مرتا ہی نہیں
ٹھوکریں کھاتی ہے مرگ داد خواہ — آئے کیا، ہے سخت جانی سنگ راہ
یاد عیسیٰ کا لبِ دم ساز ہے — جو نفس ہے، سو دمِ اعجاز ہے
آس ملنے کی نہیں، مرنا محال — ہر طرح سے ہم ہیں محرومِ وصال
چارہ و تدبیر کا امکاں نہیں — درد اپنا قابلِ درماں نہیں
کیا تجھے پوچھے ہے اشک لالہ گوں — پاک دامن نے رلایا ہے یہ خوں
ہو شگاف سینہ کا کیوں کر رفو — چاک پردہ سے نہ جھانکے وہ کبھو
بہر طاقت قوت کیا بجز زہرِ غم — اس نے کھائی میرے ملنے کی قسم
ہے فسوں افسانہ کیوں کر نیند آئے — بند ہوں آنکھیں جو وہ آنکھیں ملائے
چاندنی کے پھول سے تسکیں کہاں — مہروش کی یاد میں ہے دل تپاں
چارۂ غش کر سکے کیوں کر گلاب — لے گئی ہوش اس رخِ گل گوں کی تاب
وائے[1] کاکل کی کجی کو کیا کروں — مشک سے ناسور ہے زخمِ دروں
نام سے عنبر کے جی گھبرا گیا — پیچ میں کس زلف کے میں آ گیا
دردِ دل کا چارہ یاس انگیز ہے — نرگسِ بیمار کو پرہیز ہے
ہائے وہ یوسف لباسِ بے تمیز — بوئے پیراہن رکھے مجھ سے عزیز
کچھ نہیں کھلتی ہے وجہ احتراز — پاک دامن ہے، وہ تو میں پاک باز
ایسے عاشق سے حذر بے فائدہ — پاسِ عصمت اس قدر بے فائدہ
کیا ہے آخر فتوئے اہلِ جمال — گر نہیں معشوق عاشق پر حلال
مفتیانِ عشق لکھتے ہیں تمام — بوالہوس شوہر بھی ہو تو ہے حرام
ہیں براہین و دلائل بے جواب — لیکن اس سے کہہ سکے یہ کس کی تاب
اس تجاہل کیش کو سمجھائے کون — کون سنتا ہے، زباں پر لائے کون

۱- "وائے" "طبع ششم (صفحہ ۳۵۵) میں- نسخۂ اول اور دوم (صفحہ ۳۸۷، حاشیہ ۲۳۶) میں "رائے" ہے- (مرتب)

چارہ غیر از صبر و خاموشی نہیں — بے زباں کو حکمِ سرگوشی نہیں
کم نگاہ و کم نما بے دید ہے — بے مروت، بے وفا، بے دید ہے
حالِ ابتر کو دکھاؤں کس طرح — ماجرائے غم سناؤں کس طرح
التماسِ شوق نظروں میں محال — ناتواں ہیں پر نہ دیکھے میرا حال
نکلے باتوں میں اگر منہ سے دھواں — شعلۂ رخسار ہو آتش زباں
شعر سے زینت فزائے خم ہو زلف — موشگافی گر کروں برہم ہو زلف
آئے گر کچھ تذکرے میں لفظ آہ — ہو مکدر سرمے سے چشمِ سیاہ
سرگذشتِ قیس محرومیِ مال — گر کہوں کچھ کچھ کہ ہے سب حسبِ حال
یوں کہے وحشت فزا افسانہ ہے — ایسی باتیں جو کرے دیوانہ ہے
تھی زبس عاشق نواز و دل فروز — نام لیلیٰ ہے سیہ رو تیرہ روز
ذکرِ شیریں کس مزے سے ہر نمط — برسرفرہاد ، پر جانا غلط
واہ انصافِ دلِ خارا شکن — بے گنہ پرویز ، مجرم کوہ کن
وصلِ شکرِ تہمت لذت فزا — تلخ کامی ہائے شیریں افترا
اور انداز ستم کیا کیا کہوں — کیا کروں ہے پاس اس کا کیا کہوں
اوریاں تو ننگ ہے نام آوری — شان و شوکت ہے خرابی ابتری
ہو چکی ہے کیسی رسوائی مری — شہرہ ہے ہنگامہ آرائی مری
وحشیانِ عشق میں سرخیل ہوں — خانہ بربادی میں رشکِ سیل ہوں
جا بہ جا قصہ مرا مشہور ہے — اہلِ وجد و حال تک مذکور ہے
حق تو یہ ہے عشق بازی یہ نہیں — پایۂ عشقِ مجازی یہ نہیں
پہلے تھا یہ عشق کا رتبہ کہاں — میری خواری سے گئی الفت کوشاں
دے گئیں نام اس قدر بدنامیاں — کام کی نکلیں مری ناکامیاں
بے وفا میری وفا کے ہیں گواہ — فتنہ گر، طرزِ ستم کے داد خواہ
ابتدا سے جان پر کھیلا کیا — ہائے مجھ ناکام نے کیا کیا کیا
چپکے چپکے غل مچاتا ہی رہا — تھک نہ بیٹھا ناز اٹھاتا ہی رہا
جامۂ سالم کبھی پہنا نہیں — پردہ در تھی اک نئی پردہ نشیں
کیا کہوں دیکھے ہیں کس کس کے ستم — پر نرالے سب سے ہیں اس کے ستم

مہربانی ،دل دہی بھی جور ہے　　اور تھی کچھ اور، یہ کچھ اور ہے
حال میرا لائقِ اظہار ہے　　لیک پاسِ آبروے یار ہے
جوشِ سودا ہے ولے بکتا نہیں　　لگ گئی چپ، پر میں کہہ سکتا نہیں
پھر گئے نالے پہنچ کر تا گلو　　اف کروں کیوں کر کہ ہے وہ شعلہ خو
کیا بن آتی ہے سوا طیر وشکیب　　یوں خرابی ہاے افغاں یا نصیب
پر خلش کی سینہ کاوی ہے غضب　　"اہتمامِ خوں تراوی" ہے غضب
پاسِ مطلب زہر قاتل ہے کہ بس　　ریزۂ الماس ہے ہر ہر نفس
رک گیا دم، کیا کرے ناچار ہے　　گر نہ نکلے ٹھہرنا دشوار ہے
لب پہ آیا قصۂ درد آفریں　　دل سے نکلے نالہ ہاے دل نشیں
ہجر استقبال آیا ہے اثر　　گفتگوے غیرتِ آہِ سحر
بس کہ اک رشکِ پری جانانہ ہے　　ہم دمِ افسوں، مرا افسانہ ہے
کیا فسانہ جس سے خوب آزار ہو　　فتنۂ روزِ جزا بے دار ہو
داستانِ عاشقِ حرماں نصیب　　سرگزشتِ ناامید ناشکیب
حیرت افزا ماجراے شوق ہے　　انتہا و ابتداے شوق ہے
یہ معما کون سمجھے بن کہے　　عقل بھی میری طرح حیراں رہے
وہ جو قصہ رہ گیا ہے ناتمام　　جب تلک اس کا نہ ہووے اختتام
ابتدا اس کی سمجھ میں آئے کب　　فہمِ سامع مدعا کو پائے کب
کون سا قصہ وہ خواری کا بیان　　اس سے پہلی مثنوی کی داستان
یعنی جب قاصد پھرا لے کر جواب　　لفظ ہاے معنی و مضموں عتاب
آس ٹوٹی سن جوابِ جاں گسل　　نکلی وہ پیماں شکن، پیماں گسل
اڑ گیا رنگِ امیدِ چارہ جو　　ناامیدی کی بر آئی آرزو
ہاے ہجر آرزو ہاے وصال　　جان سے گزری تمناے وصال
سر اٹھایا خاطرِ مایوس نے　　پاؤں پھیلائے کفِ افسوس نے
چشم سے ٹپکے سرشکِ لالہ گوں　　فوجِ حرماں نے کیا حسرت کا خوں

"ہے" نسخہ مطبوعہ ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۵۷) میں اور مطبوعہ ۱۲۸۳ھ اور ۱۸۷۶ء (صفحہ ۳۸۹، ۲۲۸) میں "رہے"۔ (مرتب)

"ہجر" کے بعد "و" نسخہ اول اور دوم میں نہیں ہے، طبع ششم (صفحہ ۳۵۸) میں ہے۔ (مرتب)

شور و افغاں نے اٹھایا سر پہ گھر
ہر نفس نکلا لیے لختِ جگر

ہو گئی دل سوز آہِ آتشیں
آسماں رس نالۂ کرسی نشیں

خاک اڑائی اشک کلفت توز نے
جی بجھایا آتشِ جاں سوز نے

ہو گیا افسانہ سا خوابِ وصال
تھی امیدِ وصل یا تابِ وصال

داغِ دل ہم راہ اشک آنکھوں میں آئے
خارِ خارِ رنج نے یہ گل کھلائے

دل نے پائی جرمِ الفت کی سزا
جاں نے چکھا تلخ کامی کا مزا

صد خلش خار ورگِ جاں میں ہوئی
کش مکش دست و گریباں میں ہوئی

جوشِ وحشت سلسلہ جنباں ہوا
بادیہ آباد، گھر ویراں ہوا

جان بے طاقت ٹھکانے لگ گئی
ضعف کی محنت ٹھکانے لگ گئی

دیکھ جوشِ دست بردِ اضطرار
لڑکھڑائے پائے تسکین و قرار

آہ و افغاں سے دم آیا ناک میں
جی کدورت نے ملایا خاک میں

جلوے اس بے دید کے نظروں میں چھائے
جس طرف کو دیکھیے دیکھا نہ جائے

اشک سے آنکھوں پہ چربی چھا گئی
دل گدازی سی نظر میں آ گئی

وصل کی حسرت میں سودا ہو گیا
دم بہ دم لب پر کہ یہ کیا ہو گیا

ہر نفس صد جوشِ طبعِ غم گزیں
دم بہ دم بے تاب ترجانِ حزیں

جی نہ بہلے گر چہ بہلایا کروں
دل نہ ٹھہرے لاکھ ٹھہرایا کروں

مجلسِ احباب سے نفرت ہوئی
بے کسی سے گرمیِ صحبت ہوئی

کینۂ یاراں، دل غم ناک میں
پرسشِ احباب سے دم ناک میں

باغ و بستاں مجلسِ ماتم لگے
کنجِ خلوت کے سوا جی کم لگے

وحشت و سودا بلائے خانگی
گوشۂ تنہائی و دیوانگی

گہ خیالِ چشم میں حالِ خراب
اشک بے گوں سے یہ مستِ شراب

گہ فراقِ طرہ سے چینِ جبیں
گاہ فکرِ زلف میں دل شانہ بیں

یادِ کو میں دوڑتے پھرتا کبھی
آپ اپنے پاؤں پر گرتا کبھی

شوخیِ وحشت سے گھبرایا کروں
جان کھونے میں مزا پایا کروں

۱- نسخہ مطبوعہ ۱۸۷۶ء (حاشیہ صفحہ ۲۲۸) میں "کینہ یاراں" اور طبع ۱۲۸۴ھ اور ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۹۰، ۳۵۸) میں "کینہ یاران" ہے۔ (مرتب)

جب تصور آئے ہوں میں پاے مال — اس کو اپنے زعم میں دکھلاؤں حال
صبح سے تا شام جوں مہرِ منیر — دم بہ دم رنگِ رخ و حالت تغیر
شام سے تا صبح جوں ماہِ تمام — چشم کو آسودن و خفتن حرام
نصف شب ہم گردشِ اسبال و پار — دورۂ خور ہمۂ نصف النہار
مہر ومہ دانِ وفاے روز و شب — روز و شب حسرت فزاے روز وشب
آئیں یہ راتیں کلے جیتے رہے — روز بد دیکھے بھلے جیتے رہے
ہم سے بے طاقت نہ پہنچے تابہ گور — سخت جانی نے جتائے اپنے زور
زندگی باقی تھی دن مر مر کٹے — کٹ گئے پر کیا کہوں کیوں کر کٹے
ہر نفس، ہردم، دمِ خنجر ہوا — میں خیال سر بریدن میں مرا
کٹ گیا دن بھی اگر شب کٹ گئی — صبح کی پو تھی کہ چھاتی پھٹ گئی
اختیارِ مرگ میں ناچار زیست — سہل نزع، سخت دل، دشوار زیست
جب کہ گزرے چند روز اس حال سے — باز آیا چرخ اپنی چال سے
پاسِ بدنامی فلک کو آگیا — شور آہ ونالہ سے گھبرا گیا[1]
بھر گیا جی آسماں کا جور سے — دل کو خالی کر چکا ہر طور سے
دل گیا جوشِ اثر کا آہ پر — طالعِ برگشتہ آئے راہ پر
اُف رے دعوے آہِ عالم سوز کے — دن بھرے کس عاشقِ بہ روز کے
پیروِ خواہش، حصولِ آرزو — کیا اجابت کو دعا کی جستجو
خضر نے گم کردہ رہ کو آلیا — حاصلِ مطلب نے مطلب پا لیا
قصہ کوتہ[2] ایک دن تھی[3]، جاں گداز — گرمیِ افسانۂ زلفِ دراز
آز شادیِ مرگ، تو امیدِ اجل — یادِ مژگاں باعثِ طولِ امل
ہر نظر محوِ رخ تاب و ثبات — پیشِ چشم اس کی نگاہِ التفات
دیدۂ شوقِ تجلی سوے در — گردشِ چشمِ وفا مدِّ نظر

۱- نسخہ طبع ششم ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۵۹) میں "شورِ آہ" غلط ہے۔ (مرتب)

۲- "کوتاہ" تینوں نسخوں میں ہے، بہ لحاظ موزونیت "کوتہ" لکھا۔ (مرتب)

۳- "تھا" نسخہ مطبوعہ ۱۸۷۶ء (حاشیہ صفحہ ۲۳۹) میں اور "تھی" نسخہ مطبوعہ ۱۲۸۳ھ اور ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۹۲، ۳۶۰) میں (مرتب)

اعتماد نالۂ شب گیر تھا　　انتظارِ مقدمِ تاثیر تھا

ناگہاں وارد ہوئی اک پیر زال　　جس کے صدقے نوجوانی کا جمال

رخ سے اندازِ شگفتن آشکار　　کیا جبیں، داغ، دل صبح بہار

ہر نفس رشکِ نفس ہائے نسیم　　جلوۂ گر اس غیرتِ گل کی شمیم

خم حضورِ قامت خم، قد سرو　　خندہ و رفتار جوں کبک و تدرو

ہم زبان طوطی شکر فشاں　　اس لب شیریں سے گویا ترجماں

چشم و طرز دل نوازی ہائے یار　　صد نگاہِ آشنا بیگانہ وار

زیرِ لب حرفِ بشارات و نوید　　خندۂ منت فزا جوں صبح عید

گوہر افشانی لبِ گفتار سے　　یہ پیام اس لعلِ گوہر بار سے

اے خراب، اے بے حیا، اے نابکار　　اے ذلیل، اے مضطرب، اے بے قرار

اے ہوس آمیز رنگِ عاشقی　　دشمنِ ناموس و ننگِ عاشقی

اے پشیمانی پسند، اے بے تمیز　　اے دل آزار آرام عزیز

اے قتیل و قاتل صد آرزو　　اے ستم گر، اے ستم کش، اے عدو

اے نصیحت ناشنو، اے بے شعور　　اے زبونِ اضطراب،اے ناصبور

اے قرار اضطراب،اے نا شکیب　　اے مصیبت بہرہ، اے حسرت نصیب

اے قبولِ شوق دشواری پسند　　اے پسندِ وحشتِ خواری پسند

اے خرابِ حالتِ عبرت فزا　　اے مطیع حسرتِ فرماں روا

اے عدوے عقل وہوش اے بے حواس　　دور تھا تو پر نہ آیا میرے پاس

پر نہ سمجھا، نا سمجھ کیا ہووے گا　　ساتھ میرے کون رسوا ہووے گا

کیسے خوش ہو کر ملامت ہووے گی　　کیسے نازک پر ندامت ہووے گی

طعنے دیں گے غیر کس محبوب کو　　بد کہیں گے لوگ کیسے خوب کو

کیسی چھاتی طعنے سے چھن جائے گی　　کیسی نازک جان پہ بن جائے گی

مل سکیں گے کیوں کہ رسوائی کے بعد　　پاس ہے ہنگامہ آرائی کے بعد

گر نہ تھی تم کو تمنائے وصال　　شوق کا میرے تو کرتا تھا خیال

دیکھنا تھا میرے حالِ زار کو　　سوچنا تھا حسرتِ دیدار کو

کیا کہوں کس بے گنہ سے کیا کیا　　خیر وہ تو جو کیا اچھا کیا

اب بھی گر کچھ پاسِ رسوائی کرو / دور یہ ہنگامہ آرائی کرو
کوئی ملنے کی کروں تدبیر میں / ہجر میں کب تک رہوں دل گیر میں
تھا مطول بس کہ عذرِ اضطراب / مختصر سا یہ لکھا میں نے جواب
کر گیا[1] بے خود ہجومِ اشتیاق / اب برابر ہے ہمیں وصل و فراق
گر ملو عنایت کچھ نہیں / اور نہ ملیے تو شکایت کچھ نہیں
کوئی اس پُرفن کی باتیں کیا کہے / ان جوابوں پر پیام آتے رہے
گہ گہے بے واسطہ باتیں ہوئیں / چپکے چپکے کچھ ملاقاتیں ہوئیں
گرچہ دل اس دل ربا سے پھر گیا / آشنا، ناآشنا سے پھر گیا
پر رکھا پاسِ وفا نے تھام تھام / بے وفاؤں میں رہیں تا نیک نام
ورنہ اس نفرت پہ مشکل تھی نباہ / اجتماعِ احتراز و شوق، واہ[2]
وجہ نفرت یہ کہ وہ آتش عذار / دور ہی سے خوش نما تھی جوں شرار
پاس سے دیکھا تو بس دیکھا نہ جائے / ہر نگاہِ منفعل آنکھیں چرائے
غم سے جی چشمِ غلط بیں کا جلا / چشمِ بد دور ایک رشکِ صد بلا
دل ہوا سرد اختلاطِ گرم سے / بجھ گیا جی جوشِ آبِ شرم سے
لافِ الفت کی ندامت ہائے ہائے / آپ اپنے پر قیامت ہائے ہائے
جبہ نم سے دیدۂ نم منفعل / مجھ سے دل، میں دل سے باہم منفعل
قدرِ ذوقِ حسرتِ عشاق کی / حسرتیں ناکامیِ مشتاق کی
پاسِ خاطر داریِ طبعِ نفور / دل ربائی[3] ہائے غم اپنے سے دور
دل سے نقضِ عہد و پیماں کی قسم / دم بہ دم جانِ پشیماں کی قسم
وصل میں رنجِ جدائی ہائے ہجر / شکوہ ہائے کم نمائی ہائے ہجر
گرم جوشی، موجبِ دل تنگی / آمد اس کی باعثِ خود رفتگی
شوخیاں رشکِ رمِ صبر و شکیب / کیا بلائے جان وہ شکلِ مہیب

۱- "کر گیا" نسخہ مطبوعہ ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۶۱) اور نسخہ مطبوعہ ۱۸۸۴ء میں "کر گیا" ہے (مرتب)
۲- "شوق آہ" نسخہ مطبوعہ ۱۰ء (صفحہ ۳۶۱) میں اور نسخہ طبع اول و دوم (صفحہ ۳۹۳، حاشیہ صفحہ ۲۵۰) "میں شوق وآہ" ہے غالباً "واہ" ہوگا۔ مرتب
۳- "دلبر بہاے" طبع اول و دوم (صفحہ ۳۹۳، ۲۵۱) میں ناموزوں، نسخہ طبع ششم (صفحہ ۲۹۲) میں "دل ربائی ہائے" درست ہے۔ (مرتب)

شعلۂ دوزخ رخِ انور کی تاب ۔۔۔ جس سے ہر مومن کو واجب اجتناب
جبہہ یا صبحِ وداعِ مہ جبیں ۔۔۔ روسیہ پر تیرگی ظاہر نہیں
گردہ اک دل تنگیِ مایوس کا ۔۔۔ ہر شکن خط تھا کفِ افسوس کا
موے سر سے شامِ غربت رو سفید ۔۔۔ ظلمتِ شب ہاے ہجراں صبحِ عید
دیدۂ حیراں سے رخ بے آب تر ۔۔۔ زلفِ عاشق سے کہیں بے تاب تر
طرہ یا روزِ سیاہِ بوالہوس ۔۔۔ جعد رشکِ دودِ آہِ بوالہوس
ابروے بے مو سے ظاہر جلد یوں ۔۔۔ زنگ خوردہ جیسے تیغِ سیم گوں
یا نیامِ مخمل فرسودہ خواب ۔۔۔ یا شکستہ ، کہنہ محرابِ خراب
شوخیِ مژگاں خرامِ ناشکیب ۔۔۔ نرگسِ بیمار مرنے کے قریب
یوں سفیدی میں سیاہی کم نما ۔۔۔ جوں بیاضِ صبحِ صادق میں سہا
ہر نگاہِ تیز، تیغِ بے اثر ۔۔۔ غیرتِ تیرِ ہوائی ہر نظر
خانۂ چشم ایک صحراے خراب ۔۔۔ آنکھ کے ڈھیلے کلوخِ خوردہ آب
گوشۂ چشمِ بہ افسوں فتنہ گر ۔۔۔ وہ مثلث جس کا ویرانی اثر
کان گل تھے لیک مرجھائے ہوئے ۔۔۔ فصلِ بہمن کی ہوا کھائے ہوئے
لالۂ پژمردہ وہ رنگیں عذار ۔۔۔ داغِ چیچک ، داغِ رشکِ نو بہار
ناک وہ مقراضِ قطعِ آرزو ۔۔۔ منفعل تشبیہ سے زنبق کی بو
بوالہوس کا بوسہ لینا قہر تھا ۔۔۔ وہ لبِ شیریں کہ میٹھا زہر تھا
بارے یاں تو آبرو میری رہی ۔۔۔ دانت وہ موتی تھے گو جھوٹے سہی
گر نہ تھا غنچہ دہن، گل رنگ تھا ۔۔۔ گو زباں سے ہو ولیکن تنگ تھا
تھے وہ دنداں مسی آلودہ سیں ۔۔۔ لیک سینِ لفظ وقتِ واپسیں
اختلاطِ لب سے عار و ننگِ پان ۔۔۔ مارے خجلت کے نہ ٹھہرے رنگِ پان
رشکِ نفخِ صور، آوازِ بلند ۔۔۔ خندۂ صبحِ قیامت، زہر خند
کیا کریہہ الصوت جیسے شورِ رعد ۔۔۔ شہر پر بجلی گرے جتنے کے بعد
خانۂ دشمن میں آوازِ حبیب ۔۔۔ کوچۂ جاناں میں غوغاے رقیب
فصلِ فروردی میں فریادِ زغن ۔۔۔ بہمن و دے نغمۂ مرغِ چمن
شاکیِ ہجراں کے لب پر ہاے وصل ۔۔۔ نالۂ مرغِ سحر، شب ہاے وصل

دام میں ہنگامۂ مرغانِ باغ استخواں ہائے ہما پر شورِ زاغ
نالۂ آوارۂ گم کردہ راہ شہرۂ فرمانِ قتلِ بے گناہ
شورشِ واعظ دمِ وجد و سماع پائے جاناں کی صدا وقتِ وداع
عاشقوں پر ناصحوں کا ولولہ محتسب کا مے کدے میں غلغلہ
آہ و زاری نوجواں کی نعش پر وہ صدا ان سب سے نامطبوع تر
اس ذقن کو کس نے باندھا ہے کنواں چاہِ بابل کے اٹھا دل سے دھواں
کیسی گردن جس کے آگے دم بہ دم ہووے گردن ناقۂ لیلیٰ کی خم
پائی گردن میں جو اس گردن کی بات اونٹ کو کہتے ہیں اب ڈائن کی ذات
عاشقوں کو جلوہ اس کے دوش کا چارہ دردِ حسرتِ آغوش کا
دیکھ لے شانے کو اس کے گر کہیں چھوڑ دے بس شانہ بینی شانہ بیں
کیا عفونت آشنا بوے بغل سبزۂ بیگانہ وہ موے بغل
سوکھے سوکھے ساعد و باز و ستم جیسے دو خارِ مغیلاں ہوں بہم
وصفِ ساعد کا جو دھیان آ جائے ہے خامہ بھی ہاتھوں سے نکلا جائے ہے
فکر سے طبعِ سخن ور ہاتھ اٹھائے وہ تو کیا تشبیہ بھی گر ہاتھ آئے
ایک سے تھے باعثِ رنگِ حنا وہ کفِ دست اور دشتِ کربلا
طائرِ جاں کشتۂ پرواز تھا پنجہ رشکِ پنجۂ شہ باز تھا
اس کے سینے کو کہوں کیا آسماں جوف یہ سطحِ مقعر میں کہاں
چھاتیاں وہ کتنی نامعلوم بس بے گماں دو نقطۂ موہوم بس
تفرقہ اتنا کہ بہرِ ربط ہم شکلِ خطِ منحنی وہ پشت خم
گر محاذی ان کے ہو فہمِ حکیم بھول جاوے بحثِ خطِ مستقیم
اس کی جو خوبی تھی سو معیوب تھی سینہ صافی کتنی نامرغوب تھی
بدنما تر موے چینی سے کمر منفعل باریک بینی سے کمر
تارِ زنارِ کشیشاں سے خجل کیا رگِ خوابِ پریشاں سے خجل
سنبلستاں تر خمِ گیسو سے ناف نافۂ مشکیں، ہجومِ مو سے ناف
آگے جی کہتے ہوے شرمائے ہے اپنی باتوں سے خجالت آئے ہے
ہے یہ زورِ شاعری کی جاے کب کیا کہوں وا رہ گئے حیرت سے لب

لکھنے کے قابل نہ جانی ہو گی بات
خامے کو میلاں نہیں سوے دوات

وہ سرینا صاف سطحِ مستوی
ذکرِ جسم اندیشے کی بلا دوی

کیا تصور نے کیا ہے کامِ زہر
کاسۂ زانو تھا گویا جامِ زہر

پھر دھواں اٹھا دلِ مشتاق سے
جل گیا جی یادِ شمعِ ساق سے

پیٹھ کچھوے کی بعینہٖ پشتِ پا
خارِ ماہی رشکِ ہر انگشتِ پا

پنجہ ایسا جیسے پاے عنکبوت
ناخن اس کے پردہ ہاے عنکبوت

وہ کفِ پا کس قدر نفرت فزا
کون چھیڑے اس کو جز دزدِ حنا

رشکِ تیغِ اصفہانی قدِ خم
خلق کا ہیبت سے نکلا جائے دم

کج روی ظاہر برے اطوار سے
فتنہ برپا صدمۂ رفتار سے

شورِ آوازِ قدم افلاک تک
چونک اٹھیں خفتگانِ خاک تک

خانہ بربادی کے غم میں خاص و عام
خاک میں مل جائے یہ طرزِ خرام

لطف تو یہ ہے کہ اس صورت پہ ناز
گرمیِ خو، آتشِ عالم گداز

بے محابا دعویِ حسن و جمال
جوشِ لاف جلوہ ہاے بے مثال

سب پہ وہمِ عشق سے جور وجفا
بوالہوس سے بھی تمناے وفا

ابلہی سے دعویِ عقل و شعور
اپنے نزدیک آپ کو جانے ہے دور

باتیں اس احمق کی میں کیا کیا کہوں
طعنہ ہاے سامعیں کب تک سہوں

کب تلک اپنی خرابی کا بیاں
بے وقوفی، بے حجابی کا بیاں

وسعتِ تقریر سے تنگ آ گیا
آدمی ہوں مجھ کو بھی ننگ آگیا

بندھ گیا دل میں تلافی کا خیال
ذلتِ نقصِ نظر کھینچے ہے کھال

اب کہوں وہ داستاں جس سے جہاں
یوں کہے ایسے نصیب اپنے کہاں

کیجیے ایسی قلق کی گفتگو
سامعیں کا جی نہ گھبرائے کبھو

ہو بیاں اس دل ربا کی دل بری
جس سے چھپتی پھرتی ہیں حور و پری

ایسے یوسف کا کروں قصہ رقم
ہو زلیخا کو گراں خوابِ عدم

وہ حکایت جلوۂ دل خواہ کی
جس سے بس کھل جائیں آنکھیں ماہ کی

خیرہ جس کے حسن سے ہووے نگاہ
مہر کو آئے نظر روزِ سیاہ

دیکھ لے چہرے کی تابش چشمِ کور
آنکھ جھپکے زہرہ کی جس کے حضور

جلوہ فرما ہو جو وہ عالم فروز — کون دنیا میں رہے پھر تیرہ روز
کس قدر ہیں اپنی جاں بازی پہ ناز — ہیں مگر معشوق اس کے عشق باز
خوں بہائے گل ہے رنگ و بوئے داغ — سر فروشوں کا نہیں ملتا دماغ
شان و شوکت کی یہ کیسی ہے دلیل — شان و شوکت میری نظروں میں ذلیل
سر بلندی ہر قدم پامال ہے — میری وحشت کا بلا اقبال ہے
کیا کہوں یہ رتبہ کیوں کر مل گیا — کس طرح اس مہروش پر دل گیا
اک جگہ وارد ہوا ناگاہ میں — اس خرابی سے نہ تھا آگاہ میں
کیا جگہ تھی کثرتِ آفات کی — ہم نشیں ہیں[1] جمع اس بدذات کی
کیسی کیسی نازنیں اک اک پری — گرم فکر دل ربائی، دل بری
ایک سے اک آتشیں رخسار تر — ایک سے اک دل ربا، دل دار تر
ان میں اک رشکِ پری محسودِ حور — سب بلائیں سی لگیں جس کے حضور
اس پری رخسار پر دل آگیا — جلوۂ پنہاں نظر میں چھا گیا
ہو گیا، کیسا ہوا عزت کا پاس — رنگ کے ساتھ اڑ گئے ہوش و حواس
جانب چلون نظر جو جا پڑی — ایک بجلی تھی کہ جاں پر آپڑی
ایسے رخ کی تاب کیالائے نظر — اس لیے تھا پردہ تا آئے نظر
ورنہ کیوں کر چھپ سکے ایسی چمک — پردہ کھل جائے تو حائل ہو فلک
تھی تجلی طور کی چلون کی آڑ — کیا کہوں تنکے کے اوجھل ہے پہاڑ
چشم حق بیں کو ہے مشکل امتیاز — یاں حقیقت کھل گئی کیسا مجاز
جلوۂ پنہاں نمایاں ہو گیا — وعدۂ محشر وفا یاں ہو گیا
دیکھ کر وہ جلوہ ہائے دل فریب — ہو گئی غش میری جانِ ناشکیب
میں تو کیا تھا جو نہ ہوتا ہائے غش — ہو تو موسیٰ کو مکرر آئے غش
میری بے ہوشی سے ہوش آیا اسے — خوب خاموشی نے سمجھایا اسے
پائے بندِ غم ہوئی وارفتگی — کھل گئی بے تابی و دل بستگی
مخبرِ، اندازِ نظارہ ہو گیا — رازِ پنہاں آشکارا ہو گیا

۱- نسخۂ مطبوعہ ۱۲۸۳ھ،۱۸۷۶ء، اور ۱۹۳۰ء میں "ہیں" ہے لیکن مصرع کی معنویت کے لحاظ سے "تھیں" ہونا چاہیے۔(مرتب)
۲- "جو" نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۳۶۶) میں، بقیہ نسخوں میں "کہ" ہے۔(مرتب)

کان کھولے اس کے جوشِ آہ نے — قدر افزوں کی غمِ جاں کاہ نے
بے گماں دردِ نہاں آیا یقیں — جاں نثاری ہو گئی بس دل نشیں
غل مچایا شورِ سیر آہنگ نے — غم کیا ثابت تغیرِ رنگ نے
رہ گئی سن، نالہ ہائے زار سے — حیرت آئی حیرتِ دیدار سے
اشک رحمت آشنا، آبِ حیات — گرم جاں بخشی، نگاہِ التفات
حرفِ شرم آگین و اظہارِ وفا — پردہ در مضمونِ اقرارِ وفا
مژدۂ وصل و نویدِ دل دہی — ہر ہوس محوِ امیدِ دل دہی
گرم جوشی جاں گدازِ اشتیاق — اشتیاقِ ناز و نازِ اشتیاق
حرفِ تسکیں بے قراری کا سبب — عرضِ رغبت، رغبت انگیزِ طلب
پاس داری، حسرتِ دوری کا ذکر — رہ نمائے سعیِ مجبوری کا ذکر
پردۂ انکار میں اقرار سا — عذرِ نام و ننگ بے تکرار سا
الغرض چندے یہ دل داری رہی — دوست کامی، دشمن آزاری رہی
اکثر اس گھر میں ملاقاتیں ہوئیں — سو نیاز و ناز کی باتیں ہوئیں
گاہ لکھ کر نامۂ عاشق نواز — شوخیِ مضموں کو جس کی لاف ناز
دے دیا مجھ کو کہ اس کا کیا جواب — مدعا پاسخ طلب، پر لاجواب
لیک سر نامے پہ نام اس کا رقم — ایک مدت جس سے تھے بدنام ہم
اور القاب آرزو مندِ ستم — قابلِ معشوق چاہندۂ ستم
بے مروت، بے وفا، نا مہرباں — بے تمیز و بے خرد، ناقدرداں
بے زبان[1] پاسخ دہ دنداں شکن — دل شکن، خاطر شکن، پیماں شکن
ناسزائے لطف و شایانِ جفا — خوگرِ آزار و پشیمانِ وفا
شورِ بختِ لذتِ وصلِ مدام — تلخ عیش و تلخ روز و تلخ کام
خاکِ راہِ حسرتِ مشکل پسند — از نظر افگندۂ بختِ بلند
دردمندِ زحمتِ بے چارگی — ہرزہ تازِ کوچۂ آوارگی
تختۂ مشقِ فکرتِ ابلہ فریب — سر خطِ اندیشۂ حرماں نصیب

۱- "بے زبان پاسخ" نسخۂ طبعِ اول و دوم (صفحہ ۳۰۰، حاشیہ ۲۵۴) میں اور طبعِ ششم (صفحہ ۳۶۷) میں "بے زباں پاسخ دہ" ہے۔
(مرتب)

دور گردِ بارگاہِ عاشقی ۔۔۔ کج خرامِ شاہ راہِ عاشقی
سخت نا فہمِ ادائے دل فریب ۔۔۔ بے تمیز نازہائے دل فریب
ترکِ صحبت گفتنی ، آزردنی ۔۔۔ کشتنی، دل خستنی ، خوں کردنی
خاطرِ مہرِ آشنا کو کیا ہوا ۔۔۔ کیا ہوا، تیری وفا کو کیا ہوا
سنگ دل نکلا تو اور ایسا غضب ۔۔۔ عہد سارے توڑ ڈالے بے سبب
ہائے تو بے داد گر، میں داد خواہ ۔۔۔ یہ ستم کرتا ہے کوئی بے گناہ
یوں اذیت میری چاہی واہ وا ۔۔۔ واہ وا اچھی نباہی واہ وا
چھوڑ دینا تھا تو کیوں رسوا کیا ۔۔۔ کیا کیا اے بے مروت، کیا کیا
وہ موکد عہد و پیماں کیا ہوئے ۔۔۔ وہ مواثیقِ صد ایماں کیا ہوئے
کیا کروں دل سخت نکلا آہ تو ۔۔۔ مجھ سے یوں سختی کرے اللہ تو
بے دلی کس با وفا دل دار سے ۔۔۔ بے رخی اور مجھ سے مہ رخسار سے
کیا خبر تھی یہ کہ ہرجائی ہے تو ۔۔۔ موجبِ صد گونہ رسوائی ہے تو
ہم کو بھی ایسے سے اب ملنا نہیں ۔۔۔ چل نہیں ملتا، نہ مل، پروا نہیں
لیک یہ تو کہیے کس کو دل دیا ۔۔۔ میں بھی دیکھوں اس کو جس کو دل دیا
اس میں ہے کیا بات جتلاؤ ذرا ۔۔۔ اپنی چاہت کو دکھلاؤ ذرا
دیکھوں کیا ہے اس میں جو مجھ میں نہیں ۔۔۔ کیا ادا ہے اس میں جو مجھ میں نہیں
اب بھی آ، جانے دے اس کے گھر نہ جا ۔۔۔ دلفریبی ہے لگاوٹ پر نہ جا
ان ستم کیشوں میں غم خواری نہیں ۔۔۔ ایک میں مجھ سی وفا داری نہیں
ہیں یہ ظاہر داریاں دو چار دن ۔۔۔ اور محبت بھی ہوئی تو چار دن
پھر کہاں تم اور کہاں یہ بے وفا ۔۔۔ ہو کدھر، ہیں میری جاں یہ بے وفا
پختگی ان میں نہیں ہے نام کو ۔۔۔ آگ لگ جائے خیالِ خام کو
دیکھنا آخر ندامت ہوئے گی ۔۔۔ آپ اپنے پر قیامت ہوئے گی
بھولتے ہو بھول جاؤں[1] گی بہت ۔۔۔ یاد رکھو یاد آؤں[2] گی بہت
ایسے ہرجائی سے پھر ملنا[3] ہے کون ۔۔۔ بے حیا، اے بے حیا! ایسا ہے کون

---

[1] "جاؤں گی" طبع اول (صفحہ ۳۰۱)، "جاؤ گے" طبع دوم اور ششم (صفحہ ۲۵۵، ۳۶۸) میں (مرتب)
[2] "آؤں گی" طبع اول (صفحہ ۳۰۱)، "آؤ گے" طبع دوم اور ششم (صفحہ ۲۵۵، ۳۶۸) میں۔ (مرتب)
[3] "بکنا" طبع اول و دوم (صفحہ ۳۰۱، حاشیہ ۲۵۵) میں "ملنا" طبع ششم (صفحہ ۳۶۸) میں۔ (مرتب)

مجھ کو پھر کیا ہے پسند اب جو تمھیں ‌ ‌ تم رہو اس کو مبارک وہ تمھیں
پڑھ کے یہ نامہ لکھا میں نے جواب ‌ ‌ اے دل آرامِ سراپا انتخاب
دوست دار و خیر خواہ و جاں نواز ‌ ‌ محرمِ اسرار اور دانائے راز
نکتہ سنج و نکتہ فہم و نکتہ چیں ‌ ‌ ہم نفس، ہم درد و ہم دم، ہم نشیں
چارہ سازِ دردِ مندِ لاعلاج ‌ ‌ دل نوازِ عاشقِ نازک مزاج
مجتنب ہم بزمیِ غماز سے ‌ ‌ محترز، حرفِ خللِ انداز سے
خوردہ گیرِ دل برِ خواری پسند ‌ ‌ بوالہوس دشمن، وفاداری پسند
باعثِ آرامِ جانِ ناشکیب ‌ ‌ کام بخشِ عاشقِ حرماں نصیب
مہربانِ مہربانی پیشگاں ‌ ‌ قدردانِ جاں فشانی پیشگاں
کیا کہوں تجھ سے کہ مجھ پر کیا بنی ‌ ‌ دل گیا کس طرح، کیسی آ بنی
شرم آتی ہے میں گو معذور ہوں ‌ ‌ اختیار اس میں نہ تھا مجبور ہوں
اک پری وش، سبز رنگ و سبز پوش ‌ ‌ جس کے آگے حور کے اڑ جائیں ہوش
دیکھ کر وہ جلوۂ جاں آفریں ‌ ‌ زہر کھائے سبزۂ خلدِ بریں
ماتمِ لیلیٰ میں مجنوں شاد ہو ‌ ‌ نوحۂ خجلت مبارک باد ہو
چرخِ مینو مضطرب آن آن میں ‌ ‌ خضر ڈوبے چشمۂ حیوان میں
رنگ سے اس کے مشابہ ہے زبس ‌ ‌ مہر کو ہے مہ کے ملنے کی ہوس
زور سے ترکِ نگہ، دل چھین لے ‌ ‌ چشمِ کافر دل سے پہلے دین لے
غمزۂ جادو بلا اعجاز اثر ‌ ‌ بانیِ عابد، فریبی ہر نظر
گر اشارہ، کچھ بھی اس ابرو کا پائے ‌ ‌ سجدے کرتا بس امامِ شہر آئے
گر کرے ایما ذرا وہ مستِ ناز ‌ ‌ طائفِ مے خانہ ہوں اہلِ حجاز
وہ فسوں طرزِ کمینِ دل بری ‌ ‌ جس کی پابندِ[1] وفا ہر ہر پری
شوقِ گل، بلبل کے دل میں خار ہے ‌ ‌ فصلِ فروردیں سے دل بے زار ہے
مر گئیں اس غیرتِ شمشاد پر ‌ ‌ قمریاں ہیں سرو سے آزاد تر
اس رخِ مہتاب انور کے حضور ‌ ‌ شمع سے پروانہ بھاگے دور دور

۱- "وفا" نسخۂ طبع اول (صفحہ ۳۰۲)، "ہوا" نسخۂ دوم اور ششم (صفحہ ۲۵۶، ۳۶۹) میں۔(مرتب)

مہر کے نظارے سے ہے احتراز — دن کو کیا ہو چشمِ "حربا" نیم باز
فرش رہ اس کا ہے سو آداب سے — دل کتاں کا پھٹ گیا مہتاب سے
دل ربائی پر گر اپنی آئے وہ — میں تو کیا تیرا بھی دل لے جائے وہ
کہہ دوں تجھ سے میں اگر ہو ایک بات — ہے ستم وہ، اور مجھ پر التفات
پیش چلتی کچھ نہ تھی مجبور تھا — دل نہ دیتا اس کو میں مقدور تھا
حال بگڑا جائے تھا ہر آن پر — بے طرح سی بن گئی تھی جان پر
گر نہ ہو تجھ کو یقیں اے بدگماں — آپ کو لے آن کر تو امتحاں
ہر جگہ تھا محترز مومن نہ یاں — بے وفائی عیب ہے لیکن نہ یاں
منہ لگائے جب کہ وہ شیریں کلام — لے زلیخا یوسفِ مصری کا نام
بس یہاں زور آزمائی ہو چکی — دام دل کش ہے رہائی ہو چکی
گر تمھیں سچ ہے مری الفت کمال — تو نکالو کوئی تدبیرِ وصال
اب بہت مضطر ہے جانِ ناشکیب — کب تلک آخر رہوں حرماں نصیب
وہ اگر چاہے تو ملنا کیا محال — اس سے استدعا کروں میں کیا مجال
بس نہیں چلتا مرا ناچار ہوں — دیکھتا حسرت سے سو سو بار ہوں
بن ملے آخر رہا جاتا نہیں — صبر کرتا ہوں مگر آتا نہیں
اس جگہ حیران ہوں میں کیا کروں — کیا کروں میں، کیا کروں میں، کیا کروں
ہنس دیا اس شوخ نے پڑھ کر جواب — گریۂ غم کی بڑھی یوں آب و تاب
بات سے ظاہر نہانی دل دہی — روز افزوں مہربانی دل دہی
دل فریب اللہ وہ عیاریاں — میری خاطر سب کی خاطر داریاں
گاہ گاہے شعر پڑھوایا کریں — وصل کے مضموں سے شرمایا کریں
تذکرے ہجراں کے دل پر شاق ہوں — حسرتوں کے ذکر سے مشتاق ہوں
گاہ چلمن سے دکھا دیویں جھلک — یہ عنایت جھپکے ہے آنکھ اب تلک
بدگمانی گاہ عشقِ غیر کی — کثرتِ الفت سے باتیں بیر کی
گاہ باور التماسِ اضطراب — شوخیِ بے جا کو پاسِ اضطراب

گاہ وہ نالائقی پر طعنہ زن
عیب جوئے حسنِ معشوقِ کہن

عمرِ رفتہ پر کبھی افسوس ہو
تا نہ دل پھر اس سے کچھ مانوس ہو

ایک دن ناگاہ وہ خورشید فام
جلوہ گر خورشید ساں بالائے بام

وحشی السیر اضطرابِ شوق سے
محرقِ جاں سوزِ[1] و تابِ شوق سے

آرزو دل میں "قِران تیر" کی
اس لیے پہلے سے یہ تدبیر کی

کہہ دیا سب سے کہ اک رازِ نہاں
آج پوچھوں گی کہ ہے بے تاب جاں

وہ زبوں طالع کہ ہے اختر شناس
آئے تو تم بھیج دینا میرے پاس

جوں ہی اس گھر میں ہوا اپنا گزر
آئی کچھ "تثلیثِ زہرہ" کی نظر

آفریں ہے طالعِ مصعود[2] کو
پہنچے ہم یوں منزلِ مقصود کو

کر کے استقبال وہ ماہِ تمام
لے گئی بارے مجھے بالائے بام

ہے نئی یہ گردشِ چرخِ کبود
اخترِ عاشق کو ہو اتنا صعود

دیکھ کر اوجِ "منجم" بے تخن
جاہ "کیواں" پر "عطارد" طعنہ زن

پایہ بالا تر ہے عرشِ بریں
خاک کویوں کر دیا کرسی نشیں

آخرِ "مہ" میں کیے ہم نے یہ چین
تھا مبارک "اجتماعِ نیرین"

مشرقستاں تابِ رخ سے جلوہ گاہ
مٹ گیا سب شکوۂ روزِ سیاہ

تہنیت کو مضطربِ "ناہید" نام
خوابِ راحت، بختِ خفتہ کو حرام

حکمِ عشرت راں قضائے "مشتری"
معجز[3] "زہرہ"، ردائے "مشتری"

تازہ "رجعت" رشکِ وصلِ یار میں
"نحسِ اکبر" طالعِ اغیار میں

صرفِ دشمن جور و بے دادِ فلک
خوں حلال تیغِ جلادِ فلک

شور و غوغا شکر کا دونوں طرف
"اقتران" یک دگر سے سو "شرف"

آخریں "درجے" میں الفت کی نظر
گہ "مقارن" گہ "مقارب" یک دگر

۱- "شوز" نسخۂ اول (صفحہ ۳۰۳) میں غلط، دوم اور ششم میں "سوز" صحیح (مرتب)

۲- "مصعور" نسخۂ اول و دوم (صفحہ ۳۰۳، ۲۵۷) میں، "مسعود" طبع ششم (صفحہ ۳۷۱) میں۔ (مرتب)

۳- نسخۂ مطبوعہ ۱۲۸۳ھ اور ۱۸۷۶ء (صفحہ ۳۰۳، حاشیہ صفحہ ۲۵۷): - معجز زہرہ ردائے مشتری
نسخۂ مطبوعہ ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۷۱): معجز ردائے مشتری "معجز" صحیح قیاسی ہے (مرتب)

بوسہ و آغوش کا عالم رہا — کوے عشرت کا تقاضا کم رہا
عہد و پیمانِ وفا باہم ہوے — وعدہ ہاے وصل مستحکم ہوے
میرے گھر اقرار آنے کا کیا — قول اس سے پھر نہ جانے کا کیا
وقتِ رخصت مضطرب ہونے لگی — دیکھ کر حسرت زدہ رونے لگی
آنے کب دے گر نہ ہو لوگوں کا پاس — ذکر سے جانے کے جاتے تھے حواس
جوش آیا کسمسا کر رہ گئی — تا بہ دامن ہاتھ لا کر رہ گئی
چلتے چلتے کہہ دیا جلد آئیو — کچھ بہانہ ہو نہ ہو ، ہو جائیو
دم بہ دم میلِ طبیعت ہو زیاد — جو مراد اپنی وہی اس کی مراد
شامِ ہجراں بے خودی سوداے وصل — روز افزوں رغبتِ شب ہاے وصل
جی سوا خلوت کے گھبرانے لگا — صحبتِ دشمن میں فرق آنے لگا
مضطرب رکھنے لگی آوارگی — صاحبی اور اس قدر بے چارگی
دیدۂ مشتاق مائل سوے در — حسرتِ نظارۂ پیغام بر
ہر کبوتر دیکھ کر ہو بے قرار — پاسِ ناموس اڑ گیا بس ایک بار
لے فغانِ زاغ سے وہ بے سکوں — بلبلِ شیدا کے آنے کا شگوں
سوزِ غم سے ہر زماں جلتی رہے — یادِ دل گرمی میں جاں جلتی رہے
گفتگو سب ہم دموں سے چھوڑ دی — بات کرنی محرموں سے چھوڑ دی
آخر اس احوال کا چرچا ہوا — رازِ پنہاں بن کہے افشا ہوا
جب سنی اس بدبلانے یہ خبر — حال جس کا کہہ چکا ہوں پیش تر
وہ کریہ الشکل مردودِ جہاں — ہوچکا ہے جس کی صورت کا بیاں
یک دو[1] دن آ کے مہماں رہ گئی — بد زباں کیا جایے[2] کیا کہہ گئی
ملتے ہی باہم جدائی ڈال دی — نیک کے دل میں برائی ڈال دی
بھر دیے کان اس سراپا ناز کے — خاک منہ میں تفرقہ انداز کے
ایسے بے دردوں کو یا رب موت آے — جو بتاویں جی پہ ان کی جان جاے

---

[1] "دو دن" نسخہ طبع اول و دوم (صفحہ ۳۰۵، ۲۵۸) میں اور نسخہ طبع ششم (صفحہ ۳۷۲) میں "دن دو" ہے۔ (مرتب)

[2] نسخہ مطبوعہ ۱۹۳۰ء صفحہ ۳۷۲: "بدزباں کیا جانے کیا کیا کہہ گئی" ۔ متن مطابق نسخہ ۱۸۷۶ء (صفحہ ۳۵۸) ہے۔ (مرتب)

جو کہ یہ چاہے کسی کا ہو برا — پیش تر اس سے اسی کا ہو برا
خاک میں مل جائے خود جو خاک اڑائے — جیتے جی جلتا رہے جو جی جلائے
خانہ بربادوں کا ہو خانہ خراب — ہائے مجھ سے بے گنہ پر یہ عذاب
پھر کہاں وہ دل دہی، جاں پروری — یہ بد آموزی ہے یا افسوں گری
پھر سنی میری نہ کچھ اپنی کہی — کیسی صحبت بات میں جاتی رہی
بے سبب اس شوخ کا بگڑا مزاج — موت آئی تھی ہماری، کیا علاج
بگڑی وہ اور میری جاں پر بن گئی — کیسی جانِ ناتواں پر بن گئی
دونوں وہم و بدگمانی سے خفا — مجھ سے وہ، میں سخت جانی سے خفا
سرگرانی سب گئی انجام سے — جان نکلی زندگی کے نام سے
یاس کو بے طاقتی سے تقویت — آرزو خونِ شہیدِ بے دیت
دست بردِ نالہ[1] و افغاں ستم — کنجِ عزلت میں ہجومِ درد و غم
لب گزا تر ہجر سے ذکرِ وصال — دشمنِ جاں دوست داری کا خیال
یاد میں کوٹھے کی لوٹوں خاک پر — سر زمیں پر اور دماغ افلاک پر
دھیان اس کی جاں فزا آواز کا — کان کا پردہ تھا پردہ ساز کا
لب گزیدن لذت آمائے شکر — اب تلک محسوس بوسے کا اثر
وصل کی خواہش بھری دل میں تمام — ہر ادا اپنا ادا کرتی تھی کام
جس تمنا کا اٹھایا تھا مزا — وہ زیادہ تر، ہوئی حسرت فزا
تلخ کامی نے شکر کھا کر ستم — بے مزا ہوتا. مزا پا کر ستم
ہنستے ہنستے اشک باری ہائے ہائے — بعد راحت بے قراری ہائے ہائے
چارہ دان و بے دوائی حیف حیف — کامیاب و بے نوائی حیف حیف
وجہ کھل جاتی تو عقدہ باز تھا — عذر رشکِ افترا پرداز تھا
لیک ناگفتہ حکایت رہ گئی — حرف شکوہ کی شکایت رہ گئی
اب بھی مل جائے، جو مل جائے کہیں — جذب دل یاں تک اسے لائے کہیں

۱- نسخۂ طبع اول (صفحہ ۳۰۶) اور نسخۂ مطبوعہ ۱۸۷۶ء (صفحہ حاشیہ ۲۵۸) میں "نالہ افغاں" اور مطبوعہ ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۷۳) میں "نالۂ افغاں" ہیں۔ "نالہ و افغاں" تصحیح قیاسی ہے۔ (مرتب)

کاش کے تاثیرِ جانِ بے قرار | ایک دم اس کو نہ لینے دے قرار
کچھ اثر کو[1] پاسِ ننگ و نام آے | کار گر ہی درد دوری کام آے
پھر صفائی سے بنے آئینہ دل | پھر نہ دیکھے روے زنگِ کینہ ، دل
پھر پھریں دن عاشقِ سر گشتہ کے | شکوے کم ہوں طالعِ بر گشتہ کے
بے غمی پھر اپنی غم خواری کرے | جاں فزائی اس کی دل داری کرے
پھر نگاہِ آشنا آئے نظر | گوشۂ چشمِ وفا آئے نظر
پھر وہی میلانِ طبعِ یار ہو | پھر دل آزاری سے جی بے زار ہو
پھر فروغِ ماہِ سیما دیکھ لوں | چشمِ حیراں کا تماشا دیکھ لوں
پھر وہی باہم ملاقاتیں رہیں | پھر وہی گوش آشنا باتیں رہیں
پھر مرے پہلو میں دل بر بیٹھ جاے | فتنہ جو اٹھا ہے تھک کر بیٹھ جاے
پھر کرے وہ مہروشِ دل سوزیاں | پھر شبِ عشرت کی ہوں بہروزیاں
پھر ہو گرمی صحبتِ دل دار کی | پھر جلے جانِ تپاں اغیار کی
طنز کی باتیں کہیں غماز کو | چھیڑیں کیا کیا اس خلل انداز کو
جان و دل کو چین ہو آرام ہو | ابتدا جو تھی وہی انجام ہو
بلکہ دل میں رہ گئی ہے جو ہوس | وہ بھی نکلے اس سہم سے کہ بس
شکر گو ہوں طالعِ بیدار کے | ساتھ کھائیں ، ساتھ سوئیں یار کے
کیا کہا میں نے کہاں ایسے نصیب | تا سزا ہے آز آرام و شکیب
پھر فغاں کرتا ہوں جب گھبرائے ہے | کیا کروں رہ رہ کے حسرت آئے ہے
دل نہ ٹھہرا تھا کہ مضطر ہو گیا | جی نہ سنبھلا تھا کہ بدتر ہو گیا
اے نسیمِ صبح گر جائے اُدھر | تو یہ کہہ دینا کہ اے بے داد گر
کب تلک بے بس نیازی کب تلک | کب تلک دشمن نوازی کب تلک
کب تلک بے جرم پر جور و جفا | بے سبب آزردگی کیوں بے وفا
کب تلک بے وجہ پیشانی میں چیں | آخر اس محروم کا تو دل نہیں

۱- "کو" نسخہ طبع اول و دوم (صفحہ ۲۵۹،۳۰۷) میں "کچھ" نسخہ طبع ششم (صفحہ ۳۷۳) میں (مرتب)

تلخ گوئی، تند خوئی کب تلک
انتہا بھی سرکہ روئی کب تلک

کب تلک مدِ نظر اظہارِ خشم
انتقامِ سوزِ الفت زہرِ چشم

دعوے غفلت سگالی کب تلک
لاف ہائے لا ابالی کب تلک

کب تلک جلادی و غارت گری
کب تلک عاشق کشی، کیں پروری

عار و ننگ زیردستی کب تلک
کب تلک بدگو پرستی کب تلک

کب تلک ناعاقبت اندیشی آہ
کب تلک نا فہم کافر کیشی آہ

کب تلک جرمِ بدآموزی معاف
جا بہ جا ابلہ فریبی، گاہے لاف

رحم نا انصاف کب تک داد خواہ
واجب التعذیر کب تک بے گناہ

کب تلک ترکِ دلاسا، کب تلک!
کب تلک یہ نازِ بے جا کب تلک

تیری بے زاری سے جی بے زار ہے
سخت کوشی نیم جاں پر بار ہے

تیرے ہاتھوں[1] سے ہوں پامالِ ستم
خاک سر پر، خار ہیں زیرِ قدم

موت سوجھی بے نگاہِ التفات
پھر گئیں آنکھیں، تری آنکھوں کے سات

لاگ لب کو "واشدن" سے لگ گئی
چپ تری ترکِ سخن سے لگ گئی

بات بگڑی سب بگڑنے سے ترے
بن گئی بے ڈھب بگڑنے سے ترے

تیرے غصے سے غضب آیا غضب
دم رکے ہے تیرے رکنے کے سبب

کون سی تقصیر کی حیران ہوں
کیا کہا بدگو نے میں بھی تو سنوں

جو سنا ہے وہ نہیں آتا یقیں
گرچہ ہوں بے ہوش پر اتنا نہیں

میں کہاں افسوں، کہاں کس کی مجال
انتقامِ چشمِ جادو کا خیال

ابتدا سے منکرِ تسخیر ہوں
عاملِ افغان بے تاثیر ہوں

تاب و طاقت اپنی زورِ عشق ہے
گر عزیمت ہے تو شورِ عشق ہے

جو کیا تھا وہ الٹ جاتا اگر
جان دیتے تم مری ہر بات پر

جس فسوں گر نے کیا ہے یہ فساد
سمجھو اس کی بات کا کیا اعتماد

جو ہے بہتاں کا سب معلوم ہے
حال میرا اس کا سب معلوم ہے

۱- نسخۂ طبع اول اور دوم (صفحہ ۳۰۸، ۲۶۰) میں "ہاتھوں" اور نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۳۷۵) میں "باتوں" ہے۔ (مرتب)

بے خبر آخر تمھیں ہر راز کی — بات کیا اس شعبدہ پرداز کی
یہ نہیں جو کچھ کہا مت مانیے — مدعی کا قول باطل جانیے
لائق جور و جفا ہے وہ، نہ میں — مفتری، فتنہ، بلا ہے وہ، نہ میں
آؤ مل جائیں کہ دم ہے ناک میں — اس کدورت کو ملائیں خاک میں
اس ستم گر کو ستائیں خوب سا — ہنس کے آپس میں، رلائیں خوب سا
گرمیِ صحبت ہو اس کے رو بہ رو — گاہ میں اس کو جلاؤں، گاہ تو
مومن اتنی بے قراری کس لیے — جوشِ مایوسانہ، زاری کس لیے
ناامیدی اس قدر کس واسطے — شیونِ شام وسحر کس واسطے
آیۂ "لاتقنطوا" تو ہو گئی یاد — قولِ حق پہ کیوں نہیں ہے اعتقاد
ساتھ دل کے کھو دیا کیا دین بھی — نذر اس بت کی کیا، کیا دین بھی
رحمتِ حق سے ہے کیوں مایوس تو — کافر ایسا ہو گیا، افسوس تو
نالہ ہائے نارسا سے فائدہ — ان بتوں کی التجا سے فائدہ
سنگ دل ہیں ان کو کیوں کر آئے رحم — کس پہ آیا ہے کہ تجھ پہ آئے رحم
مدعا بے دیں، دعا سے چاہیے — چاہیے جو کچھ خدا سے چاہیے
ضبط آہ و نالہ و فریاد کر — بھول جا سب کچھ، خدا کو یاد کر
پھر تماشائے نیاز و ناز دیکھ — انتقامِ تفرقہ پرداز دیکھ
رحم کن بر حالِ زارِ خویشتن — باخدا بسپار کارِ خویشتن

(۶)

مثنوی ششم

آہ و زاریِ مظلوم

نام و تاریخ ایں فشارِ غموم
نیست جز "آہ و زاریِ مظلوم"

۱۲۳۶ھ

الٰہی نالۂ اخگر فشاں دے — فغانِ شعلہ ریز و خوں چکاں دے
عنایت کر مجھے آتش زبانی — کہ لب تک لا سکوں سوزِ نہانی
دے اتنی گرمیِ طرزِ تکلم — کہ ہو غرقِ عرق، برقِ تبسم
جھڑیں باتوں میں میرے منہ سے وہ پھول — کہ جائیں شعلہ رو، گل ریز کو بھول
بتانِ سنگ دل کا جی جلا دے — زباں کو شعلۂ دوزخ بنا دے
اثر دے نالۂ افلاک رس کو — دعائے نوح کر، ہر ہر نفس کو
کہ گر موجِ سخن کا دم بھرے جوش — تنورِ سینہ سے طوفاں کرے جوش
کمندِ نالہ کو دے چین بہبود — بندھا امید، آہِ حسرت آلود
نہ ہو وحشت رمِ لیلیٰ سے مانوس — کرے صحرائے مجنوں میرا پابوس
رکھوں پہلو میں اس شیریں دہن کو — سکھاؤں سینہ کاوی کوہ کن کو
دکھائے چشمِ تر کی اشک باری — خزانِ گریۂ ابرِ بہاری
ہو گریہ چشمِ جادو کے مقابل — بھرے پانی فسونِ چاہِ بابل
رہے یوں ہی قیامت آسماں پر — نہ آئے حرف کچھ آہ و فغاں پر
کسی میں ہو نہ بات اس بے کسی کی — نہ جائے پیشوائی واپسی کی
رہے نام و نشاں بدنامیوں سے — نکالوں کام کچھ ناکامیوں سے
ذرا طاقت کہ بے تابی کروں میں — رہوں جیتا کہ اس بت پر مروں میں
تامل کرسکوں عرضِ وفا کا — تحمل ہوسکے بے ہم جفا کا
بھرے رحمت دمِ اظہارِ الفت — فلک پر ہو دماغِ گردِ کلفت

دلِ ناامید کا ارمان نکلے — اجابت کی دعا پر جان نکلے
رقیبِ بوالہوس بیگانہ سا ہو — دلِ جاناں محبت آشنا ہو
مری حالت پہ رحم آ جائے اس کو — عدو کی تلخ کامی بھائے اس کو
مرے سوزِ دروں سے چشم تر ہو — نگاہِ حسرت آلا پر نظر ہو
اٹھا دے پردۂ روے منور — کرے روزِ سیہ کو صبحِ محشر
دوا سوچے تپِ دل تفتگی کی — خبر رکھے مری خود رفتگی کی
تمیزِ عشق بازی نکتہ رس ہو — تغافل صرفِ اربابِ ہوس ہو
دمِ رفتن قیامت کا جو ہو ذکر — جوابِ خونِ مومن کی پڑے فکر
کرے درمانِ بیمارِ محبت — نہ سمجھے سہل دشوارِ محبت
مرے اقرارِ ذلت کو نہ مانے — مری نا لائقی کی قدر جانے
کرے ہر ہر طرح عاشق نوازی — مرے اشعار سے ہو نغمہ سازی
مرا احوال سن لے[1] گوشِ دل سے — نہ گھبرائے فغانِ متصل سے
کرے بے داد دوری کی مکافات — نکالے کوئی تدبیرِ ملاقات
پیے گر مے تو پیمانے کی میرے — قسم کھائے تو غم کھانے کی میرے
الٰہی کیا کروں، خود کام ہے وہ — بتِ غارت گرِ اسلام ہے وہ
تعجب کیا دعا کی ناشکیبی — اثر ہونے نہ دے عابد فریبی
نہ چھوڑے وہ صنم ایماں کسی کا — بنائے داغِ جبہ شیخ ، ٹیکا
اگر ترکِ نگہ جائے سوے چرخ — تو کردے مشتری کو ہندوے چرخ
اگر لافِ ورع ہو وردِ دیں دار — بنا دے وہ رگِ گردن کو زنار
وفورِ خود پرستی چشمِ بد دور — شیوعِ بت پرستی دل سے منظور
بہم ربطِ رقیباں کے خیالات — رواجِ شرک میں مصروف دن رات
نرالا سب سے اس کا کیش و آئیں — محبِ اہلِ بیت و دشمنِ دیں
غضب خوں ریز و کافر ماجرا ہے — فضاے خانہ دشتِ کربلا ہے
گلے اپنے شہیدوں کے لگے خاک — جسد مردے کا اس مذہب میں ناپاک

۱- نسخہ طبع اول (۱۲۸۴ھ صفحہ ۳۱۱) و طبع دوم ۱۸۷۶ء (صفحہ ۲۶۲) میں "لے" اور طبع ششم نول کشور ۱۹۳۰ء (صفحہ ۲۷۸) میں "کے" ہے (مرتب)

نہ ڈھونڈھے قتلِ عاشق میں سبب کچھ   برائے مصلحت جائز ہے سب کچھ
مسلمانوں کے حق میں دوزخ اندیش   کہے کفار کو مومن وہ بدکیش
طلسمِ شیفتگی ، جادو کلامی   صفت میری جو ہو تو نیک نامی
مری الفت چھپائے مجھ سے بے دیں   تقیہ فرض جانے، مستحب کیں
خلافت ہے حق لیلیٰ کہے وہ   مرے بس در پے ایماں رہے وہ
ہوس اوروں کا غم مطلب رسی سے   مجھے تفضیل سب پر واپسی سے
یہ مومن اس سے کہہ تو جو نہ جانے   وہ کافر تو خدا کو بھی نہ مانے
کہاں تقلیدِ مذہب اس پری کو   جو قدرت سمجھے ہے جادوگری کو
دمِ رفتار جو ہو حشرِ اموات   کرے دعوے خلاقی وہ اثبات
ہلاکِ خلق جانے چشم کا کام   اجل رکھے نگاہِ ناز کا نام
اگر ارض و سما کا ذکر آجائے   غبارِ دودِ دلِ عاشق کا دکھلائے
عذابِ اندیشۂ حرماں کو جانے   جہنم آتشِ ہجراں کو جانے
کہے کوچے کو فردوسِ بریں وہ   پری رویوں کو جانے حوریں وہ
الٰہی غیرتِ جانِ الٰہی   نہ جانے سہل مومن کی تباہی
مصیبت ہے بلا عشقِ بتاں کی   کہاں بندے میں طاقت امتحاں کی
کہاں تک بے نیازی، کبریائی   نہیں اب تابِ ایماں آزمائی
وہ بت دیتا ہے طعنہ کس ادا سے   کہ اب تم چاہتے ہو کیا خدا سے
گزر اس گھر میں جو ہے رشکِ جنت   ملا معشوق مجھ سا حور طلعت
غلط جلوہ ہے میرا شعلۂ طور   جہنم میں گئی ، ہے کیا بلا حور
ہوا رحمت کو کیا، کہہ کیا ستم ہے   ترے بندے پہ بے دادِ صنم ہے
نہیں زنہار شایانِ غیوری   غرور اس بت کا میری ناصبوری
جلالِ غنچہ پرور جوش میں آئے   تلافی کچھ مری خواری کی ہو جائے
یہ دن دکھلائے ہاں قدرت نمائی   کہ صبحِ وصل ہو شامِ جدائی
کرے تزئین تو[1] تشریفِ اسلام   دل و جاں سے ہو وہ زیبا صنم رام
نکالے عرض ایماں مطلب اپنا   کروں آخر اسے ہم مذہب اپنا

۱- "تو" نسخہ طبع ششم ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۷۹) غلط- بقیہ نسخوں میں "تو" صحیح- (مرتب)

پڑھے کلمہ مرا وہ نامسلماں | مبارک باد دیں کیا کیا مسلماں
ادا ہو احتسابِ پارسائی | بنے دیں دار کافر ماجرائی
امامِ شہر کی تجدیدِ ایماں | کرے کس کس طرح تائیدِ ایماں
الٰہی ناک میں دم ہے دعا سے | جلی[1] جاں آہ اجابت کی جفا سے
نہ کی تاثیر نے پروائے زاری | ہوئی اس بت سے حاصل شرم ساری
تظلّم سے اثر کی بے نیازی | فزوں تر کر گئی نازِ مجازی
بلا طاقت شکن ہے سختیِ جور | غرور اس سنگ دل کا بڑھ گیا اور
ہوا بگڑی دعا ہائے سحر کی | ہوئی آب، آبروِ مژگانِ تر کی
زباں پر نغمہ واں، یاں آہ ہے، حیف! | سرور افزا غمِ جاں کاہ ہے، حیف!
تبسم ریز حرفِ اشک باری | تسلی بخش یادِ بے قراری
بچے آرام ذکرِ جاں[2] بے تاب | حدیثِ تلخ سے شیریں ہوا خواب
نہیں ڈر جذبۂ طاقت گسل کا | دل آسودہ ہے اس آرام دل کا
نہ کچھ اندیشۂ آہِ جہاں سوز | نہ بیم نالہ ہائے آسماں سوز
نہ ترسِ طعن، نقصِ دل ربائی | نہ کچھ معیوب اسیروں کی رہائی
ستم گر، بے وفا، بے درد، بے باک | نہ عاشق ہے معزز، نے ہوس ناک
تغافل پر نہ چھوڑے تو گرفتار | نہ دل داری کرے لیکن وہ دل دار
نہ سمجھے ظلم کو وہ فتنہ گر ظلم | عداوت آشتی ہے، رحم پر ظلم
الٰہی کس ستم گر سے پڑا کام | کہ ناکامی نے میری کر دیا کام
ہوس نکلی فراقِ جاں گسل کی | رہی دل ہی میں حسرت میرے دل کی
نہ نکلا ایک ارماں آہ میرا | گیا جی مفت میں اللہ میرا
رہا خمیازہ فرمائے بر و دوش | خمارِ بادۂ شوقِ ہم آغوش
شکر ریزِ فسوں تھا حرفِ مطلب | ہوئے بندِ التماسِ بوسہ میں لب
مری یہ شورشِ شیریں کلامی | رہی لذت فزائے تلخ کامی
نہ پہنچے خلوتِ دل دار میں گاہ | ملے تو خانۂ اغیار میں آہ

۱- نسخۂ طبع اول و دوم مطبع نول کشور (صفحہ ۳۱۳، ۲۶۳) میں "جلی" ہے اور طبع ششم (صفحہ ۳۸۰ ب) میں "چلی" ہے (مرتب)
۲- نسخۂ طبع اول و دوم میں اسی طرح ہے لیکن طبع ششم نول کشور (صفحہ ۳۸۰) میں "جاں سے بے تاب" ہے۔ (مرتب)

ملے کیوں کر نہ مژگاں دستِ افسوس | کفِ پا کے ہے سہلانے سے مایوس
نہ کیوں رو رو کے بس اپنا کرے خوں | نہ رکھے چشم پر وہ پاے گل گوں
جگر خوں گشتۂ بے دست و پائی | نہ آئے ہاتھ وہ پاے حنائی
الٰہی ہاتھ میرے ٹوٹ جائیں | جو لی ہوں اس ستم گر کی بلائیں
ہوا اک شب نہ میں قربانِ جاناں | کروں ایسی سیہ روزی کو قرباں
چراغِ بزمِ دشمن وہ دل افروز | یہاں تیز آتشِ حرمانِ جاں سوز
اگر اس شمع رو کے گرد پھرتے | تو پروانوں کی نظروں سے نہ گرتے
متاعِ صبر و راحت گر تلف ہے | الٰہی حق مرے دل کی طرف ہے
سکوں کیا ہو، سکوں کی کون سی بات | نہیں وعدہ بھی، کیا ذکرِ ملاقات
ملاقات اس کو بھی ہے گرچہ منظور | ولیکن کیا کرے ناچار و مجبور
اگر بھیجے تو کیوں کر بھیجے پیغام | کرے کس طرح خوداری کو بدنام
غرورِ حسن سے آساں ہے دشوار | بھلا مطلوب کیوں کر ہو طلب گار
خلافِ وعدہ جب[1] ہو کامِ معشوق | تو نازیبا وفا پیغامِ معشوق
طلب عشاق کی ہے کس قدر عار | غلامی پر نہ ہو یوسف خریدار
کہو[2] کیوں کر زبانِ سروِ آزاد | غمِ قمری میں ہو پابندِ فریاد
نہایت یہ کہ گوشِ شوق سے گل | ذرا سن لے فغان و آہِ بلبل
سنا ہوگا یہ افسانہ ہے مشہور | کہ خسرو کا فرستادہ ہے شاپور
گیا کیوں[3] کر نہ تھا بلقیس کے ہاں | ولے ہدہد بنا مرغِ سلیماں
نہ کیوں اس طبعِ نازک پر گراں ہو | کہ یہ خفت نصیبِ دشمناں ہو
الٰہی کس قدر بگڑی ہے تقدیر | کہ کچھ بنتی نہیں کیا کیجے تدبیر
تمنا وصل[4] کی کیوں کر جتاؤں | پیامِ شوق کیوں کر لب پہ لاؤں

۱- "جز" طبع دوم (صفحہ ۲۶۳) میں غلط ہے۔ نسخۂ اول میں جب کی بے چھاپے میں اڑ گئی ہے۔ طبع ششم میں "جب" صحیح ہے۔ (مرتب)
۲- نسخۂ اول و دوم (صفحہ ۲۱۵، ۲۶۳) میں "کہو" اور نسخۂ ششم (صفحہ ۳۸۱) میں "کہوں" ہے۔ (مرتب)
۳- طبع اول (صفحہ) میں "کیوں کر گیا" ہے جو موزوں نہیں، "گیا کیوں کر نہ تھا بلقیس کے ہاں" طبع دوم اور سوم میں صحیح ہے۔ طبع ششم میں "یاں" بجاے ہاں (مرتب)
۴- "تی" طبع اول (صفحہ ۲۵۰) میں غلط ہے۔ (مرتب)

کہوں کیا ولولے میں آرزو کے / کہ ملتے بھی ہیں تو گھر میں عدو کے
کہاں سے لاؤں وہ پیغامِ پرداز / کہ ہو اس شوخ کا بھی محرمِ راز
وگرنہ بیم طبعِ نازنیں ہے / کہ پھر میں کیا نہیں وہ بھی نہیں ہے
حذر اس آتشیں خو کے غضب سے / کہ عالم پھونک دے اک شعلہ[1] تب سے
اگر آزردگی سے دے وہ دشنام / تو لے عیسیٰ سے بس جلاد کا کام
نگاہِ قہر جب تیغ آزما ہو / حریمِ کعبہ رشکِ کربلا ہو
مگر اتنا کرے بادِ سحر گاہ / کہ آخر تو وہ کوچہ ہے گزر گاہ
ذرا میرا بھی سنتی جائے پیغام / نہیں آتے ہیں کیا ناکام کے کام
کرے پر کان میں اس گل کے اظہار / یہ رازِ عندلیبِ نو گرفتار
کہ ظالم کب تک غفلت شعاری / ذرا بے خود کی اپنے پاس داری
کہاں تک سینہ سوزی، ہائے بے جا / غضب ہے پک گیا میرا کلیجا
کہاں تک مشقِ نازِ بے نیازی / خطِ باطل ہے کیا عاجز نوازی
کہاں تک بد دماغی سر گرانی / کہ جاں ہے پائے مالِ ناتوانی
کہاں تک دورباشِ جور و بے داد / ستم ہے اہتمامِ نالہ، فریاد
کہاں تک صرفِ ہمت کسبِ زر میں / نہیں اب خاک بھی غیروں کے گھر میں
کہاں تک کثرتِ عشاق کی فکر / کبھی تو کچھ بھی اس مشتاق کی فکر
کہاں تک طرزِ بے پروا خرامی / قیامت کو ہے لافِ نیک نامی
کہاں تک خواہشِ عشقِ نا بس / عذابِ غیرتِ لذت فزا بس
کہاں تک ضبطِ جوشِ نوجوانی / ہوس مرحومِ لطفِ زندگانی
کہاں تک جبرِ دل پر اختیاری / طبیعت کیا نہیں راغب تمھاری
کہاں تک پاسِ رسوائی، کہاں تک / مری فریاد پہنچی آسماں تک
کہاں تک وہم دامن کب رہا پاک / کہ داغِ خون، مے دونوں ہیں ناپاک
کہاں تک دور اندیشی سے وسواس / ہجومِ شوق میں کیا ننگ کا پاس
کوئی پیغام بر جو رازداں ہو / ادا فہم اشاراتِ نہاں ہو
زباں دانِ نگاہِ لطف آلود / کہیں شاگردِ چشمِ سرمہ فرسود

۱- طبع اول و دوم (صفحہ ۳۱۵، ۳۶۳) "تپ" غلط ہے صحیح "تب" ہے بہ لحاظ قافیہ - (مرتب)

مکرر امتحاں فرمودۂ ناز | فسوں خوانِ زباں بندیِ غماز
محلِ اعتمادِ ننگ و ناموس | نظر نازِ فریبِ چشمِ جاسوس
تمھیں بھیجو کہ جاں میں جان آئے | دلِ خودرفتہ کو اوسان آئے
وگرنہ کام آخر ہوچکا ہے | مکرر چارہ فرما روچکا ہے
نہیں کچھ بھی امیدِ زندگانی | تھکی اس کش مکش میں سخت جانی
رہے گر ناز سے تم سرگراں اب | تو یہ پامال دوری پھر کہاں اب
اس آغازِ محبت کا مآل آہ | کہ ہووے وصل سے پہلے وصال آہ
نہ پروا تھی تو کیوں تھے درپئے دل | نہ کی کچھ دل دہی جب لے گئے دل
نہ آنا تھا تو کیوں گھر میں بلایا | بٹھا کر پاس یہ فتنہ اٹھایا
نہ تھی منظور گر تم کو ملاقات | تو کی آنکھیں ملا کر کس لیے بات
تری وہ ہائے پہلو دار تقریر | نویدِ ہم کناری جس کی تعبیر
نگاہِ لطف سے کیا کیا اشارے | کہ منظورِ نظر ہو تم ہمارے
نہ بگڑو تو کہوں اپنی بنی کی | کہ تم دشمن نہ تھے پر دشمنی کی
خیالِ دل دہی اب جاں طلب ہے | حدیثِ لطف یاد آنی غضب ہے
ستم ہے ظالم اندیشہ کرم کا | تو خود انصاف کر اپنے ستم کا
قرارِ ہم کناری نے ستایا | کنارے گور کے مجھ کو لگایا
خبر پامالِ غم کی اپنے لو تم | ملے ہم خاک میں اب تو ملو تم
غلام اپنا کیا بازی لگا کر | یہ کھل کھیلے نہ تھے کچھ داؤ کھا کر
نہ تھے صاحب کہ نکلے بے وفا تم | کہو میں بھاگتا پھرتا ہوں یا تم
عدو کی عشق بازی آشکارا | غرض سچ ہے کہ تم جیتے میں ہارا
نظر تیری پھری اے مہ جبیں اب | وہ چشمِ مہر کا ایما نہیں اب
کہاں اے بدر سیما وہ ترحم | کہ ہوں میں رازدارِ سیرِ انجم
نہیں کیا تم نے احکام آزمائے | انھیں باتوں نے تو یہ دن دکھائے
مجھے جب زائچہ تم نے دکھایا | قراں ہی اول و ہفتم میں پایا
نہ زہرہ سب سعادت پر تو انجم | رہیں رونق فزائے برجِ پنجم
سدا ساعت دبیرِ آسماں کی | ضمیرِ الفت حکیمِ نکتہ داں کی

ہمیشہ اختر بد طالع غیر
شرف بخشِ ہبوط و راجع السیر

نہیں کچھ اعتبار دور افلاک
کہ اک گردش میں مجھ کو کر دیا خاک

سیہ روزی کا جلوہ کس قدر ہے
کہ شامِ ہجر کی ظلمت سحر ہے

مرے داغ آفتاب عالم افروز
کہ جس کی روشنی سے شامِ غم روز

یہ سب کچھ سچ پر اتنا بھی کہیں گے
کہ جیتے ہیں تو اک دن مل رہیں گے

سلیماں ہم دمِ بلقیس ہوگا
قرانِ زہرہ و برجیس ہوگا

بدل جائے گی آخر تیری عادت
مرے طالع میں ہے سہم السعادت

ترا لانا یہاں مدنظر ہے
کہ استقبال و اقبالِ قمر ہے

تری دل سوزیوں سے کیوں ہوں مایوس
نہیں کچھ احتراق "تیر" منحوس

سعادت سے ششم کی جیتے ہیں ہم
کہ یاں بہرام کو ہے عشرتِ جم

دلیل اس کی ہے استیلائے ناہید
کہ ہو عیش اور عیشِ وصلِ جاوید

قبولِ قوت "کیواں" ہے ہشتم
نہ ہو محبت سے میری رنج کش تم

کہاں آبادیِ کاشانہ غیر
کہ برج منقلب ہے خانہ غیر

اگر ہو سعد اکبر کو کب اس کا
ولے یہ درجہ رہتا ہے کب اس کا

کہ نے پھر دور ریحانِ زحل ہے
سعادت سرحدِ وجہ خلل ہے

رہے کب آتشِ عرض ہوس تیز
فرح ہے نیر اعظم کی غم ریز

نحوست ہے دلیلِ برج آبی
نظر آتی ہے کچھ خانہ خرابی

یہ ہے مضمون حکم انتقالات
کہ ہوگی ان جفاؤں کی مکافات

بہم ہم تم کریں گے کام رانی
نہ ناکامی، رہے نہ[1] سرگرانی

ابھی سے گر جفا کم ہو تو اچھا
زیادہ ربط باہم ہو تو اچھا

نہیں تو ہوئی اس دن شرم ساری
کسے منظور ہے خجلت تمھاری

نہ شرماؤ کہ شرمانا پڑے گا
نہ گھبراؤ کہ گھبرانا پڑے گا

کرو اظہار گر شوقِ ملاقات
تمھیں اول تو کیا ہے شرم کی بات

نہ ہو کیوں گرمیِ صحبت کا ایما
کہ میں پروانہ ہوں تم شمع سیما

کہاں تک بے وفا غفلت شعاری
خبر لے، ہے بری حالت ہماری

۱- طبع ششم (صفحہ ۳۸۵) میں "نے" اور طبع اول و دوم میں "نہ" ہے۔ (مرتب)

مرے غوغا سے غل ہے آسماں پر
یہ کیسی آ گئی آفت جہاں پر

فرازِ عرش ہے شورِ تظلّم
خدا کے واسطے کافر ترحم

اجازت دودِ دل کو اپنے گر دوں
اٹھا کر پھینک دے بنیادِ گردوں

کہیں شعلے شرار[1] افشاں فغاں کے
اڑا ڈالیں دھوئیں ہفت آسماں کے

مری آہیں جلادیں خرمنِ برق
فغاں سے رعد، آبِ شرم میں غرق

مرے نالوں سے نالاں ایک عالم
کبھی بیگانہ و احباب و ہم دم

مری گریہ سے آب و رنگِ طوفاں
ترے گھر کے سوا سب شہر ویراں

مرے غوغائے شب سے صبح گاہاں
سدا دیواں میں شورِ داد خواہاں

مرے ہاتھوں سے سودا ظلم پیشہ
گریباں پاؤں پڑتا ہے ہمیشہ

رفو سازوں سے وہ گستاخیِ دست
کہ جیب محتسب اور پنجۂ مست

جنوں کی کیا کہوں زور آزمائی
جوابِ حرفِ ناصح ہاتھا پائی

بلا تر، شوخ تر، گستاخ تر میں
کہیں تم سے زیادہ خرقہ در میں

جہنم تابِ حرف ہر جگر سوز
قیامت ہم نشیں کی جان پر روز

سدا سودائیوں کی طرح بکنا
در و دیوار کو حیرت سے تکنا

تصور سے ترے ہر دم حکایت
کہ شوقِ وصل ہے اور بے نہایت

کبھی کہنا کہ کیوں کر آئے یاں تم
ہوے کس طرح بارے مہرباں تم

کبھی قول و قسم ترکِ جفا پر
کبھی تکرارِ پیمانِ وفا پر

کبھی شکوے نصیبوں کے ہزاروں
کبھی طعنے رقیبوں کے ہزاروں

کچھ اپنے آپ مضطر ہونے لگنا
ہنسی کی بات میں بھی رونے لگنا

کبھی ہنستا تو حالِ چشمِ تر پر
ہمیشہ نوحہ تابوتِ اثر پر

بگڑنا نالہ ہائے نارسا سے
بنے کیوں کر کہ لڑتا ہوں ہوا سے

سدا آوارگی، صحرا نوردی
نہ دے آرام شوقِ دشت گردی

کدورت سے غبارِ دل نکالوں
جفائے آسماں پر خاک ڈالوں

اڑائی خاک یوں ہیہات اپنی
ملائی خاک میں اوقات اپنی

سمجھ تو کس کی ہے بے امتیازی
کرے فخرِ زماں یوں ہرزہ تازی

۱- "شرار" طبع اول اور ششم (صفحہ ۲۱۹، ۳۸۵) میں- "شرر" طبع دوم (صفحہ ۲۶۷) میں-(مرتب)

مسیحِ وقت کی بے چارگی حیف
وحیدِ عصر کی آوارگی حیف

قیامت ہے وہ پامالِ جفا ہو
کہ جس کا چرخِ ہفتم خاکِ پا ہو

ستم ہے، اس کرم پر جو ستم ہو
جو صدرِ مجلسِ اہلِ کرم ہو

نہیں کچھ عیب آخر قدردانی
کرو تم، دل دہی میں جاں فشانی

نہیں ایسا کہ بس رخصت طلب ہوں
جو کہنا ہے سو کہہ چک جاں بہ لب ہوں

نظر ہے محوِ شوقِ گرم جوشی
نہ کر اے بے مروت چشم پوشی

یہ بے پروا ترے انداز کب تک
تغافل ناز ہے، پر ناز کب تک

اگر ہے شوق بے اندازہ، بے داد
بگڑ مل کر کہ ہے یہ تازہ بے داد

مجھے بھی اک ذرا آ جائے طاقت
تو شاید تاب پھر کچھ لائے طاقت

نہیں اب قابلِ جور و جفا میں
سدا غش رہتے رہتے مر گیا میں

نہ جانو یہ تگ و دو ہرزہ تازی
نہ سمجھو کھیل میری عشق بازی

نہ بھولو اس قدر سنگیں دلی پر
نہیں فرہاد سے کچھ میں بھی کم تر

نہ جاؤ آہِ بے تاثیر پر تم
کرو تغییرِ حالت پر نظر تم

بدل جاتا ہے اک دم میں زمانا
نہیں اس چرخِ کج رو کا ٹھکانا

نہ سمجھو یہ غرورِ جاودانی
کہ میری جا نثاری، جاں فشانی

معاذ اللہ اگر معجز نما ہو
تو بعدِ مرگ بھی کیا جانے کیا ہو

نہ ہوتی خاکِ مضطر میں جو تاثیر
نہ بنتا کشتۂ سیماب اکسیر

سرایت عشق کی وہ بد بلا ہے
کہ جس سے خاک میں عاشق ملا ہے

ہوے جب ملتفت یہ سوے معشوق
تو کیا مشکل کہ بدلے خوے معشوق

کیے ہیں جذبِ دل نے کام کیا کیا
نہیں تم نے سنا یہ ماجرا کیا

آغازِ داستان

کہ تھا اس شہر میں اک خانہ ویراں
جنوں تعلیم فرمائے اسیراں

جوان سال و کہن پیرِ محبت
سراپا اس کا تصویرِ محبت

عیاں صورت سے دل کی شعلہ باری
ہیولیٰ میں زیادہ جزوِ ناری

جو دیکھے اس کی فطرت کی تب و تاب
کہے اپنے کو آپ ابلیس کذاب

کہاں یہ مہر میں آتش فشانی — کہ اس کے سایے سے ہو سنگ پانی
دلیلِ اعتدالِ طبعِ آزار — یہ رنگِ نرگسِ بیمار، بیمار
ہزال و ناتوانی خواہشِ جاں — نشانِ تندرستی کاہشِ جاں
جنوں قوت فزاے جانِ بے تاب — بھرِ نورِ نگاہِ چشمِ بے خواب
قلق کلفت زداے جان مضطر — صفا پروردۂ طبعِ مکدر
نفس بے اختیارِ نالہ ہر دم — تظلم سے نفس ناکام ہر دم
تمناے ستم ہنگامہ ایجاد — قیامت خانہ زادِ شورِ فریاد
رواں پرور خیالِ جاں فشانی — اجل کے آسرے پر زندگانی
نہ چھوڑے دل لگانے کی تمنا — قیامت ناز اٹھانے کی تمنا
اسیرِ حسرتِ گیسوے دل داد — گرفتارِ گرفتاریِ دل آزار
خرابِ آرزوے خواریِ عشق — ہلاکِ حسرتِ بیماریِ عشق
اسی ارمان میں رویا کرے وہ — نگاہِ پاک کو دھویا کرے وہ
پھرے دیوانہ وار اک اک گلی میں — یہ کیا سودا، ہوس سودے کے جی میں
ہو اس سے آتشِ سوزِ نہاں تیز — پڑھے اشعار کیا کیا درد آمیز
کوئی گر حال پوچھے تو نہ بولے — نہ کچھ[1] سربستہ مطلب، پر نہ کھولے
رہے دل ہی میں دل کی ،پر عیاں سب — نہ کوئی رازداں اور رازداں سب
اقارب کو گلہ بیگانگی کا — میں دیوانہ ہوں اس دیوانگی کا
احبا کو شکایت بلکہ سو بیر — کہ ہم کو جانتا ہے بدگماں غیر
ہوئے اک روز آخر سب فراہم — پریشاں گفتگو کرنے کو باہم
یہ فکرِ باطلِ آشفتہ سری کی — بلا لائی ہوئی ہے کس پری کی
ہلاکِ جنبشِ ابرو ہے کس کا — اسیرِ حلقۂ گیسو ہے کس کا
یہ کی کس چشمِ مے گوں نے خرابی — کہ ہے خودرفتہ جوں رندِ شرابی
جلایا اس طرح کس شعلہ خو نے — یہ دن دکھلائے کس خورشید رو نے
یہ فتنہ کس کی قامت نے اٹھایا — بلا میں کس کی زلفوں نے پھنسایا
یہ کس دستِ نگاریں کے ہیں نیرنگ — کہ رنگِ خوں نیا کچھ لائے ہے رنگ

۱- "نگہ" نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۳۸۸) اور "نہ کچھ" طبع اول (صفحہ ۳۲۲) طبع دوم (حاشیہ ۲۶۸) میں ہے- (مرتب)

لگایا آخر اک کافر پہ بہتاں ۔۔۔ کہ ہے وہ آفتِ عقل و دل و جاں
یقیں کا بدگمانی سے لیا کام ۔۔۔ کیا اس بے گنہ کو مفت بدنام
سخن ہائے غلط کو سب نے جانا ۔۔۔ ہوا یہ تذکرہ آخر فسانا
کسے رسوائیِ بے جرم کی فکر ۔۔۔ جہاں سنیے یہی چرچا، یہی ذکر
ہوا شہرہ قریب و دور کیا کیا ۔۔۔ علاجِ اتہامِ اقربا کیا
سنی جب اڑتے اڑتے یہ حکایت ۔۔۔ ہوئی وہ سادہ رو حیراں نہایت
کہ میرا جلوہ دیکھا کیوں کر اس نے ۔۔۔ کہاں سے سینک لی چشمِ تر اس نے
ہوا بے پردہ کب حسنِ نقابی ۔۔۔ کہاں ایسی حیا پر بے حجابی
نظر بازی کے مدنظر ہے ۔۔۔ کہ پردے ہی میں ہے شوخی بھی گر ہے
پری سے ہو سکے دیوانگی کیا ۔۔۔ نکالے پاؤں مجھ سی خانگی کیا
مگر شہرت نے کی یہ بے حجابی ۔۔۔ کہ گھر بیٹھے ہوئی خانہ خرابی
زبس تھا اعتقادِ دل ربائی ۔۔۔ نہ سمجھی تہمتِ آشفتہ رائی
یقیں جانا کہ سن کر میرے انداز ۔۔۔ ہوا ہو گا شہیدِ خنجرِ ناز
ہوئی جب دل نشیں یہ بے نشاں فکر ۔۔۔ لگی رہنے اسی کی ہر زماں فکر
غضب لذت اٹھانے کا بندھا دھیاں ۔۔۔ کھڑے ہونے لگے ہر بات پر کان
کرے سامع فریبی جب یہ افسوں ۔۔۔ کہ واں ہے کاہشِ جاں، روز افزوں
بڑھی جاں کاہیِ سوزِ[1] نہانی ۔۔۔ جتائے زورِ عجز ناتوانی
شکستِ رنگ، نقشِ روئے سادہ ۔۔۔ نزاکت لحظہ لحظہ ہو زیادہ
رہی آخر نہ چالاکی، نہ چستی ۔۔۔ خیالِ باطل اور اتنی درستی
نہ سوئے شوق ہم خوابی کے مارے ۔۔۔ انھیں افکار میں راتیں گزارے
رہے بیٹھی صبا کی رہ گزر میں ۔۔۔ کٹے دن انتظارِ نامہ بر میں
اسی حالت میں گذرے جب کئی سال ۔۔۔ کہ تھی مثلِ زماں تغییرِ احوال
زبس مطلوبِ نازش تھا طلب گار ۔۔۔ بنی سو خود فروشی پر خریدار
نہ آیا صبر بے دیدارِ مشتاق ۔۔۔ نہ ٹھہری جان و طاقت ہو گئی طاق
کی آخر مشورت اک ہم نشیں سے ۔۔۔ کہ اٹھتا ہے دھواں جانِ حزیں سے

[1] "روز" نسخہ طبع ششم (صفحہ ۳۸۹) میں غلط ہے۔ طبع اول اور دوم میں "سوز" صحیح۔ (مرتب)

جلایا شوقِ وصلِ تفتہ جاں نے
کیا خاک آتشِ سوزِ نہاں نے

انہیں فکروں میں سرگرداں ہوں دن رات
کہ اس وحشی سے ہو کیوں کر ملاقات

ذرا دیکھوں تو کیا ہے اس کی صورت
نہ کر دے خاک، تاثیرِ کدورت

نہ کیوں کر رحم آئے سن کر احوال
کہ ہے اک سرفراز اس طرح پامال

کوئی تدبیر لے تو ہی بتا دے
کسی صورت سے وہ صورت دکھا دے

کہا اس نے کہ اے سرمایۂ ناز
فدا تیرے ستم پر سب کے انداز.

بلا تیری مرے اندوہ و غم میں
کہ وہ کیا، میں پری کو لاؤں دم میں

نکال اپنی ہوس ہائے نہانی
ترے قربان عیشِ جاودانی

ذرا دھر کان حرفِ دل نشیں پر
نہ کر بے داد جانِ نازنیں پر

کہاں تک دور بینی ہے، کہاں تو
بلالے شوق سے اس کو یہاں تو

وہ گو بدنام ہے پر چھپ کے آنا
کوئی گر جان لے تو میں نے جانا

عذابِ ہجر تیری جان سے دور
نصیبِ دشمناں اندوہ، مجبور

مرے کہنے پہ چل مت ہاتھ سے جا
نکالے پاؤں کیوں اندازِ بے جا

ہنرمندی سے ہو تو کیوں کھلے عیب
کہ وہ ستار ہے جو عالم الغیب

قرار اس مصلحت نے جب کہ پایا
دلِ بے تاب کو آرام آیا

وہی ٹھہری جو ٹھہرائی تھی دل میں
زباں پر آئی جو آئی تھی دل میں

بلا کر اک عجوزِ حیلہ پرداز
کہا اے جادوے پرفن، فسوں ساز

وہ مجنوں جو نیا پیدا ہوا ہے
مجھی پر کہتے ہیں شیدا ہوا ہے

ذرا تکلیف کر اُس نوجواں تک
کسی ڈھب سے اُسے لے آ یہاں تک

کہ منعِ محشر آرائی کروں میں
علاجِ دردِ رسوائی کروں میں

مرے کہنے کو شاید مان جائے
عبث ہے جاں فشانی جان جائے

غرض یہ دل نشیں فتنہ اُٹھایا
کہ اُس خود رفتہ کو مہماں بلایا

نیا ڈھب اور سوجھا امتحاں کا
کہ سر خط ہے ضمیرِ نکتہ داں کا

زبس تھی ناتوانی اس کی معلوم
کہ بھایا ناز کو آزارِ مظلوم

کی آرائش وہ آئینہ خانہ
شبیہِ سادہ رویانِ زمانہ

دکھایا نقشِ حیرانی نظر کو
مرقع کر دیا دیوار و در کو

وہ ایواں آفتِ عقل و دل و دیں　　کرے سجدہ جسے بت خانۂ چیں
ہے اس اعجاز میں عیسیٰ بھی حیراں　　کہ تصویروں سے اُس میں پڑ گئی جاں
عجب نقش و نگار و[1] حسنِ تدبیر　　انھیں میں اک طرف اپنی بھی تصویر
وہ جس دم آکے بیٹھا اُس مکاں میں　　نہ تھی تابِ سکوں، تاب و تواں میں
غضب ہے اس بلا کا کیا ٹھکانا　　پری خانے میں دیوانے کا آنا
کیا گھر دل میں شوق بے دلی نے　　خلل پایا غمِ آب و گلی نے
ہوا وحشت فزا دردِ نہانی　　ٹھکانے لگ گئی بے خانمانی
زبس ہر صورتِ خورشید رخسار　　نگاہِ شوق کو نظارہ دشوار
سراپا حیرت افزائے نظر تھا　　جہاں پہنچی نظر گویا کہ گھر تھا
صفا سے گر نہ ہوتی لغزشِ پا　　تو رہتی پا بہ گل چشمِ تماشا
شبیہ اک ان میں رشکِ نقشِ تسخیر　　کہ تھا جادو کا پتلا، وہ نہ تصویر
عجب صورت کہ جس سے ناز ظاہر　　سکوں سے شوخیِ انداز ظاہر
خموشی سے عیاں شیریں زبانی　　گل افشاں معنیِ غنچہ دہانی
نشانِ رشکِ سودا نقطۂ خال　　کہ وہ بے مثل تھی جس کی یہ تمثال
تظلم فرقِ معنی کے سبب تھا　　لباسِ کاغذی بے وجہ کب تھا
وہ صورت دیکھتے ہی اڑ گیا رنگ　　دکھایا جوشِ وحشت نے نیا رنگ
ہوا شوقِ نظارہ محوِ دیدار　　بنایا بے خودی نے نقشِ دیوار
گہے خوں ریز و گاہے اشک افشاں　　بنے کلکِ مصور موے مژگاں
خطِ تقدیر تھا نے[2] نقشِ ہستی　　کہ مٹا مذہب صورت پرستی
ہوا غشِ مرشدِ آدابِ ابرو　　سکھایا سجدۂ محرابِ ابرو
عیاں رخ سے ہوئی دل کی کدورت　　تغیر رنگ نے کر دی یہ صورت
جسے نقشے عذابِ جاں گسل کے　　قیامت آگئی جاتے ہی دل کے
نہ چھوڑا دم ذرا جوشِ فغاں نے　　نکالیں حسرتیں دردِ نہاں نے
زمیں پہ بے قراری نے لٹایا　　تپش نے خاک میں اس کو ملایا

۱- "نگارو حسن" نسخہ طبع ششم (صفحہ ۳۹۰) میں- "نگار حسن" طبع اول و دوم (صفحہ ۳۲۵، ۲۷۰) میں- (مرتب)
۲- نسخہ طبع اول (صفحہ ۳۲۶) اور طبع دوم (صفحہ ۲۷۱) میں "نے" ہے اور طبع ششم (صفحہ ۳۹۱) میں "بے" ہے (مرتب)

نہ ٹھہرا دل ذرا کتنا سنبھالا — ہوا بیتاب تر جتنا سنبھالا
ادب سے اٹھ کے وہ تصویر اتاری — کہ تھا گستاخ شوقِ ہم کناری
ہوا بے ہوش چھاتی سے لگا کر — بنا تصویر جانِ تازہ پا کر
یہ حالت دیکھ کر سمجھی وہ عیار — کہ ہے یہ بوالہوس، نے عاشقِ زار
ہوئی بے زار الطافِ نہاں سے — حجاب آیا، ادائے امتحاں سے
گراں تھی اس سے گرچہ مہربانی — کہ پوچھے حالِ دردِ سخت جانی
ولے پاسِ طلب سے آخر کار — ہوئی مستفسرِ مطلب وہ ناچار
بیاں اس نے کیا جو ماجرا تھا — ہوا ظاہر کہ وہ سب افترا تھا
کہا اے عاشقِ شوریدہ انجام — یہ مستِ شرابِ تلخیِ کام
مبارک درد، بے درمان[1] و تدبیر — کہ وہ بے درد ہے جس کی یہ تصویر
خبر لے اپنی کیوں سودا ہوا ہے — کہ وہ لیلیٰ شمائل بد بلا ہے
وبالِ جانِ نازک دل ربائی — ترحم کو وہ سمجھے بے حیائی
دماغِ لطفِ دل داری کہاں ہے — کہ یہ آرامِ جاں، جانِ جہاں ہے
کبھی اس بے وفا پر دیتے ہیں جاں — نہیں مرنے کا اس پر کس کو ارماں
ہزاروں نیم بسمل جستجو میں — ہزاروں میں گئے اس آرزو میں
کہاں ایسے کسی کے بخت بیدار — کہ ہو ہم خواب وہ خورشید رخسار
غرض نام و نشاں سارا بتایا — دلِ گم گشتہ کا یوں کھوج پایا
پتا اس سے مکاں کا لگ گیا واں — کہ جی تاب و تواں کا لگ گیا واں
کیا معلوم جب اپنا ٹھکانا — ہوا وحشت زدہ واں سے روانا
چلا بے تاب سوئے کوئے دل بر — کہ کھینچا جذبِ دل نے سوئے دل بر
کی ایسی پیروی تاب و تواں کی — کہ سیدھی راہ لی اس کے مکاں کی
سر کو سجدہ پامالِ زمیں تھا — نشانِ پا کی جا نقشِ جبیں تھا
زبانِ تہنیت گو نالہ مایوس[2] — لبِ خود کام سر گرمِ زمیں بوس
نگاہِ حیرتِ چشمِ تماشا — سوئے در دوڑتی تھی بے تحاشا

۱- "درمان و تدبیر" طبع اول (صفحہ ۴۲۷)۔ طبع دوم اور ششم (صفحہ ۷۱، ۲، ۳۹۲) میں واؤ نہیں ہے۔ (مرتب)

۲- مانوس؟ (مرتب)

صفا و تاب کیا کیا جلوہ گر تھی | نظر صدقے در و دیوار پر تھی
لگے یک بار پاؤں لڑکھڑانے | بنایا تھا مگر واں گھر صفا نے
تمنا تھی فدا ہونے کی جی میں | لگا بے تاب پھرنے اس گلی میں
کہ ناگہ اک کنیزِ برق رفتار | ہوئی جوں شعلۂ آتش نمودار
نہ چالاکی ہی میں رشکِ قمر وہ | کہ تھی خورشید سے بھی گرم تر وہ
نشاط افزا بہارِ گل جبینی | شگفتن جاں، نثارِ گل جبینی
عیاں طرزِ نظر سے مہربانی | نگہ نا آشنائے سرگرانی
دہن جوں غنچہ لب ریزِ تبسم | گل افشاں بے سخن طرزِ تکلم
ادا فہمِ نگاہِ چشمِ مشتاق | زباں دانِ اشارت ہائے عشاق
مشخص اک نظر میں سارے آزار | طبیبِ دردِ عاشق، چشمِ بیمار
سخن سازی میں افسوں کی سی تاثیر | وہ لب معجز نما و سحر تقریر
ہوئی جوں ہی دو چار اس خستہ جاں سے | تو واقف ہو گئی دردِ نہاں سے
کہا اے دردمندِ چشمِ بیمار | ترا درماں ہے عیسیٰ سے بھی دشوار
کہ وہ سرکش ہے جس کا تو ہے پامال | نہیں سنتی کسی دل خستہ کا حال
عداوت ذکر سے عشاق کے ہے | تنفر نام سے مشتاق کے ہے
کرے کس طرح کوئی چارہ سازی | کہ سم ہے چارہ گر کی بے نیازی
پیامِ شوق کا یارا کسے ہے | توانِ جرأتِ بے جا کسے ہے
مگر اک میں کہ ہم دم، ہم زباں ہوں | سدا سے معتمد ہوں، راز داں ہوں
اگر چاہوں تو اے لوں نامِ عاشق | بیاں کردوں کوئی پیغامِ عاشق
سو وہ بھی وقت پا کر ایک ڈھب سے | نہ گستاخانہ، اندازِ ادب سے
اگر افسانۂ غم تو سناوے | مجھے نام و نشاں اپنا بتادے
تو میں اُس ناز پرور کو سنادوں | جوابِ شوخی و انداز لادوں
کہ ہے میری طبیعت رحم مانوس | جوانی پر تری آتا ہے افسوس
کہا اُس نے کہ اے غم خوارِ عاشق | دلِ معشوقہ و دل دارِ عاشق
میں وہ آوارۂ ہرزہ درا ہوں | کہ ناحق خلق میں رسوا ہوا ہوں
اگر اتنی کرے تو مہربانی | کہ پہنچا دے یہ پیغامِ زبانی

تو میں تیرا غلامِ زر خریدہ — غلط ہے بندۂ جاں آفریدہ
کہ اے بے رحم و بے درد و ستم گار — دلِ آزار و دل آرام و دلِ زار
تغافل حال سے میرے نہ کر تو — خیالِ امتحاں سے درگزر تو
نہیں دم مجھ میں، کیا تابِ تظلم — ترحم اے ستم پیشہ، ترحم
تری صورت نے میرا دل لیا ہے — تری تصویر نے حیراں کیا ہے
دلِ آزارِ تمنائے ملاقات — ہوا ہوں جان سے بے زار ہیہات
بھری ہے حسرتِ دیدار دل میں — نہاں ہے جلوۂ رخسار دل میں
نہ لائے لب پہ عذرِ ناز کی دوش — کہ ہے اعضا گسل، شوقِ ہم آغوش
ہوا گستاخ ادب سے حرفِ مطلب — ہے لب پر التماسِ بوسۂ لب
سنا اُس تندخو نے جب یہ پیغام — کہا، کہہ دے کہ اے عیار خود کام
عبث ہے مجھ سے اظہارِ محبت — کہ ہوں دانائے اسرارِ محبت
مجھے ہے خوب تیرا حال معلوم — مکرر سن چکی ہوں عشق کی دھوم
سب اس غفلت مزاجی پر خبر ہے — کہ تو عاشق ہے لیکن اور پر ہے
بگاڑے گا کہیں باتیں بنا کر — یہ دم دے تو کسی ناداں کو جا کر
فسونِ نالہ بے تاثیر ہے یاں — سراپا معجزہ تقریر ہے یاں
خدا کے واسطے رسوا نہ کیجو — کہیں اس بات کا چرچا نہ کیجو
رہے اس کو مبارک جو ہے بدنام — تری ناکامیوں سے مجھ کو کیا کام
کبھی اے بے خرد! بھولے سے زنہار — نہ لینا نام میرا پھر خبردار
ملا جب یہ جوابِ سامعہ سوز — ہوا سرگرم آہِ آتش افروز
کہ بختِ تیرہ یہ کیا رنگ لایا — سرشکِ سرخ درِ نایاب تھا
نظر آتی ہے یاسِ جاودانی — نہیں بے ہودہ لافِ لن ترانی
ہوا تاثیرِ غم کو کیا خدایا — نہ آیا رحم اُس بت کو نہ آیا
پھرا ناچار مایوسانہ واں سے — یہ کرتا مشورت شوقِ نہاں سے
کہ کیا کیجے علاجِ بدگمانی — یقیں کس طرح آئے جاں فشانی
مگر ترکِ وطن یک چند کیجے — کسی صحرا میں دل خورسند کیجے
کہ بے نام و نشاں بدنامیاں ہوں — ذرا کچھ دور یہ ناکامیاں ہوں

تو پھر شاید محبت یاد آئے ترحم کچھ مری حالت پر آئے
خیالِ خام کی یہ پختہ کاری کہ دل گرمی، غریبی، بے قراری
عناں کش جوشِ وحشت سوے صحرا تپش رشکِ رمِ آہوے صحرا
کیا آخر سفر بے چارگی سے ہوا ویرانہ گھر آوارگی سے
چلا منزل بہ منزل خاک اڑاتا ہوا پر خاک کے تودے لگاتا
سراسیمہ، پریشاں حال، بے دل نہ ہم راہ و نہ سامان و نہ منزل
نہ زیرِ سایہ وقفہ دوپہر کو نہ حد و انتہا عزمِ سفر کو
تگ و دو جوشِ وحشت سے شب و روز سپہرِ کج روش کو گردش آموز
رواں بے تاب جوں ریگِ رواں وہ کہ اک صحرا میں گزرا ناگہاں وہ
نہ صحرا، خانۂ زنبور تھا وہ کہ نیشِ خار سے معمور تھا وہ
نہ صحرا رشکِ میدانِ قیامت ملا دے خاک میں شانِ قیامت
غضب پرہول و پرآشوب و پر درد تصور سے رخِ سیاح ہو زرد
کچھ آیا وہ جنوں افزاے جاں کاہ پسندِ خاطرِ مشکل پسند آہ
زبس مطبوع تر، ویرانہ تر تھا بس ایسا رہ پڑا گویا کہ گھر تھا
اسی پر ہول دشت لق و دق میں بسر کی ایک مدت، پر قلق میں
تمنا بے خودی، حرماں نصیبی یہ مستِ مئے شامِ غریبی
اگر آتش فشاں یادِ وطن ہو نسیمِ صبح سے گرمِ سخن ہو
کہ اے یادِ بہارِ دل نوازی نہالِ خشک کی کچھ چارہ سازی
سنا دی رفعِ بد نامی کی باتیں کروں کب تک میں ناکامی کی باتیں
شمیمِ یار پہنچا ناتواں تک کہاں تک بے دماغی، کہہ کہاں تک
قسم کھاتا[1] کہ وہ مطلب غلط ہے غلط ہے، سب غلط ہے، سب غلط ہے
اجازت ہو تو پھر آؤں وطن میں پھروں آوارہ کیوں دشتِ محن میں
یہ کہتے کہتے جوشِ آہ و زاری دمِ صبحِ دگر تک، اشک باری
اسی غم میں ملول و شاد ہوتا اسی سودے میں ہنستا اور روتا
اسی آزار سے بیمار رہتا اسی اندوہ میں من مار رہتا

۱- کھاتا؟-(مرتب)

اسی اندیشے سے آشفتہ احوال
اسی دل بستگی میں فارغ البال

خیالِ گفتگوئے دل میں خاموش
سرِ واماندگی، غارت گرِ ہوش

بڑھا غش کا زمانہ رفتہ رفتہ
قریبِ مرگ پہنچا رفتہ رفتہ

ہوا اس بے خودی سے جب خبردار
کہ دیوانہ بہ کارِ خویش ہشیار

خیال آیا کہ یاں مرنے سے حاصل
عبث جی کے فدا کرنے سے حاصل

چلو اس کوچے میں چل کر مروں میں
علاجِ حسرت و حرماں کروں میں

دمِ آخر ہو کچھ تاثیر شاید
کرے وہ چارہ و تدبیر شاید

ہوا جاں بر تو عیشِ جاوداں ہے
موا تو یہ اجل پیدا کہاں ہے

غرض آزار نے کی رہ نمائی
اسے سوے وطن پھر موت لائی

جب آیا شہر میں وہ مچ گئی دھوم
اقارب کو ہوا یہ حال معلوم

قلق سے بہرِ استقبال دوڑے
وہ گو بدحال تھے، خوش حال دوڑے

سرِ رہ آلیا ان دشمنوں نے
بجھائی آگ کب آتش زنوں نے

وہ کوئے یار تک جانے نہ پایا
کہ سدِ راہ تھا جو کوئی آیا

رہا اوہام گوناگوں سے مانوس
کہ تھا ملحوظ اس کا پاسِ ناموس

نہ دیکھی پیش جاتی گھر میں آیا
ٹھکانے ہرزہ گردی نے لگایا

تحمل نا توانی سے گراں تھا
کوئی دم کا، گھڑی کا میہماں تھا

وطن میں وقفہ یہ ہی کوئی دم تھا
کہ احرامِ سفر سوے عدم تھا

نہ ٹھہری لب پہ اک دم نیم جاں حیف
کہاں آیا تھا اور پہنچا کہاں حیف

زبس اس کوچے میں جانے نہ پایا
خیالِ سیرِ جنت دل میں آیا

اقارب آشنا حیران و گریاں
تب و تابِ الم سے سینہ بریاں

فغان و آہِ مرگِ ناگہانی
تمامِ عمر آغازِ جوانی

نصیحت گر ہوئے اب نعرہ زن ہائے
پنھایا بخیہ سازوں نے کفن ہائے

دی اس نے جان کیسی حسرتوں سے
کہ یہ بے درد روئے شدتوں سے

اُٹھایا سر پہ گھر ہنگامِ فریاد
کیا جن دوستوں نے خانہ برباد

غضب ہے بے کسی کیا کیا اثر تھے
کہ جو قاتل تھے وہ ہی نوحہ گر تھے

انھوں نے حیف لاش اس کی دبائی
جنھوں نے دوستی کی خاک اڑائی

کریں کیوں دفن وہ ظالم خدایا
جنھوں نے خاک میں اس کو ملایا

یہ حالت دیکھ کر عشق فسوں ساز
ہوا بارِ دگر ہنگامہ پرداز

کہاں تک چشم پوشی غیرت آئی
نگاہ بے کسی سے حیرت آئی

گزافِ حسن سے تنگ آ گیا بس
کہاں تک درگزر گھبرا گیا بس

نہ چھوڑا اس تغافل کیش کو بھی
کیا مظلوم، ظلم اندیش کو بھی

نہ بیٹھا چین سے بن سر اٹھائے
نہ آئی نیند بے فتنہ جگائے

کیا اس مایۂ راحت کو بے تاب
دکھایا ہوش افزائے سحر خواب

نہ خواب آگاہی اسرار تقدیر
کہ تھی خواب عدم ہی جس کی تعبیر

نظر آیا کہ باغ دل نشیں ہے
اگر جنت تو فردوسی نشیں ہے

اک ایواں اس میں رشکِ قصرِ شداد
مذہّب اور مرصع تا بہ بنیاد

میسر کم کسی کو جو وہاں فرش
کہ یوں استبرق و سندس کہاں فرش

جواں اک جلوہ فرما شہ نشیں میں
کہ یہ جلوہ نہیں روے زمیں میں

کئی ہم بزم اس کے وہ پری وش
سلیماں دیکھ کر جس کو کرے غش

یہ طلعت کب کبھی دیکھی سنی تھی
وہی صورت جو حوروں کی سنی تھی

ادائے دل ربائی ناز سب کے
ترحم پیشگی انداز سب کے

نظر سے بے حجابی پر عیاں شرم
اس افسردہ کی دل جوئی میں سرگرم

ولے وہ بد دماغ و رو کشیدہ
گریباں تازہ دامن دریدہ

سکوں محوِ جنوں سامانی اس میں
نہ وہ زنداں پہ وہ زندانی اس میں

پریشاں حالت و بے تاب و مضطر
نگاہِ شوق مائل جانبِ در

یہ حالت دیکھ یہ محوِ تماشا
اسی جانب کو دوڑی بے تحاشا

کہ ناگہ پاسباں نے آن گھیرا
کہا فردوس میں کیا کام تیرا

جو رکھے اپنے دل تفتہ کو محروم
بہ جز دوزخ ٹھکانا اس کا معلوم

یہ سن کر وہ جوانِ مضطر آیا
کہ دیکھوں رحم اس کو کیوں کر آیا

کہا روکا کسے جانانہ ہے یہ
میں اک بندہ ہوں، صاحب خانہ ہے یہ

نصیب اس باغ کے اے ملخ خیر
کہ ایسی رشک حور آئی پئے سیر

سمجھ اس گل زمیں کی سرفرازی
کہاں یہ بے دماغ اور ہرزہ تازی

ہوا گستاخ آخر ولولے سے
یہ کہہ کر لگ گیا اس کے گلے سے

کہ بس اب تو نہیں کچھ بدگمانی
یقیں آئی وفا و جاں فشانی

سحر چونکی جو دل بے تاب دیکھا
بس آنکھیں کھل گئیں وہ خواب دیکھا

چلے آتے تھے آنسو چشمِ تر میں
کہ وہ ہی ماجرا شب کا نظر میں

نہ بہلی طبع بہلائے سے ہرگز
نہ ٹھہری جان، ٹھہرائے سے ہرگز

ہوئی سرگرمِ استفسارِ احوال
کہ ہے ضبطِ نفس سے جان پامال

گئی گھر اس کے جس پر افترا تھا
کہ تا معلوم ہو یہ قصہ کیا تھا

ملی آپس میں جب وہ سحر پرداز
ہوئی جادو بیانی سے فسوں ساز

کہا اس سے[1] کہ وہ شیدا کہاں ہے
تمھارا چاہنے والا کہاں ہے

وہی شورِ محبت اب تلک ہے
کہ ذوقِ تلخ کامی بے نمک ہے

کہا اس نے کہ لو اپنی خبر تم
بنو ناداں نہ اتنی، جان کر تم

مری جاں کل گھر آتے ہی موا وہ
ترے صدقے ترے قرباں ہوا وہ

تری غم میں گیا دنیا سے ناکام
ہوئی میں مفت اک عالم میں بدنام

تجھے معلوم ہے سب ابتدا سے
جو کچھ اس پر بنی تیری جفا سے

نہیں دیکھی تھی اس نے تیری تصویر
نہیں آئی تھی رنگ رخ میں تغیر

نہیں محو تماشا بن گیا تھا
نہیں حیرت کا پتلا بن گیا تھا

کہا[2] دل میں جو سن کر اس نے افسوس
کہ ایسا عاشق اور مر جائے مایوس

چلی تربت پہ اس کی جذبِ دل سے
چلے کیا پیش دردِ جاں گسل سے

کسی حیلے سے اس کو بھی لیا ساتھ
کہ ساتھ آئے تو جانے کیا کیا ساتھ

ہوئی جب شمعِ تربت وہ دل افروز
کہا یہ کھینچ کر اک آہِ جاں سوز

کہ مجھ بن کس طرح آرام آیا
یہ کیا خوابِ عدم میں چین آیا

لپٹ کر گور سے رونے لگی بس
وہ خاکِ تفتہ گل ہونے لگی بس

تپاں ایسا دلِ مشتاق بے صبر
کہ شق اس زلزلے سے ہو گئی قبر

۱۔ نسخۂ اول نول کشور (صفحہ ۴۳۴) "سے" اور طبع دوم (صفحہ ۲۷۶) اور ششم (صفحہ ۳۹۸) میں "نے" ہے (مرتب)

۲۔ کیا؟ (مرتب)

گلے سے لگ کے اس آرامِ جاں کے
نکالے حوصلے جانِ تپاں کے

قیامت میں[1] ہم ربط بر و دوش
کہاں سے جی اٹھا شوقِ ہم آغوش

نصیب اس کے حیاتِ جاودانی
کرے جو اس طرح سے جاں فشانی

یہ مرنا کاہے کو جینے سے کم ہے
کہ خوابِ ناز، یہ خوابِ عدم ہے

نہیں یہ ماجرا ظالم فسانہ
نہ میں، آگاہ ہے سارا زمانہ

سنو تو ایسے سو قصے سناؤں
اگر باور نہ ہو مر کر دکھاؤں

یہ ہے بہتر کہ دل جوئی کرو تم
ہمارے جان دینے پر مرو تم

نہیں تو جذبۂ شوقِ ملاقات
خدا جانے کرے کیا کیا مکافات

غضب ہے التفاتِ داد و بے داد
بھلا دوں گا تغافل میں، رہے یاد

دکھا دوں گا تماشا چشمِ تر کا
رہا یوں خشک کب دامن نظر کا

نہیں یہ بوالہوس کی عشق بازی
کہ اتنا ہار دے جی چارہ سازی

نہ ہو ارماں دل آزاری کا میری
علاج آئے نہ عیاری کا میری

کہیں جانے نہ دے کیا تاب و طاقت
ادب سنگِ رہِ شوقِ رفاقت

سراپا محوِ حیرت آئنہ وار
ترا منہ دیکھتی رہ جائے ناچار

وہ کیا سچ تو یہی اے نازنیں ہے
کہ بس چلتا ہمارا بھی نہیں ہے

نکالوں زلف کا بل میری کیا تاب
کروں اس عقدے کو حل میری کیا تاب

وہ عاجز ہے، میں عاجز تر ستم گر
ترحم کر، ترحم کر، ستم گر

کہاں تک شوقِ وصلت میں مروں میں
نہیں جی صبر کرتا، کیا کروں میں

نہیں جا ٹھہرتی، ٹھہراؤں کیوں کر
نہیں دل مانتا سمجھاؤں کیوں کر

کہاں تک آرزوے ہم نشینی
رکھے واماندۂ خلوت گزینی

کہاں تک سوزِ شوقِ ہم کناری
کرے یوں گرم جا بر میں ہماری

کہاں تک اشتیاقِ بوسۂ لب
فسوں خوانِ فغان و جوش یا رب

کہاں تک پاس ہم خوابی جگاوے
پریشاں خوابِ بے داری دکھاوے

جہاں تک حسرتِ ذوقِ ملاقات
کہاں تک تلخ کامی بے مکافات

۱- "میں" نسخۂ طبع اول نول کشور (صفحہ ۴۳۵) میں نہیں ہے، طبع دوم اور ششم میں ہے۔ اس سے معنی واضح نہیں ہوے، "تھا" سے معنی زیادہ مربوط ہو جائیں گے۔ (مرتب)

کہاں تک رشکِ دشمن یار جانی
کہاں تک مہرباں ، نامہربانی
کہاں تک طولِ ایامِ جدائی
کہاں تک عرضِ غم کی نارسائی
کہاں تک سوزِ دل شمعِ شبِ تار
کہاں تک بخت خفتہ، چشمِ بیدار
کہاں تک بے کسی فریاد رس ہو
کہاں تک سینے میں دل خوں ہوس ہو
کہاں تک کچھ نہ ہو تدبیرِ آرام
کہاں تک چھوڑ دوں تقدیر پر کام
کہاں تک مفت جی جائے کہاں تک
کہاں تک کچھ نہ بن آئے کہاں تک
حریف یاس اک مدت ہوا میں
خبر لے جلد ہی ظالم موا میں
نہیں بچتا کہ جی پر ہے قیامت
رہے عاشق کشی تیری سلامت
الٰہی اب کہاں طاقت فغاں کی
قسم اس کم سخن غنچہ دہاں کی
نہیں تاب و توانِ آہِ شب گیر
دعائے کردہ کی ہو جائے تاثیر
وگرنہ حکمِ مرگِ ناگہاں کو
کہ سن لے نالہ ہائے ناتواں کو
بنی ہے ہر طرح دم پر الٰہی
کہا یارائے جوشِ داد خواہی
ادائے آرزو کا کس میں حال اب
کروں عرضِ تمنا کیا مجال اب
الٰہی مومن اتنا ناتواں ہے
کہ ذکر اس سنگ دل کا بھی گراں ہے
سخن رفت از تواں خاموش گشتم
کشیدم نالہ و بے ہوش گشتم

اشعار ''مثنوی'' ناتمام

کہاں ہے تو اے ساقی تیز ہوش
کہ مانندِ مے مجھ کو آیا ہے جوش
شرابِ سراسر ہدایت پلا
کہیں سے مئے توبہ تاثیر لا
وہ مے جس کے اہلِ ورع تشنہ کام
وہ مے جس کو زاہد نہ جانے حرام
وہ مے فکرِ عقبیٰ ہے جس کا خمار
وہ مے جس کے آلودہ پرہیز گار
وہ مے جس کا مینا دلِ اتقیا
وہ مے جس کے دردی کش اہلِ ریا
وہ مے جس سے روشن ہو اک بار دل
وہ مے جس کے برمست ہشیار دل
وہ مے جس کا ساقی لبِ مرسلیں
وہ مے جو مزا دے دم واپسیں
وہ مے جس کی نکہت نسیمِ بہشت
وہ مے جس کی تلخی نعیمِ بہشت

وہ مے جو غمِ نزع سے دے نجات ... وہ مے جس میں تاثیرِ آبِ حیات
وہ مے جس کے مدہوش آداب داں ... وہ مے ہووے زن[1] جس کی تسبیح خواں
وہ مے جس کے تر دامن اہلِ یقیں ... وہ مے داغ جس کے گلِ جیب[2] دیں
وہ مے جس کی کفت صفائے سحر ... وہ مے[3] جس کی قلقل دعائے سحر
وہ مے نشہ جس کا حضورِ دوام ... وہ مے چشمِ اہلِ نظر جس کا جام
وہ مے جس کی گردش قرار و ثبات ... وہ مے جو ہے ہم دورۂ اسمِ ذات
وہ مے جس کی بو جانِ صاحب دلاں ... وہ مے جس کا رنگ آتشِ مقبلاں
وہ مے جو بنے دردِ عیسیٰ دوا ... وہ مے جس سے محروم اہلِ ہوا
وہ مے جس سے روح الامیں کامیاب ... وہ مے جس کو قدسی کہیں آفتاب
وہ مے جس سے سرشار جامِ فلک ... وہ مے جس سے شیریں ہے کامِ ملک
وہ مے جس سے مومن زباں تر کریں ... وہ مے جس سے پرہیز کافر کریں
وہ مے جس کی موجیں تجلیٔ طور ... وہ مے جس کے کف مہر و مہ کا ظہور
وہ مے جس کی حد سے زیادہ صفت ... وہ مے جس کو صوفی کہیں معرفت
وہ مے جس کا خم خانہ عرشِ عظیم ... وہ مے جس کا خمار ربِّ کریم

شہِ مسندِ کبریا و جلال ... مہ بے زوال سپہرِ کمال
گلِ گلستانِ تنزہ نسیم ... نسیمِ ریاضِ تقدس شمیم
بہارِ چمن زارِ بے رنگ و بو ... تبسم دو غنچۂ آرزو
ہیولیٰ طرازندۂ جزو و کل ... نگارندۂ صورتِ خار و گل
کہن باغِ نخلِ وجوب و قدم ... نوی بخش نخلِ وجود و عدم
چمن آفریں ، باغبانِ دہور ... مہیں نخلِ بندِ خفا و ظہور
ہوائے دلِ بے ہوا و ہوس ... نفس پرورِ بادِ عیسیٰ نفس

۱- تینوں نسخوں (طبع اول، دوم اور ششم) میں یہی ہے البتہ نسخہ ششم کے صفحہ ۲۰۵ میں تحت ن "جس کے زاہد ہوں" اصلاح ہے (مرتب)

۲- نسخہ طبع دوم (حاشیہ صفحہ ۲۷۸) میں "جیب دیں" ہے طبع اول و ششم میں "و" نہیں ہے۔ (مرتب)

۳- لفظ "ے" نسخہ طبع اول (صفحہ ۲۳۷) میں رہ گیا ہے، نسخہ دوم اور ششم میں ہے (مرتب)

۴- طبع اول (صفحہ ۲۳۸) میں "جزو و کل" اور طبع دوم و ششم میں "جزو کل" ہے۔ (مرتب)

ادائے شکر خندہ آموز گل — قد افزائے گل بن ، رخ افروز گل
طراوت فزائے شمال و صبا — عقوبت ربائے سمومِ وبا
فرازندۂ خیمۂ آسماں — نوازندۂ زہرۂ نغمہ خواں
ردا باف برجیس، روشن قیاس — قضا طیلسان و بہ حکم لباس
فروزندۂ مہر عالم فروز — مذہّب نمائے[1] مہ تیرہ روز
کمربند، بہرام، شمشیرزن — صف آرا و جلاد لشکر شکن
مرصع نگارِ سریرِ فلک — قلم داں سپارِ دبیرِ فلک
فراتر نہ پایۂ گاہِ اجل — بنا افگنِ قصرِ جاہِ زحل
تتق بند جلبابِ شب ہائے تار — خطا پوش ہر عاصیِ تیرہ کار
کدورت برِ چادرِ ماہتاب — گریباں درِ صبحِ زریں نقاب
نگہبان خم خانۂ بے ستوں — بہ دور آورِ ساغرِ واژگوں
لیا جس نے دوزخ میں گرتوں کو تھام — کیا جس نے صہبا کو ہم پر حرام
بشر کو دیا قدرتوں سے وہ جوش — سبوے امانت نہ تھا بارِ دوش
ہمیں کو ملی خدمتِ احتساب — خراباتِ دشمن کو رکھا خراب
کسی کو نہ ہم پر دیا اختیار — ہمیں محتسب اور ہمیں بادہ خوار
وہ جامِ محبت پلایا ہمیں — کہ ہوش اپنی جاں کا نہ آیا ہمیں
اسی مے کی ہیں شورشیں ہر طرف — وگر نہ کہاں خاک کو یہ شرف
کہ ہو جانِ اہلِ فلک خاک رشک — مے لعل سے سرخ تر رنگِ اشک
جو ان عزتوں پر بھی ہوں ہم خراب — تو ہے تیغ دررہ ، جہاد احتساب
وہ بھیجے بشیر و نذیر انبیا — کہ فردوس و دوزخ کو دکھلا دیا
نہ سوجھا کسی بے بصر کو تو کیا — کہا کور اہلِ نظر کو تو کیا
جو انصاف سے اک ذرا کیجے غور — سزاے پرستش نہیں کوئی اور
یہ کیا کفر ہے اے طلب گارِ غیر — کہ بندہ ہو اس کا پرستارِ غیر
وہ راحم کہ "لاتقنطو" خود کہے — پئے معذرت تا وسیلہ رہے

۱- "نما ہے" طبع اول اور دوم (صفحہ ۳۳۸، ۲۷۹) میں - طبع ششم (صفحہ ۳۰۶) میں "نمائے" ہے - (مرتب)

پذیرندۂ توبۂ جرم کوش سیاہی زدائے رخِ بادہ نوش
وفورِ ترحم سے وہ بے نیاز کرے عفو تا جرمِ عشقِ مجاز
وہ عالم کہ معلوم ہر بات اسے نیازِ سخن بے اشارات اسے
وہ قادر کہ گر چاہے اس کا کرم مٹا دے مرے دل سے عشقِ صنم
نہ قدرت نمائی سے یہ بھی محال کہ وہ بت کرے آرزوے وصال
سوا اس کے یہ تو کسی سے نہ ہو جو وہ کر سکے، سو کسی سے نہ ہو
وہ حاکم کہ سب جس کے فرماں پذیر عناصر سے لے تا بہ چرخِ اثیر
اجازت اگر ہو ابابیل کو کرے طعمہ ہر صاحبِ فیل کو
اگر حکمِ اہلاکِ نمرود ہو تو پشے سے جوں پشہ نابود ہو
اطاعت کی کیسی[1] ہے قاطع دلیل کہ رہ قوم موسیٰ کو دے رودِ نیل
ہو فرعون کو آتشِ جاں گداز کہاں آب کو اس قدر امتیاز
اشارت سے آتش وہ افسردہ ہو کہ تشبیہ سے لالہ پژمردہ ہو
یہ کیا تاب منکر جو مانگے دلیل کہ مشہور ہے ماجراے خلیل
جو سمجھیں تو کیا دور کفار سے کہ ہوں آب دوزخ کے انکار سے
یہ محکوم ابلیس جانیں کہیں کہ آتش سزاے پرستش نہیں
کھلا اگر اس کی طاعت سے کام تو پروانہ جل کر نہ ہوتا تمام
بنے امر سے اُس کے صرصر، نسیم اڑا دے چمن کو بہ رنگِ شمیم
گلستانِ عالم کی یہ خاک اڑائے کہ جوں گردِ دل، آہِ غم ناک اڑائے
ارم کو بنا دے بہ لق و دق کہ ہو رنگِ گل جس کے دیکھے سے فق
بجھا دے اگر مشعلِ ماہ کو نہ چھیڑے چراغِ ہوا خواہ کو
اگر محفلِ شہ سے لے جائے نور رہے شمعِ سہرند سے دور دور
اگر واں سے فرمانِ آرام ہو تو کیا دم کہ پھر قطع یک گام ہو
کہے گر چلی جا تو پے ہم چلے غرض اس کے کہنے پہ ہر دم چلے

۱- "کیسی" نسخۂ اول (صفحہ ۳۴۰) اور نسخۂ دوم (صفحہ ۲۸۰) میں۔ نسخۂ طبع ششم صفحہ ۳۰۷) میں "کافی" ہے۔ (مرتب)

جو فرماں زمیں کو ہو بہرِ فلق[1] الٹ دے ابھی آسماں کا طبق
کہے گر نہ چل چرخ کو بیٹھ جائے ہے فتنے پہ کیا ذکر جو سر اٹھائے
وہ رازق کہ دے نعمتِ رنگ رنگ سزاوارِ ہر ذوق اور بے درنگ
نہیں اس کے خواں سے کوئی تلخ کام وہی اشتہا بخشے ، وہ ہی طعام
وہ کفرانِ نعمت پہ دے بے حساب محبوں کو غم، مے کشوں کو کباب
وہ ناصر کہ گر اس کی امداد ہو فغاں سے مری چرخ برباد ہو
وہ حافظ کہ آتش سے خس کو بچائے تپِ عشق سے بوالہوس کو بچائے
ڈبوئے نہ تابوتِ موسیٰ کو نیل حقِ کاہ میں سیل ہو سلسبیل
وہ عادل کہ دے زلف کو پیچ و تاب اگر جانِ عاشق کو ہو پیچ و تاب
نہ مسلم کا درگاہ میں اس کی پاس نہ کافر کو انصاف سے اس کے یاس
نہ کی، نے کرے گا کسی کی طرف وہ جس کی طرف، حق اسی کی طرف
وہ صانع کہ جس نے بنایا ہمیں نہ دیکھا تھا جو کچھ دکھایا ہمیں
نہ ہم جو کہ بالائے عیوق ہیں اسی دستِ قدرت کی مخلوق ہیں
اسی ذات سے ہے وجودِ جہاں اگر وہ نہ ہووے تو پھر ہم کہاں
اسی مہر کی تابش آبِ حیات کہ ہے خضر ہر ذرۂ کائنات
وہ بے چون اور ڈھنگ اسی کے ہیں سب وہ بے رنگ اور رنگ اسی کے ہیں سب
ملائک میں ہے وہ نہ انسان میں ولے جلوہ اس کا ہے ہر شان میں
نہ نورِ مجرد وہ خلاق مہر نہ عرشِ بریں پہ محیطِ سپہر
منزہ کم و کیف سے اس کی ذات مبرا تخیل سے اس کے صفات
وہ عالم میں مانند "لم" جلوہ زن کہ ثابت کرو تو ہے نفیِ سخن
کرے جلوہ تک بھی نہ آئے نظر رہے دل میں پر دل وہی بے خبر
کہاں تابِ آئینۂ عرضِ صفت کہ حیرت ہے معراجِ ہر معرفت
کمالِ سخن ہے خموشی یہاں دل افسردگی ، گرم جوشی یہاں
عجب راہ ہے کوئی طاقت گداز رکھیں پاؤں یاں پھونک کر شعلہ تاز

۱- نسخۂ اول و دوم (صفحہ ۴۴۰، حاشیہ صفحہ ۲۴۰) میں "قلق" اور نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۳۰۷) میں "قلق"۔ (مرتب)

نہ پوید یہاں گرم پا بے دلیل
کہ جلتے ہیں بال و پر جبرئیل

بیاں کیا ہو گو سر بہ سر جوش ہے
خرد بے خبر ، ہوش بے ہوش ہے

کہے کون جز طعنہ یاں آفریں
زباں اور حمد زباں آفریں

کوئی ہرزہ تازی سے جاوے کہاں
نہیں گم رہی پیش جاتی یہاں

کہ گر مدح کو رہنمائی نہ ہو
تو دل سے زباں تک رسائی نہ ہو

سراسیمہ پرواز کی جا نہیں
یہ اوج، اوج عرش معلی نہیں

خدایا کرے کس زباں سے بیاں
ترا شکر یہ بندۂ بے زباں

کہ طعنِ سخن کی ملالت نہیں
ادب دانیوں سے خجالت نہیں

نہیں زرد رنگِ رخِ آبرو
زباں لال تھی تن ہوا سرخ رو

مری خامشی قبلہ گاہِ سخن
یہ درگہ حریم پناہِ سخن

مریٔ بے شعوری ، شعور آفریں
کہ مقصود دونوں کا شوخی نہیں

مگر اور مشکل بنی جان پر
کہ ہے شکر واجب ہر انسان پر

اگر اس کی پرسش ہو روزِ حساب
تو حیراں ہوں اس میں کہ پھر کیا جواب

مگر تو ہی اپنی عنایت کرے
کہ لب خامشی کی شکایت کرے

ملے تیرا دیوان قسمت سے سات
خموشی کو تعزیر ، مجھ کو نجات

مثنوی ناتمام (دیگر)

پلا ساقیا جامِ کوثر مجھے
خرابِ شرابِ ہدیٰ کر مجھے

وہ ذوق آشنا لذت افزا شراب
کہ تسنیم ہو شرم سے جس کی آب

وہ مے جو کرے لوث عصیاں کو دور
کہے جس کو خالق شرابِ طہور

وہ مے جس کے حور و ملک تشنہ کام
وہ مے جو سوا احمدی کے حرام

وہ مے جس کا صہبا و خم حوض و نہر
وہ مے جو پئے تشنہ کامی ہے زہر

وہ مے جس کی تیزی دمِ ذوالفقار
علی سرخوشِ نشۂ بے خمار

وہ مے مشتری جس کے ہیں سر فروش
وہ مے جس کا صدیق ساخم بہ دوش

وہ مے جس کا خود رفتہ پیر ہدیٰ
صراحی و مینا کی گردن عصا

وہ مے، جس کی قلقل ندائے صلات بجوشِ صراحی، ادائے صلات
وہ مے جس کی موج صفا تہ نشیں وہ مے جس کی مستی میں لغزش نہیں
وہ مے جس کا مے کش نہ گم راہ ہو وہ مے جس سے کیا کیا دل آگاہ ہو
بجھے اس سے گر تشنہ کامی مری غشی ہو شیریں کلامی مری
خرابِ شرابِ سخن ہو قبول بنوں مے فروشِ ثنائے رسولؐ
محمد سزائے ستائش گری مدیح آفریں جس کی پیغمبری
دل ساکنانِ سپہرِ بریں سرانبیا، سیدِ المرسلیں
وہ امی ولے نقشِ بندِ علوم کلام اس کے سب دل پسند علوم
کہ کیسے فنون اس کو حاصل ہوے کہ سارے صحف نقش باطل ہوے
اسی بات پرحجت اتمام ہے کہ جو بات ہے وحی و الہام ہے
عجب بات ہے اس کی نامِ خدا کہ بعضے سخن ہیں کلام خدا
کہاں ایسا علامۂ روزگار کہ حکمِ کواکب ہو تقویم پار
اسی ابر کی ہیں دُر افشانیاں کہ یوں آب ہو علم یونانیاں
نہیں عقلِ اول کو بھی یہ کمال اسی کو ہے معلوم آخر کا حال
وہی شافعِ خلق روزِ جزا اسی کی گزارش پہ عفو و سزا
نکو خواہ ساری امم کا وہی وسیلہ نجات و کرم کا وہی
وہی ساقیِ کوثر و سلسبیل وہی آبرو بخشِ عبدِ ذلیل
اسی کے مقلد کو جنت میں راہ اسی کی ضراعت پہ عفوِ گناہ[1]
اسی کی اطاعت کا سارا حساب محب پر عنایت، عدو پر عذاب
نہ کیجیے اگر حسب شرع رسول خدا کی بھی طاعت نہ ہووے قبول
یہ کیا منزلت ہے زہے عز و شاں کہ ہے خاک مال اوج ہفت آسماں
یہ کیا جسمِ خاکی کی معراج ہے کہ نقشِ قدم عرش کا تاج ہے
کرے یاں کی پرواز کی گر کمیں تو اڑ جائے دنیا سے روح الامیں
کوئی مرتبہ اس سے اعلیٰ نہ ہو یہ رتبہ ہوا ہے کسی کا نہ ہو

۱- نسخۂ اول اور دوم (صفحہ ۳۴۳، حاشیہ ۴۸۲) "میں عقود گناہ" اور طبع ششم ۱۹۳۰ء (صفحہ ۳۱۰) میں "عفو گناہ" ہے۔ (مرتب)

ثبوت اوج یہ حق کے اظہار سے　　نہیں کام چلتا کچھ انکار سے
جو کہتے ہیں خرق فلک ہے محال　　یہی ہے دلیلِ ضعیفِ خیال
سمجھنے کی ہے بات اے نکتہ داں　　ہوا خلق جس کے لیے آسماں
ہوا خرق اس کے لیے پھر اگر　　تو کیا دور ہے گفتگو مختصر
کہاں نکتہ چیں میں دمِ جنگ ہے　　کہ یاں بحث کا دائرہ تنگ ہے
بس اے تیرہ باطن نہ انکار کر　　کہ برہانِ ساطع ہے شق القمر
سمجھ میں جو آوے وہ اعجاز کیا　　خیالات وسواس پرواز کیا
گیا ہے کدھر فلسفی کا خیال　　کہاں فکرِ ناقص ، کہاں یہ کمال
تری عقل کیا اے ظلوم و جہول　　کہ حیراں ہیں یاں سب نفوس و عقول
فلک سے نہ ہو[1] حصر اس کی صفات　　زیادہ ثوابت سے ہیں معجزات
صعود اس کا گو مرکز خاک ہے　　پہ برتر بلندی میں افلاک ہے
جو وہ اوج ہو جلوہ گر پھر کہاں　　ستاروں کی تاب آسمانوں کی شاں
یہ تابش میں انجم کا پایہ نہیں　　کہ ان کے ہے ظل اس کے سایہ نہیں
کدورت کہاں جسم اطہر ہے وہ　　کہ نور مجرد کا مظہر ہے وہ
نہ ہونے میں سایے کے کیا بات ہے　　یہ اور اک فخر کرامات ہے
نہیں یہ پذیرائے طبع سلیم　　کہ حکمت سے خالی ہو فعل حکیم
لگا پوے اندیشۂ چرخ تاب　　رہے پاے بندِ طریق مجاز
حقیقت کھلی کچھ نہ اس بات کی　　عبث سعی میں صرف اوقات کی
مگر جب خدا ہی سے کی التجا　　تو ہاتف نے پیرِ خرد سے کہا
کہ اے نکتہ سنجِ سراپا شعور　　نہ ہونا تھا سایے کا اس کے ضرور
رہے تا شریروں کو بیم اجل　　نظام جہاں میں نہ آئے خلل
اگر وہ سبب خلق افلاک کا　　تو سایہ بھی باعث ہے اہلاک کا
اگر ذات وجہِ وجودِ امم　　تو سایے سے آباد ملکِ عدم
کیا عقل کل سے فلک نے سوال　　کہ اے[2] مصدرِ گونہ گونہ کمال

۱- ہوں؟ (مرتب)

۲- نسخۂ طبع اول و دوم میں "اے" اور طبع ششم (صفحہ ۲۱۲) میں "ہے"۔ (مرتب)

محمد کے سایہ نہیں کیا سبب
کہا اس نے مت پوچھ اس کا سبب

نہیں راز یہ قابل اظہار کے
کہ اسرار ہیں حفظ اسرار کے

ہوا جب کہ بہرِ ہدایت ضرور
کہ ہو جلوہ فرما زمیں پر وہ نور

گوارا نہ تھا بس کہ ہونا جدا
رہا سایہ حاضر حضورِ خدا

یہ ہے رسم تجھ کو نہیں کیا خبر
کہ رکھ چھوڑتے ہیں زمانِ سفر

مصور سے کھنچوا کے تصویرِ یار
برائے سکونِ دلِ بے قرار

مرے دل کی پوچھو تو ہے بات اور
یہ فکر اور سب کے خیالات اور

غلط یہ کہاں ذہن کا کام ہے
جو انصاف کیجے تو الہام ہے

زبس سایہ تھا ہم شمار گناہ
نہ حاصل ہوا قرب عصمت پناہ

عجب تشنہ کاموں کو طاری ہوا
انامل سے جب چشمہ جاری ہوا

نہ سمجھے یہ مضمون جوشِ ہم
کہ بحرِ کرم ہے وہ دستِ کرم

کہوں کس طرح اس کو یوسف جمال
کہاں ماہِ کنعاں میں ایسا کمال

کہاں اس کے عشاق صاحب مذاق
کہاں شورشِ لذتِ اشتیاق

نمک ذوق بخشِ جراحت کہاں
صباحت کہاں اور ملاحت کہاں

بہت فرق ہے بلکہ بالکل جدا
حبیبِ زلیخا ، حبیبِ خدا

حضور اس کی طلعت کے بے آب و تاب
چراغِ سحر سے کہیں آفتاب

یہ ایما ہے اعجاز شق القمر
کہ کٹتے ہیں مہ رو اسے دیکھ کر

یہاں تک تو حسن اس کا مشہور ہے
ہوس میں ملاقات کی حور ہے

وہ مستاصلِ بیخِ کفر و عناد
کہ جس کی چھری، تیغِ وقتِ جہاد

دمِ قتلِ کفار قہرِ خدا
ستم گار و خوں خوار بہرِ خدا

زبانِ کشش سخت چالاک و چست
شکستِ بتاں میں تگا پو درست

قضا کی نظر سوے ایما رہے
اجل پر غضب کار فرما رہے

عجب احتساب اس کا اعجاز جوش
خرابات افتادہ، جوں بادہ نوش

نگہبانِ صد گونہ اسرارِ دل
گہِ خواب جوں، بخت بے دار دل

نہ مثبت فقط قولِ جن و بشر
گواہِ نبوت شجر تا حجر

مطاع جہان و مطیعِ الٰہ
سرافراز عبدِ جہاں بادشاہ

بہارِ ازل، خاتم المرسلیں — گلِ اولین و بہِ آخریں
کروں کس طرح میں شمارِ صفات — کہ ممکن نہیں انحصارِ صفات
یہ مشکل گرہ کھولے بے دست کیا — میں کیا اور مری فطرتِ پست کیا
کہاں میں، کہاں مدحِ خیر الانام — علیہ الصلوٰۃ و علیہ السلام
درودِ خدا وقفِ اصحاب و آل — ہوئے ختم جن پر جہاں کے کمال
خصوصاً مہیں پیروانِ رسول — کہ چاروں ہیں ارکانِ کاخِ قبول
خصوصاً ائمہ کہ ہیں پیشوا — ہدایت نگاہ و طریقت نما
خصوصاً شہیدانِ خونیں کفن — گل اندام و گل فام و گل پیرہن
پلا ساقیا آبِ آتش اثر — کہ جل جائے گرمی سے دامانِ تر
صراحی نمط اشک باری کروں — تہِ دل سے فریاد و زاری کروں
بنے قصرِ مے خانہ بیت الحرام — کروں دورِ مستانہ، مانندِ جام
میں دل کھول کر بلبلاؤں ذرا — میں رو رو کے طوفاں دکھاؤں ذرا
نہ روکوں دل و جانِ غم دیدہ کو — جگاؤں اثر ہائے خوابیدہ کو
کرے خاک تیزیِ دعاے سحر — ملے خاک میں سب صفاے سحر
فلک رس ہو[1] غوغا مناجات کا — کروں التماس اپنی حاجات کا
الٰہی مجھے دل دے اور دل کو داغ — جلے صبحِ محشر تلک یہ چراغ
رہے شعلہ زن آتشِ دل فروز — کرے گرم جوشی تپِ سینہ سوز
مری چشم دریا بہاتی رہے — مری آگ عالم جلاتی رہی
مری وحشتیں چین لینے نہ دیں — مری حسرتیں جان دینے نہ دیں
ٹھہرنے نہ دے ایک جا اضطرار — رکھے جاں کو بے طاقتی بے قرار
مرے دل کو تسکیں نہ آئے کہیں — مری بے قراری نہ جائے کہیں
قلق سے مرا زخم ناسور ہو — مئے لالہ گوں زورِ انگور ہو
مرا ولولہ خوں تراوی کرے — نہانی خلش سینہ کاوی کرے
جو دم لے فغاں کو ملامت کروں — رکے دم تو کیا کیا قیامت کروں

---

[1] نسخۂ طبع اول و دوم (صفحہ ۳۴۷، حاشیہ صفحہ ۲۸۳) میں "ہو" اور نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۳۱۳) میں "ہے"۔ (مرتب)

دکھائے مزے مجھ کو شورِ جنوں — پری طلعتوں کا نظارا کروں
اڑائیں مری خاک رسوائیاں — رہے سر پہ جوشِ تماشائیاں
بناؤں میں بازیچہ اس حال کو — ہو شنبہ بھی آدینہ اطفال کو
مرے چند گو مجھ سے ڈرتے رہیں — لحاظِ لکد کوب کرتے رہیں
سلاسل پہ زور آزماتا رہوں — سدا بیڑیاں میں تڑاتا رہوں
گرفتار ہر بند آفات میں — گہے طوق گردن، گہہ ہات میں
گریں سر پٹکنے سے دیوار و در — بنا کر رہوں قید خانے کو گھر
نہ الجھے کبھی خار داماں کے ساتھ — جگر چاک ہووے گریباں کے ساتھ
کبھی ہرزہ گردی ٹھکانے لگے — کسی شوخ کو رحم آنے لگے
رہیں مر کے بھی وحشتیں برقرار — قیامت کو اٹھوں تو دیوانہ وار
یوں ہی سوئے جیب و کفن ہاتھ جائے — مری ہرزہ گردی مرے ساتھ جائے
کرے دفن اتنا نہ ہووے کوئی — مری بیکسی کو نہ رووے کوئی
بچے گور پاؤں نہ پھیلاؤں میں — کسی دشت میں مر کے رہ جاؤں میں
جو نہلائے تو سیلِ دریا مجھے — کفن دے تو دامانِ صحرا مجھے
جنازہ اٹھائے تو روزِ نشور — کسی دوش کا بار ہوں کیا ضرور
نہ چھوڑیں مرا ساتھ شب ہائے تار — لیے جاؤں یہ تیرگی تا مزار
سدا جاں کنی میں گزرتی رہے — مری زندگی مجھ پہ مرتی رہے
مرے منہ پہ سرخی نہ جھلکے کبھو — نہ ہوں زرد رنگوں میں، میں زرد رو
ہوا دارِ افغاں ہو بادِ سحر — ہنسے زخمِ گل پر شگافِ جگر
گزر جائے خوش زندگی غم کے ساتھ — رہے آہ و نالہ مرے دم کے ساتھ
مری آس حرماں بندھایا کرے — تمنا کی حسرت نہ آیا کرے
مصیبت میں جانِ بلا کش رہے — دل و جذبِ دل میں کشاکش رہے
کرے سختیاں سنگِ کہسارِ غم — مجھے سر اٹھانے نہ دے بارِ غم
دوا سے اثر کو علاقہ نہ ہو — کبھی دردِ دل سے افاقہ نہ ہو
رکھے سخت بے طاقتی مضمحل — نہ چھوڑے ذرا مجھ میں جاں ضعفِ دل

دبا لے مجھے ناتوانی مری ۔۔۔ نہ کام آئے کچھ سخت جانی مری
کھجایا کروں ناخنِ غم سے دل ۔۔۔ تھلکا[1] رہے دستِ ماتم سے دل
نہ تابِ تپش ہو تو آرام آئے ۔۔۔ دمِ آخریں فکرِ انجام آئے
لبِ زخم سے خوں ٹپکتا رہے ۔۔۔ نمک شورِ الفت چھڑکتا رہے
بھرے ساغرِ چشم تلخابِ دل ۔۔۔ پلائے مئے ناب خونابِ دل ہو
نشے میں محبت کے سرشار ہوں ۔۔۔ خرابِ نگہ ہائے خمار ہوں
فغاں ہے مرا شور رندانہ وش ۔۔۔ یہی بے خودی بس کہ آجائے غش
لگی چپ، پر اس پر بھی کیا کیا کہوں ۔۔۔ رہے جب تلک دم بلکتا رہوں
قلق سے سدا تلملایا کروں ۔۔۔ سنے کون پر بلبلایا کروں
رکھے گرم افغاں امیدِ اثر ۔۔۔ رہینِ اجابت دعائے سحر
جہاں میں مرے عشق کی دھوم ہو ۔۔۔ یہاں تک کہ دل بر کو معلوم ہو
مرا نام بدنام کیا کیا نہ ہو ۔۔۔ جہاں سنیے میرا ہی افسانہ ہو
ہر اک کوچے میں غل مچاتا پھروں ۔۔۔ میں خود خاک اپنی اڑاتا پھروں
جو چھیڑے کوئی تو قیامت کروں ۔۔۔ ملامت گروں کو ملامت کروں
سدا اہلِ تدبیر سے جنگ ہو ۔۔۔ ادھر کف میں بیڑی، اُدھر سنگ ہو
مری واہی بے نوائی کرے ۔۔۔ مری گم رہی رہ نمائی کرے
رہوں ہرزہ گردِ بیابانِ شوق ۔۔۔ سرِ خار پامالِ جولانِ شوق
بہ جز پیروی دم نہ لیں آبلے ۔۔۔ کفِ پا سے آنکھیں ملیں آبلے
ہوائے تپیدن اڑائے مجھے ۔۔۔ مری بے پری پر لگائے مجھے
مرا دم بھریں مضطرب زاریاں ۔۔۔ مرے نام پر جان دیں خواریاں
میں دیوانہ و دل فراست شعار ۔۔۔ میں ناکام و سرگرمِ کاروبار
پھروں اپنے احوال میں شاد شاد ۔۔۔ ہو پاسِ آرزو، نامرادی مراد
نگہ ہائے حسرت سے دیکھوں جدھر ۔۔۔ وہ رو دے مرے حال کو دیکھ کر
کروں گر میں بدطالعی کا گلہ ۔۔۔ کسی کو نہ ہو سننے کا حوصلہ
قلق سے مرے سب پہ بے تاب ہوں ۔۔۔ کہ بیگانے مانند احباب ہوں

۱- نسخہ طبع اول ودوم میں "تھلکتا" اور نسخہ طبع ششم (صفحہ ۳۱۵) میں "تھلکا" اور ن کے تحت "تھپکا" بھی ہے۔ (مرتب)

ترحم سے ہر پیرہن ہو قبا ملیں مجھ سے اغیار، جوں اقربا
یہ وہ غیر جن کے نہیں دل میں چاہ نہ وہ غیر جو اس سے رکھتے ہیں راہ
یہ وہ اقربا جو ہیں بیگانہ وار نہ وہ اقربا جو ہیں اس پر نثار
ستم گر بھی سمجھائیں اس شوخ کو ذرا راہ پر لائیں اس شوخ کو
کرے میری تدبیر بے چارگی زمانہ بدل جائے یک بارگی
مرا دور آ جائے تو سیر ہو کہ پامالِ جان و دلِ غیر ہو
مرے بن ملے اس سے ٹھہرا نہ جائے مرے پاس آئے تو گھبرا نہ جائے
نہ لے پھر مرے گھر سے جانے کا نام چلے میرے کہنے پہ وہ خوش خرام
نہ ہو صبر پھر بے قراری کو دیکھ کرے دل دہی جاں نثاری کو دیکھ
نہ پے ہم یہ جور و جفا ہو سکے نہ یوں امتحانِ وفا ہو سکے
مری حالتِ زار دیکھی نہ جائے مری چشم خوں بار دیکھی نہ جائے
جو نیلِ تمنا میں تاخیر ہو مکافاتِ حسرت کی تدبیر ہو
شب و روز ہوں گردشیں جام کی تلافی کرے رفتہ ایام کی
پلائے مجھے اپنی جھوٹی شراب کرے ایسے ناکام کو کامیاب
ہنسوں میں، رلائے رقیبوں کو وہ مری طرح روئے نصیبوں کو وہ
نہ پروا کہ ہے منہ دکھاتا کبھی ترستے رہیں دیکھنے کو سبھی
شرارت کرے آتش افروزیاں جلانے کو ہوں میرے دل سوزیاں
مری ہر طرح جاں نوازی کرے بلا سے کوئی پھر جیئے یا مرے
نہ ہو تنگ گر بھینچ ڈالا کروں نہ ملنے کا بدلا نکالا کروں
سدا دل بری، دل ستانی کرے عنایت کرے، مہربانی کرے
کبھی مجھ سے ہرگز کنارا نہ ہو نہ ہو بوالہوس کا گزارا نہ ہو
لگے جی نہ میرے مکاں کے سوا نہ ٹھہرے کہیں جان، یاں کے سوا
مزا میرے ہی ساتھ کھانے میں آئے اگر یوں نعیم جناں ہو[1] نہ بھائے
لگے ذکر کیا ہے پلک سے پلک نہ ہو میرے بازو پہ سر جب تلک

۱- مصرع ثانی اول و دوم (صفحہ ۳۵۱، ۲۸۷) میں: "اگر یوں نعیم جناں ہو بھائے" ہے لیکن طبع ششم (صفحہ ۳۱۷) میں اس طرح ہے: اگر یوں نعیم جناں ہو نہ بھائے"۔ (مرتب)

مرے پاس آ لیٹے جوں[1] شام آئے مرے ساتھ سونے میں آرام آئے
شکر ریز رغبت مذاقِ طلب ملائے ہی رکھے، مرے لب سے لب
جو اٹھوں تو اٹھ جائے وہ پاس سے نہ پھرنے دے گرد اپنے وسواس سے
محبت میں بھی جان دینے نہ دے بلائیں اگر لوں تو لینے نہ دے
کرے معتقد ساتھ جاؤں جہاں پسِ امتحاں بھی رہے بد گماں
میں[2] قابو میں تو بھی وہ بے اختیار وفا پر وفا کا نہ ہو اعتبار
رکھے مجھ کو، جیسا میں اس کو عزیز نہ مشوق و عاشق میں ہو کچھ تمیز
مہیا ہوں عشرت کے سامان سب نکالے مرے دل کے ارمان سب
بس اب چپ کہ مومن دعا ہو چکی بہت زاری و التجا ہو چکی
ہر اک شعر میں جلوہ گر ہے قبول تضرع سے بعد اثر کیا حصول
دلِ سامعیں محو تاثیر ہے دعا ہے کہ افسونِ تسخیر ہے
مبارک وصال تمنائے وصل تجلیِ مہ[3] رو و شب ہائے وصل

مثنوی
بہ مضمونِ جہاد

پلا مجھ کو ساقی شرابِ طہور کہ اعضا شکن ہے خمارِ فجور
کوئی جرعہ دے دیں فزا جام کا کہ آجائے بس نشہ اسلام کا
بہ رنگِ مے ایماں کو آجائے جوش نہ اپنا رہے اور نہ دنیا کا ہوش
عنادِ نہفتہ کو ظاہر کروں دمِ تیغ سے قتلِ کافر کروں
بجے تشنہ کامی سبو در سبو پیوں شوق سے ملحدوں کا لہو
یہی اب تو کچھ آگیا ہے خیال کہ گردن کشوں کو کروں پائمال
بہت کوشش و جاں نثاری کروں کہ شرعِ پیمبر کو جاری کروں
کھادوں بس انجام الحاد کا نہ چھوڑوں کہیں نام الحاد کا

---

[1] نسخۂ طبع اول و دوم میں "جوں" اور طبع ششم (صفحہ ۳۱۷) میں "جو" ہے۔(مرتب)
[2] نسخۂ اول و دوم نول کشور میں "میں" اور نسخۂ طبع ششم (صفحہ ۳۱۷) میں "جو" ہے۔(مرتب)
[3] نسخۂ طبع اول (صفحہ ۲۵۱) میں "مہ و رو و" ہے، لیکن طبع دوم اور ششم (صفحہ ۲۸۷، ۳۱۷) میں "مہ رو و" درست ہے (مرتب)

نہ کیوں کر ہوں اس کام میں ناشکیب
ظہورِ امامِ زماں ہے قریب

وہ خضرِ طریقِ رسولِ خدا
کہ جو پیرو اس کا ہے سو پیشوا

وہ نورِ مجسم، وہ ظلِ الٰہ
کہ سایے سے جس کے تجلی مہر و ماہ

زہے سیدِ احمد قبولِ خدا
سرِ امتانِ رسولِ خدا

نکو گوہری کا نہ پوچھو شرف
علی و حسین و حسن کا خلف

رہے حشر تک زندہ وہ نیک ذات
ہے کفار کی موت اس کی حیات

خدا نے مجاہد بنایا اسے
سرِ قتلِ کفار آیا اسے

دم اس دست و بازو پہ دیوے اجل
لبِ تیغ کے بوسے لیوے اجل

جلو میں ہمیشہ رواں ہو ظفر
رکاب اس کی پکڑے رواں ہو ظفر

کہوں کیا لوائے امامت کا اوج
کہ ہیں غوث و ابدال سب اہلِ فوج

خبردار ہو جاؤ اے اہلِ دل
کہ رحمت برستی ہے اب متصل

ہوا مجتمع لشکرِ اسلام کا
اگر ہو سکے وقت ہے کام کا

ضرور ایسے مجمع میں ہونا شریک
کہ خوش تم سے ہو وحدہٗ لاشریک

جو داخل سپاہِ خدا میں ہوا
فدا جی سے راہِ خدا میں ہوا

حبیب، حبیبِ خداوند ہے
خداوند اس سے رضا مند ہے

امامِ زمانہ کی یاری کرو
خدا کے لیے جاں نثاری کرو

سمجھ لو جو کچھ بھی ہے تم کو تمیز
نہ جاں آفریں سے کرو جاں عزیز

کسی کو نہیں ہے اجل کی خبر
کہ آجائے بیٹھے ہوئے اپنے گھر

تو مقدور کس کا کہ آنے نہ دے
تنِ خستہ سے جاں کو جانے نہ دے

تو بہتر یہی ہے کہ جاں کام آئے
پسِ مرگ تربت میں آرام آئے

قیامت کو اٹھو تو تم بامراد
لبِ "الحمد" گو اور دل شاد شاد

عجب وقت ہے یہ جو ہمت کرو
حیاتِ ابد ہے گر اس دم مرو

جو ہے عمر باقی تو غازی ہو تم
سزاوارِ گردن فرازی ہو تم

یہ ملکِ جہاں ہے تمھارے لیے
نعیمِ جناں ہے تمھارے لیے

شراکت یہاں کی ہے طالع کا اوج
کہ ایسا امام اور ایسی ہے فوج

سعادت ہے جو جاں فشانی کرے
یہاں اور واں کامرانی کرے

لکھی مجھے بھی شہادت نصیب یہ افضل سے افضل عبادت نصیب
الٰہی اگرچہ ہوں میں تیرہ کار پہ تیرے کرم کا ہوں امیدوار
تو اپنی عنایت سے توفیق دے عروجِ شہید اور صدیق دے
کرم کر نکال اب یہاں سے مجھے ملا دے امامِ زماں سے مجھے
یہ دعوت ہو مقبول درگاہ میں مری جاں فدا ہو تری راہ میں
میں گنجِ شہیداں میں مسرور ہوں اسی فوج کے ساتھ محشور ہوں

نامۂ مومنِ جاں باز
بہ جانب محبوبۂ دل نواز

اے چارہ گرِ مریض بے تاب اے نور فزائے چشمِ بے خواب
مرہم نہ زخم ہائے عاشق دردِ عاشق، دوائے عاشق
اے نبض شناسِ جانِ مضطر ناسور زدائے دیدۂ تر
اے مایۂ لطف زندگانی جاں بخش وفائے جاودانی
اے جانِ وفا شعار مومن درمانِ دل فگار مومن
میان آپ کا ان دنوں کدھر ہے کچھ حال کی میرے بھی خبر ہے
بیمار ہوں اور قریبِ مردن ہر دم ہے عذابِ جاں سپردن
ہے گرم ادائے دل فریبی جاں سوز حرارتِ غریبی
کہ آگ سی لگ رہی ہے تن میں شعلے سے بھڑکتے ہیں بدن میں
بستر کئی بار سب جلایا اس آگ نے خاک میں ملایا
گر یوں ہی جلا کیا میں ناکام تو فرشِ زمیں ہے اور آرام
کیا عضو گدازیاں کہوں میں انگشت نمائے شمع ہوں میں
بے تاب طبیب دور سے ہیں ہمسایوں کے گھر تنور سے ہیں
سرکش ہیں زبانہ ہائے پے ہم کوچہ ہے تمام دخمۂ جم
کتنے ہی مجوس جل گئے ہیں کتنوں ہی کے پاؤں تل گئے ہیں
گر آئے تو دور دور سے ہیں پر پاس تو ناصبور سے ہیں

گرمی یہی گر ہے کوئی دن یاں — ہو جائیں گے برہمن مسلماں
پروانہ ہے گرچہ دل سے مجھ پر — پر جلتے ہیں یاں طبیب کے
پاس آنے کی تاب کاہے کو ہے — جل جانے کی تاب کاہے کو ہے
سب جوشِ عرق سے گھل گیا جسم — ہر عضو میں کیا رہا بہ جز اسم
بحرِ ظلمات موج زن ہے — دریاے فرات موج زن ہے
ہے شرم سے نیل پانی پانی — موجِ عماں نے گھٹن مانی
سب پاس کے جگر گسستہ پیوند — طوفاں زدہ کشتیوں کی مانند
جوشِ خفقاں سے دل کا یہ حال — ہر شعلۂ سینہ برق تمثال
برہم زدہ صدر تا بر و دوش — تا مغز عظام دھن منقوش
اعصاب رہین سر بہ سر پیچ — جیسی تری زلف پیچ در پیچ
یوں اوردہ[1] بہ خوں طپیدہ — جیسے رگِ گردن بریدہ
کیا کیجیے صداع کی شکایت — کس دکھ میں ہے اس قدر سرایت
از بس کہ ضماد کر دیا ہے — صندل کو بھی دردِ سر دیا ہے
کیا چارہ گروں کو غیرتیں ہیں — تشخیصِ مرض میں حیرتیں ہیں
اپنی سی تو سوچتے ہیں سب کچھ — آتا نہیں دھیان میں سبب[2] کچھ
خود ہوگئے اس الم میں بیمار — بے علم ہو کیا علاج و تیمار
علت مجھے یا ہے تم کو معلوم — جو کچھ کہ ہوا، ہے تم کو معلو
یعنی از بس محرم آیا — ہنگام و فورِ ماتم آ
تھا غم ترا دل کو ناگوارا — اس فکر نے مجھ کو جان! مارا
ہر چند غم امام ہووے — پر تجھ کو نہ غم سے کام ہووے
ہر شب تجھے عشرتِ دل افروز — ہر روز ہو تیرے گھر میں نو روز
ہر شام طرب سعید تجھ کو — ہر صبح ہو صبح عید تجھ کو
ہوں میں بھی شریکِ محفلِ سور — تو مجھ سے رہے، میں تجھ سے مسرور

۱۔ اوردہ — (بہ فتح ہمزہ و کسر را) رگ ہائے غیر جہندہ، رگ ہائے کہ خون را بہ قلب بری گردانند — جمع "ورید" — (فرہنگ عمید، صفحہ ۲۰۷) — (مرتب)

۲۔ طبع اول و دوم (صفحہ ۲۸۲، ۱۷۹) میں "سبب" ہے اور طبع ششم (صفحہ ۳۰۲) "یہ اب" ہے — (مرتب)

نامہ باسوز و گداز

بہ سمتِ معشوقۂ طناز

اے گلِ گلستانِ رعنائی — تو بہارِ ریاضِ زیبائی
اے مہِ آسمانِ حسن و جمال — بے نظیرِ جہانِ وہم و خیال
اے درِ شاہوارِ ناسفتہ — گوہرِ آب دارِ ناسفتہ
اے گلِ تابہ سر نیامدہ ای — اے نہال بہ بر نیامدہ ای
غنچۂ با صبا بہ خوشیدہ — رنجِ گل چیں ہنوز نا دیدہ
اے بت رو بہ دیر نہادہ — در کفِ کافرے نفتادہ
اے دل و دیں بہ یک نگہ بردہ — خون بے چارہ مومنے خوردہ
اے تغافل شعار بے پروا — حال معلوم کیا تجھے میرا
تجھ کو واں لافِ کبریائی ہے — یاں بلا دین و دل پہ آئی ہے
تجھ کو دعویٰ ہے بے نیازی کا — حوصلہ کس کو پاک بازی کا
ہے تجھے پاک دامنی کا خیال — مارے ڈالے ہے مجھ کو شوقِ وصال
کیوں یہ دعوائے لن ترانی ہے — آخر اک دن قیامت آنی ہے
مومنِ ناتواں پہ ناز نہ کر — ہے خدا بھی تو احتراز نہ کر
کس لیے تجھ کو مجھ سے کام نہیں — خون کرنا مگر حرام نہیں
شرطِ دیں ہے جو پاک دامانی — تو ستم بھی ہے نامسلمانی
دیکھ اک بے گناہ مرتا ہے — جان تجھ پر نثار کرتا ہے
مجھ سے عاشق کی یوں دل آزاری — ہووے فی النار ایسی دیں داری
شعلے کی طرح ہاتھ ملتا ہوں — بیمِ دوزخ سے تیری جلتا ہوں
تجھ کو ڈر سوزشِ الیم سے کیا — حور کو آتشِ جحیم سے کیا
عذرِ بے ہودہ دل پسند نہیں — بابِ توبہ ہنوز بند نہیں
ایسے نازک کو کون دے ہے سزا — نوجوانی کا تم اٹھاؤ مزا
ہے بہ فتوائے اہلِ ذوق حرام — تجھ سے شیریں دہن کو تلخی کام
ہیں یہ دن لطفِ زندگانی کے — پھر کہاں ولولے جوانی کے

بے مزا کر نہ عاقبت بینی
نہ رہے گی لبوں میں شیرینی

جب کچوں کو نہ سخت پاؤ گے
سخت جانی سے تنگ آؤ گے

پھر یہ موسم جو یاد آئے گا
شوق کچھ اور گل کھلائے گا

ان دنوں کی جو آئے گی حسرت
کیجیے گا گناہ بے لذت

فائدہ پھر ہوس سے کیا تم کو
مجھ سا مشتاق مل چکا تم کو

میری باتیں نہیں تمھیں معلوم
ورنہ کاہے کو یوں رہوں محروم

میں وفا دار ہوں وفا کی قسم
تیری حسرت فزا جفا کی قسم

بے وفا بندۂ خدا گر ہوں
لیک تجھ سے پھروں تو کافر ہوں

تو جو ہے ہاشمی نسب اے جان
ہے محبت تری مرا ایمان



مجلس ترقی ادب لاہور